ماہنامہ آنچل کی جانب سے ایک اور آنچل

ماہنامہ

حجاب کراچی

قیمت=/60 روپے

READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM

قیمت=/60 روپے صفحات:322

بانی ——— زینب النساء

فرحت آراء

مدیراعلیٰ ——— مشتاق احمد قریشی

مدیرہ ——— قیصر آراء

نائب مدیرہ ——— سعیدہ نثار

مدیر معاونین ——— ندا رضوان

مدیر خصوصی ——— طاہر احمد قریشی

ماہنامہ حجاب

مجلس مشاورت

اقرا صغیر احمد	طلعت نظامی
نازیہ کنول نازی	نزہت جبیں ضیاء
سمیرا شریف طور	نادیہ فاطمہ رضوی
راحت وفا	عثمان عبداللہ

01

02

20

300-826

info.hijab@gmail.com

aanchalpk.com

ابتدائیہ

امہات المومنین

ذکر اس پری وش کا

رنگ سخن

آغوش مادر

جھلمل ستارے

ملاقات

سلسلہ وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

پبلشر: مشتاق احمد قریشی پرنٹر: جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس

ہاکی اسٹیڈیم کراچی دفتر کا پتا: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی ـ 74400

مستقل سلسلے

خط وکتابت کا پتہ: "آنچل" پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74200 فون: 021-35620771/2

021-35620773 کے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز۔ ای میل info@aanchal.com.pk

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دسمبر ۲۰۱۵ء کا حجاب حاضر مطالعہ ہے۔

شکریہ شکریہ...... جزاک اللہ...... اللہ تبارک وتعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہی ہے اللہ کا بڑا احسان وکرم ہے اس نے حجاب کی کوشش کو ہماری توقعات اور امیدوں سے کہیں بڑھ کر نوازا ہے۔ میں اور میری ساتھی کارکنوں کی جس طرح آپ بہنوں نے حوصلہ افزائی کی اور حجاب کی پذیرائی کی اس کے لیے الفاظ نہیں کہ میں بہنوں کا شکریہ ادا کرسکوں۔ یقین جانیں کہ حجاب کی کامیابی سراسر آپ بہنوں کی محبت اور تعلق کی مظہر ہے۔ آپ نے جس طرح اعتماد کا اظہار کیا اس سے میرا اور میری ساتھی کارکنوں کا نہ صرف حوصلہ بڑھا ہے بلکہ حجاب کے ساتھ ساتھ آنچل کو مزید سجانے سنوارنے کی راہ بھی ملی ہے قاری بہنوں نے بلکہ لکھاری بہنوں نے بھی اپنی خوب صورت تحریروں سے نوازا اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس کے لیے میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آپ قدم بقدم اسی طرح رہنمائی کرتی رہیں گی۔

نئی لکھنے والی بہنوں سے گزارش ہے کہ وہ پہلے آنچل اور حجاب میں شائع شدہ تحریریں غور سے پڑھیں ان کے مزاج کو سمجھیں اور پھر کوشش کریں اس بار خصوصاً نئی لکھنے والی بہنوں نے ایک دھاوا بول دیا ہے ڈھیر ساری نئی تحریریں ملی ہیں۔ میں ان تمام نئی لکھنے والی بہنوں کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انہوں نے حجاب کے لیے اپنی محبت کا ثبوت اپنی تحریر کے ذریعہ دیا ہے لیکن افسوس کہ ان میں سے اکثر تحریریں ناقابل اشاعت ہیں۔ یقیناً یہ بات بھی درست ہے کہ نئی لکھنے والیاں ہی پرانی اور کہنہ مشق بنتی ہیں لیکن اس کے لیے بڑی محنت اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی تحریر کے رد ہونے سے مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ پہلے سے زیادہ کوشش اور لگن سے آگے اور آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ لکھنے والی بہنوں کے بڑے بڑے نام اچانک ایک روز میں نہیں بن گئے انہوں نے بڑی محنت اور لگن سے مسلسل کوشش کی ہے تب جا کر آج وہ اس بلند مقام کو حاصل کرسکی ہیں۔

ایک بار پھر اپنی تمام بہنوں کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ وہ آنچل اور حجاب کو اپنے بھرپور تعاون سے نوازتی رہیں گی۔

❖❖ اس ماہ کے ستارے ❖❖

- ☆ آ گئے چاہتوں کے موسم — پیار کی برکھا رت میں چاہتوں کی خوشبو لیے شازیہ مصطفیٰ کا خوب صورت ناول۔
- ☆ میں ایسی قوم سے ہوں — نوخیز کلیوں کی دردناک داستان لیے حریم الیاس پہلی بار شریک محفل ہیں۔
- ☆ بُر سہ — سماجی ومعاشرتی برائیوں کی نشاندہی کرتا حمیرا نوشین کا مختصر ومؤثر افسانہ۔
- ☆ داغ دریچۂ دوپہر — فرسودہ رسم ورواج کے خلاف آواز اٹھاتی فرحین اظفر کی خوب صورت ومنفرد تحریر۔
- ☆ وفا ہے ذات عورت کی — محبت کے نام پر بنت حوا کو کیسے آزمایا جاتا ہے آپ بھی جانیے زینب اصغر کی زبانی۔
- ☆ آ میرے بخت کی روشنی — قسمت کی تاریکیوں کو مات دے کر محبت کی روشنی عطا کرنے والی ام ایمان ایک نئے انداز میں جلوہ گر ہیں۔
- ☆ تم ہی یقین ہو — یقین، اعتماد ومحبت کے سانچے میں ڈھلا عالیہ حرا دلکش انداز میں اپنے ناول کے سنگ جلوہ گر ہیں۔
- ☆ قبولیت — محبت کے سراب کے پیچھے بھاگتی ننھی لڑکی کی تحریر جہاں اس کا مقدر صرف تنہائی بنا سمیہ عثمان کے مؤثر انداز میں۔
- ☆ فرصت کے رات دن — "دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن" کی عملی تفسیر پیش کرتی شازیہ خان پہلی بار شامل محفل ہیں۔
- ☆ منزل مل ہی گئی — طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد جب منزل قدم چومتی ہے تو ساری تھکن کافور ہوجاتی ہے نسیم سحر کے مؤثر انداز میں۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

آواز تیری روح میں
آثار تیرے ذہن میں
نغمہ تیرا آفاق میں
پرچم تیرے افلاک پر
سارے ملائک نغمہ خواں
سارے شجر سارے حجر
افلاک کے سارے نجوم
یہ قرص روشن چاند کا
سورج کا زریں پیرہن
تیری صفات بے کراں
ہر شے سے پیدا ہیں یہاں

تو حرف دعا ہے مرے مولاؐ مرے آقاﷺ
رحمت کی نوا ہے مرے مولاؐ مرے آقاﷺ
گرداب بلا میں ہے ترا نام سفینہ
تو موج کشا ہے میرے مولاؐ مرے آقاﷺ
اس حد مکانی سے گزر کر ترا نغمہ
میں نے بھی سنا ہے مرے مولاؐ مرے آقاﷺ
بکھرے ہوئے لمحوں میں سلامت ہیں دل و جاں
تیری عطا ہے مرے مولاؐ مرے آقاﷺ
تسکین دل و جاں کی ہر اک صورت مطلوب
طیبہ کی ہوا ہے مرے مولاؐ مرے آقاﷺ
وہ گنبد خضریٰ کے قریں طائر تنہا
کشفی کی نوا ہے مرے مولا مرے آقاﷺ

(ڈاکٹر ابوالخیر کشفی)

حضرت عائشہ صدیقہؓ

حضرت عائشہ صدیقہؓ اکبر حضرت ابوبکرؓ (بن ابی قحافہ بن عمر بن عامر بن کعب بن یتیم) کی دختر نیک اختر تھیں، والدہ کا نام ام رومانؓ بنت عامر تھا۔

آپ بعثت نبویؐ کے چار سال بعد ماہ شوال میں پیدا ہوئیں۔

عائشہؓ صدیقہ کا زمانہ طفولیت صدیق اکبرؓ جیسے جلیل القدر باپ کے زیر سایہ بسر ہوا۔ وہ بچپن ہی سے بے حد ذہین اور ہوش مند تھیں۔ اپنے بچپن کی تمام باتیں انہیں یاد تھیں، کسی دوسرے صحابی یا صحابیہ کی یادداشت اتنی اچھی نہ تھی۔

چھ سال کی عمر میں حضرت عائشہ ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں۔

حضرت عائشہ کا نکاح انتہائی سادگی سے ہوا، وہ فرماتی تھیں۔

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرمایا تو میں اپنی ہم جولیوں کے ساتھ کھیلا کرتی تھی، مجھے اس نکاح کا حال تک معلوم نہ ہوا تھا کہ میری والدہ نے مجھے گھر سے باہر نکلنے سے منع کردیا۔"

عائشہ صدیقہؓ پیدائشی مسلمان تھیں ان سے روایت ہے کہ "جب سے میں نے اپنے والدین کو پہچانا انہیں مسلمان پایا۔" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ پر روز ازل سے کفر و شرک کا سایہ تک نہ پڑا۔

حضرت عائشہ سے نکاح کے تین سال بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف حضرت ابوبکرؓ کی معیت میں ہجرت فرمائی۔ مدینہ پہنچ کر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زید بن حارثہؓ ابو رافع اور عبداللہ بن اریقط کو اپنے اہل و عیال لانے کے لیے مکہ بھیجا۔ واپسی پر حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ حضرت فاطمۃ الزہراؓ حضرت ام کلثومؓ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ، ام ایمنؓ اور اسامہؓ بن زید تھے۔ عبداللہ بن اریقط کے ہمراہ عبداللہ بن ابوبکر، ام رومان (والدہ عائشہ صدیقہؓ) عائشہ صدیقہؓ اور اسما بنت ابی بکرؓ تھیں۔

مدینہ پہنچ کر حضرت عائشہؓ خطہ بنو حارث میں اپنے والد محترم کے گھر اتریں۔ مدینہ کی آب و ہوا شروع میں مہاجرین کو موافق نہ آئی۔ حضرت ابوبکر صدیق سخت بیمار ہوگئے، حضرت عائشہ صدیقہؓ نے نہایت تندہی سے ان کی تیمارداری کی جب وہ صحت یاب ہوئے تو خود بیمار ہوگئیں۔ مرض کا حملہ اتنا شدید تھا کہ سر کے بال گر گئے تاہم جان بچ گئی۔ جب صحت بحال ہوئی تو صدیق اکبرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔

"یارسول اللہ! عائشہؓ کو آپ رخصت کیوں نہیں کرالیتے۔"

فرمایا۔ "فی الحال میرے پاس مہر نہیں ہے۔" جناب صدیق اکبرؓ نے اپنے پاس سے پانچ سو درہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور قرض حسنہ پیش کیے جو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیے اور وہی حضرت عائشہ کے پاس بھیج کر انہیں شوال سنہ 1ھ میں رخصت کرالیا اس وقت عائشہ صدیقہؓ کی عمر نو سال اور بعض روایتوں کے مطابق بارہ برس تھی۔

رخصتی کے بعد سب سے اہم واقعہ جو حضرت عائشہؓ کو پیش آیا وہ جنگ احد میں ان کی شرکت تھی۔ میدان جنگ میں وہ ام سلیمؓ کے ہمراہ دوڑ دوڑ کر زخمیوں کو پانی پلارہی تھیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر اڑی تو مدینہ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت صفیہؓ، سیدہ النساء فاطمۃ الزہرہؓ اور دوسری خواتین اسلام دیوانہ وار میدان جنگ کی طرف لپکیں، وہاں پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلامت دیکھ کر سجدہ شکر بجالائیں۔ ان سب نے مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو دھویا اور پھر مشکیزے

سنبھال کر زخمیوں کو پانی پلانا شروع کیا جب دوسرے صحابہ کرامؓ جو ادھر اُدھر منتشر تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہونے شروع ہوئے تو مدینہ واپس تشریف لائیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حیات مبارکہ کے چار واقعات بے حد اہم ہیں' افک' ابلا' تحریم اور تخییر۔

(1) افک کا واقعہ یوں پیش آیا کہ غزوہ مصطلق کے سفر میں حضرت عائشہ صدیقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں۔ راستے میں ایک جگہ رات کو قافلے نے قیام کیا حضرت عائشہؓ رفع حاجت کے لیے پڑاؤ سے دور نکل گئیں وہاں ان کے گلے کا ہار جو اپنی بہن اسمٰؓ سے مانگ کر لائی تھیں بے خبری کے عالم میں گر گیا۔ واپسی پر پتا چلا تو بہت مضطرب ہوئیں پھر اسی سمت واپس لوٹیں خیال کیا کہ قافلے کے چلنے سے پہلے ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچ جائیں گی۔ جب ہار ڈھونڈ کر واپس پہنچیں تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ بہت گھبرائیں نا تجربہ کاری کی عمر تھی' چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ گئیں۔

حضرت صفوان بن معطلؓ ایک صحابی کسی انتظامی ضرورت کے سلسلہ میں قافلے سے پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے عائشہ صدیقہؓ کو پہچان لیا کیونکہ بچپن میں انہیں دیکھا ہوا تھا ان سے پیچھے رہ جانے کا سبب پوچھا جب واقعہ معلوم ہوا تو بہت ہمدردی کی اور ام المومنینؓ کو اونٹ پر بٹھا کر عجلت سے قافلے کی طرف روانہ ہوئے اور دوپہر کے وقت قافلہ میں جا ملے۔ مشہور منافق عبداللہ بن ابی کو جب اس واقعہ کا پتا چلا تو اس نے جنابہ صدیقہؓ کے متعلق مشہور کر دیا کہ وہ باعصمت نہیں رہیں۔ چند سادہ لوح مسلمان بھی غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ جناب رسالت مآب کو بھی قدرتاً تشویش پیدا ہوئی' حضرت عائشہ صدیقہؓ ناحق بدنامی کے صدمہ سے بیمار ہو گئیں اس وقت غیرت الٰہی جوش میں آ گئی اور آیۂ برات نازل ہوئی۔

یعنی جب تم نے یہ سنا تو مومن مردوں اور عورتوں کی نسبت نیک گمان کیوں نہیں کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح تہمت ہے

آیۂ برات کے نزول سے دشمنوں کے منہ سیاہ ہو گئے۔ سادہ لوح مسلمان جو غلط فہمی کا شکار تھے خود شرمندہ ہوئے اور نہایت عاجزی سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے معافی مانگی۔ حضرت عائشہؓ اور ان کے والدین کو بے حد مسرت ہوئی' عائشہ صدیقہؓ کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ انہوں نے فرمایا میں صرف اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں اور کسی کی ممنون نہیں۔

حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طہارت میں بہت اہتمام فرماتے اور اپنی مسواک بار بار دھلوایا کرتے۔ خدمت کی انجام دہی حضرت عائشہ ہی کے سپرد تھی۔

حضرت عائشہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جان چھڑکتی تھیں۔ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ رات کے وقت اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے۔ جب حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھلی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موجود نہ پایا تو سخت پریشان ہوئیں' دیوانہ وار اٹھیں اور ادھر اُدھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں سرگرداں ہو گئیں۔ آخر انہوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گوشہ میں خاموشی سے یاد الٰہی میں مصروف ہیں تب کہیں جا کر انہیں اطمینان ہوا۔

آپؓ دن رات کا زیادہ حصہ عبادت میں یا لوگوں کو مسائل بتانے میں صرف کرتی تھیں۔ ان کا دل مہر و محبت اور عفو و شفقت کا خزینہ تھا' دشمنوں اور مخالفوں کو معاف کر دیتیں۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے 17 رمضان 58 ہجری میں تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ لوگوں نے نہایت کثرت سے اس رات مشعلیں روشن کر لی تھیں' ان کے انتقال سے تمام عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی۔ وصیت کے مطابق رات کو بعد نماز وتر کے جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے نماز جنازہ پڑھائی' لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ ایسا پہلے کبھی نہ دیکھا گیا تھا۔

عورت کی ذمہ داری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ عورت کے ذمے دنیا کے کسی فرد کی خدمت واجب نہیں نہ اس کے ذمے کوئی ذمہ داری ہے اور نہ اس کے کاندھوں پر کسی کی ذمہ داری کا بوجھ ہے۔ تم ہر بوجھ اور ہر ذمہ داری سے آزاد ہو لیکن صرف ایک بات ہے کہ تم اپنے گھر میں قرار سے رہو اور اپنے شوہر کی اطاعت کرو اور اپنے بچوں کی تربیت کرو۔ یہ تمہارا فریضہ ہے اور اس کے ذریعہ قوم کی تعمیر کررہی ہو اور اس کی معمار بن رہی ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں عزت کا یہ مقام دیا تھا اب تم میں سے جو چاہے اس عزت کے مقام کو اختیار کرے اور جو چاہے ذلت کے مقام کو اختیار کرے جو آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔

وہ عورت سیدھی جنت میں جائے گی:۔

حضرت ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس عورت کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ اس کا شوہر اس سے خوش ہو تو وہ سیدھی جنت میں جائے گی۔''

وہ تمہارے پاس چند دن کا مہمان ہے:۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کبھی کوئی بیوی اپنے شوہر کو کوئی تکلیف پہنچاتی ہے (اس لیے کہ بسا اوقات عورت کی طبیعت سلامتی کی حامل نہیں ہوتی اور اس کی طبیعت میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور اس فساد اور بگاڑ کے نتیجے میں اپنے شوہر کو تکلیف پہنچا رہی ہو) تو اس کے شوہر کی جو بیویاں اللہ تبارک تعالیٰ نے جنت میں حوروں کی شکل میں اس کے لیے مقدر فرمائی ہیں وہ حوریں جنت سے اس دنیاوی بیوی سے خطاب کرکے کہتی ہیں کہ:۔

''تو اس کو تکلیف مت پہنچا اس لیے کہ یہ تمہارے پاس چند دن کا مہمان ہے اور قریب ہے کہ وہ تم سے جدا ہوکر ہمارے پاس آجائے۔''

یہ بات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فساد طبیعت رکھنے والی بیوی کو متوجہ کرکے فرما رہے ہیں کہ تم اپنے شوہر کو جو تکلیف پہنچا رہی ہو اس سے اس کا کچھ نہیں بگڑتا اس لیے کہ دنیا میں تو اس کو جو چاہو گی تکلیف پہنچادو گی لیکن آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا رشتہ ایسی ''حورعین'' کے ساتھ قائم فرمادیں گے جو ان شوہروں سے اتنی محبت کرتی ہیں کہ ان کے دل کو ابھی سے اس بات کی تکلیف ہورہی ہے کہ دنیا میں ہمارے شوہر کے ساتھ کیسا تکلیف پہنچانے والا معاملہ کیا جارہا ہے؟

مردوں کے لیے شدید ترین آزمائش:۔

حضرت اسامہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''میں نے اپنے بعد کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا' جو مردوں کے لیے زیادہ نقصان دہ ہو' بہ نسبت عورتوں کے فتنے کے' عورتوں کا فتنہ اس دنیا میں مردوں کے لیے شدید ترین فتنہ ہے۔ اس حدیث کی اگر تشریح لکھی جائے تو ایک ضخیم کتاب (بہت بڑی کتاب) لکھی جاسکتی ہے کہ یہ عورتیں مردوں کے لیے کس کس طریقے سے فتنہ ہیں۔

عورت کس طرح آزمائش ہے؟

فتنہ کے معنی ہیں ''آزمائش'' اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اس دنیا میں مردوں کی آزمائش کے لیے مقرر فرمایا ہے اور یہ عورت کس کس طریقے سے آزمائش ہے؟

ایک مختصر مجلس میں اس کا احاطہ ممکن نہیں۔

پہلی آزمائش:۔

یہ عورت اس طریقے سے بھی آزمائش ہے جس طریقے سے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ پیش آئی یعنی مرد کی طبیعت میں عورت کی طرف کشش کا ایک میلان رکھا گیا ہے۔ اب اس کے حلال راستے بھی بیان کردیے اور حرام راستے بھی بیان کردیے۔ اب آزمائش اس طرح ہے کہ یہ مرد حلال کا راستہ اختیار کرتا ہے یا حرام کا راستہ اختیار کرتا ہے؟ یہ مرد کے لیے سب سے بڑی آزمائش ہے۔

دوسری آزمائش

اس کے ذریعے دوسری آزمائش اس طرح ہے کہ یہ بیوی جو اس کے لیے حلال ہے اس کے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہے؟ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے ویسا سلوک کرتا ہے یا اس کی حق تلفی کرتا ہے۔

تیسری آزمائش

یہ ہے کہ یہ شخص بیوی کی محبت اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں ایسا غلو اور انہاک تو نہیں کرتا کہ اس کے مقابلے میں دین کے احکام کو پس پشت ڈال دے یہ تو اس نے سن لیا کہ بیوی کو خوش کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے لیکن اب حرام اور ناجائز کاموں میں بھی اس کی دلجوئی کررہا ہے اور اس کی صحیح دینی تربیت نہیں کررہا ہے۔ اس طرح بھی یہ آزمائش ہے اس لیے کہ مرد کو دونوں طرف خیال رکھنا ہے ایک طرف محبت کا تقاضا یہ ہے کہ بیوی پر روک ٹوک نہ کرے اور دوسری طرف دین کا تقاضا یہ ہے کہ خلاف شرع کاموں پر روک ٹوک کرے۔

خلاصہ کلام

غرض آزمائشوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق ہی سے انسان ان تمام آزمائشوں سے سرخروئی کے ساتھ اس طرح نکل سکتا ہے کہ اس کے حقوق بھی ادا کرے اس کی تعلیم وتربیت کا بھی خیال رکھے۔ اس کے نفع ونقصان کا بھی خیال رکھے اور حرام کی طرف بھی متوجہ نہ ہو ان تمام باتوں کا خیال رکھنا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص توفیق ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔

عورتوں کی آزمائش سے بچنے کی دعا

اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تلقین فرمائی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ماثور دعاؤں میں سے ہے کہ

اللھم انی اعوذبک من فتنۃ النساء (التیسیر بشرح الجامع الصغیر للمناوی : ۱/۴۴۹) فیض القدیر : ۲/۱۸۸)

"اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں عورتوں کی فتنے سے اشارہ اس بات کی طرف کردیا کہ اس آزمائش میں کھرا اترنا اور سرخرو ہونا اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق کے بغیر ممکن نہیں لہٰذا انسان کو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ! مجھے اس آزمائش میں پورا اتار دیجیے اور بھٹکنے پھسلنے اور غلطی کا مرتکب ہونے سے بچالیجیے اس لیے اس ماثور دعا کو اپنی دعاؤں میں شامل کرلینا چاہیے۔

❀

راشدہ جمیل

حجاب اسٹاف اور تمام بہنوں کو اس سویٹ سی راشی کی جانب سے بہت سلام۔ آخر ہم نے حجاب میں انٹری دے دی۔ تو جناب ہم سے ملئے ہم ہیں راشدہ جمیل۔ 12 اگست کی ایک حسین شام کو صادق آباد کے خوب صورت گاؤں 186 پی میں پیدا ہوئی۔ میرا اسٹار لیو ہے لیکن میں اسٹارز پر یقین نہیں رکھتی۔ ہماری کاسٹ کمبوہ ہے' حال ہی میں میٹرک فرسٹ ڈویژن میں کلیئر کیا ہے اور اب میں انٹر فرسٹ ائیر کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ ہم پانچ بہنیں اور دو بھائی ہیں' سب سے بڑی طاہرہ آپی پھر عابی پھر میں یعنی راشی پھر رابعہ حفصہ اینڈ زبیر اور پھر سب سے چھوٹا بھائی احد جو بہت شرارتی ہے۔ میری اپنی بہن بھائیوں سے جھڑپ ہوتی رہتی ہے۔ ہم بہت انجوائے کرتے ہیں' مجھے صاف گو اور سادہ لوگ اچھے لگتے ہیں' خود بھی سادہ ہوں۔ کہا جاتا ہے اصل حسن سادگی میں ہے' اسی لیے تو میں خوب صورت ہوں (ہائے رے خوش فہمی)۔ میری بیسٹ فرینڈز شنیلا اینڈ سعدیہ جن کا ذکر نہ کیا تو میرا تعارف ادھورا لگے گا۔ مجھے اپنی فرینڈز بہت عزیز ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں تمام خوشیاں عطا فرمائے' آمین۔ گھومنے اور سیر سپاٹے کا بہت شوق ہے' شرارتیں بہت کرتی ہوں اور امی سے ڈانٹ ہمیشہ کھاتی ہوں (سمجھا کرو نا یار اس کے بغیر سکون نہیں ملتا)۔ زندگی انجوائے کرتی ہوں' بار بار تھوڑی ملتی ہے۔ موسموں میں سردی کا موسم بہت اچھا لگتا ہے' نرم گرم بستر میں چھپ کر ڈائجسٹ پڑھنے کا بڑا مزا آتا ہے۔ کلرز میں ریڈ اینڈ بلیک میرے فیورٹ ہیں ویسے مجھ پر ہر کلر سوٹ کرتا ہے (سچی مچی)۔ لباس میں لانگ شرٹ' ٹراؤزر' فراک' ساڑھی اور میکسی اٹریکٹ کرتی ہیں۔ کھانے میں بریانی' چائنیز رائس اور برگر بہت پسند ہے۔ سویٹ ڈش میں کسٹرڈ اور آئس کریم کھانے کا بہت مزا آتا ہے۔ اب آپ میری خوبیاں اور خامیاں جاننے کا اعزاز بھی حاصل کر لیجیے (ہاہاہا)۔ خوبیاں یہ ہیں کہ کافی کول مائنڈڈ لڑکی ہوں' کسی سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتی۔ خامیاں یہ ہیں کہ جلد کسی سے فری نہیں ہوتی' اس لیے کچھ لوگ مجھے مغرور سمجھتے ہیں۔ فارغ وقت میں دوستوں اور کزنز کو ایس ایم ایس کرتی ہوں اور میوزک سنتی ہوں' سنگرز میں راحت فتح علی خان پسند ہیں۔ اب آتے ہیں آنچل کی طرف' آنچل سے وابستگی بہت پرانی ہے۔ کرن' خواتین' شعاع اور آنچل ڈائجسٹ پڑھتی ہوں اب حجاب بھی پڑھوں گی۔ آخر میں اس میسج کے ساتھ اجازت چاہتی ہوں کہ ہر وقت ہنستے رہو اور دوسروں کو ہنساتے رہو' زندگی بہت مختصر ہے اس کا ایک ایک لمحہ بھرپور طریقے سے جئیں۔ خوشیاں اور غم دونوں بانٹیں' اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

حجاب وآنچل پرستان کی تمام پریوں اور قارئین' اسٹاف اور کوٹ قیصرانی کی تمام کڑیوں کو منزہ جبین کا چاہت سے بھرا پرخلوص سلام قبول ہو۔ جی تو جناب اپنی تمام تر خوبیوں' خامیوں' خواہشوں' احساسات اور جذبات کے ساتھ اپنا چنا منا سا تعارف لیے منزہ جبین حاضر ہے پیار سے مابدولت کو بچی بھی کہتے ہیں' آپ کے من میں جو بھی آئے کہہ سکتے ہیں جی۔ ویسے میرا نام منزہ جبین ہے مگر مجھے منزہ حیدر بہت اچھا لگتا ہے حیدر میرے دادا ابو کا نام تھا کیوں کہ ان کی ڈیتھ ہوچکی ہے کافی عرصہ پہلے' اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے' آمین۔ ہم دس بہن بھائی ہیں میں پانچویں نمبر پر ہوں' میرے سب بہن بھائی بہت اچھے ہیں مگر مجھے اپنے میخان بھائی کچھ زیادہ ہی نائس لگتے ہیں' ہنسی مذاق تو بہن بھائیوں میں چلتا ہی رہتا ہے بس ایسا کہوں گی کہ میری پوری فیملی ای' ابو بہت کیوٹ ہیں اور میری فیورٹ شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور فیورٹ کتاب قرآن مجید ہے۔ میری ایک بھانجی اور ایک بھانجا ہے جو دونوں ہی کیوٹ ہیں۔ اسکول ٹیچرز میں مس ساجدہ بہت اچھی لگتی ہیں۔ اسٹار پر یقین نہیں کیونکہ میرا رب سوہنا ہمیشہ میرے ساتھ ہے ہر دکھ سکھ میں۔ ہنس مکھ ہونے کے ساتھ بہت سنجیدہ مزاج کی بھی ہوں۔ جن کے ساتھ انڈرسٹینڈنگ ہوجائے وہاں زبان کا رکنا محال اور جہاں نہ ہو تو وہاں زبان کا چلنا محال مگر ایک بات تو ہے کہ جن سے بھی پہلی بار ملوں فٹافٹ دوستی کی آفر آجاتی ہے۔ تاریخ پیدائش 3 جنوری کے خوب صورت دن کو اور خوب صورت بنانے کے لیے ہم نے انٹری دی۔ خامی یہ ہے کہ ہر کسی پر اعتبار کرلینا' غصہ جب آتا ہے تو لہجہ بہت زیادہ سرد اور مؤدب ہوجاتا ہے۔ شعر و شاعری کی بات ہوجائے تو کیا بتائیں شاعری کے بنا تو اپنی زندگی ادھوری لگتی ہے۔ کپڑوں میں فراک' لانگ شرٹ کے ساتھ ٹراوزر اور ساڑھی پہننا اچھا لگتا ہے۔ جیولری میں بریسلیٹ' بالیاں پہننا پسند ہیں۔ کلر میں پرپل' گرین اور کیمل ہی اچھے لگتے ہیں' کھانے میں کڑاہی گوشت فیورٹ ڈش ہے۔ چاول' بھنڈی گوشت' کریلے دال پسند ہیں۔ میٹھے میں کھیر اور کسٹرڈ کھانا اچھا لگتا ہے۔ بارش میں بھیگنا پسند ہے' بائیک اور گاڑی چلانے کا بڑا شوق ہے۔ میری بہت سی فرینڈز ہیں جن میں چاہت' راہی' شازی' غنوی' شائل' نازی' تمنا' شائلہ اور نئی دوست شمع مسکان جس سے آنچل ڈائجسٹ کے ذریعے دوستی ہوئی۔ رائٹرز میں مہک باجی' سباس گل' نازیہ کنول نازی' سمیرا شریف' اقراء صغیر' عمیرہ احمد فیورٹ رائٹرز ہیں۔ ویسے تو سارے پھول اچھے ہیں مگر سرخ گلاب اور کالا گلاب میرے فیورٹ ہیں۔ گانا سننا اچھا لگتا ہے' مجھے اپنی آنکھیں اور گال میں پڑا ڈمپل بے حد پسند ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے پاکستان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے اور حجاب وآنچل ڈائجسٹ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے' آمین۔

السلام علیکم! سویٹ حجاب اسٹاف' رائٹرز اینڈ ریڈرز کو میری طرف سے سلام اور دعا۔ کیسے ہیں آپ

سب؟ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک اور ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔ نک نیم سلو بخاری زندگی شاہ جی اور چھا چھا بچے کہتے ہیں۔ سید فیملی سے تعلق رکھتی ہوں ہم لوگ زمیندار ہیں۔ جھنگ صدر کے گاؤں پیر والا سرگودھا روڈ سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہمارا ڈیرہ چاہ کوڑے شاہ کے نام سے مشہور ہے (میرے پردادا کے نام سے) ہماری فیملی کل آٹھ افراد پر مشتمل ہے پانچ بہن بھائی ہیں۔ میرے ابو سید مختار حسین شاہ سرکاری ملازم تھے اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔ والدہ غلام زینب ایک گھریلو خاتون ہیں۔ بڑے بھائی قیصر عباس اور ان کی ہونے والی بیگم انیلہ قیصر عباس منجھلا بھائی عامر رضا چھوٹا بھائی جو کہ مہمان نواز سمجھ دار اور ہر چیز کو اپنے مقام پر رکھنے والا شہزاد حیدر چوتھے نمبر پر ہیں قائداعظم (مذاق کر رہی ہوں سسٹر)۔ پانچواں نمبر مابدولت کا ہے پیدائش 25 مئی 1996ء کی شام تشریف لائے۔ زیر تعلیم ہوں ہمارے شاہ سائیں ہم لڑکیوں کو پڑھنے نہیں دیتے (پھر بھی کوشش جاری ہے) پردے کے معاملے میں بہت سختی ہے۔ خوبیاں خامیوں ہر انسان میں ہوتی ہیں مجھ میں بھی ہیں کیئرنگ بھی ہوں ایسی کوئی بات نہیں کرتی جس سے اگلے بندے کو شرمندہ ہونا پڑے۔ حساس ہوں بہت جلد لوگوں پر اعتبار کر لیتی ہوں (پھر بعد میں بہت دشواری ہوتی ہے)۔ خامیاں شہزاد سے میں نے پوچھا مجھ میں کون کون سی خامیاں ہیں اس نے لمبی لسٹ لگادی بقول میرے بھائی کہ غصہ بہت جلدی کرتی ہو نک چڑی ہو۔ فخر کرنے والی بھی ہو یہ خوبی بھی ہے اور خامی بھی۔ خود غرض مطلبی نماز نہیں پڑھتی ہوں۔ (بہنوں سے التماس ہے کہ میرے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے پانچ وقت نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے)۔ امی جان سے بہت پیار کرتی ہوں وہ میری بیسٹ فرینڈ بھی ہیں۔ دوستیں ایک دو تھیں لیکن اب نہیں ہیں۔ ڈرپوک بہت ہوں جب رات ہوتی تو اندھیرے سے بہت ڈر لگتا ہے۔ خالہ زاد کزنز میں ٹینا گیلانی حنا بخاری ارم شہزادی صدف شہزادی خالہ زاد کزن کی بیٹی حجاب فاطمہ شہزادی جو بہت پیاری اور چھوٹی سی عمر میں سمجھ دار ہے۔ میری پوری فیملی اس سے بہت پیار کرتی ہے۔ رائٹرز میں نمرہ احمد سمیرا شریف طور مستنصر حسین تارڑ دوسری رائٹر بھی اچھا لکھتی ہیں۔ ناولز میں ''پہلا شہر قراقرم کا تاج محل یہ چاہتیں یہ شدتیں لاحاصل پسند ہے۔ شادی بیاہ ہو تو ساڑھی لہنگا میکسی وغیرہ پہن لیتی ہوں۔ عام طور پر سردی ہو یا گرمی میں بڑا سا دوپٹہ لینا پسند کرتی ہوں اور شلوار قمیص پہنتی ہوں۔ چوڑی دار پاجامہ اچھا نہیں لگتا۔ کوکنگ بھی کر لیتی ہوں سلائی نہیں کرتی دوسرے سب ہی کام آتے ہیں۔ گفٹ دینا اور لینا اچھا لگتا ہے۔ پھول بھی اچھے ہیں لیکن گل ہار پسند ہے۔ سبزی میں کریلے توری گوبھی میتھی مولی مٹر پسند ہے۔ دالوں میں صرف مونگ مسور کی دال پسند ہے۔ فروٹ میں آم ناشپاتی تربوز آلو بخارا پسند ہے۔ کسی بھی چیز کے معاملے میں کمپرومائز کر لیتی ہوں لیکن اپنی زندگی کے اہم فیصلے پر کبھی کمپرومائز نہیں کروں گی کیونکہ حق نہ دینے والا بھی ظالم ہوتا ہے اور نہ لینا بھی ان شاء اللہ اپنا حق حاصل کرنے کی پوری کوشش کروں گی۔ ٹیچرز میں مس رخسانہ الیاس مغل اور سر سعید مغل اچھے لگتے ہیں۔ شاعری کے بارے میں کوئی معلومات نہیں پھر بھی جو اچھی لگے نوٹ کر لیتی ہوں۔ میک اپ کرنا اچھا نہیں لگتا۔ جیولری میں لاکٹ کانچ کی چوڑیاں بریسلیٹ پسند ہے۔ زندگی نے مہلت دی تو سارہ لنگڑیال سے ملاقات بھی کروں گی۔ اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔

سب سے پہلے حجاب اسٹاف' قارئین' لکھاریوں کو خلوص ومحبت بھرا سلام۔ میں بالکل اپنے نام کی طرح ہوں فرہ زینب' فرہ کا مطلب خوش رہنے والی اور خوشیاں دینے والی۔ 6 جنوری 1997ء کو سرد ہواؤں کے ساتھ اس دنیا کو رونق بخشی' اپنے گھر میں بھی اور اس دنیا کی آبادی میں اضافہ بھی کیا بقول میری امی کے جب میں پیدا ہوئی تو بہت سردی تھی۔ سیکنڈ ائیر کی طالبہ ہوں اور فرسٹ ائیر میں کافی شاندار نمبروں سے کامیاب ہوئی ہوں' اللہ پاک کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔ ہم تین بہنیں ہیں اور میں دوسرے نمبر پر ہوں اور اپنے پیارے سے گھر کا کام میں اپنے ہاتھوں سے کرنا پسند کرتی ہوں۔ کوکنگ کرنا پسند ہے' نئی نئی ڈشز بناتی ہوں اور ڈشز کے بدلے کافی تعریف وصول کرتی ہوں۔ میرے والد صاحب ڈاکٹر تھے اور ان کا نام ڈاکٹر عبدالغفور خان تھا میں 6 سال کی تھی جب میرے والد صاحب وفات پاگئے لیکن ہماری امی جی نے کبھی ہمیں ان کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ میری بڑی بہن جس کا نام قرینہ کنول ہے' ان کی شادی ہو چکی ہے اور ایک پیاری سی بیٹی ہے جس کا نام خوشی ہے۔ آنچل کو میں نے بالکل اپنے آنچل کی طرح اوڑھا ہوا ہے' لکھنے کا شوق بہت پہلے سے تھا لیکن مجھے طریقہ نہیں آتا تھا پھر مجھے فصیحہ آصف آپی ملی جنہوں نے میری اصلاح بھی کی۔ ہماری فیملی صرف تین افراد پر مشتمل ہے میں' میری امی جی' میری چھوٹی بہن قرۃ العین جو کہ 7th کلاس میں پڑھتی ہے۔ کلرز میں ریڈ' بلیک اور لائٹ پنک پسند ہے' سبزیوں میں سب کچھ کھالیتی ہوں کوئی نخرے وخرے نہیں کرتی' فروٹس بھی سب پسند ہیں۔ فیشن ایبل بالکل نہیں ہوں کیونکہ جو حسن سادگی میں ہوتا ہے وہ فیشن میں نہیں ہوتا۔ میک اپ میں آئی لائنر' مسکارا اور نیچرل کلر کی لپ اسٹک پسند ہے۔ جیولری میں صرف ائیر رنگز اور بریسلیٹ پسند ہے۔ گوشت میں چکن اور فش پسند ہے۔ ہیئر اسٹائل میں ٹیل پونی سب سے زیادہ پسند ہے۔ رائٹرز میں فصیحہ آپی' عمیرہ احمد' نگہت سیما' ام مریم' سباس گل اور نزہت جبیں ضیاء پسند ہیں اور ان کی کہانیاں حقیقت سے قریب تر ہوتی ہیں۔ میری پسندیدہ شخصیت ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور علامہ اقبال ہیں۔ فیورٹ شاعر علامہ اقبال' مرزا غالب' محسن نقوی' پروین شاکر' راشد ترین اور فصیحہ آپی اور وصی شاہ۔ خوبیوں میں بقول میری امی جی کے ان کا کہنا مانتی ہوں اور اس دنیا میں کوئی خوش ہو نہ ہو میری امی جی ضرور ہیں۔ غصہ زیادہ نہیں کرتی اگر آئے بھی تو برداشت کر جاتی ہوں۔ صبر سے کام لیتی ہوں' رہی بات خامیوں کی تو وہ کیسے بتا سکتی ہوں' وہ لوگ بتائیں گے اور ویسے بھی انسان خطا کا پتلا ہے۔ آگے ہنر کی بات بتاتی چلوں تو حیران ہو جائیں گے جی ہاں میں نے سلائی کا کام' کمپیوٹر وآل سوفٹ ویئر اینڈ آفس ورکنگ' کراٹے' بیوٹی پارلر کا کام' عالمہ کا کورس جو کہ دو سالہ کا تھا کیا ہوا ہے۔ پڑھائی نہیں چھوڑی ریگولر پڑھتی آرہی ہوں اور اپنے اسکول کی بہترین طالبہ رہ چکی ہوں۔ سائیکاٹرسٹ' اچھی رائٹر' شاعرہ بننا چاہتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ مجھے کامیابیاں دی ہیں اور دعا ہے آگے بھی ملیں گی۔ آپ سب اپنا بہت سارا خیال رکھیے گا' دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں سچا مسلمان اور سچا پاکستانی بنائے' اللہ حافظ۔

☺

رخ سخن

سباس گل

السلام علیکم، قارئین آج ہم جس شخصیت سے آپ کو ملوا رہے ہیں وہ ہیں ہماری گریس فل، خندہ جبیں، دل

نشیں، ناولسٹ، افسانہ نگار اور شاعرہ "نزہت جبین ضیاء" جن سے ہماری محبت بھی ہے اور دوستی بھی تو آیئے نزہت سے بات کرتے ہیں۔

حجاب: السلام علیکم۔

❀ وعلیکم السلام اور قارئین کی خدمت میں میرا محبت بھرا سلام۔

حجاب: آپ کا پورا نام اور اگر کوئی تخلص ہے تو وہ کیا ہے؟

❀ نزہت جبین ضیا اور اگر کبھی تخلص استعمال کیا تو یقیناً جبین ہوگا۔

حجاب: آپ کی تاریخ پیدائش اور آپ کا اسٹار، جائے پیدائش؟

❀ میں کراچی میں یکم اکتوبر کو پیدا ہوئی اس طرح میرا اسٹار لبرا ہے۔

حجاب: آپ کا بچپن کیسے گزرا؟

❀ بہت اچھا اور مزے دار گزرا، میں بچپن سے ہی بہت شریر اور ذہین ہوں (آہم) بہت شرارتیں کرتی تھی، اپنے ٹیچرز کی بھی فیورٹ اسٹوڈنٹ تھی ہم بہن بھائی کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ ہم پہلا قاعدہ پڑھ کر پیدا ہوئے ہیں۔ میں بارہ سال کی تھی جب میرے ایک ٹیچر سر علی اقبال رضوی نے کہا تھا کہ مجھے پورا پورا یقین ہے کہ یہ چھوٹی سی لڑکی ایک دن ضرور کچھ کر دکھائے گی میں اس وقت کلاس نائنتھ میں تھی میری حاضر جوابی پورے خاندان میں مشہور تھی۔

حجاب: کیا آپ کے گھر میں ادبی ماحول تھا؟

❀ شعر کا تو نہیں، البتہ ادبی ماحول تھا، امی اور بابا تاریخی ناول پڑھا کرتے اور میری سب سے بڑی بہن نگہت غفار اور ان سے چھوٹی عفت چوہدری (مرحومہ) افسانے لکھا کرتی تھیں میں نے ایسے ہی ماحول میں آنکھ کھولی۔

حجاب: ذاتی طور پر آپ کو شاعری کی کون سی صنف پسند ہے، نظم، غزل، ہائیکو؟

❀ مجھے شاعری کی ہر صنف پسند ہے خواہ غزل ہو، لمبی چوڑی نظم ہو یا ہائیکو اسی لیے میں نے سب پر طبع

آزمائی بھی کی ہے۔

حجاب: پہلی غزل، نظم یا شعر کب کہا اور کس رسالے میگزین یا اخبار میں شائع ہوا؟

❀ سب سے پہلے ایک شعر فی البدیع کہا تھا جب میں بارہ سال کی تھی پھر اسی شعر کو لے کر بعد میں پوری غزل لکھی، یاد نہیں کہ یہ غزل کس رسالے میں شائع ہوئی تھی غالباً "ریشم" ڈائجسٹ میں لگی تھی۔ شعر تھا۔

اسے قریب سے دیکھا تو یہ ہوا محسوس
یہ شخص دوسروں سے اچھا دکھائی دیتا ہے

اور مکمل غزل

وہ شخص مجھ کو عجب سا دکھائی دیتا ہے
خود اپنے آپ میں الجھا دکھائی دیتا ہے
وہ اپنی ذات کے گنبد میں قید رہتا ہے
ہجوم میں بھی وہ تنہا دکھائی دیتا ہے
کبھی وہ ترکِ تعلق کی بات کرتا نہیں
مگر وہ مجھ سے گریزاں دکھائی دیتا ہے
اسے قریب سے دیکھا تو یہ ہوا محسوس
یہ شخص دور سے اچھا دکھائی دیتا ہے

حجاب: ایک رائٹر نثر کے ذریعے اپنی دلی کیفیات کو بیان کرسکتا ہے۔ پھر آپ کو شاعری کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

❀ بے شک، مگر نثر کے ذریعے کہانیوں کے ذریعے سے میں اپنے اردگرد کے چھوٹے بڑے مسائل کو قلمبند کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور شاعری کے ذریعے زیادہ تر بیشتر شعرا اپنے اندر کی کیفیات کو بیان کرتے ہیں اور میری نظر میں شاعری اور نثر نگاری دونوں صنف ہی ایسی ہیں کہ جن میں ہم معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ خود کو بھی انوالو کرلیتے ہیں۔ میری تحریروں میں جہاں آپ کو کوئی نہ کوئی سبق ملے گا وہاں بالکل عام اور آسان اردو میں ایسی کہانیاں نظر آئیں گی کہ جو ایک عام سی معمولی عورت بھی پڑھ اور سمجھ سکتی ہے شاعری میں جہاں وصل، ہجر جدائی، غمِ عشق ملے گا آپ کو سیاچن کے شہیدوں پر، بلدیہ ٹاؤن پر، پشاور کے معصوم شہدا پر، ماؤں کا عالمی دن ہو یا یوم آزادی، نیا سال ہو یا عید بقر عید، الحمدللہ ہر موضوع پر میری نظمیں ملیں گی۔

حجاب: شاعری خداداد صلاحیت ہے یا شوق؟

❀ سو فیصد خداداد صلاحیت ہے یہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ عنایت ہے شاعری پڑھنے کا شوق تو ہوسکتا ہے مگر شاعری کرنا مشکل کام ہے۔

حجاب: کیا شاعری سچ بولتی ہے؟

❀ جی بالکل بعض اوقات وہ باتیں یا ٹینشن جو ہم کسی سے شیئر نہیں کرسکتے وہ سچائی ہم با آسانی الفاظ کے ذریعے شاعری میں سمو کر صفحہ قرطاس پر بکھیر دیتے ہیں، اپنے اندر کے مدوجزر اور کیفیات کو بیان کرنے کا بہترین ذریعہ شاعری ہے ویسے میں خود کو کوئی مستند یا بڑی شاعرہ بالکل نہیں مانتی میں تو ابھی طفلِ مکتب ہی ہوں۔

لوگ کہتے ہیں میں نے شاعری کی ہے
بھلا میں کہاں اور شاعری کی حس کہاں مجھ میں
شاعری تو میٹھا اور کومل سا جذبہ ہے
محبت کا خوب صورت لفظوں کی چاشنی کا
کہاں میں اور کہاں شاعری کا عکس پیچیدہ
میں نے جو کچھ بھی لکھا بس وہ لکھا جو میں نے پرکھا ہے
وہ چھوٹے چھوٹے زخم جو مجھے اپنوں سے ملے ہیں
وہ دکھ جو دوستوں نے دوستی کے تحفے میں بخشے ہیں
میں نے ٹوٹے جذبوں کی کرچیوں کو جوڑ کر رکھا
جو بکھرے خواب ان کی تصویریں بنا ڈالیں
بہت ناکامیاں اور ہزاروں ان کہے سے دکھ
ادھورے سپنے ٹوٹے خواب اور معصوم خواہشیں
کچھ بچھڑے دوست اور کچھ ناکام حسرتیں
وہ بچپن کے ٹوٹے کھلونے اور روئے آنسو
وہ رشتے اور اپنے جو ہم سے وقت نے چھینے
محبتیں بانٹ کر جو پائیں وہ نفرتیں بھی ہیں
اپنی چھوٹی چھوٹی ناکام حسرتوں کو نوکِ قلم سے
ورق پر جب بکھیرا تو

وہ ساری حسرتیں، شدتیں اور وہ ناکام خواہشیں
نہ جانے کب کیسے ان کو اشعار میں ڈھالا ہے
ان سارے دکھوں کو میں نے جب دل سے نکالا ہے
وہ سارے جذبے جب کاغذ پر سجائے ہیں
وہ جذبے اور وہ حسرتوں کو دیکھ کر لوگ کہتے ہیں
کہ
میں نے شاعری کی ہے

حجاب: خواتین کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ خواتین اچھی شاعرہ نہیں ہوتیں بلکہ مرد زیادہ اچھی شاعری کرتے ہیں آپ اس بات سے کس حد تک متفق ہیں؟

❁ نہیں میرے خیال میں یہ بات درست نہیں ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک دور تھا جب مرد شاعر زیادہ ہوا کرتے تھے اور خواتین شاعرات کا نام اتنا زیادہ نہیں تھا لیکن اب ایسا نہیں ہے اور اگر یہ بات سچ ہوتی تو ہمارے درمیان ادا جعفری، پروین شاکر جیسی مایہ ناز شاعرات نہ ہوتیں اور موجودہ دور میں تو بے شمار خواتین شاعرات ہیں جو بہت خوب صورت شاعری کر رہی ہیں۔

حجاب: مرد اور خواتین کی شاعری میں کیا فرق محسوس ہوتا ہے؟

❁ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ کوئی خاص فرق نہیں ہوتا، دونوں کے زیادہ تر موضوعات غم جاناں، غم عشق، چاندنی راتیں، جدائی اور تنہائی سے متعلق ہی ہوتے ہیں۔

حجاب: ایک شاعر کے لیے داد تحسین اور تعریف کتنی ضروری ہے؟

❁ بہت ضروری اگر کوئی بندہ دن رات جان لگا کر سوچ سوچ کر اور نہ جانے کتنے امتحانات سے گزر کر اپنے اندر پیدا ہونے والے طلاطم سے نبرد آزما ہو کر اپنی تخلیق آپ کے سامنے پیش کرتا ہے تو ظاہری بات ہے کہ وہ داد و تحسین کا مستحق بھی ہے اور یہ داد اور تعریف اس کے لیے آگے بڑھنے اور مزید کامیابیوں کی ضمانت بھی بن سکتی ہے اور ہم تو عام اور ناچیز سے بندے ہیں، اللہ پاک بھی تعریف سنتا ہے۔

حجاب: زندگی کو ایک جملے میں بیان کیجیے؟

❁ بہت مشکل اور کٹھن سفر ہے اور اس پر سو فیصد کوئی بھی نہیں اتر سکتا، زندگی امتحان لیتی ہے۔

حجاب: آپ اپنی شاعری میں صرف غم جاناں پر طبع آزمائی کرتی ہیں یا ملکی حالات کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بناتی ہیں؟

❁ میں اپنی شاعری میں ملکی حالات سے لے کر تہواروں اور خاص دنوں کو بھی زیر قلم لاتی ہوں غم جاناں اپنی جگہ، مگر سیاچن کے شہدا، پشاور کے معصوم شہدا، بلدیہ ٹاؤن کا سانحہ، کراچی کے گزشتہ حالات مزدوروں کا عالمی دن سیلاب کی تباہ کاریاں غرض یہ کہ ہر موضوع پر لکھنے کی ناکام سی کوشش کی ہے۔

حجاب: کیا شاعری معاشرے میں اصلاح پیدا کر سکتی ہے؟

❁ جی بالکل اچھی معیاری اور سبق آموز شاعری معاشرے کو سنوارنے اور اصلاح پیدا کرنے میں ضرور معاون و مددگار ہو سکتی ہے اور میں نے کوشش بھی کی ہے۔

نیا ہے سال، نیا ہے سورج
نئی امنگیں روا رکھنا
سنو یہ جو سال آیا
اسے چاہتوں کا گواہ رکھنا
گزر گئے جو تلخ لمحے ان لمحوں کو بھول جانا
ایک دوسرے کے واسطے محبتیں بے پناہ رکھنا
محبتوں کے دیے جلا کر ہر ایک آنگن کو کرنا روشن
بانٹنا ہے سبھی کو خوشیاں سب ہی کے چہرے سجا کے رکھنا
وطن کی مٹی ہے ماں تمہاری
ماں کے دامن میں نہ خار بھرنا
چاہتوں کے گلاب چہروں سے ہر ایک کوچہ گلی سجانا
محبتوں کے بیج بونا، چاہتوں کی فصل ملے گی
ہر ایک دامن خوشی سے بھرنا خوشیوں کی چاہ کرنا
یہ وطن ہے تمہارا تمہارے ہاتھوں میں لاج اس کی
وطن بھی ناز کرے گا تم پر تم خود کو ایسا سپاہ کرنا

نئے سال کی آمد پر میں نے یہ نظم کہی تھی اور اس میں ایک اصلاح اور امید کا پہلو ہے اور میں اپنے ملک کے نوجوانوں سے مخاطب ہوں۔

حجاب: کیا یہ سچ ہے کہ جب تک کوئی صاحب کتاب نہ ہوا سے شاعر نہیں مانا جاتا؟

❀ نہیں میرے خیال میں اس بات میں کوئی سچائی نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو آج آپ یوں میرا انٹرویو نہیں لے رہی ہوتیں

حجاب: کیا موسم کسی بھی شاعر کے انداز پر اثر انداز ہوتا ہے؟

❀ جی بالکل موسم اور ماحول بھی شاعر کے مزاج پر اثر انداز ہوتا ہے جیسے کہ بارشوں کے موسم میں بے اختیار بارش کے حوالے سے ذہن میں اشعار خود بخود آنے لگتے ہیں سخت سردی اور گرمی بھی اثر انداز ہوتی ہے خصوصاً بارش کا موسم۔

کل

پچھلے برس بھی برسا ساون
سارا عالم جل تھل تھا
من میں میری میٹھی ہلچل
گاتی ہوا اور جھومتا ہر پل
ہاتھ تمہارا میرا آنچل
آنکھیں میری ہنستا کاجل
چھن چھن بجتی میری پائل
بادل برسے ساتھ میں
تم ہم

آج

اب کے برس بھی برسا ساون
من ہے میرا جل تھل جل تھل
تیز ہوا اور سوگ میں ہر پل
آنکھیں میری ہنستا کاجل
پاؤں میں میری چپ ہے پائل
روتے بادل
اور میں
گم صم

حجاب: کیا چاندنی رات آپ کے مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے اس پر کچھ لکھا؟

جی بہت زیادہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب میں اپنے کمرے کی کھڑکی سے پورا چاند بستر پر لیٹے لیٹے دیکھتی ہوں۔

چاندنی رات سے کہا میں نے مجھے اتنا بتا

چاند تیرا اس کے آنگن میں تو جاتا ہوگا
چاندنی رات میں کیوں مجھ کو گماں ہوتا ہے
اس کی کھڑکی پہ بھی یہ چاند تو اترا ہوگا
اس کی آنکھوں میں میری یاد کے جگنو ہوں گے
اس کی سوچوں میں میرا عکس تو آتا ہوگا
میری یادوں نے اسے بے چین تو کیا ہوگا
اس کے دل میں کوئی درد تو جاگا ہوگا
چاندنی رات کی ٹھنڈک تو جلاتی ہوگی
چاند سینے میں اس کے آگ لگاتا ہوگا
چاند مجھ کو بتا وہ مجھے یاد تو کرتا ہے ناں؟
بیتا وقت میری طرح اس کو جگاتا ہوگا
چاند ہنستا رہا دیر تلک پھر یہ کہا
بھول ہے تیری کہ تو اسے یاد آتا ہوگا
وہ تجھے بھول چکا ہے نہ جانے کب کا
اب کہیں اور وہ اپنے خواب سجاتا ہوگا

حجاب: ایک اپنا شعر جو آپ کو پسند ہے اور ایک کسی دوسرے شاعر کا شعر

❁ احمد فراز

کل دھوپ کے میلے سے خریدے تھے کھلونے
جو موم کا پتلا تھا وہ گھر تک نہیں پہنچا

میرا

میرے انداز سے، لہجے سے مخاطب سے سب ہی نالاں ہیں
میں کیا کروں...... مجھے سچ بولنے کی عادت ہے

حجاب: آپ کے مشاغل کیا ہیں اور کوکنگ بھی آپ خود کرتی ہیں؟

❁ لکھنا، لکھنا اور لکھنا اس کے علاوہ الحمدللہ کپڑوں کی سلائی، کپڑوں کو ڈائی کرنا، پینٹنگ کرنا، آرٹ اینڈ کرافٹس کے بے شمار کام جس میں ڈوھ ورک، ڈوھ جیولری، جوٹ کرافٹس، پینٹنگ فو لک ورک، ڈرائی ارینجمنٹ، ربن ورک، ڈیکس ورک، پوٹ پینٹنگ، شیشے کا کام وغیرہ اس کے علاوہ اسکیچنگ کا بھی شوق ہے کوکنگ الحمدللہ بہت اچھی کرتی ہوں حلوہ پوری سے لے کر کیک تک گھر میں بناتی ہوں۔

حجاب: نئے لکھنے والوں کے لیے کوئی رہنمائی؟

❁ اپنی سوچ مثبت رکھیں اور ہمیشہ یہ کوشش کریں کہ ہم جو کچھ بھی لکھیں وہ معاشرے کی بھلائی اور سدھارنے کے لیے ہو، اپنی تحریروں کو تعمیری رنگ دینے کی کوشش کریں، اپنی تحریروں میں اپنی شاعری میں ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو ضرور شامل کریں جس کی معاشرے کو ضرورت ہے۔

حجاب: شہرت کیسی لگتی ہے؟

❁ سچی بات یہ ہے کہ میں خود کو بلند اور اعلیٰ پائے کی شاعرہ مانتی ہوں اور نہ ہی مصنفہ، لیکن ظاہری بات ہے اگر کوئی نام سن کر والہانہ انداز میں گلے لگ کر تعریفی کلمات کہتا ہے تو اچھا لگتا ہے تب محسوس ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے کسی قابل نہ ہوتے ہوئے بھی بہت کچھ دے دیا ہے بے اختیار اللہ پاک کا شکر ادا کرتی ہوں۔

حجاب: پسندیدہ رنگ، مشروب، کھانا، خوشبو، لباس، موسم، پھول، رائٹر، شاعر؟

❁ پسندیدہ رنگ نیلا، کالا، دھانی موو، کھانا کڑھی چاول۔ مشروب میں پانی، آئسکریم سوڈا۔ خوشبو میں پردیسی اور جنت الفردوس، لباس میں ساڑھی۔ موسم میں بارش، پھول موتیے کا۔ رائٹر ہمارا اثاثہ ابن انشا، فاطمہ ثریا بجیا موجودہ دور میں انجم انصار۔ شاعروں میں احمد فراز، قتیل شفائی، ناصر کاظمی وغیرہ۔

حجاب: قارئین حجاب کے لیے کوئی پیغام؟

❁ اچھا سوچیں، منافقت سے دور رہیں سچ بولیں اللہ پر کامل بھروسہ رکھیں اور اپنے کام کے ساتھ مکمل دیانت داری برتیں اللہ پاک سب کا حامی و ناصر ہو، آمین۔

ماں کے بارے میں کیا لکھوں' ہے یہ کہاں اوقات میری
بڑی مشکل سے قلم آج اٹھایا میں نے
ہم کو تحفہ زمین پر ملا "ماں" کی صورت
تحفہ انمول میرے رب سے یہ پایا میں نے
اس کے آگے جو کبھی سر کو جھکایا میں نے
اس کے قدموں ہی میں جنت کو پایا میں نے
گردش ایام سے گھبرا کے کبھی جو بیٹھی
اس کے لفظوں سے نیا حوصلہ پایا میں نے
جب بھی حوصلہ ٹوٹا میں پریشان ہوئی
سکون اس کی ہی آغوش میں پایا میں نے
اس کا احسان ہے ہاتھ جو تھاما میرا
تھام کر ہاتھ وہی قدم پہلا اٹھایا میں نے
جب بھی خواب میں گھبرائی' سہم کر جاگی
اس کی بانہوں میں پھر خود کو چھپایا میں نے
شکر ہے رب مجھ کو جو ملی ہے عزت
اس کی دعاؤں کا ثمر آج یہ پایا میں نے
میں ہوں جب تک میرے رب میری ماں کو سلامت رکھنا
مزا جینے کا اس کے ساتھ تو پایا میں نے

السلام علیکم!

"آغوش مادر" کے سلسلے میں شرکت میں بہت دیر تلک کاغذ اور قلم لیے یہی سوچتی رہی کہ کہاں سے شروع کروں؟ کیا لفظ "ماں" پر لکھ کر کچھ صفحات کالے کرکے ہم ماں کی اہمیت' حیثیت' محبت' حقوق' ممتا کا صحیح معنوں میں ذکر کرپائیں گے؟ کیا میرے قلم سے نکلے چند الفاظ میرے ذہن میں اتنی وسعت ہے کہ میں اپنے ٹوٹے پھوٹے' بے ربط اور ناکافی جملوں کو صفحہ قرطاس پر بکھیر کر اپنا حق ادا کرسکتی ہوں؟ میں مطمئن ہوں کہ میں نے ماں کی شخصیت کا احاطہ کرلیا ہے؟ نہیں...... اور آپ بہنیں بھی میری اس بات سے مکمل اتفاق کریں گی۔ ماں کے موضوع پر ماں کی شخصیت پر' ماں کے حوالے سے میں جتنا بھی لکھ لوں میرے قلب ونظر میں تشنگی اور میرے قلم کی پیاس برقرار رہے گی۔

بہر حال چھوٹا منہ اور بڑی بات کے مصداق سورج کو چراغ دکھانے کی کوشش تو کرسکتی ہوں۔ ماں کی محبت تو سمندر سے زیادہ گہری' پہاڑوں سے زیادہ بلند ہے۔ میٹھا' کومل اور شہد میں گندھا ہوا یہ لفظ وہ لفظ ہے جو بچہ جب بولنے لگتا ہے تو اللہ کے بعد جو نام لیتا ہے وہ ماں ہے۔ بچے کے لیے پہلی درس گاہ' پہلا مکتب اور پہلا استاد ماں ہے۔ اس وقت جب ننھی جان کی صورت میں اولاد ہر قسم کی صلاحیت سے بے بہرہ ہوتی ہے اس وقت ماں کو بنا کہے بھوک' پیاس اور ضرورتوں کا خیال ہوتا ہے۔ آغوش مادر میں ہی زندگی کی ابتدائی سانسوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے نشیب فراز' تلخیوں' اچھائی' برائی' دشواریوں کو محسوس کرنے اور ان سے نبرد آزما ہونے کی صلاحیت ملتی ہے۔ مائیں تو ساری ایک جیسی ہوتی ہیں' محبت میں گندھی ہوئی صبر اور ایثار کا پیکر۔

میں نے جب ہوش سنبھالا گھر میں بابا' امی' چار بہنوں اور ایک بھائی کو آس پاس دیکھا میرے بابا سرکاری آفس میں اکاؤنٹس کے شعبے سے وابستہ تھے اور جس عہدے پر تھے وہاں تنخواہ سے زیادہ اوپر کی آمدنی کی چانسز تھے لیکن بابا نے کبھی ایک پائی بھی نہ لی وہ ہمیشہ کہتے تھے۔ حلال کے ایک پیسے میں اتنی برکت ہے کہ حرام کے ہزاروں میں بھی نہیں اور اسی اصول کو لے کر انہوں نے ساری زندگی انتہائی ایمانداری اور اصول سے گزارتے ہوئے ریٹائرمنٹ لی تھی اسی لیے اس دور میں ہمارا گھر گویا سفید پوش گھرانا تھا۔

بچوں کی پڑھائی' گھر کے اخراجات اور بیٹیوں کی موجودگی نے بھی بابا کے قدم کبھی متزلزل نہیں کیے (اللہ پاک میرے بابا کے درجات بلند کرکے ان کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین) دوسری وجہ یہ تھی کہ امی نہایت قناعت پسند' سلیقہ شعار اور حد درجہ محنتی خواتین تھیں عموماً خواتین ہی شوہروں کو زیادہ کمائی کے لیے اکساتی ہیں مگر امی نے کبھی بھی کسی حال میں بھی ایسی بات نہ کی جو ملتا صبر وشکر کے ساتھ گزارا کرتیں اور ہمیں بھی صبر'

شکر اور الحمدللہ کی عادت ڈال دی تھی۔

میری امی کا میکہ بہت مذہبی اور دین دار تھا' میرے نانا جان سورۃ المزمل کے عامل تھے' انتہائی عبادت گزار اور پرہیز گار تھے۔ امی چھوٹی سی تھیں جب نانا جان کا انتقال ہوگیا یوں بچپن میں ہی امی نے نامساعد حالات دیکھے پھر نانی نے جو کہ سیدھی اور شریف النفس خاتون تھیں' بہت کم عمری میں امی اور دوسری بیٹیوں کی شادیاں کردیں۔ اماں جان (دادی) کے گھر کا ماحول کافی سخت تھا اور اماں جان فطرتاً سخت مزاج تھیں' ان کی طرف سے ہونے والی زیادتیوں کو امی نے چپ چاپ برداشت کیا سسرال اچھا تھا خصوصاً تائی امی (میری ساس) اور تایا بابا (میرے سسر) نے امی کا بہت خیال رکھا' تائی امی نے دم آخر تک امی کا خیال رکھا اللہ پاک ان کے درجات بلند کرے آمین۔

میں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے گھر کا ماحول مثالی دیکھا' میرے بابا ہمارے لیے مشعل راہ تھے۔ خوب صورت دل و دماغ کے مالک' اچھی سوچ رکھنے والے بابا جان ہمارے لیے قابل احترام ہونے کے ساتھ ساتھ دوست جیسے تھے۔ بابا کے مقابلے میں امی سے ہم کوئی فرمائش کرتے ہچکچاتے تھے۔ گھر کے ماحول کی بہتری اور اولاد کی صحیح تربیت کے لیے ماں اور باپ دونوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ آپس کے اچھے تعلقات اور انڈرسٹینڈنگ گھر کے ماحول میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور اس معاملے میں ہم خوش نصیب تھے کہ ہمیں امی اور بابا کی شفقت' محبت اور تربیت ملی۔ بابا نے ہم لوگوں کو نرسری' پریپ' وغیرہ نہیں پڑھایا بلکہ ڈھائی سال کی عمر ہوتے ہی خود گھر میں پڑھاتے اور بسم اللہ ہوتے ہی ڈائریکٹ کلاس II میں ایڈمیشن کرواتے۔ جب میں امی کے ساتھ ایڈمیشن کی غرض سے اسکول گئی تو وہاں کی پرنسپل نے امی سے کہا۔ "میں بچی کا ایڈمیشن کیا لوں آپ کے بچے تو پہلا قاعدہ حفظ کرکے پیدا ہوتے ہیں۔"

الحمدللہ یہ ہمارے لیے بہت اعزاز کی بات تھی جب میری سب سے بڑی بہن نگہت غفار کی شادی ہوئی تو اس وقت میں کلاس II میں تھی میں نگہت باجی سے بہت اٹیچ تھی۔ اس لیے ان کی شادی کے بعد میں کافی اپ سیٹ ہوگئی' اسکول میں بھی امی کا بھی ڈر تھا اس لیے امی سے جھوٹ کہہ دیا کہ ٹیچر کی طبیعت خراب ہوگئی ہے' وہ ہسپتال گئیں تو ہماری چھٹی کردی۔ امی نے منہ سے کچھ نہ کہا بس برتن دھوتے ہوئے اٹھیں' ہاتھ دھوئے اور برقع پہن کر میرا ہاتھ پکڑ کر اسکول کی طرف چل دیں۔ اس روز مجھے بے حد شرمندگی ہوئی کیوں کہ میرا جھوٹ ثابت ہوچکا تھا مگر شاید وہ میرا پہلا اور آخری ایسا جھوٹ تھا جس پر مجھے امی کی خاموشی سے سبق مل گیا گو کہ امی ہمیں پڑھاتی نہیں تھیں لیکن بابا جو کام دیتے وہ اسکول کا ورک اپنے ساتھ سامنے بٹھا کر کرواتیں۔ بابا نے ہمیں ابتدا سے ہی ہینڈ رائٹنگ پر خاص توجہ دلائی' وہ کہتے روزانہ ایک صفحہ انگلش اور ایک صفحہ اردو لکھا کرو اور اسی وجہ سے الحمدللہ میری اردو کی رائٹنگ اچھی ہے۔

اگر ہم بہنوں اور بھائی میں کوئی بیمار ہوجاتا تو امی ساری رات بیٹھ کر گزار دیتی تھیں۔ ایک پل کے لیے بھی لیٹتی نہیں تھیں' مجھے یاد ہے میں چھوٹی سی تھی ایک بار شدید بیمار ہوئی اتنی زیادہ کہ مجھے دن میں دو دو بار ہسپتال لے کر جانا پڑا تھا' میں دوا لے کر نیم غنودگی کی حالت میں تھی کہ مجھے محسوس ہوا کہ میرے آس پاس چار لوگ ہیں وہ مرد ہیں یا عورت یہ سمجھ میں نہیں آیا' چاروں نے سفید لباس پہن رکھا تھا اور چہرے واضح نہیں تھے ان لوگوں نے آکر میرا ہاتھ پکڑا اور بڑی نرمی سے پوچھا تمہاری طبیعت کافی خراب ہے ناں؟ تمہیں تکلیف ہورہی ہے ناں؟ میں نے کہا "ہاں" تب انہوں نے کہا ہاں ہم اسی لیے تو آئے ہیں چلو ہم تمہیں لے جانے آئے ہیں وہاں تمہارا بہتر علاج ہوگا اور تم بالکل ٹھیک ہوجاؤ گی۔ میں نے کہا "اچھا" اور ان لوگوں کی مدد سے اٹھنے لگی کہ اچانک امی نے آکر مجھے آواز دی "جبین بیٹا! دوا لے لو ٹائم ہوگیا ہے۔" امی کی آواز کے ساتھ ہی وہ چاروں مجھے چھوڑ کر تیزی سے باہر کی طرف چلے گئے' میں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں سامنے امی کھڑی تھیں۔ "امی وہ لوگ مجھے لے جانے آئے تھے" میں نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ امی شاید سمجھ گئیں میرا سر اپنی گود میں رکھ کر مجھ پر کچھ دم کرنے لگیں'

بظاہر معمولی سی بات تھی' شاید میرا وہم مگر اس وقت امی نہ آتیں تو......؟ اتنے سال گزر جانے کے بعد آج بھی یہ واقعہ یاد کرکے میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔

میری امی سادگی کا پیکر اور حد درجہ قناعت پسند تھیں' آج تک بابا سے کوئی فرمائش نہ کی' گھر کے سارے کام کرتیں' ہر وقت مصروف رہتیں۔ ہمارے گھر کے برتن ایسے چمکتے جیسے نئے ہوں' کہتے ہیں بیٹی ماں کا پرتو ہوتی ہے یہ بات مجھے سو فیصد لگتی ہے کیونکہ میں نے سلائی' کھانا بنانا' کپڑے دھونا' صفائی ہر چیز امی سے ہی سیکھی ہے اکثر خواتین امی سے کہتیں کہ آپ نے اپنی بیٹیوں کی تربیت بہت اچھی کی ہے۔ امی کہتیں یہ سب اللہ کا کرم ہے' اولاد کی تربیت میں ماں اور باپ دونوں ہی اہم ثابت ہوتے ہیں۔ ماں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے باپ کی شفقت' پیار محبت کے ساتھ ساتھ ایک احترام اور ایک خوف ہوتا ہے اور یہی احترام اور خوف اچھی تربیت کے لیے کارگر ثابت ہوتا ہے جب میں نے شعور کی منزل پر قدم رکھا اور کالج میں جانے کا وقت آیا تب امی نے ایک مخصوص جملہ کہا کہ ''بیٹی اپنی حفاظت خود کرنا ہے اور تمہارے بابا کو تم سے کبھی کوئی شکایت نہ ہو' ہماری تربیت پر کوئی انگلی نہ اٹھے اس بات کا خیال رکھنا' اس ایک چھوٹے سے جملے میں نصیحت کے ساتھ ساتھ تنبیہ بھی واضح تھی بہت گہرے بظاہر چھوٹے سے جملے کے حصار میں میں نے اپنی زندگی گزاری ہے۔

جب میں نے میٹرک کے بعد پہلا افسانہ اپنی باجی عفت چوہدری کے کہنے پر ڈائجسٹ میں بھیجا اور وہ شائع بھی ہوگیا تو میں سمجھی شاید بابا اور امی سے ڈانٹ پڑے کہ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے؟ مگر نہ صرف امی بابا نے سراہا' خوش ہوئے بلکہ پڑھا بھی اور امی برابر میرے افسانے پڑھتی تھیں۔

میری امی اتنی سیدھی اور معصوم ہیں کہ ان کو اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ کب اور کہاں' کیا بولنا چاہیے۔ ساری زندگی یونہی گزار دی' بابا بہت سمجھ دار تھے۔ بابا کی زندگی تک گھر کے اخراجات وغیرہ کی ذمہ داری امی پر نہ تھی' اسی طرح ہم بیٹیوں کی شادیاں بھی ہوگئیں۔ ایک بھائی کی شادی ہوگئی لیکن جب بابا کی اچانک بیماری اور پھر اسی میں انتقال ہوگیا تب وہ وقت امی کے لیے خاصا کٹھن تھا' مجھ سے چھوٹی دو بہنیں جو کہ پڑھ رہی تھیں اور پھر ان دونوں کی شادی جیسے بڑے بڑے مسائل منہ کھولے کھڑے تھے۔ بابا کی خواہش تھی کہ ایک بیٹی ڈاکٹر (ڈی ایچ ایم ایس) اور دوسری بیٹی (چھوٹی والی) وہ خاتون پاکستان سے گریجویشن کرے۔ اللہ کا کرم شامل حال تھا پھر امی کی ہمت اور ارادہ بھی یوں نہ صرف دونوں بیٹیاں پڑھیں بلکہ ان دونوں کی شادیاں بھی الحمدللہ احسن طریقے سے انجام پائیں۔

ساری زندگی محنت اور صبر اور ایثار میں گزار کر آج میری امی عمر کے اس مقام پر ہیں جہاں ہمیں ان کو سنبھالنے کی ضرورت ہے ایک اکیلی ہو کر سات' سات بچوں کو پالا' ایک نظر سے دیکھا' ایک رویہ رکھا' ایک ہی محبت اور شفقت برتی' ہم سب مل کر تھوڑا تھوڑا سا کریں گو کہ ان کے حقوق ادا نہ کرپائیں گے۔

بہنو! میری آپ تمام سے التجا ہے کہ اپنی دعاؤں میں میری امی کو ضرور یاد رکھیے گا کہ اللہ پاک ان کو صحت کے ساتھ ساتھ لمبی زندگی عطا فرمائے' ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنے لیے' اپنی بھلائی اور اپنے سکون قلب کے لیے' اپنی آخرت کو سنوارنے کے لیے ان کی بھرپور خدمت کرسکیں۔ ان کے لیے وہ کرسکیں جس کا ہم پر حق ہے۔ میری امی کے ساتھ آپ تمام بہنوں کی ماؤں کے لیے ولی دعا ہے کہ اللہ پاک جن جن کی مائیں حیات نہیں ہیں ان کو صبر عطا فرمائے اور ان کی ماؤں کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے' آمین اور جن جن بہنوں کی مائیں حیات ہیں اللہ پاک ان کو صحت' تندرستی اور لمبی زندگی عطا فرمائے ان کا سایہ سلامت رکھے اور ان کی اولادوں کو ماؤں کی خدمت کا شرف عطا ہو آمین ثم آمین' اجازت......!

میٹھا میٹھا کومل جذبۂ نازک سے احساس کے ساتھ
''ماؤں'' کی صورت میں ''محبت'' ملتی ہے گھرانوں میں

ایف ایم ریڈیو کی صداکارہ عروج ناز نظامی۔

حجاب: ریڈیو میں آنے کا شوق کیسے ہوا؟

عروج: میں بچپن میں ریڈیو پاکستان میں پروگرام "بچوں کی دنیا" میں بچوں کی کہانیاں سناتی تھی، میرے ساتھ ساتھ امی ابو کا بھی شوق تھا۔

حجاب: ریڈیو کے علاوہ کیا شوق ہے؟

عروج: ہوم ڈیکوریشن، گلاس پینٹ، نعت پڑھنے کا شوق۔

حجاب: نعت پڑھنے کا شوق کب ہوا؟

عروج: یہ شوق بچپن ہی سے تھا اسی ریڈیو پر میں نے پہلی بار نعت پڑھی تھی۔

حجاب: اب تک ایف ایم پر کتنے پروگرام کرچکی ہیں؟

عروج: پروگرام لاتعداد کیے ہیں اب یاد نہیں۔

حجاب: ایف ایم پر آفر آئی یا خود کوشش کی؟

عروج: میں اپنی بہن سے متاثر تھی جو ریڈیو پاکستان ایم ایف 101 میں جنرل پروگرام کرتی تھیں۔ میں ان سے اتنی متاثر تھی کہ میرے دل میں خواہش جاگی میں بھی ایف ایم پر کام کروں، انہوں نے ایف ایم 101 پر کافی عرصہ کام کیا، ان کی کارکردگی دیکھتے ہوئے سما ایف ایم کراچی سے آفر آئی۔

حجاب: آپ کی تعلیم کتنی ہے اور کہاں سے حاصل کی؟

عروج: بی بی اے جناح یونیورسٹی کراچی سے تعلیم حاصل کی۔

حجاب: آپ کے والدین آپ کے ساتھ تعاون کرتے ہیں؟

عروج: بہت زیادہ انہیں کی وجہ سے اس مقام پر ہوں۔

حجاب: گھر کے کاموں میں دلچسپی لیتی ہیں؟

عروج: کھانا مزے کا بناتی ہوں۔

حجاب: آپ کا اسٹار کیا ہے؟

عروج: کینسر۔

حجاب: کون سی جگہ پسند ہے؟

عروج: پاکستان کے ناردن علاقے پسند ہیں۔

حجاب: اگر ڈراموں سے آفر آئے تو قبول کریں گی؟

حجاب: غصہ کب آتا ہے؟
عروج: جب بات مرضی کے خلاف ہو۔
حجاب: کون سی شاعرہ پسند ہیں؟
عروج: پروین شاکر۔
حجاب: کراچی کے موجودہ حالات سے کس حد تک متفق ہیں؟
عروج: کراچی کے حالات سے پریشان ہوں جی چاہتا ہے کہ بیرون ملک بسیرا کرلوں۔
حجاب: ریڈیو کی آئیڈیل شخصیت کون سی ہیں؟
عروج: میری بہن ڈاکٹر فرحت علی۔
حجاب: پاکستانی گلوکارہ کون سی پسند ہے؟

عروج: حدیقہ کیانی۔
حجاب: قارئین کے نام کوئی پیغام؟
عروج: اپنے والدین کی خدمت کریں اور ان کی دعائیں زندگی سنوار دیتی ہیں۔

عروج: فی الحال کوئی ارادہ نہیں۔
حجاب: اگر موقع ملے تو کس کے ساتھ کام کریں گی؟
عروج: فہد مصطفی۔
حجاب: آپ کو کون سی اداکارہ پسند ہے؟
عروج: نادیہ جمیل، ثانیہ سعید۔
حجاب: رنگ کون سا پسند ہے؟
عروج: نیوی بلیو۔
حجاب: محبت کے بارے میں کیا خیال ہے؟
عروج: دنیاوی محبت دھوکہ ہی دھوکہ ہے۔ کرنا ہے تو عشق حقیقی کریں۔
حجاب: مستقبل کے بارے میں کیا سوچا ہے؟
عروج: ابھی مستقبل کے بارے میں نہیں سوچا اپنے کام سے اتنی محبت کرتی ہوں۔
حجاب: کون سی مصنفہ پسند ہے؟
عمیرہ احمد۔
حجاب: خوشبو کون سی پسند ہے؟
عروج: بارش کے بعد مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو۔
حجاب: زندگی کا خوب صورت دن کون سا لگتا ہے؟
عروج: خوب صورت دن ابھی آیا نہیں۔

نادیہ/ندا/سحرش

صائمہ اکرم چوہدری کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ نا صرف ملک کی جانی مانی مصنفہ ہیں بلکہ ایک معروف ڈرامہ نگار بھی ہیں۔

اس کے علاوہ یہ درس وتدریس سے بھی وابستہ ہیں۔ ان کی کہانیاں' افسانے ملک کے معروف رسائل میں شائع ہوتے ہیں۔ ان کے لفظوں کی تاثیر دل کو چھو جاتی ہے۔ نہایت خوب صورتی سے وہ اپنے قلم کی طاقت کا استعمال کرتے ہوئے معاشرتی مسائل کو اجاگر کرتی ہیں۔ صائمہ اکرم کے ستر کے قریب افسانے، ناولٹ اور مکمل ناول، خواتین، شعاع، کرن، پاکیزہ اور مرد اانجسٹ میں شائع ہو چکے ہیں۔ صائمہ پانچ کتابوں کی مصنفہ ہیں۔

اک رسم محبت ہے
بند مٹھی میں سلگتی ریت

ابن آدم
گمشدہ جنت

اور یمک زہ محبت

محبت اب نہیں ہوگی، عنایہ تمہاری ہوئی، میرے اجنبی اور میرا دورنہ جانے کوئی سے انہوں نے الیکٹرانک میڈیا میں بھی اپنا مقام بہ خوبی بنایا اور ان کے کام کو سراہا گیا۔

السلام علیکم صائمہ اکرم چوہدری سب سے پہلے آپ کو

خوش آمدید کہتے ہیں۔
کچھ اپنے متعلق بتائیں اپنی تعلیم کے متعلق آپ ماشاء اللہ آج کل خاصی مصروف ہیں اور لکھنے کے علاوہ لیکچرار بھی ہیں ٹائم کیسے مینیج کرتی ہیں۔کیا مصروفیت کا اثر آپ کے لکھنے پہ پڑتا ہے۔
صائمہ اکرم چوہدری: میں نے ڈبل ایم اے کیا ہے۔ زکریا یونیورسٹی ملتان سے ماس کمیونیکیشن میں اور اسلامیہ یونیورسٹی سے ایم اے اردو۔ نادیہ مصروفیت کا عالم تو مت پوچھیے۔ کالج ،جاب اور لکھنے میں اپنے لیے تو بالکل ٹائم نہیں ملتا۔
نادیہ احمد: صائمہ یہ بتائیں کبھی ایسا ہوا کوئی تحریر لکھنے بیٹھیں اور کسی ایک مقام پر جا کر کہانی رک گئی آپ کے ذہن میں اس کا پورا خاکہ ہوتے ہوئے بھی آپ اسے کاغذ پہ اتار نہیں پا رہیں ایسے میں کیا کرتی ہیں؟
صائمہ اکرم چوہدری: ایسے میں، میں اس چیز کو وقتی طور پر چھوڑ دیتی ہوں اور کسی دن اچانک وہ کہانی میری انگلی پکڑ کر خود بخود لکھوانے لگتی ہے۔
نادیہ احمد: دیمک زدہ محبت......سکینہ اللہ دتہ......ایک کبڑی لاعلاج لڑکی کی کہانی آپ کے لفظوں نے اس کہانی کو امر کر دیا لیکن کیا آپ کو لگتا ہے آپ نے عائشہ کے ساتھ اچھا کیا؟
سکینہ اللہ دتہ کے کردار کے ساتھ انصاف کرتے کرتے اس کے دامن میں محبت کی خوشیاں ڈالتے ہوئے آپ نے ایک وفا شعار بیوی کے ساتھ ناانصافی کر دی؟ کیا خلوص اور وفا کا انجام یہ ہوتا ہے کہ مرد اس پر کسی سائے کو فوقیت دے؟
صائمہ اکرم چوہدری: عائشہ کے ساتھ بالکل بھی زیادتی نہیں ہوئی ہم سب انسان ہیں اور ہمارے دلوں میں کوئی نہ کوئی ایسا گوشہ ضرور ہوتا ہے جو ہم کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتے۔ سکینہ سے خاموش محبت کرتے ہوئے ڈاکٹر خاور نے کہیں بھی عائشہ کے ساتھ زیادتی نہیں کی اور عائشہ جس مزاج کی لڑکی تھی اگر خاور اس سے شیئر کر بھی لیتے تو اس کا دل بہت بڑا تھا اور ظرف بھی۔
نادیہ احمد: ہر انسان زندگی کو اپنے مطابق اپنی شرائط پہ گزارنا چاہتا ہے، ہر لمحے کو اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتا ہے لیکن ایسا ممکن نہیں ہوتا ہم تقدیر کے سامنے بے بس ہوتے ہیں۔ ایسے حالات میں ایک وقتی ڈپریشن اور فرسٹریشن آپ پر حاوی ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں آپ کیا محسوس کرتی ہیں اور خود کو اس کیفیت سے کیسے نکالتی ہیں؟ نیز اس کیفیت کا آپ کے اردگرد موجود افراد پہ کیا اثر ہوتا ہے؟
صائمہ اکرم چوہدری: یہ ایک بری کیفیت ہوتی ہے جب انسان اپنی خواہش کے مطابق زندگی گزار نہیں پاتا تو مایوسی اور جھنجھلاہٹ کا شکار ہوتا ہے اور خود کو اور اپنے اردگرد کے لوگوں کو اذیت دینے لگتا ہے لیکن الحمداللہ میرے اوپر جب بھی ایسا لمحہ آیا۔ میں نے خود کو اللہ کے اور قریب پایا۔ رونے دھونے کے بعد ایک وہ ہی ہستی ہے جو آپ کو اس سچویشن سے نکال سکتی ہے۔ ایسے تمام حالات میں میرا اللہ پر یقین پختہ ہوا۔ الحمداللہ میرے اردگرد سب پڑھے لکھے اور سمجھدار لوگ ہیں جو چیزوں کو انڈر اسٹینڈ کرتے ہیں۔ بس اللہ کی مدد اور اپنے پیاروں کی محبت مجھے ایسی سچویشنز سے خیر و عافیت سے نکال کر لے آتی ہے۔
نظام الدین نظامی: کچھ عرصہ آپ ایکسپریس نیوز میں بھی رہیں۔ ایکسپریس نیوز چھوڑنے کی وجہ؟
صائمہ اکرم چوہدری: وہاں کی ٹائمنگ بہت اوڈ تھیں۔
مجاہد ناز: آپ نے زندگی سے کیا سبق سیکھا؟
صائمہ اکرم چوہدری: جیو اور جینے دو
وجیہہ الطاف چوہدری: اسلام علیکم آپ کے ڈراموں کے والد اتنے سخت مزاج کیوں ہوتے ہیں میم۔ آپ کو ایسی تحاریر لکھنے کی تحریک کہاں سے ملی۔
صائمہ اکرم چوہدری: ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا، ایک افسانہ اور اب ایک ڈرامہ ضرور اس موضوع پر لکھا اور اس میں بھی فادر کے سخت مزاج ہونے کے پیچھے ایک پوری کہانی تھی اور کچھ میں نے اپنے پڑوس میں ایک انکل کو دیکھ رکھا تھا بچپن میں اور ان کی سختی کو دیکھ کر اکثر سوچتی تھی کہ مجھے ان پر کچھ لکھنا چاہیے۔
حنین ملک: صائمہ آپی جیسے آپ کے سٹیٹس ہوتے کیا آپ بھی ایسی ہی ہیں؟
صائمہ اکرم چوہدری: حنین، میری شخصیت میں بہت ورائٹی ہے، میں اپنے کچھ خاص لوگوں کے لیے بہت زندہ دل، شرارتی اور شوخ مزاج ہوں لیکن اب شخصیت میں سنجیدگی کا عنصر بڑھتا جا رہا ہے اسپیشلی اپنی اسٹوڈنٹس کے لیے۔
حنین ملک: مجھے لگتا ہے آپ بہت سنجیدہ مزاج ہیں کیا یہ سچ ہے؟ آپ کو لکھنے کا شوق کیونکر ہوا، آپ کو کس نے لکھنے کی طرف راغب کیا کیا آپ کا شوق ہے؟ نئے لکھاریوں کے لیے کوئی مشورہ؟
صائمہ اکرم چوہدری: ایسا بالکل نہیں ہے۔
میرے فادر کو مطالعے کا بہت شوق تھا اور ان سے یہ شوق

میرے اندر منتقل ہوا۔ بچپن میں، میں اپنی بڑی بہن کو خود سے کہانیاں بنابنا کر سناتی تھی اور پھر اپنی ایک کلاس فیلو کا نام اخبار میں دیکھ کر مجھے بھی شوق ہوا اور میں نے بہت چھوٹی عمر میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔

وہ بہت زیادہ پڑھیں۔

حنین ملک: جب آپ بہت اداس ہوتی ہیں تو کیا کرتی ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: اداسی کے عالم میں یا تو کسی اچھی سی دوست کو فون کر لیتی ہوں یا پھر میاں کے ساتھ لونگ ڈرائیو پر۔ ویسے بزی شیڈول میں اداس ہونے کے لیے بھی ٹائم کم ہی ملتا ہے۔

حنین ملک: آپ بچپن میں شرارتی تھیں یا سنجیدہ؟ اپنی کوئی ایسی شرارت بتائیں جو آپ آج بھی یاد کرتی ہیں تو مسکراہٹ لبوں پر آجاتی ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: بچپن میں کیا، ابھی تک شرارتی ہوں اور بے شمار ایسے واقعات ہیں اور کافی لمبے لمبے ہیں اس لیے یہاں نہیں لکھ سکتی۔

حنین ملک: اگر آپ کو ملک کا وزیراعظم بنا دیا جائے تو سب سے پہلا کام کیا کریں گیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: ملک میں روڈز اور اسکولوں کی حالت درست کروں گی۔

حنین ملک: اپنے ناولوں میں سے آپ کا سب سے پسندیدہ ناول کون سا ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: ابن آدم، دیمک زدہ محبت اور خالی ہاتھ۔

حنین ملک: سیاہ حاشیہ لکھنے میں آپ کی مدد کس نے کی میرا مطلب یہ خیال آپ کے ذہن میں کیسے آیا کہ ایسا ناول لکھا جائے کیا کسی دوست کا مشورہ تھا یا اپنا خیال؟

صائمہ اکرم چوہدری: سیاہ حاشیہ لکھنے کا خیال ایک دن غلام عباس کا افسانہ کتبہ پڑھاتے ہوئے آیا۔ بس پھر میں نے کہانی کا تانا بانا بننا شروع کیا اور پھر لکھتی گئی۔ میں اصل میں لکھنے سے پہلے تحریر کا نام سوچتی ہوں اور اس کے بعد کہانی کی بنت اسٹارٹ کرتی ہوں۔

حنین ملک: آپ سینئرز میں کس سے سب سے زیادہ متاثر ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: میں سینئرز میں ہی سے نہیں، بلکہ جو نیئرز میں سے بھی کافی لوگوں سے متاثر ہوں، اچھا جملہ جو بھی لکھے، میں اس کی فین ہوں۔

حنین ملک: اپنے میاں کو کس روپ میں اچھی لگتی ہیں، سادگی میں یا پھر میک اپ میں؟

صائمہ اکرم چوہدری: میرا خیال ہے ان کو میں بنی سنوری ہی اچھی لگتی ہوں۔

حنین ملک: فارغ اوقات کے مشاغل کیا ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: فراغت ہی تو نہیں ہے مائی ڈیئر لائف میں۔ ترس گئی ہوں اس چیز کے لیے۔

ندا حسنین: آپ کو اپنے اب تک کے لکھے ہوئے کس کردار نے رلایا یا ہنسایا؟ وہ ایسا کون سا کردار ہے، جس سے آپ بے حد انسیت محسوس کرتی ہیں اور کیوں؟

صائمہ اکرم چوہدری: سکینہ اللہ دتا نے بہت رلایا اور ابھی تک رلا رہی ہے۔ کاش میں اس کے لاعلاج مرض کے لیے کچھ کر سکتی۔ ارفع عزیز کا دکھ آج بھی مجھے محسوس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہنسانے والے کردار زرا کم ہیں۔

شبینہ گل: اپنے تحریری سفر کی روداد ہم سے شیئر کریں پلیز۔ شروعات سے اب تک۔ یعنی کہانیاں بھیجنا سلیکٹ یا ریجیکٹ ہونا، اپ کا ردعمل، آپ کے حوصلہ افزائی کے محرکات سب کچھ۔

صائمہ اکرم چوہدری: تحریری سفر کی داستان تو بہت لمبی ہے لیکن میری خوش قسمتی رہی کہ مجھے ہر موقعے پر کوئی نہ کوئی ایسا ہاتھ ملتا گیا، جسے پکڑ کر میں آگے سے آگے چلتی رہی۔ میں نے لکھنے کا آغاز بچوں کی کہانیاں لکھنے سے کیا اور افسانہ نگاری گریجویشن کے بعد کی، بہت سی کہانیاں ریجیکٹ ہوئیں اور اچھا ہوا کہ ہوگئیں کیونکہ وہ اسی قابل تھیں۔

سحرش فاطمہ: اب تک کے سوالات میں سے کون سا سوال اچھا لگا؟ اور کوئی ایسا سوال جو آپ کسی ریڈر سے کرنا چاہیں؟

رائٹر بن جانے کے بعد اب آپ ریڈر کے طور پر اپنا نقطۂ نظر نہیں دے سکتیں کسی اور رائٹر کی تحریر پر تو جب بے انتہا دل کرے تو کیا کرتی ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: بہت شکریہ سحرش! ابھی ایسا کوئی سوال نہیں ہوا جو کہ تھوڑا مختلف ہو۔ یہ سب وہ سوالات ہیں جن کے جوابات میں بہت عرصے سے دے رہی ہوں۔ کسی رائٹر کی تحریر اچھی لگے تو اسے ضرور بتاتی ہوں، اچھی نہ لگے تو خاموش ہو جاتی ہوں۔

حنین ملک: آج کی صائمہ اکرم اور دس سال پہلے کی صائمہ اکرم میں کتنا فرق ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلے تو بہت بولڈ، آؤٹ اسپوکن، شرارتی اور اوور کونفیڈنٹ تھی۔ اب

وقت کے ساتھ میچورٹی، سنجیدگی اور تھوڑا کم گو ہوگئی ہوں، پہلے تو کسی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیتی تھی۔

حنین ملک: آپ اپنے گروپ کے ایڈمن پینل میں کس سے سب سے زیادہ خوش ہیں، سب سے زیادہ پسندیدہ ایڈمن کون ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: سب ہی ماشاء اللہ بہت اچھی ہیں اور یدا، فریحہ، سدرہ صدیقی اور سدرہ آفاق جہاں ہوں، میں بہت مطمئن رہتی ہوں۔ ستارہ، ندا بھی اچھی ہیں۔ کسی زمانے میں صابر خان بہت اچھے ایڈمن تھے پھر بیوی کو پیارے ہو گئے آج کل صبا ایشل گروپ کو خاصا ایکٹو رکھتی ہیں۔

حنین ملک: آپ کو جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا اکیلے رہنا؟

صائمہ اکرم چوہدری: میرے میاں جوائنٹ فیملی سسٹم کے سخت خلاف ہیں۔ اس لیے شادی کے بعد سے اکیلی ہی ہوں۔ ہاں عید پر سب اکٹھے ہوتے ہیں تو مزا آتا ہے۔

حنین ملک: آپ کو تنقید اور تعریف دونوں ملتی ہیں، تنقید پہ کیا ردعمل ہوتا ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: تنقید برائے اصلاح اور تنقید برائے تنقید دونوں میں فرق صاف سمجھ آجاتا ہے۔ اصلاحی تنقید سے خود کو بہتر کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور تنقید برائے تنقید کو نظر انداز کردیتی ہوں۔

حنین ملک: میں نے آپ کی شادی کی تصاویر جب ڈائجسٹ میں دیکھی تھیں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی آپ سے بات ہو پائے گی، آج ٹیکنالوجی کا اتنا فائدہ ہوا کہ آپ سے بات کرنا ممکن ہے۔ آپ کے خیال میں کونسی ٹیکنالوجی فائدہ میں ہے اور کون سی نقصان میں؟

صائمہ اکرم چوہدری: ٹیکنالوجی کوئی بھی اچھی یا بری نہیں ہوتی، اس کا استعمال اچھا یا برا ہوتا ہے۔

حنین ملک: آپکی آج تک کی کوئی ایسی خواہش جو پوری نہ ہوئی ہو؟

صائمہ اکرم چوہدری: الحمد اللہ آج تک جو سوچا، اللہ نے سب دیا۔ اللہ کا بہت بہت کرم ہے مجھ پر۔

کنول خان: 1 ہر مصنف یا شاعر جب بھی کچھ لکھتا ہے تو اپنے لکھے ہوئے کی تعریف سننا پسند کرتا ہے کیا آپ کو بھی تعریف کا انتظار رہتا ہے یا پھر تنقید برائے اصلاح کا؟ 2 کبھی کسی کہانی سے ایسا لگا یہ تو اور بہتر ہونی چاہیے تھی اور وہ کون سی کہانی تھی؟

صائمہ اکرم چوہدری: تعریف تو ویسے ہی انسان کا دل بڑھا دیتی ہے لیکن مجھے اپنی تحریروں پر کمنٹس کا انتظار ضرور رہتا ہے۔ آج سے پندرہ سال پہلے لکھی ہوئی کہانیاں دوبارا لکھنے کو دل کرتا ہے۔

صدف آصف: آپ نے پہلی تحریر لکھتے ہوئے کتنی بار سوچا؟

صائمہ اکرم چوہدری: بالکل بھی نہیں سوچا تھا جو ذہن میں آیا لکھ ڈالا

ثانیہ عباسی: دیمک زدہ محبت کا حقیقت سے کوئی تعلق ہے یا یہ آپ کی اپنی تخلیق ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: اس کے اکثر کردار حقیقی ہیں اور میرے اردگرد بستے ہیں۔

حنین ملک: آپ نے جب لکھنا شروع کیا تو کتنی بار ریجیکشن کا سامنا کرنا پڑا یا پھر پہلی بار میں ہی کہانی سلیکٹ ہوگئی؟

صائمہ اکرم چوہدری: کافی دفعہ ریجیکٹ ہوئیں۔ یہ عشق نہیں ہے آساں۔

عرشیہ ہاشمی: کہانی لکھتے ہوئے کبھی کوئی کردار آپ کی زندگی پر حاوی ہوا؟ کسی کردار کے درد کو محسوس کر کے آپ اپ سیٹ ہوئیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: ہر کہانی میں کوئی نہ کوئی کردار ایسا ضرور ہوتا ہے جس کی تکلیف مجھے اپنے دل پر محسوس ہوتی ہے، جس کی خوشیاں مجھے بھی اچھی لگتی ہیں۔

نینا شہزادی: اتنی ساری کہانیاں کیسے سوچتی ہیں مجھ نہیں آتی کیا کروں؟

صائمہ اکرم چوہدری: نینا، اچھی اسٹوری آپ کا ہاتھ پکڑ کر خود آپ سے لکھواتی ہے آپ بھی اس وقت کا انتظار کریں اور خوب پڑھیں۔

ظفر علی: اگر ہم آپ سے کہیں کہ آپ اپنے ناولوں میں سے کوئی ایک ناول ہمارے لیے سلیکٹ کریں اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ہم عمیرہ احمد کی تحریروں کے دیوانے ہیں تو کون سا ناول ہوگا۔

صائمہ اکرم چوہدری: ظفر علی آپ عمیرہ جی کی تحریریں ضرور پڑھیں۔ میں خود ان کی بڑی فین ہوں۔

عمران رضا بٹ: آپ کی وہ کون سی سٹوری ہے جو آپ کی فیورٹ ہے جسے لکھنے میں آپ نے کافی انجوائے کیا۔

صائمہ اکرم چوہدری: عمران رضا بٹ بہت سی کہانیاں ہیں جنہیں لکھتے ہوئے میں نے کافی انجوائے کیا، خاص طور پر اپنی مزاحیہ اور شرارتی ناولٹس جن میں، میں ہوں ناں، جنجوعہ ہاؤس، ست رنگی چنری وغیرہ وغیرہ۔

عابدہ احمد: آپ کی لکھی گئی سب سے پہلی کہانی کون سی قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری تھی (ڈائجسٹ کے لیے)

صائمہ اکرم چوہدری: سب سے پہلی کہانی تتلی راستہ بھول گئی اور محبت مر بھی سکتی ہے۔ آج بھی لوگ مجھے اس کا حوالہ دیتے ہیں۔

ندا حسنین: ایک رائیٹر کے ذہن میں بہت سی کہانیاں پلتی رہتی ہیں بہت سے کردار ذہن میں تخلیق ہوتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں ایسی کوئی کہانی یا کردار تخلیق ہوا جو قلم تک ابھی نہیں پہنچا مگر دل میں شدت سے خواہش ہو کہ یہ کہانی لکھ دوں؟

صائمہ اکرم چوہدری: جی بہت سے کردار اور کہانیاں ایسی ہیں اور پھر ایسا کرتی ہوں ان کہانیوں کے پوائنٹس کہیں پر لکھ کر رکھ لیتی ہوں جب بھی ٹائم ملے گا ان پر ضرور لکھوں گی۔

منعم اصغر: آپ میری پسندیدہ مصنفہ ہیں آپ نے پہلی تحریر کون سی لکھی کس ڈائجسٹ میں آئی اور اس کا کیسا ریسپانس ملا۔

آپ نے لکھنا کب شروع کیا؟ کسی رائیٹر سے متاثر ہو کر یا خود یہ شوق پیدا ہوا؟

کسی ایسے رائیٹر کا نام جس کو آپ آج بھی دلچسپی سے پڑھتی ہوں؟

آپ کے پسندیدہ ناول جو آپ نے خود لکھا ہو؟

کیا سکینہ کا کردار حقیقی ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: پہلی کہانی بچوں کی اسکول کے دور میں لکھی تھی اور بڑوں کے لیے گریجویشن کے بعد۔ پہلی کہانی تتلی رسالہ بھول گئی ہوں۔

بہت سی رائیٹرز پسند ہیں جن میں عمیرہ احمد، عنیزہ سید، آمنہ ریاض، آمنہ مفتی، تنزیلہ ریاض، سمیرا حمید، سائرہ رضا، فائزہ افتخار، عالیہ بخاری اور نئے لکھنے والوں میں سحرش فاطمہ، ندا حسنین اور فرحین اظفر پسند ہیں۔ مصباح نوشین کا سٹائل بھی بہت اچھا ہے۔

سکینہ کا کردار حقیقی ہے۔ وہ آج بھی ہر روز مجھے گڈ مارننگ کا میسج بھیجتی ہے۔

میں ڈبل ایم کیا ہوا ہے اگلے سال ایم فل میں داخلہ لینے کا ارادہ ہے۔

ندا حسنین: اپنے آنے والے پراجیکٹس کے بارے میں بتائیں مجھے۔ اپنے ناول اور دوسرے جو پراجیکٹس ہیں ان کے حوالے سے۔

صائمہ اکرم چوہدری: آج کل دو ڈرامہ سیریل لکھ رہی ہوں۔ سیاہ حاشیہ کے بعد ایک ناول کی سمری تیار ہوگئی ہے اگر اللہ نے زندگی اور وقت دیا تو ضرور لکھوں گی۔

عمران رضا بٹ: آپ کی لکھنے کے علاوہ کیا مصروفیات ہیں اور آپ کو سیاست میں دلچسپی ہے صائمہ اکرم چوہدری

صائمہ اکرم چوہدری: سیاست سے بہت زیادہ دلچسپی ہے شاید اس لیے کہ میں خود ماس میڈیا کی اسٹوڈنٹ رہی ہوں، ہمارا ڈیپارٹمنٹ بہت ایکٹو تھا یونیورسٹی میں۔

ندا حسنین: وہ منزل کون سی جس کو پانے کے لیے آپ کا قلم بیتاب ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: ابھی وہ منزل بہت دور ہے، وہ تمام کہانیاں جو میرے ذہن میں ہیں وہ لکھ لوں پھر چھوڑ دوں گی

منعم اصغر: کیا سکینہ زندہ ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: جی الحمدللہ۔ ڈھرکی سندھ کے ایک گاؤں میں۔

عابدہ احمد: سکینہ کا کردار آپ کو کیسے ملا؟ اور اس کہانی میں کتنے فیصد واقعات حقیقی تھے؟

صائمہ اکرم چوہدری: سکینہ مجھے پمز ہسپتال کے ری ہیبلیٹیشن سینٹر میں ملی تھی جہاں میں اپنے میاں کی کزن کی تیمارداری کے لیے گئی تھی اور کہانی میں بہت سے واقعات حقیقی ہیں۔ جو مختلف لوگوں سے مجھ تک پہنچے، لیکن ساری کہانی سچی نہیں ہے۔ صرف کچھ من واقعات سچائی پر مبنی ہیں۔

فائزہ امن خان: آپ کو اپنے کس ناول کے ہیرو میں اپنے شوہر کی جھلک نظر آتی ہے اور کس ہیروئن میں اپنی؟

صائمہ اکرم چوہدری: دیمک زدہ محبت کے ڈاکٹر خاور کا اپنے پروفیشن سے عشق مجھے اپنے میاں میں نظر آتا ہے اور وہ کردار بھی انہی کو سامنے رکھ کر لکھا تھا اور اپنی جھلک مجھے کسی کردار میں نظر نہیں آتی۔

عمران رضا بٹ: اب کی جو سیاسی پارٹی ہیں ان میں سے آپ کس کو بہتر سمجھتی ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: آج کل تو سارے ہی ایک جیسے لگتے ہیں۔ عمران خان سے امیدیں تھیں لیکن وہ بھی بعض دفعہ بہت ان میچور حرکتیں کرنے لگتے ہیں۔

منعم اصغر: آپ نے آج تک جو بھی لکھا اس پر مطمئن ہیں؟ کیا آپ کی تحاریر آپ کے اپنے پڑھتے ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: منعم، ابھی تک کسی تحریر سے مطمئن نہیں ہوں، میرے بہن بھائی تو مجھے بالکل نہیں پڑھتے، ہاں کچھ فرینڈز پڑھ لیتی ہیں وہ بھی بار بار کہنے پر۔

المیر الافنان حیدر: 2 آپ پاک آرمی پہ ناول کب لکھیں گی؟ ارحم اور اور یدہ کی لڑائی کیوں کرادی وہ بھی اتنی زیادہ کیا اور یدہ کو بدلنے کا اور کوئی اچھا طریقہ نہیں ہو سکتا تھا؟

صائمہ اکرم چوہدری: پاک آرمی کے سیٹ اپ میں ہوں۔ انشاء اللہ بہت جلد۔

عیشا سعید: فرصت میں آپ کے مشاغل۔ ناول لکھنے کا خیال کیسے آیا؟ اپنے ناول پڑھ کر کیا محسوس کرتی ہیں اور کتنی بار پڑھتی ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: فرصت میں کہیں گھومنے پھرنے نکل جاتے ہیں اور اپنا ناول ایک دفعہ پبلش ہونے کے بعد ضرور پڑھتی ہوں

عمران رضا بٹ: آپ جب غصہ میں ہو تو آپ کے میاں کا کیا ری ایکشن ہوتا ہے مطلب وہ چپ کر کے سائیڈ پہ بیٹھ جاتے ہیں یا آپ کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

صائمہ اکرم چوہدری: اگر تو ان کا اپنا کوئی قصور ہو تو چپ کر جاتے ہیں لیکن جیسے ہی میں چپ کر جاؤں تو پھر وہ سوری کر لیتے ہیں۔

فائزہ بلال خان: کوئی ایسی رائیٹر جس سے آپ ملنا چاہتی ہوں؟

صائمہ اکرم چوہدری: عالیہ بخاری، عمیرہ احمد، آمنہ مفتی۔

بنت حوا: سیاست میں کب آرہی ہیں؟ آپ اتنی ساری کہانیاں کیسے لکھ لیتی ہیں اور ٹیچنگ کرنا آسان ہے یا لکھنا؟

صائمہ اکرم چوہدری: میں سیاست میں کبھی نہیں آؤں گی۔ کہانیاں بس اللہ کی رحمت سے خود بخود لکھی جاتی ہیں اور پڑھانا زیادہ آسان ہے۔

حنا مہر: السلام علیکم آپی ڈیئر امید ہے آپ بالکل خیریت سے ہوں گی...... آپ کا ناول ''سیاہ حاشیہ'' بہت خوب صورت تحریر دیمک زدہ محبت کے بعد آپ کی اس تحریر نے اپنے سحر میں گرفتار کرلیا ہے خوش رہیں۔

سوال: جب آپ بہت زیادہ اداس ہوں تو کیا کرتی ہیں؟ آپ کی کوئی ایسی تحریر جو لکھتے ہو روئی ہوں۔ میں نئی لکھنے والی ہوں کوئی اچھی سی ٹپ بتائیں جس پہ عمل کر کے لکھنے میں نکھار آسکے۔

صائمہ اکرم چوہدری: حنا مہر، اداس ہوں تو اپنی کسی فرینڈ کو فون کرلیتی ہوں یا میاں جی کہیں گھمانے پھرانے لے جاتے ہیں۔ دیمک زدہ اور ابن آدم کے چند جملے لکھتے ہوئے میں بہت جذباتی ہوگئی تھی۔ باقی لکھنے والوں کو صرف یہ ٹپ دوں گی کہ بہت زیادہ پڑھیں۔ اس سے آپ کے پاس لفظوں اور خیالات کا ذخیرہ آتا ہے۔

مران رضا بٹ: گھر میں حکم آپ کا چلتا یا جمہوریت کی فضا ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: گھر میں ماشاء اللہ جمہوریت کی فضا ہے۔ ہم میں سے کسی کو بھی ایک دوسرے پر مسلط ہونے کا شوق نہیں۔ دونوں میاں بیوی میں انڈر اسٹینڈنگ ہے اور آپ کو یہ سن کر شاید بہت حیرت ہوگی کہ سات سالوں میں مجھے اپنے میاں کا کوئی ایسا جملہ یاد نہیں، جسے سن کر یا یاد کر کے میری دل آزاری ہوتی ہو۔

ام ظیفور: آپ نے ابتدا پاکیزہ سے کی تھی سب سے زیادہ لطف کس ادارے کے لیے لکھنے میں آتا ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: پاکیزہ اور شعاع میں۔

ستارہ آمین کومل: آپ نے بہت کچھ لکھا بچوں کا ادب ناول افسانے ڈرامے تو ان میں سے کیا لکھنا آسان لگتا ہے بچوں کے لیے یا بڑوں کے لیے یا پھر ڈرامہ؟

صائمہ اکرم چوہدری: آج کل ڈرامہ لکھنا آسان لگتا ہے مجھے۔

نبیلہ ابر راجہ: صائمہ اتنا اچھا کیسے لکھ لیتی ہو اور جلدی بھی اللہ بری نظر سے بچائے تم اسکرپٹ، ناول، افسانے اور ساتھ جاب سب چیزوں کو کس طرح لے کر چلتی ہو؟

صائمہ اکرم چوہدری: نبیلہ تم خود ہی تو کہتی ہو کہ مجھ پر اللہ کی خاص رحمت ہے۔ بس اللہ ہمت دے دیتا ہے اور سب کچھ مینج ہو جاتا ہے۔

صدف آصف: آپ کے خیال میں ماضی کے لکھنے والوں کے مقابلے میں، آج کل کے لکھاریوں کو زیادہ دشواریوں کا سامنا ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: آج کل لکھنے والوں کو آسانی ہے، ڈائجسٹ زیادہ آگئے ہیں اور الیکٹرانک میڈیا تک سب کی

صائمہ اکرم چوہدری: عمران رضا بٹ. بہت سی کہانیاں ہیں جنہیں لکھتے ہوئے میں نے کافی انجوائے کیا، خاص طور پر اپنی مزاحیہ اور شرارتی ناولٹس جن میں، میں ہوں ناں، جنجوعہ ہاؤس، ست رنگی چنری وغیرہ وغیرہ۔

عابدہ احمد: آپ کی لکھی گئی سب سے پہلی کہانی کون سی قبولیت کی سند حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہری تھی (ڈائجسٹ کے لیے)

صائمہ اکرم چوہدری: سب سے پہلی کہانی تتلی راستہ بھول گئی اور محبت مر بھی سکتی ہے۔ آج بھی لوگ مجھے اس کا حوالہ دیتے ہیں۔

ندا حسنین: ایک رائیٹر کے ذہن میں بہت سی کہانیاں پلتی رہتی ہیں بہت سے کردار ذہن میں تخلیق ہوتے ہیں۔ آپ کے ذہن میں ایسی کوئی کہانی یا کردار تخلیق ہوا جو قلم تک ابھی نہیں پہنچا مگر دل میں شدت سے خواہش ہو کہ یہ کہانی لکھ دوں؟

صائمہ اکرم چوہدری: جی بہت سے کردار اور کہانیاں ایسی ہیں اور پھر ایسا کرتی ہوں ان کہانیوں کے پوائنٹس کہیں پر لکھ کر رکھ لیتی ہوں جب بھی ٹائم ملے گا ان پر ضرور لکھوں گی۔

منعم اصغر: آپ میری پسندیدہ مصنفہ ہیں آپ نے پہلی تحریر کون سی لکھی کس ڈائجسٹ میں آئی اور اس کا کیسا ریسپونس ملا۔

آپ نے لکھنا کب شروع کیا؟ کسی رائیٹر سے متاثر ہو کر یا خود یہ شوق پیدا ہوا؟

کسی ایسے رائیٹر کا نام جس کو آپ آج بھی دلچسپی سے پڑھتی ہوں؟

آپ کے پسندیدہ ناول جو آپ نے خود لکھا ہو؟

کیا سکینہ کا کردار حقیقی ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: پہلی کہانی بچوں کی اسکول کے دور میں لکھی تھی اور بڑوں کے لیے گریجویشن کے بعد۔ پہلی کہانی تتلی رسالہ بھول گئی ہوں۔

بہت سی رائیٹرز پسند ہیں جن میں عمیرہ احمد، عنیزہ سید، آمنہ ریاض، آمنہ مفتی، تنزیلہ ریاض، سمیرا حمید، سائرہ رضا، فائزہ افتخار، عالیہ بخاری اور نئے لکھنے والوں میں سحرش فاطمہ، ندا حسنین اور فرحین اظفر پسند ہیں۔ مصباح نوشین کا اسٹائل بھی بہت اچھا ہے۔

سکینہ کا کردار حقیقی ہے۔ وہ آج بھی ہر روز مجھے گڈ مارننگ کا میسج کرتی ہے۔

میں ڈبل ایم کیا ہوا ہے اگلے سال ایم فل میں داخلہ لینے کا ارادہ ہے۔

ندا حسنین: اپنے آنے والے پراجیکٹس کے بارے میں بتائیں مجھے۔ اپنے ناول اور دوسرے جو پراجیکٹس ہیں ان کے حوالے سے۔

صائمہ اکرم چوہدری: آج کل دو ڈرامہ سیریل لکھ رہی ہوں۔ سیاہ حاشیہ کے بعد ایک ناول کی سمری تیار ہوئی ہے اگر اللہ نے زندگی اور وقت دیا تو ضرور لکھوں گی۔

عمران رضا بٹ: آپ کی لکھنے کے علاوہ کیا مصروفیات ہیں اور آپ کو سیاست میں دلچسپی ہے صائمہ اکرم چوہدری

صائمہ اکرم چوہدری: سیاست سے بہت زیادہ دلچسپی ہے شاید اس لیے کہ میں خود ماس میڈیا کی اسٹوڈنٹ رہی ہوں، ہمارا ڈیپارٹمنٹ بہت ایکٹو تھا یونیورسٹی میں۔

ندا حسنین: وہ منزل کون سی جس کو پانے کے لیے آپ کا قلم بیتاب ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: ابھی وہ منزل بہت دور ہے، وہ تمام کہانیاں جو میرے ذہن میں ہیں وہ لکھ لوں پھر چھوڑ دوں گی

منعم اصغر: کیا سکینہ زندہ ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: جی الحمدللہ۔ ڈھرکی سندھ کے ایک گاؤں میں۔

عابدہ احمد: سکینہ کا کردار آپ کو کیسے ملا؟ اور اس کہانی میں کتنے فیصد واقعات حقیقی تھے؟

صائمہ اکرم چوہدری: سکینہ مجھے پمز ہسپتال کے ری ہیبلیٹیشن سینٹر میں ملی تھی جہاں میں اپنے میاں کی کزن کی تیمارداری کے لیے گئی تھی اور کہانی میں بہت سے واقعات حقیقی ہیں۔ جو مختلف لوگوں سے مجھ تک پہنچے لیکن ساری کہانی سچی نہیں ہے۔ صرف کچھ میں واقعات سچائی پر مبنی ہیں۔

فائزہ امن خان: آپ کو اپنے کس ناول کے ہیرو میں اپنے شوہر کی جھلک نظر آتی ہے اور کس ہیروئن میں اپنی؟

صائمہ اکرم چوہدری: دیمک زدہ محبت کے ڈاکٹر خاور کا اپنے پروفیشن سے عشق مجھے اپنے میاں میں نظر آتا ہے اور وہ کردار بھی انہی کو سامنے رکھ کر لکھا تھا اور اپنی جھلک مجھے کسی کردار میں نظر نہیں آتی۔

عمران رضا بٹ: اب کی جو سیاسی پارٹی ہیں ان میں سے آپ کس کو بہتر سمجھتی ہیں؟

پارٹ ٹو میں لکھنا چاہوں۔

اریشہ فاروق: کوئی خواہش؟

صائمہ اکرم چوہدری: اریشہ فاروق، زندگی کی ایک خواہش ہے، جو ابھی تک پوری نہیں ہوئی، شاید اس کا ابھی وقت نہیں آیا۔

چوہدری ارسلان: کہانی لکھتے وقت کیا پہلے سے جو ذہن میں ہوا سے ویسا ہی رکھتی ہیں یا بدلتی رہتی ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: بس کہانی کا مین تھیم میرے ذہن میں ہوتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں، بس اسٹارٹ کر دیتی ہوں اور کہانی کا اینڈ تو بعض دفعہ مجھے خود معلوم نہیں ہوتا، میں ہمیشہ فطری اینڈ کرتی ہوں اور کہانی کو اپنی مرضی سے چلانے کی کوشش نہیں کرتی۔

شفقت محمود: آپ کا اپنا ایسا ناول، ڈرامہ یا اسٹوری جو آپ کو بہت پسند ہو؟

صائمہ اکرم چوہدری: ناول، اب ابن آدم اور ڈرامہ عنایہ تمہاری ہوئی۔

اریشہ فاروق: آٹوگراف میں آپ زیادہ تر کیا لکھتی ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: اریشہ فاروق، آٹوگراف میں ایک ہی جملہ لکھتی ہوں۔

اسامہ مغل: کیا لکھنے کے لیے سیکھنے کی ضرورت ہے یا یہ خداداد صلاحیت ہوتی ہے؟ آپ کی زندگی کا کوئی دلچسپ واقعہ کچھ ایسا جسے یاد کر کے ہنسی آتی ہے آپ کا پسندیدہ شعر؟

صائمہ اکرم چوہدری: لکھنا ایک خداداد صلاحیت ہے اور اس میں نکھار مطالعے سے آتا ہے۔ مطالعے سے انسان کی سوچ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

عائشہ ہوسٹل کے اکثر واقعات میں اپنے ناولٹس "ست رنگی چنری" اور وے سونے دیاں کنگنا میں لکھ چکی ہوں۔ باقی پسندیدہ اشعار بے شمار ہیں۔

شہباز اکبر الفت: صائمہ آپی، آپ نے بچوں کے لیے لکھنا کیوں چھوڑ دیا؟ کیا آپ بہت بڑی رائٹر بن چکی ہیں اس لیے یا اب بچوں کے لیے لکھنا تھوڑا مشکل لگنے لگا ہے؟) بچوں کے لیے آپ کی کوئی نئی کہانی ہم کب تک پڑھ سکیں گے؟

صائمہ اکرم چوہدری: اکبر بچوں کے لیے لکھنا آسان کام نہیں ہے اور مجھے لگتا ہے کہ اب میں ان کے لیے نہیں لکھ سکتی۔ شاید میں نے بہت جلد بڑوں کے لیے لکھنا شروع کر دیا تھا، اب سوچوں بھی تو شاید بچوں کے لیے نہ لکھ پاؤں

چوہدری ارسلان: کسی دوسرے رائٹر کا ایسا ناول جسے پڑھ کر آپ کو لگا ہو کہ یہ میں لکھتی تو وہ کون سا ہوتا؟

صائمہ اکرم چوہدری: ایسی کوئی تحریر نہیں، ہاں مستنصر حسین تارڑ کے سفرنامے پڑھ کر دل چاہتا ہے کہ کاش میں بھی ایسے ہی سیر و سیاحت کر سکتی۔

اریشہ فاروق: میری زندگی کی بہت سی خواہشات میں سے ایک خواہش آپ کا آٹوگراف۔

صائمہ اکرم چوہدری: آپ کو آٹوگراف مل جائے گا۔

چوہدری ارسلان: اگر آپ سے کبھی آپ کا ناول مانگو تو کون سا گفٹ کریں گیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: اپنا وہ ناول، جو میں نے نیکسٹ ایئر ابھی لکھنا ہے۔ "کن فیکون"

اریشہ فاروق: ٹیچنگ اور رائٹنگ میں سے کیا پسند ہے؟ جب ٹینس ہوتی ہیں تو کیا کرتی ہیں؟ کوئی ایسی ہستی جس سے ملنے کا بہت شوق ہو؟

صائمہ اکرم چوہدری: رائٹنگ اور لیکچرر شپ دونوں ہی مجھے پسند ہیں۔ جب ٹینشن ہوتی ہے تو کبھی اللہ سے تو کبھی فرینڈز سے رجوع کرتی ہوں، مجھے لیڈی ڈیانا سے ملنے کا شوق تھا مگر افسوس نہیں مل سکی۔

منعم اصغر: آپ کے ناول اے عشق ہمیں برباد نہ کرنے قارئین کو بہت اداس کر دیا، کیا آپ اسے لکھتے ہوئے اداس تھیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: جی بہت زیادہ۔

شفقت محمود: تاریخ پہ اگر کچھ لکھنا چاہیں تو کس شخصیت پہ لکھیں گیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: اسلامی تاریخ مجھے بہت اٹریکٹ کرتی ہے خاص طور پہ حضرت عمر فاروق کی شخصیت۔

شہباز اکبر الفت: صائمہ آپی اگر کوئی پروڈکشن ہاؤس آپ سے بچوں کے لیے ڈرامہ سیریز یا سیریل لکھوانے پر اصرار کرے تو آپ کا حتمی جواب کیا ہوگا؟ نیز بہت چھوٹی عمر میں بچوں کے بہترین رائٹر کے طور پر اپنی پہچان کے دور یاد کر کے کیا محسوسات ہوتے ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: بچوں کے لیے تو بہت مشکل ہو جائے گی ابھی کچھ کہہ نہیں سکتی۔ باقی اس دور میں اپنی پہچان بہت اچھی لگتی تھی۔

چوہدری ارسلان: کیا اپنے ناول پھر بعد میں بھی پڑھتی ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: بار بار پڑھنے کا موقع تو نہیں ملا ہاں

ایک آدھ بار سب ہی پڑھیں ہیں۔
شفقت محمود: موجودہ دور کی کوئی ایسی ہستی جس سے آپ بہت متاثر ہوں۔
صائمہ اکرم چوہدری: عبدالستار ایدھی
رمیشہ چوہان: سیاہ حاشیہ پڑھنے کے بعد آپ سے محبت ہوگئی ہے صائمہ آپی۔ آپ اتنا اعلیٰ لکھتی ہیں میں رسالہ ہی آپ کی تحریر پڑھنے کے لیے لیتی ہوں۔
صائمہ اکرم چوہدری: بہت شکریہ رمیشہ۔
ڈاکٹر لبنیٰ زبیر: لکھنے کا شوق کب سے ہے اور کس بات نے لکھنے پر مجبور کیا؟
صائمہ اکرم چوہدری: لکھنے کا شوق بچپن سے ہے کسی خاص بات نے لکھنے پر مجبور نہیں کیا۔ اپنا آپ منوانے کی دھن میں قلم اٹھایا اور تب سے لکھ رہی ہوں۔
درخشاں سعید: پیاری صائمہ آپ کا ارسم اور اوریدا کو الگ کرنے کا تو کوئی پروگرام نہیں ہے ناں؟
آپ کا مکمل مزاحیہ ناول کب تک آرہا ہے؟
صائمہ اکرم چوہدری: ارسم اور اوریدا کی قسمت میں کیا لکھا ہے یہ میں نہیں جانتی۔ کہانی کیا رخ لیتی ہے اس کے مطابق ہی کوئی فیصلہ ہوگا۔ مزاحیہ ناول کا جس دن موڈ بنا اس دن لکھ ماروں گی۔
سدرہ گل: سکینہ کا لازوال کردار لکھتے آپ کے محسوسات کیا تھے؟
قلم کار طبقہ ایک یونٹ کیوں نہیں بنتا؟
کوئی ایسی تحریر جو اب تک نہ لکھی جاسکی ہو؟
فینز کا آپ کے ساتھ کیسا سلوک ہے سوشل میڈیا پر اور جب عام طور پر ملتے ہیں؟
صائمہ اکرم چوہدری: آپ نے پوچھا ہے کہ قلم کار طبقہ ایک یونٹ کیوں نہیں بنتا تو ہماری سوسائٹی میں مجھے تو کوئی بھی طبقہ ایسا نظر نہیں آتا جن میں یونٹی ہو۔ ہر کوئی اپنی غرض اور مفادات کا قیدی ہے۔ بہت سی ایسی تحریریں ہیں جو ابھی تک نہیں لکھی جا سکیں۔ ان شاء اللہ ان کو مکمل کروں گی۔ فینز تو ہمیشہ محبت سے ملتے ہیں۔ سوشل میڈیا میں تو پتا نہیں چلتا۔ ہاں حقیقی زندگی میں بہت پیار سے ملتے ہیں۔
ستارہ آمین کومل: اب مجھے بتائیں بہن اپنی اتنی بہت زیادہ مصروفیات میں سے میرے بھائی صاحب کے لیے بھی کوئی وقت نکلتا ہے؟
ایک پڑھی لکھی عورت کو جاب ضرور کرنا چاہیے یا؟
اللہ جی سے کتنا تعلق ہے اور کیسا ہے؟
صائمہ اکرم چوہدری: سب مصروفیات میں، میاں جی کے لیے ٹائم نکل آتا ہے، کبھی دو چار سین لکھ کر چائے بنا دی اور کبھی ایک دو پیج لکھ کر کوئی گپ شپ کرلی۔ پڑھی لکھی عورت کو جاب ضرور کرنی چاہئے اگر اس سے اس کا گھر ڈسٹرب نہ ہو رہا ہو۔
اللہ جی سے تعلق بہت ذاتی ہے اس کی تشہیر مجھے پسند نہیں
محمد انس حنیف: کیا آپ نے کبھی بڑی اسکرین کے لیے لکھنے کا سوچا ہے؟ اپنے ناولوں کے سوا آپ کا کوئی بہت پسندیدہ ناول؟
آپ کی کوئی ایسی تحریر جسے لکھنے کے بعد آپ نے سوچا اس تحریر کو اس سے بہتر نہیں لکھا جاسکتا تھا۔
صائمہ اکرم چوہدری: بڑی اسکرین کے لیے ان شاء اللہ لکھوں گی۔ اپنے ناول کے علاوہ بہت سے ناول ہیں جو پسند ہیں خاص طور پہ عالیہ بخاری کے۔
ابھی تک میں نے بیسٹ چیز کوئی نہیں لکھی۔
عمران قریشی: صائمہ جی آپ نے کبھی آنچل کے لیے لکھنے کا سوچا؟
صائمہ اکرم چوہدری: اکثر سوچا لیکن ہمیشہ وقت کی کمی ہی آڑے آگئی۔
عمران قریشی: صائمہ آپ کو اب وقت نکالنا ہی ہوگا
صائمہ اکرم چوہدری: جی ضرور۔ انشاء اللہ
ندا حسنین: آنچل میگزین کے قاری آپ کو آنچل میں پڑھنا چاہتے ہیں کیا ان کی محبت کے پیش نظر آپ آنچل میں لکھنا چاہیں گی؟
صائمہ اکرم چوہدری: جی لکھوں گی ضرور لیکن ابھی فوراً نہیں۔
صبا عیشال: ایک سوال جو اکثر ذہن میں آیا لیکن آج تک پوچھ نہ پائی۔ وہ یہ کہ صائمہ اتنے فینز ہیں آپ کے۔ ظاہر ہے ان باکس بھی بھرا رہتا ہوگا۔ کیسے مینج کرتی ہیں؟ اور کچھ وہ لوگ (مجھ جیسے) جن کو برداشت کرنا پڑتا ہے ان کا کیا کرتی ہیں؟
صائمہ اکرم چوہدری: آپ کو شائد یقین نہیں آئے گا میں آج کل ڈائجسٹ اور ٹی وی دونوں پر نظر آرہی ہوں اس لیے ان باکس اکثر بھرا رہتا ہے ان چیزوں سے متعلق سوالات سے۔ جو سوالات بہت ضروری ہوں ان کا جواب دیتی ہوں ذاتی سوالات اگنور کردیتی ہوں۔

شمین عزیز: ایک مصنف کے لیے اپنے کردار بہت اہم ہوتے ہیں کوئی ایسا کردار جو آپ نے خود نہیں لکھا بلکہ اس کردار نے آپ سے اپنا آپ لکھوایا؟

صائمہ اکرم چوہدری: بہت سے ایسے کردار ہیں جو خود آپ سے لکھواتے ہیں جیسے دیمک زدہ محبت کی جمیلہ ماں اور اللہ دتا کمہار۔ جیسے سیاہ حاشیہ کا ہاشم اور ملتجا ناول کی ہیروئن ملتجا

فیم انجم: صائمہ اکرم میری موسٹ فیورٹ رائٹرز میں سے ایک مجھے ناولز کے نام کم یاد رہتے ہیں لیکن دیمک زدہ محبت وہ ناول ہے جس کا نام ہی نہیں اس کے کریکٹرز کے نام بھی یاد ہیں اور ان کے سینز بھی ماشاء اللہ بہت اچھی رائٹر بہت اچھی انسان خوش رہیں اللہ پاک بہت سی کامیابیاں دے آمین

صائمہ اکرم چوہدری: شکریہ پیاری فیم۔

یاسین صدیق: کیا یہ آپ کا اصلی نام ہے؟ بچپن میں کس نام سے پکارا جاتا تھا۔

صائمہ اکرم چوہدری: جی یہ میرا اصلی نام ہے۔ بچپن میں سب صائمہ ہی کہتے تھے لیکن کچھ بے تکلف فرینڈز صائم یا صائمی کہتی ہیں۔

یاسین صدیق: موجودہ ادب جو لکھا جارہا ہے کیا آپ اس سے مطمئن ہیں۔

آپ کے خیال میں آج کا قاری کیا پڑھنا چاہتا ہے۔

صائمہ اکرم چوہدری: ہر قاری کی اپنی پسند اور ناپسند ہوتی ہے اور وہ اپنے مزاج اور سوچ کے مطابق ہی اُس ادب کا انتخاب کرتا ہے، جسے وہ پڑھنا چاہتا ہے۔

یاسین صدیق: آنچل یا حجاب ڈائجسٹ میں کوئی سلسلہ وار ناول کب لکھ رہی ہیں۔

صائمہ اکرم چوہدری: جب وقت ملا تو ضرور لکھوں گی۔

یاسین صدیق: آپ پر بھی تنقید ہوئی ہوگی، اگر کوئی آپ کی کہانی، افسانہ یا ناول پر تنقید کرے تو کیسا لگتا ہے۔

صائمہ اکرم چوہدری: اگر تو تنقید برائے اصلاح ہو تو میں اپنی اس خامی کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن اگر کوئی بے تکی تنقید کرے تو اسے نظر انداز کر دیتی ہوں۔

یاسین صدیق: آپ کا نام کس نے رکھا تھا اور صائمہ ہی کیوں رکھا اگر آج آپ اپنا نام اپنی پسند سے رکھنا چاہیں تو کیا رکھیں گی۔

صائمہ اکرم چوہدری: میرا نام میری والدہ کی بہترین دوست نے رکھا تھا اور مجھے اپنا نام بہت پسند ہے اگر خود سے رکھنا ہوتا تو شاید ایمان فاطمہ رکھتی۔

یاسین صدیق: سیاست سے دلچسپی ہے زرداری، نواز اور عمران میں سے کس کو پسند کرتی ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: ماس میڈیا کی اسٹوڈنٹ ہونے کی وجہ سے سیاست سے کسی زمانے میں کافی لگاؤ رہا لیکن میں سیاست میں شخصیت پرستی کی قائل نہیں۔ جس پارٹی کی پالیسز عوام کے مفاد میں ہوں گی، وہی میری پسندیدہ پارٹی ہوگی۔

یاسین صدیق: نئے لکھنے والوں کے لیے مشورہ۔

صائمہ اکرم چوہدری: ایک تحریر لکھنے سے پہلے کسی اور کی چار تحریریں پڑھیں اور کہانی لکھتے وقت کوئی نہ کوئی اصلاحی مقصد ضرور سامنے رکھیں۔

یاسین صدیق: فارغ اوقات کیسے گزارتی ہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: کتابیں پڑھ کر اور گھوم پھر کر۔

یاسین صدیق: آپ کی اچھی عادت، آپ کی بری عادات؟

صائمہ اکرم چوہدری: اچھی عادت یہ ہے کہ کافی فرینڈلی ہوں اور بری عادت یہ ہے کہ کافی زیادہ موڈی ہوں۔

محمد عامر سلیم: خواتین کی اکثریت رومانوی کہانیاں ہی کیوں پڑھنا لکھنا پسند کرتی ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: یہ اپنے ذوق کی بات ہے۔ جس طرح مردوں کی اکثریت جاسوسی اور ایڈونچر ناول پڑھنا پسند کرتی ہے۔

یاسین صدیق: آپ کو سب سے کم معاوضہ کس کہانی پر ملا اور کب اسی طرح سب سے زیادہ کس کہانی پر کہانی کا نام کیا تھا۔

صائمہ اکرم چوہدری: پاکستان میں کہانیوں پر معاوضہ کبھی بھی اتنا اچھا نہیں ملتا کہ انسان اسے فخریہ طور پر بتا سکیں۔ بدقسمتی سے ادیب کا ہر دور میں استحصال ہوتا رہا ہے۔ ہاں البتہ الیکٹرانک میڈیا میں اچھا معاوضہ مل جاتا ہے۔

ستارہ آمین کومل: ایک قلم کار بہت محنت سے اپنا چین نیند سکون آرام برباد کر کے جب ناول یا ڈرامہ لکھتا ہے تو وہ جس معاوضے کا حق دار ہوتا ہے اسے کیوں نہیں دیتے ادارے؟ ڈرامہ لکھا تو رائٹر نے ہوتا ہے لیکن کچھ ادارے اسکرین پر لکھاری کا نام شو نہیں کرتے ایسا حال پیج پر بھی ان کو مسئلہ کیا ہے؟ آپ نہیں سمجھتیں کہ یہ ایک لکھاری کے ساتھ زیادتی ہے؟

صائمہ اکرم چوہدری: اس سوال کا جواب تو پروڈکشن ہاؤس کے مالکان اور پبلشرز حضرات ہی دے سکتے ہیں۔

ستارہ آمین کومل: یہ جو آج کل خود ساختہ نقاد پیدا ہو گئے ہیں جن کو کہانی لکھنے کا اصل مقصد سمجھ آتا نہیں اور فضول پوائنٹ اٹھا کر لکھاری کی مٹی پلید کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے ہیں ان خود ساختہ نقادوں کے بارے میں کیا فرماتی ہیں آپ؟

صائمہ اکرم چوہدری: ان کے بارے میں اقبال بہت خوب کہہ گئے ہیں۔ "تو نہ مٹ جائے گا، ایراں کے مٹ جانے سے۔"

سحرش فاطمہ: آپ نے ریشم میں بھی لکھا ہے؟ کبھی تذکرہ نہیں ہوا اس کے بابت؟ کونسی تحریر وہاں لگی؟

صائمہ اکرم چوہدری: ریشم کے آغاز میں دو تین ناولٹ لکھے تھے بشریٰ سرور کی فرمائش پر۔

نحل سعدی آرائین: آپ نے کبھی شائلہ زبیر جیسے کردار دیکھے ہیں حقیقت میں؟ آپ کا اپنے ناولوں میں سب سے پسندیدہ کردار کون سا ہے۔ جو سینئر رائیٹر نئے لکھنے والوں کو ہرٹ کرتے ہیں ان کے متعلق کیا کہیں گی۔

صائمہ اکرم چوہدری: شائیلہ زبیر کا کردار مجھے میری ایک سائیکلوجسٹ فرینڈ نے میرے ساتھ شیئر کیا تھا اور اس قسم کا ایک کردار اس کے پاس آیا تھا۔ باقی جہاں تک جونیئرز کی سینیئرز کی عزت کا نہ کرنے کا معاملہ ہے تو یہ مسائل تو ہر دور میں چلتے ہی رہتے ہیں۔ میں تو صرف ایک بات پر یقین رکھتی ہوں کہ عزت لینے کے لیے عزت دینا پڑتی ہے۔

ستارہ آمین کومل: قاری اور لکھاری کا بہت گہرا رشتہ ہوتا قاری اپنے ذہن میں ایک خاکہ بنا لیتا ہے اس کی تحریروں کے تناظر میں لیکن کچھ لکھاری ایسے بھی ہوتے جن کے قول فعل میں نمایاں تضاد ہوتا ہے اپنی تحریروں کے برعکس الٹ ایسا کیونکر؟

صائمہ اکرم چوہدری: ستارہ اصل میں یہاں قصور ہمارے قارئین کا ہے، وہ کسی بھی رائٹر کی تحریریں پڑھ کر اس کے بارے میں ایک اپنا خاکہ بنا لیتا ہے۔ رائٹرز بھی عام انسان ہوتے ہیں ان میں خوبیاں بھی ہوتی ہیں اور خامیاں بھی اور ضروری نہیں ہوتا کہ جو چیزیں وہ لکھ رہا ہو، اس کی اپنی شخصیت بھی انہی خصوصیات کا مرقع ہو۔

ستارہ آمین کومل: بھائی صاحب آپ کی تحریر پڑھتے؟ ڈرامہ دیکھتے؟ حوصلہ افزائی کرتے ہیں یا

صائمہ اکرم چوہدری: تحریریں تو وہ نہیں پڑھتے، ہاں ڈرامہ [illegible] دیکھتے ہیں اور ان کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے ہی میں دھڑا دھڑ لکھ رہی ہوں۔ ورنہ شادی شدہ زندگی میں اگر شریک حیات کا تعاون آپ کے ساتھ نہ ہو تو آپ ایسی سرگرمیوں کو جاری نہیں رکھ سکتے۔

ستارہ آمین کومل: موجودہ ادب اور خواتین کے ادب سے آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

کیا آپ سمجھتی ہیں فی زمانہ عورت آزادی کی آڑ میں اپنا گھر بچے شوہر اگنور کر رہی ہے ایسا کیوں اسے احساس کیوں نہیں؟

صائمہ اکرم چوہدری: ادب میں بہتری کی گنجائش تو ہر دور میں رہتی ہے اور موجودہ دور کا ادب آنے والے سالوں میں پرکھا جائے گا۔ جہاں تک عورت کی آزادی کا تعلق ہے تو جو عورت معاشی دوڑ میں اپنے شوہر کے ساتھ ہاتھ بٹا رہی ہے وہ کبھی بھی آزاد نہیں ہوتی بلکہ وہ نظر نہ آنے والی ان زنجیروں میں قید ہوتی ہے، جس کی وجہ سے اُسے اپنی ذات کی قربانی دے کر بہت سے لوگوں کو خوش کرنا ہوتا ہے۔ عورت نے گھر سے نکل کر خود کو اور زیادہ قید کر لیا ہے۔

عمارہ امداد: آپ کی کہانیوں کی روانی اور تسلسل بہت زبردست ہوتا ہے۔ میں نے آپ کے ایک انٹرویو میں پڑھا تھا کہ آپ کا مطالعہ بہت زیادہ ہے اور آپ اور آپ جیسی جتنی بھی منجھی ہوئی رائیٹر ہیں ان کے بارے میں بھی پڑھا ہے لکھنے کے لیے مطالعہ وسیع کرنا پڑتا ہے۔ میں اب تک 14 افسانے لکھ چکی ہوں لیکن میرا مطالعہ محدود ہے۔ گو اب تک کوئی کہانی قاری کی طرف سے ریجیکٹ نہیں ہوئی لیکن میں طویل تحریر لکھتے ہوئے گھبراتی ہوں جب بھی لکھنے بیٹھو چھوڑ دیتی ہوں کہ مجھ سے اچھا نہیں لکھا جائے گا۔ کوئی مشورہ دیں۔

صائمہ اکرم چوہدری: میرے خیال میں طویل ناول لکھنے سے زیادہ مشکل کام مختصر افسانہ لکھنا ہے۔ آپ کوئی طویل چیز شروع کر دیں اور جب وقت ملے اسے آہستہ آہستہ لکھتی جائیں۔ میں بار بار مطالعہ کرنے کا اس لیے کہتی ہوں کیونکہ اس سے ایک تو آپ کا ذخیرہ الفاظ بڑھتا ہے اور دوسرے خیالات میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

عصر خان: نئے لکھنے والے شروعات کس طرح کے موضوع کو ذہن میں رکھتے ہوئے کریں اور ذہن میں کن دو تین پوائنٹس کو رکھیں کہ ایک اچھی کہانی بن پائے؟

صائمہ اکرم چوہدری: نئے لکھنے والے سب سے پہلے اپنے اردگرد کے مسائل پر قلم اٹھائیں۔ وہ مسئلے جو زیادہ تر آبادی کو

ورپیش ہیں۔الفاظ کا چناؤ عمدہ کریں اور کہانی کا پلاٹ مضبوط اور مکالمے جاندار ہونے چاہیے۔

عامر نظیر بلوچ: السلام علیکم صائمہ آپی پہلا سوال، آپ سے پہلا تعارف دیمک زدہ محبت بنی۔ بہت خوب صورت، مگر کیا سکینہ کے کردار کو زندہ نہیں رہنا چاہیے تھا؟ ایک امید کے استعارے کے طور پر اس کی زندگی اس جیسی دوسری لڑکیوں کے لیے مشعل راہ نہ ہوتی۔ دوسرا سوال، ڈرامہ لکھنا پسند ہے یا ناول اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ آمین شاد و آباد رہیں آمین

صائمہ اکرم چوہدری: سکینہ اگر زندہ رہتی تو شاید اس کا دکھ اور تکلیف آپ لوگوں کو زیادہ محسوس ہوتی۔ ہم لوگ بد قسمتی سے اس معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں جہاں ہم سکینہ جیسے لوگوں سے ہمدردی تو کر سکتے ہیں لیکن ان کے ساتھ محبت کرنے اور اس کا اعتراف کرنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ میرے ناول کی ہیروئن سکینہ، زندہ ہے اور ڈھرکی کے کسی گاؤں میں زندگی گزار رہی ہے۔ ڈاکٹرز نے اس کے مرض کو لاعلاج قرار دے کر اسے گھر بھیج دیا ہے۔ اس کی باتیں اور جملے میرا اکثر دل دکھاتے ہیں۔ اپنے گھر والوں کے لیے وہ بوجھ بن چکی ہے لیکن مجھے معلوم ہے اصل زندگی میں کوئی ڈاکٹر خاور کتنا ہی اپنے پروفیشن سے مخلص ہو اور اس کی زندگی میں اگر کوئی سکینہ جیسا کردار ہو تب بھی وہ اسے اپنانے کی ہمت اور حوصلہ نہیں کر سکتا۔

عامر نظیر بلوچ: آپ نے بالکل ٹھیک کہا، چاہے ہم لاکھ کوشش کرلیں، سکینہ جیسی لڑکیاں ہمارے معاشرے کے لیے بوجھ ہی تصور کی جاتی رہیں گی یہ ایک تلخ حقیقت ہے مگر ڈھرکی کی سکینہ کے لیے میرے ہاتھ ہمیشہ دعا کے لیے اٹھے رہیں گے میرے رب کے لیے کچھ بھی لاعلاج اور ناممکن نہیں ہے۔ شکریہ صائمہ آپی)

واقعی ڈھرکی کی سکینہ کا غم کہانی پڑھ کر دل کے کسی کونے میں بس گیا تھا اور آج ایک بار پھر وہ غم تازہ ہوگیا ہے۔ انشاء اللہ سکینہ اب دعاؤں میں شامل رہے گی کیونکہ میرے رحیم و کریم رب کے آگے کچھ بھی ناممکن و لاعلاج نہیں ہے۔

کہتے ہیں محبت تو احساس ہے ان کہی باتوں، جذبوں، سوچوں اور خیالوں کا محبت بھی اپنا آپ کہہ کر نہیں منواتی۔ محبت کے مفہوم سے تو لوگ شاید واقف ہی نہ ہوں یا وہ جسے محبت سے دل میں رکھا گیا ہو۔ محبت کیونکہ نہ لفظوں کی محتاج رہی اور نہ ہی اسے کسی سے اپنا آپ وصولنے کی محتاج رہی، محبت تو ان کہی رہتی ہے آنکھوں کے رستے بھی تو بولتی ہے پھر ضروری تو نہیں اس جذبے کو اظہار کر کے منوائے کچھ جذبے ان کہے بھی ہوتے ہیں۔

ان کہی باتوں کی بھی اپنی خوب صورتی ہوتی ہے کیونکہ کچھ باتیں کہنے سے ان کی کوئی اہمیت نہیں رہتی یا پھر وہ باتیں ہم سمجھتے ہیں کہ ان کہی رہ جائیں تو اچھا ہے۔ ان کہی چاہت بھی تو ہوتی ہے چاہت نام ہے کسی کے دل میں زندہ رہنے کا۔ ان جذبوں کا جن کو ہم سنبھال کے رکھتے ہیں اس کی خاطر جس سے ہم یہ منسوب رکھنا چاہتے ہیں۔

"ہاؤ......" ریان کی زوردار آواز پر وہ ہڑبڑا گئی، ہاتھ سے پین چھوٹا اور خاصے جارحانہ انداز میں ڈائری کو بند کیا جبکہ وہ اطمینان سے رائٹنگ ٹیبل پر چڑھ کے بیٹھ گیا۔

"کبھی مت سدھرنا تم۔" علیزہ نے فوراً ڈائری اٹھائی اور سائیڈ کی دراز میں رکھ دی جبکہ وہ ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا اس کا غصے سے تمتماتا ہوا چہرہ دیکھتا رہا۔

"آپ ادھر آجائیں باری باری ہم سب سدھر جائیں گے۔" شوخی سے فقرہ اچھالا علیزہ اپنی ریوالونگ چیئر سے اٹھی اور اسے بھی ٹیبل سے اترنے کا اشارہ کیا اس نے بھی فوراً الحکم کی تعمیل کی۔

"زیادہ بکواس نہیں۔"

"یار فرینڈ! آپ تو فوراً خفا ہو جاتی ہیں۔" بلیک پینٹ پر [illegible] کلر کی ٹی شرٹ میں وہ خاصا ڈیشنگ لگ رہا تھا، بالکل کاربن کاپی تھا وہ ابتسام کی علیزہ نے نگاہ چرائی۔

"یہ بتاؤ یونیورسٹی سے سیدھے ادھر ہی آرہے ہو۔" وہ اپنے کمرے سے نکلی ریان نے بھی تقلید کی، کچن میں ہی چلی آئی تاکہ اسے کچھ کھانے کو دے، ریان کچن میں رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔

"پیپر تھا جلدی نکل آیا، سوچا کہ آپ سب کی خیریت پوچھ لوں۔" اطراف میں نگاہ دوڑائی کوئی نظر بھی نہیں آرہا تھا علیزہ اس کے لیے کھانا گرم کرنے لگی۔

"پھوپو کہاں ہیں؟"

"بھابی کمرے میں ہیں، تم کھانا کھاؤ میں بلاتی ہوں۔" اس نے پلیٹ میں پالک گوشت نکال کے اس کے آگے رکھا، ریان نے خاصی ناگوری سے دیکھا۔

"کیا ہے مجھے یہ گوشت وغیرہ مت کھلایا کریں۔" وہ چڑ کے کھڑا ہو گیا، علیزہ نے بھی زیادہ تردد نہ کیا۔

"کیا ہے آپ نے اٹھا لیا۔" وہ کھسیا، بھوک بھی شدید تھی۔

"تم سب کے سب بگڑے ہوئے ہو سب سے پہلے تمہارے چاچو ان کے مزاج نہیں ملتے دوسرے تم۔" وہ ابتسام کی سخت طبیعت سے خود نالاں تھی، مگر چپکے چپکے وہ اسے اپنے دل میں بسائے ہوئے تھی۔

"چاچو کو تو ہم آپ کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔"

"زیادہ بک بک نہیں۔" وہ جھینپی کیونکہ اکثر وہ اسے ابتسام کے نام سے چھیڑتا رہتا تھا مگر وہ کبھی اس کی بات کو اہمیت ہی نہ دیتی تھی کیونکہ ابتسام کو تو شادی کے نام سے چڑ تھی، کتنی ہی بار بھابی اس کے پیچھے پڑ چکی تھیں مگر وہ سن ہی کب رہا تھا۔

❀......❀......❀

"کل صبح سب ساڑھے سات بجے تیار رہیں۔" اس نے لاؤنج میں آ کے ان دونوں کو وارن کیا جو ٹی وی دیکھے

رہے تھے۔ ریان نے ہنوز ٹی وی اسکرین پر نگاہ جمائی رہیں جبکہ اس سے دو سال چھوٹا عدنان اپنے چاچو کے غصے سے کافی ڈرتا تھا وہ فوراً ہی ہو دب بن کے بولا۔

"ریان میں نے تمہیں بھی کہا ہے۔" اس نے ریان کو گھورا جو صوفے پر دراز تھا' کشنز کو ادھر ادھر بکھرا کے دونوں وہیں بیٹھے تھے جبکہ ایشا منہ بسورتی ہوئی چلی آئی۔

"چاچو آج بھی مجھے اسمبلی میں سزا ملی تھی وہ بھی عدنان بھائی کی وجہ سے......"

"او جھوٹی! گھنٹوں آئینے کے سامنے کھڑی بال خود بناتی رہتی ہو۔" عدنان کے تو پتنگے لگ گئے' دونوں میں اکثر اسکول جاتے وقت لڑائی ہوتی تھی۔

"عدنان تم بھی تو اتنی دیر ٹائی کی ناٹ لگانے میں لگاتے ہو۔"

"چاچو آپ ہر بات میں اس کی سائیڈ لیتے ہیں' غلطی یہ ہے نہ بال خود بناتی ہے اور نہ ہی اپنا بیگ رات کو ٹھیک کرتی ہے۔" اس نے منہ بسور کے کہا' ایشا تو باقاعدہ منہ پھلا کے سنگل صوفے پر بیٹھ گئی۔

"مجھ سے نہیں بنتے ہیں اپنے بال۔"

"دادی جان! باندھتی تو ہیں پھر تم کھول کیوں دیتی ہو۔" عدنان کو اس کی مین میخوں سے بڑی چڑ تھی جہاں وہ بال بندھوا کے آئی' آئینے میں دونوں پونیوں کی پیمائش کرنے کھڑی ہو جاتی تھی۔

"دادی جان سے اونچی نیچی بندھتی ہیں میری پونیاں چاچو!" اس نے ابتسام کو معصومیت سے بتایا۔ ریان نے ٹی وی آف کیا اور خاصی بے زاری سے اپنے سے چھوٹی بہن بھائی کی تکرار و بحث کو دیکھا۔

"ایشا بیٹا! میں آپ کو آج شام کو آپی کے گھر چھوڑ دوں گا' تم وہاں سے پارلر جا کے اپنے بالوں کی کٹنگ کروا لینا۔" ابتسام نے اس کے بکھرے سلکی بالوں کو خود ہی لپیٹ کے ہیئر بینڈ میں جکڑا۔

"کیا ہے چاچو! میں بڑی ہو گئی ہوں سکس کلاس کی ہوں۔" اس نے ایسے تفخر سے بتایا جیسے بہت بڑی کلاس میں ہو' ابتسام کو ہنسی آ گئی' ایشا نے گھورا۔

"بیٹا لیکن یہ بھی تو دیکھو آپ سے بال بندھتے نہیں ہیں دادی جان آپ کی بیمار رہتی ہیں کچھ تو حل نکالنا ہے نا۔" جب سے اس کے بھائی اور بھابی ایکسیڈنٹ میں فوت ہوئے تھے ابتسام نے ہی تین سال کی ایشا کو سنبھالا تھا۔ ریان تو اس وقت سکس میں تھا اور عدنان ٹو میں' تینوں بچوں کی ذمہ داری وہ اٹھائے ہوئے تھا۔ امی اپنے بڑے بیٹے اور بہو کی وفات کے بعد سے بیمار رہنے لگی تھیں۔

"چاچو اس کا سمپل حل ہے آپ کی شادی۔" ریان چہک کے بولا۔ ابتسام نے ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی جو اطمینان سے صوفے پر ہنوز دراز تھا۔

"پلیز چاچو آپ شادی کر لیں تاکہ اس ایشا کا مسئلہ بھی حل ہو۔" عدنان بھی بہت اکتایا ہوا تھا' تینوں بھتیجے بھتیجی اس کے پیچھے لگے رہتے تھے مگر وہ شادی کے نام سے بدکتا تھا۔

"تم لوگ اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ مجھے مشورہ دو۔" ابتسام نے تیز لہجے میں کہا ایشا تو اور بدمزا ہو گئی' عدنان پہلے ہی ڈرتا تھا۔

"چاچو پلیز دادی جان کا خیال کر لیں۔" ریان نے دہائی دی۔

"صبح سب ریڈی رہیں۔" وہ جاتے جاتے حکم دینے لگا ان کی باتوں کو کبھی سیریس ہی نہ لیتا تھا۔ اب وہ ان بچوں کو اپنی سوچیں تو نہیں بتا سکتا تھا۔

"کل میں یونیورسٹی نہیں جاؤں گا' پرسوں پیپر ہے لاسٹ اس کے بعد میرا ایف ایم پر شو ہے۔"

"اس بار اگر تمہارے مارکس کم آئے نا تمہارا ایف ایم چھڑوا دوں گا۔" ابتسام نے ساتھ ہی وارننگ دی یہ شوق بھی اس نے ریان کا پورا کیا تھا مگر اس وعدے کے ساتھ کے پڑھائی سے غفلت نہیں ہوگی۔

"یار چاچو! ہفتہ میں میرے صرف دو شو ہوتے ہیں۔" وہ تو چڑ گیا کیونکہ ابتسام آخری دھمکی یہی دیتا تھا۔

"زیادہ بحث نہیں۔" شہادت کی انگلی اٹھا کے وارننگ دی۔

"ایک وہاں وہ ہٹلر بنی رہتی ہیں یہاں آپ، یار چاچو آپ دونوں شادی کیوں نہیں کر لیتے کم از کم ہم سب سدھر تو سکتے ہیں۔"

"ریان کیا بک رہے ہو؟" ابتسام تو حیرانگی سے اس کی بات سن کے ہی رہ گیا مگر پھر لہجہ کو سخت بنا کے سرزنش کی۔

"میں آپ سے بالکل نہیں ڈرنے والا ہوں آپ کو شادی کرنی ہے یا نہیں؟"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔" وہ تو ریان کے اس نڈر اور پُراعتماد انداز پر تحیر میں مبتلا ہو گیا جو ایک حد میں رہ کے ہی مذاق بھی کرتا تھا۔

"بالکل نہیں، سونے جا رہا ہوں۔" تیزی سے وہ نکل گیا۔ عدنان اور ایشا بھی اپنے کمروں میں چلے گئے جبکہ وہ گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

❁......❁......❁

"پھوپو چاچو کو بہت غصہ آنے لگا ہے۔" ریان دوسرے دن پھر شام کو عدنان اور ایشا کو لے کے آ گیا کیونکہ ابتسام کی شکایتیں انہی سے کرتے تھے علیزہ لب بھینچے ہوئے اسے ہی بغور دیکھ رہی تھی۔

"پھوپو میرے بال کٹوانے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں ایک تو شادی بھی نہیں کرتے، دادی جان سے جوڑوں کے درد اور بلڈ پریشر کی وجہ سے کچھ ہوتا ہی نہیں ہے۔ ماسی اتنا گندہ کام کرتی ہے میرا یونیفارم تک نہیں دھوتی ہر بار چاچو کو دھونا پڑتا ہے۔" ایشا معصومیت سے بیٹھی ہوئی ان سے اپنے دکھڑے رو رہی تھی۔

"ذرا مجھے فرصت ملے تو ریحان اور مناہل کے فرسٹ ٹرم سے آ ؤں گی اور ابتسام کو تو میں اب قابو کراؤں گی۔" سدرہ دل میں مصمم ارادہ باندھ چکی تھیں کہ اس بار زبردستی کر کے اس کی شادی ہی کروائیں گی اسی لمحے علیزہ پہلو بدل کے کھڑی ہوئی اور ہال سے نکل گئی کیونکہ ابتسام

کا سرد مہر رویہ تو خود اس کے دل میں ترازو ہوتا تھا، کب سے وہ اس سنگ دل اور بے پروا انسان کو چپکے چپکے چاہ رہی تھی لیکن اس انسان کو تو جیسے اپنے علاوہ کوئی نظر ہی نہیں آتا تھا لاؤنج میں آ کے بیٹھ گئی۔

"کیا سوچا جا رہا ہے۔" ریان بوتل کے جن کی طرح وہاں موجود ہوا۔

"میں اگر کچھ سوچوں بھی تو تمہیں اس سے کیا۔" علیزہ نے اپنا پنک کاٹن کا پرنٹڈ آنچل سلیقے سے شانوں پر ڈالا۔ دراز بالوں کو لپیٹ کے کیچر میں جکڑا، ریان اس کے بالکل سامنے ہی کاوچ پر براجمان ہو گیا۔

"مجھے بتا کے سوچا کریں اگر اپنے سرتاج کے بارے میں سوچ رہی ہیں تو یہ فکر چھوڑ دیں مجھے کل ہی ماسی بسم اللہ ملی تھیں میں نے بتا دیا ہے کہ ایک پُرخلوص سا گنجا سرتاج ملے تو اچھا ہے۔"

"ریان سدھر جاؤ۔" ایک کشن اٹھا کے اس پر اچھالا جو کمال خوب صورتی سے وہ کیچ کر گیا۔

"ارے ایک تو میں آپ کی فکر کر رہا ہوں۔" وہ ہنسا۔

"تمہیں ضرورت نہیں ہے فکر کی۔"

"آپ کا ہمارے چاچو کے بارے میں کیا خیال ہے ڈیشنگ ہیں لمبے چوڑے سے آپ کے ساتھ سوٹ بھی بہت کریں گے۔"

"پھر فضول بکواس۔" وہ جھینپی۔

"کیا کروں خاموش نہیں رہ سکتا۔" اس نے سر کھجایا۔

"میں یہ سوچتی ہوں کہ تم دو گھنٹے ریڈیو پر پروگرام کیسے کر لیتے ہو سیریس انداز میں۔" علیزہ کو تو یہ بھی حیرانگی ہوتی تھی۔

"آپ کو نہیں پتا وہاں بھی میں چپ نہیں رہتا۔" وہ کشن سر کے نیچے رکھ کے دراز ہو گیا ویسے بھی اسے علیزہ کو تنگ کیے بغیر مزا ہی نہیں آتا تھا۔

"سنیے فرینڈ! مجھے کل کے لیے ایک ٹوپک تیار کر کے دیں یا پھر میں دوسروں سے بات کروں۔" وہ ایک ہی سے ہی ڈسکس کرتا تھا مگر ہر بار احسان کر کے ہی مانگتا۔

"زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا کروں اتنا فیمس ڈی جے ہوں لوگوں نے صرف آواز سنی ہے جب اتنا دیوانے ہیں۔" اس نے بالوں میں ہاتھ پھیرنے شروع کر دیے۔

"اوہو فیمس ڈی جے! ٹوپک میرے اور کریڈٹ خود لیتے ہو۔" علیزہ بھی باقاعدہ لڑنے ہی لگی جبکہ وہ ہنسنے لگا۔

"ارے آپ سے لینا مجبوری ہے۔"

"سنو! اوقات میں رہو۔" اس نے شہادت کی انگلی اٹھائی۔

"میرے اوقات ہیں پیر سے بدھ...... پانچ سے سات۔" بات کو کہاں سے کہاں اڑاتا تھا علیزہ سر ہاتھوں میں تھام کے رہ گئی۔

"میں سوچتی ہوں کہ کمپیوٹر دنیا میں کیوں آ گیا، تم ایک چلتے پھرتے کمپیوٹر موجود ہو۔" وہ ریان کی برجستگی اور بے ساختگی پر انگشت بدنداں رہ جاتی تھی جس کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا۔

"جل گئے نا جاپان والے فوراً کمپیوٹر کو میری ٹکر پر لے آئے۔"

"اچھا زیادہ شوخ ہونے کی ضرورت نہیں ہے، پیپرز کی تیاری بھی ہو رہی ہے جو تم اس وقت یہاں آ گئے ہو۔"

"خوش ہو جائیں کچھ دیر بعد چاچو بھی آ جائیں گے ذرا ٹھیک طرح سے تیار تو ہو جائیں۔"

"تم مجھے یہ بتا دو کہ تم میرے لیے اتنے فکر مند کیوں رہتے ہو؟" ابتسام کا سوچ کے تو دل میں دھڑکنوں کا شور اٹھنا شروع ہو جاتا تھا۔

"مجھے آپ دونوں کی ہی فکر ہے ویسے ماسی بسم اللہ سے میں نے کہا ہے کہ منڈا کوئی چاند سا دکھانا تاکہ ہماری فرینڈ کو خرچا نہ کرنا پڑے، بال کٹوانے پر چلیے یہ خرچا تو بچے گا۔"

"ریان......" وہ اس پر دوسرا کشن اچھالنے آگے بڑھی تو رک گئی کیونکہ بھائی جان آ گئے تھے اس لیے ریان کی

بچت ہوگئی۔ رات اس نے کھانے پر اہتمام کیا' امی نے خاص طور پر اس سے کہہ کر پکوایا تھا رات کو ہی ابتسام ان تینوں کو لینے آ گیا تو ابو اور بھائی جان نے زبردستی کھانے پر روک لیا تھا۔

❀......❀......❀

ابتسام سے سدرہ کی ابھی تک بات نہیں ہوئی تھی روز وہ فون کرتی تھیں۔ اس دن تو وہ دونوں بچوں کے ساتھ صبح سے آ گئیں پھر سنڈے تھا ایسے میں ابتسام کو گھیرنا بھی آسان تھا۔

''امی یہ کچن کا حشر تو بہت خراب کیا ہوا ہے۔'' وہ آتے کچن کی صفائی میں لگ گئی تھیں' دوپہر کا کھانا تک پکایا سارے بچے لاؤنج میں ہی بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے البتہ ریان ابھی تک سو رہا تھا ابتسام سے کوئی ملنے آیا تھا وہ ڈرائنگ روم میں تھا۔

''ارے مجھ سے تو کچھ کیا نہیں جاتا۔'' وہ خود کافی بیمار تھیں سدرہ ان کا کمرہ بھی سمیٹنے لگی تھیں پورے گھر کا ہی حشر نشر ہو رہا تھا۔

''سدرہ اس لڑکے کو قابو کرو اور اس کی شادی کرواؤ مجھ سے اب ان بچوں کی ذمہ داری نہیں اٹھائی جاتی۔'' وہ مضمحل سے لہجے میں بولیں سدرہ تفکر زدہ سی ان کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھی تھیں کیونکہ گھر سے تو بہت کچھ سوچ کے آئی تھیں۔

''ہاں اس بار ابتسام کی بالکل نہیں چلے گی آخر شادی تو کرنی ہی ہے پھر امی گھر کو ایک ذمہ دار لڑکی کی ضرورت ہے۔''

''ہاں یہی تو میں سوچتی ہوں خود بھی جھنجھلایا ہوا رہتا ہے۔''

''کرتی ہوں بات۔'' وہ اٹھیں مگر پھر کمرے میں ابتسام کو آتے دیکھا تو بیٹھ گئیں۔

''آپ آج اتنی صبح کیسے آ گئیں؟'' وہ امی کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھا ہاتھ میں اخبار بھی تھا جو سدرہ نے جھپٹ کے سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

''میں نے سوچ لیا ہے اسی مہینے میں تمہاری شادی کرواؤں گی۔''

''کیا......؟'' ابتسام تو اچھل ہی پڑا۔

''ہاں کیونکہ بچے الگ پریشان ہیں' امی الگ فکر مند ہیں تم اپنی فضول سی ضد لیے بیٹھے ہو۔'' انہوں نے درشت لہجے میں کہا۔

''بجو ضروری ہے کہ شادی ہی حل ہو۔''

''سنو ابتسام! ہر مرد و عورت کو ایک دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔'' وہ سمجھانے لگیں وہ اٹھنے لگا لیکن سدرہ نے ہاتھ پکڑ کے واپس بٹھا لیا۔

''تمہاری کوئی نا نہیں چلے گی۔'' انہوں نے حکم صادر کیا۔

''سدرہ مجھے ویسے بھی شروع سے علیزہ پسند رہی ہے اس سے کہو وہ لڑکی ہیرا ہے۔'' امی نے بھی ساتھ ہی اپنی رائے دی۔

''بجو میں بغیر شادی کے بھی ان بچوں کو ٹھیک طرح پال ہی رہا ہوں اور پال لوں گا۔'' وہ دس سال کے عرصے میں خاصا سنجیدہ اور ذمہ دار ہو گیا تھا' سدرہ تاسف بھری نگاہ ڈال کر رہ گئیں۔

''ابتسام تمہیں صرف دو دن سوچنے کا دے رہی ہوں' علیزہ اچھی لڑکی ہے سب سے زیادہ وہ بچوں سے بھی اٹیچڈ ہے تمہارے مزاج سے بھی واقف ہے سب کچھ سنبھال لے گی۔'' اب وہ بڑے نرم لہجے میں اس کو سمجھانے لگیں جو سر جھکائے گہری سوچ میں گم تھا۔

''سدرہ اسے بس اپنا خیال ہے ارے کم از کم اپنے مرحوم بھائی کے بچوں کی خاطر ہی کر لے' ایشا تو بچی ہے میری زندگی کا بھی کوئی بھروسہ نہیں ہے کم از کم مجھے یہ فکر تو نہ رہے گی کہ ماں سر پر نہیں۔''

''امی پلیز......'' وہ روہانسہ ہوتے ان کے سر و ہاتھوں کو تھام کے رہ گیا۔

''میرے بچے مان جا دیکھ تو اپنی حالت صبح کا نکلا تو رات کو گھستا ہے مجھ بیمار سے نہیں ہو پاتا ان بچوں کا کام

سوچ تو ان کے متعلق۔" وہ نرم لہجے میں بولتی اسے قائل کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ ابتسام کو اس لیے امی کی باتوں نے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا تھا وہ نیم رضا مندی کی حالت میں کمرے سے نکلا سدرہ کچھ مطمئن سی ہوگئی تھیں۔

❀……❀……❀

ادھر سدرہ نے بھی ابھی گھر میں امی ابو اور شعیب سے علیزہ کے لیے بات نہ کی تھی کیونکہ ابتسام کی طرف سے وہ مطمئن ہونا چاہتی تھیں۔ علیزہ انہیں کافی دنوں سے نوٹ کررہی تھی کہ بھابی جیسے اس سے کچھ کہنا چاہتی ہیں لیکن اس نے بھی مخاطب کرنا مناسب نہ سمجھا تھا۔

"پھوپو ماموں جان آئے ہیں' دادی جان کہہ رہی ہیں کہ چائے بنادیں۔" سات سالہ ریحان نے اطلاع دی وہ بیڈ پر لیٹے کسی کتاب کے مطالعے میں منہمک تھی۔ ابتسام کا سوچ کے ہی دل دھڑک اٹھا جھٹ اٹھی دھانی کلر کے پرنٹڈ کپڑوں کا آنچل سلیقے سے شانوں پر پھیلایا بالوں کو درست کیا اور باہر آگئی سامنے ہی ہال کمرے میں وہ اپنی تمام تر معزوریت اور لاتعلقی سمیت بلیک پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں ملبوس سنگل صوفے پر بیٹھا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پر وہ جھینپ گئی کانوں کی لوؤں تک وہ گرم ہوگئی تھی۔

"آخر یہ اتنے لاتعلق کیوں رہتے ہیں ذرا بھی تو نہیں دیکھتے۔" سوچتے ہوئے چائے بنارہی تھی۔ جدید اسٹائلش سے کچن میں وہ کھڑی لوازمات سے پر ٹرے ترتیب دے چکی تھی۔

"گڈ…… چائے کے ساتھ تم نے یہ بھی نکال لیا۔" بھابی اچانک ہی اندر آئی تھیں وہ ہڑبڑا ہی' کیتلی میں چائے چھان کے نکال رہی تھی۔

"وہ بھابی بسکٹ نہیں تھے یہ نمکو اور سینڈوچ ہی تھے۔" اس نے بتایا۔

"ٹھیک ہے تم لے کے آجاؤ۔" اس کے بازو پہ پیار بھری چٹکی لے کے چلی گئیں۔ چائے وغیرہ لے جانے کے خیال سے ہی اس کے تو پسینے چھوٹ گئے وہ جھجکتی ہوئی ٹرے اٹھائے کچن سے نکل کے وریڈور میں آگئی سامنے ہی ہال کمرہ تھا وہ چلی آئی وہاں امی ابو بھائی جان بھی موجود تھے۔ ابتسام سر جھکائے بیٹھا تھا علیزہ نے ٹرے سینٹرل ٹیبل پر رکھی اور تیزی سے چلی گئی۔ کمرے میں آکے دل کی دھڑکنوں کو قابو کیا مگر دل میں بے چینی سی سوار ہوگئی کب ابتسام گیا اسے کچھ خبر نہ تھی رات کو پھر اسے روٹیاں پکانے کچن کا رخ کرنا پڑا تھا۔

"شکر ہے ابتسام نے ہامی تو بھری شادی کی۔" علیزہ کی سماعتوں نے بھابی کا یہ جملہ سنا وہ روٹیاں پکانے میں مشغول رہی مگر وہ مسلسل بولے جارہی تھیں۔

"چلیے مبارک ہو۔" اس کے دل میں ایسا لگا چھنا کے سے کچھ ٹوٹا ہو سدرہ نے بس ایک نظر مسکراتی نگاہ اپنی اس پیاری سی نند پر ڈالی جو انہیں ہمیشہ اپنے بھائی کے حوالے سے اچھی لگی تھی مگر ابتسام کی فضول سی ضد کی وجہ سے اپنی یہ خواہش دبا کے اب تک بیٹھی ہوئی تھیں۔

"تمہیں بھی مبارک ہو۔" معنی خیزی سے وہ ہنسیں۔

علیزہ نے جلدی جلدی روٹیاں پکائیں اور نکل گئی مناہل کو پھر ہوم ورک کروانے لگی تھی۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنی مخصوص جگہ لائبریری میں آکے بیٹھ گئی ایک چھوٹے سے کمرے کو اس نے ایک بڑی سی بک شیلف لگوا کے لائبریری بنالی تھی ایک رائٹنگ ٹیبل اس پر رکھا کمپیوٹر وہ اکثر وہیں بیٹھ کے وقت گزارتی تھی مگر آج تو دل میں درد بڑھ گیا جو نہ پہلے اس کا تھا وہ اب تو بالکل ہی اس کا نہ تھا اس کی زندگی میں کوئی اور آنے والی تھی اور یہ سب کتنا جان گسل لگ رہا تھا جس سے اس نے صرف دل کا رشتہ وہ بھی یک طرفہ جوڑا تھا وہ بھی ٹوٹ رہا تھا آنسو آنکھوں میں کانچ کی طرح چبھنے لگے' کتنا اذیت ناک لمحہ ہے کہ وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ اب تو بالکل اس کا نہیں رہا۔ رائٹنگ ٹیبل پر سر رکھے وہ چپکے چپکے آنسو بہانے لگی کس سے اپنے دل کا درد شیئر کرے کوئی عزیز جان ہستی سہیلی بھی تو نہ تھی آرزو کرنے

کے بعد تعلیم کو اس نے خیر باد کہہ دیا تھا پھر کسی نے زور بھی نہ دیا تھا اس نے ایک سہیلی بھی نہ بنائی تھی کیونکہ وہ شروع سے کچھ کم گو واقع ہوئی تھی پھر صرف دو ہی تو وہ بہن بھائی تھے آٹھ سال پہلے ہی تو بھائی کی شادی ہوئی تھی۔ سدرہ بھابی سے اس کی اچھی ہی بنی رہی تھی ان سے وہ ہر بات کر بھی لیتی تھی مگر یہ بات جو کہ ان کے بھائی سے تعلق رکھتی ہے کیسے کہے کہ وہ ان کے مغرور اور بد دماغ بھائی کو چاہ رہی ہے۔ آنسو اس نے اپنے آنچل سے صاف کیے اور سر اٹھالیا وہ اپنے چہرے سے کسی پر بھی کوئی تاثر نہیں دینا چاہتی تھی سیدھی پھر اپنے کمرے میں آ گئی اور رائٹنگ ٹیبل کی دراز سے ڈائری نکالی اور پین کو اس نے اپنی مخروطی انگلیوں میں تھام لیا۔

''وقت کو جب مڑ کے دیکھو تو پتا چلتا ہے کہ کیا کچھ گزر چکا ہے اور کیا ہو چکا ہے بس اگر تبدیلی آئی تو یہ کہ وقت نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے خدوخال میں تبدیلی کی لیکن سوچیں کل بھی وہی تھیں اور آج بھی وہی ہیں کل بھی اس دل میں وہ تھا اور آج وہ بھی موجود ہے لیکن اگر ملن نہ ہوا تو شاید کچھ رکاوٹیں راہ میں حائل تھیں اور میں پھر آج اکیلی رہ گئی۔'' پین بند کرتے اس نے سائیڈ پر رکھا اور ایک سرد سی آہ بھری۔

''ابتسام احمد میں آج بھی تمہیں چاہتی ہوں اور کل بھی چاہتی رہوں گی، کیا ہوا جو تم اور میں مل نہ سکے۔'' لب بھینچ کے اندر کے درد کو اس نے دبانے کی کوشش کی وہ اتنی بزدل نہ تھی کہ وہ اس حقیقت کا سامنا نہ کرسکے وہ تو شروع سے ہی اپنے دل کے راز چھپاتی آئی ہے اب بھی چھپائے گی۔

❁......❁......❁

ابتسام نے رضامندی کیا دی کہ گھر میں خوشیاں آ گئیں۔ ریان نے تو باقاعدہ نعرہ لگایا عدنان اور ایشا اس کے گلے میں جھول گئے سو برسا ابتسام جھینپ کر ہی رہ گیا۔

''چلو پہلی بار آپ نے کوئی صحیح فیصلہ کیا ہے۔'' وہ سب ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ امی بے چاری ان کے لیے کچن میں ہی موجود تھیں، بڑی مشکل سے ان سے سالن پکا تھا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا تھا۔ ابتسام نے امی پر ایک فکر مندسی نگاہ ڈالی جو سر پکڑے بیٹھی تھیں۔

''شکر ہے عقل تو آئی اسے۔'' امی نے بھی ساتھ ہی تائید کی۔

''دادی جان جلدی ہی شادی کی تاریخ رکھیے کیونکہ اب تو بالکل ہم سے صبر نہیں ہوتا۔'' ریان نے کھانے سے فارغ ہو کے کہا۔

''ابھی علیزہ سے بھی تو پوچھا جائے گا۔'' وہ گویا ہوئیں۔ ابتسام کی تو پوری کوشش تھی کہ علیزہ ہی انکار کر دے تاکہ اس کی بچت ہو جائے۔

''ارے ان سے پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔'' وہ پھر چہک کے بولا۔

''غالباً تم ایف ایم جا رہے تھے تمہارا شو تھا۔'' ابتسام نے یاد دلایا جب سے پیپرز ختم ہوئے تھے وہ رات کے شوز بھی کرنے لگا تھا مگر ابتسام کو یہ بھی پسند نہ تھا وہ اس کے شوق کے آگے خاموش ہو گیا تھا۔

''اوہ دیر ہو رہی ہے۔'' اپنی ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

''اور ہاں سنو صرف اس مہینے کی رات کے شوز کی اجازت ہے۔'' ابتسام نے تنبیہ بھرے انداز میں اسے وارن کیا۔

''کیوں آپ شروع کرنے والے ہیں رات میں شوز۔'' وہ ذومعنی لہجے میں بولا۔ عدنان کی ہنسی نکلنے والی تھی مگر ابتسام کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کے وہ دبک گیا۔

''فضول مت ہانکا کرو۔''

''اتفاق سے وہ علیزہ چاچی بھی یہی کہتی ہیں۔'' اس نے جھٹ علیزہ کو چاچی بھی کہنا شروع کر دیا ورنہ ہمیشہ فرینڈ ہی کہتا تھا وہ تھی بھی اس سے پانچ سال بڑی اور ابتسام سے وہ دس سال چھوٹا تھا۔ چچا بھتیجے تو وہ کبھی لگے ہی نہ تھے بلکہ اسے ریان کے سارے دوست ہی

بڑا بھائی سمجھتے۔

ریان رات کو ایک بجے تک آتا تھا جب تک وہ انتظار کرتا تھا آنکھوں پر گلاسز لگائے کسی فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ فون کی بیل ہونے لگی۔

"یس......" نگاہ بیڈ پر رکھی فائل پر تھی اور ریسور کان سے لگالیا تھا۔

"السلام علیکم!" دوسری جانب علیزہ تھی۔

"وعلیکم السلام!" وہ حیران بھی ہوا کہ اس نے فون کیوں کیا' کہیں انکار کے لیے تو نہیں وہ سنبھلا۔

"جی...... وہ...... میں علیزہ ہوں' ریان سے بات ہوسکتی ہے۔" رک رک کے اس کی کھنکھناتی ہوئی آواز ابتسام کے کانوں سے ٹکرائی وہ ایک لمحہ کو چونکا۔

"ریان ایف ایم گیا ہے اس کا شو ہے رات کو ایک بجے آئے گا۔" انتہائی خشک لہجے میں جواب دیا۔

"جی اچھا میں صبح کرلوں گی۔" وہ فوراً بولی۔

"ریان سے کہیے گا کہ وہ کئی دنوں سے آیا کیوں نہیں؟"

"محترمہ یہ سب آپ صبح فون کرکے پوچھیے گا۔" ابتسام نے بدمزا ہو کے کھٹ سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا کیونکہ وہ تو ایسی کوئی بات ہی نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

❀......❀......❀

"سنیئے ایک بُری خبر ہے' ماسی بسم اللہ رضائے الٰہی سے انتقال کرگئی ہیں۔" ریان معصوم سی صورت بنا کے اس کے سامنے آبیٹھا علیزہ نے چونک کے دیکھا۔

"یہ تمہاری ماسی بسم اللہ رہتی کہاں ہیں؟" علیزہ نے دانت پیسے وہ دوسرے دن ہی شام میں چلا آیا تھا اور اسے تنگ بھی کیے جارہا تھا۔

"اب کیا فائدہ جب وہ رضائی اوڑھ کے انتقال کرگئیں۔" اس نے آہ بھری اور اپنی شکل اور سوگوار بنالی۔

"ریان کیا واہی تباہی بکتے رہتے ہو۔"

"یار میں آپ کو بتارہا ہوں وہ جو ماسی بسم اللہ نے رضائی خریدی تھی رات کو وہی اوڑھ کر سوئیں اور دم گھٹنے سے مرگئیں۔" وہ اور روتی صورت بنا کے بولا۔

"تم...... تم......" علیزہ نے حسب معمول کشن اٹھایا اور اس کے سر پر دے مارا۔ "پتا نہیں تم کیا کیا بکتے رہتے ہو۔" وہ ماسی بسم اللہ کے روز روز کے ذکر سے تنگ آگئی تھی۔

"ایک تو وہ اس دنیا سے رخصت ہوگئی ہیں جاتے جاتے آپ کا کیس اپنی سوتن کو دے گئی تھیں۔" وہ اب بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آرہا تھا۔

"ان کی سوتن کو کوئی اور لڑکا دیکھادو۔"

"ارے ایسے کیسے دکھادوں رشتہ تک پکا کردیا ہے بس چند ماہ کی مہمان ہیں آپ اس گھر میں۔"

"ریان کیوں تنگ کرتا ہے میری پیاری نند کو۔" سدرہ بھابی بھی کب سے اس کی گفتگو کچن سے سن رہی تھیں۔

"پھوپو آپ کی یہ پیاری نند کسی اور کو پیاری ہورہی ہیں آپ نے انہیں بتایا۔" وہ علیزہ کی نے زار صورت کو دیکھتے ہوئے شوخی سے گویا ہوا۔ جبکہ وہ لب بھینچ کے اندر کے سارے رازوں کو چھپانا چاہ رہی تھی۔

"بھابی آپ کے بھتیجے کو بہت بک بک آتی ہے۔"

"ارے ایک تو میں آپ کو کچھ بتانے والا ہوں آپ کا ہی بھلا ہوگا۔" لہجہ خاصا راز دار اور معنی خیز بنایا' علیزہ نے تیکھے چتون اٹھائے اب تک وہ اس کا مذاق ہی سمجھ رہی تھی مگر وہ چونکی کیونکہ بھابی بھی مسکرا رہی تھیں۔ امی اور ابو کو ایک ہفتے سے گول مول باتیں کرتے ہوئے بھی سن رہی تھی مگر اس کے تو دل کی دنیا لٹی تھی وہ کیا توجہ دیتی مگر ریان کی شرارتی سی آنکھیں اس پر ٹکی تھیں وہ چونکے بنا نہ رہ سکی۔

"پھوپو آپ کیوں ان کے دل کی ہارٹ بیٹ کم کروائیں گی بتا تو دیتیں کہ خیر سے پیا دیس سدھارنے والی ہیں۔" اس نے آنکھوں کو اشارے سے گول گول گھماتے علیزہ کی جانب دیکھا۔

"بھئی ہماری علیزہ شروع سے سلجھی سمجھی ہے اس کی ہارٹ بیٹ نارمل ہی رہے گی کیوں علیزہ! تمہیں ابتسام

کی ہمراہی میں ساری عمر دیا جا رہا ہے کہ وہ میرے بھائی کے ساتھ رہو گی نا؟'' کوئی بم تھا یا طوفان جو ابھی ابھی علیزہ کے دل و دماغ کو ہلا گئے تھے اور وہ نظروں کی طرح ان کو دیکھے گئی۔

''علیزہ میں تم سے خود پوچھتی اس ریان نے پہلے ہی بول دیا۔'' وہ کچھ گھبرا سی گئیں کیونکہ علیزہ نے کوئی رسپانس نہیں دیا تھا وہ اٹھ کے اندر چلی گئی ریان اور بھابی فکر مند ہو گئے کہیں اسے اعتراض تو نہیں۔

❀......❀......❀

اسے کیا خبر تھی کہ دل میں اٹھتی ہوئی خواہشوں کو یوں اچانک ہی پورا ہونا تھا وہ تو کل سے سکتے میں تھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ خوش ہو یا غصہ کرے لیکن وہ اتنی بھی ناشکری نہ تھی مگر یہ سوچ سوچ کے حیران تھی کہ اسے خبر کیوں نہ ہوئی ابتسام کے بارے میں سوچ کے تو دل اور بھی دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ وہ بیڈ سے اٹھی اسی وقت بھابی اندر آئیں۔ گرین کاٹن کے پرنٹڈ کپڑوں میں اس کا ملیح سراپا شرم و گھبراہٹ سے سرخ ہو رہا تھا۔

''علیزہ کیا تمہیں کل کی بات پر غصہ ہے۔ وہ ریان نے اچانک ہی کہہ دی حالانکہ میں تمہیں بتانے والی تھی۔'' بھابی کا چہرہ افسردہ سا لگا علیزہ کو اپنی محبت سے گندھی بھابی کی اداسی اچھی نہ لگی جھٹ ان کے ہاتھوں کو تھاما۔

''بھابی آپ اتنی افسردہ اور پریشان کیوں ہو رہی ہیں۔'' اس نے مسکراہٹ سے ان کی یہ اداسی دور کرنا چاہی بھابی نے تحیر میں مبتلا ہو کہ پیاری سی اپنی نند کو بے اختیار گلے سے لگا لیا۔

''علیزہ گڑیا! تم مجھے ہمیشہ سے پیاری رہی ہو اگر میں نے تمہیں ابتسام کے لیے منتخب کیا ہے تو کچھ سوچ کے ہی کیا ہے کیونکہ تم اس کے مزاج سے واقف ہو اور پھر ریان عدنان اور ایشا تم سے کافی اٹیچڈ بھی ہیں۔'' وہ قدرے توقف کے بعد اس سے تفصیل سے مخاطب ہوئیں۔

''ابتسام کو تم جانتی ہی ہو وہ بھتیجے بھتیجی کی وجہ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بچوں کو ضرورت کسی ذمہ دار لڑکی کی ہے پھر ابھی کتنی پیار رشتے ہیں ان سے چھٹنیں ہوتا۔ اب تم چاہے مجھے خود غرض کہو لوگ میں نے اپنی غرض کے لیے تمہارا انتخاب کیا۔''

''بھابی آپ ایسی بات کیوں کرتی ہیں آپ نے کچھ سمجھ کر ہی میرا انتخاب کیا ہے آپ بس میرے لیے دعا کیجیے گا کہ میں آپ کے بھائی کو سمجھ سکوں اور اس گھر کی ساری ذمہ داری اٹھا سکوں۔'' اس نے بھابی کے سرد ہاتھوں کو تھام کے انہیں مطمئن کیا وہ تو فرط مسرت سے اس کا ماتھا چوم کے رہ گئیں آج اس نے ان کا مان رکھ لیا تھا پھر وہ خود صلح جو قسم کی تھی۔

''سنو ابتسام کے غصے سے تم بالکل مت ڈرنا کیونکہ وہ پہلے ہی شادی کے لیے تیار نہیں تھا۔ مجھے پتا ہے وہ تم پر ہر بات پر غصہ نکالے گا۔''

''بھابی آپ تو مجھے ڈرا رہی ہیں۔'' علیزہ نے جھینپی جھینپی نگاہوں سے شرمگیں لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں ڈرا نہیں رہی ہوں بلکہ اپنے سر پھرے بھائی کے بارے میں کچھ آگاہی دے رہی ہوں کیونکہ تم اچانک نئے ماحول میں جاؤ گی پھر نئے ساتھی کا ساتھ ہوگا۔ ظاہر ہے تم کچھ گھبراؤ گی بھی تو اس لیے تمہیں پہلے سے ریلیکس کر رہی ہوں۔'' انہوں نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے کامنی سے علیزہ کے ہاتھوں کو دبایا۔

کافی دیر تک ہی بھابی اسے ابتسام کے بارے میں سمجھاتی رہیں اور وہ سر جھکائے سنتی رہی شروع سے ہی وہ صلح جو تھی نہ کسی سے بحث کرتی اور نہ ہی کسی کو ناراض کرتی تھی ہر ایک کو اپنی ذات سے فائدہ ہی پہنچانے کی کوشش کرتی کیونکہ اس کا یہ کہنا تھا کہ دنیا میں اگر انسان کو بھیجا گیا ہے تو کسی نہ کسی مقصد کے تحت اس لیے وہ ہر ممکن ہر اچھا کام کرنا چاہتی تھی۔

❀......❀......❀

''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے صرف ان بچوں کی خاطر میں شادی کے لیے راضی ہوا ہوں کیونکہ امی

پہلے ہی کافی بیمار ہوگئی ہیں بس محض یہی سوچ کر چپ ہوگیا۔" وہ ایسے بول رہا تھا جیسے سات پشتوں پر احسان کررہا ہو۔ سدرہ نے ایک تاسف بھری آہ بھری کیونکہ ابتسام کو قابو کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

"شکر ہے پھوپو کم از کم ہمیں اب ہر چیز وقت پر تو ملے گی۔" ریان نے تو پہلے ہی شکر کا سانس لیا ورنہ اسے تو صبح ہمیشہ یونیورسٹی جانے میں دیر ہوتی تھی کیونکہ ابتسام کی اکثر آنکھ ہی صبح دیر سے کھلتی تھی۔ ابتسام نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا جو کاؤچ پر دراز تھا' نائٹ ڈریس میں شوخ سا ریان ایک دم ہی مؤدب بن گیا۔

"میں کیا تم لوگوں کا خیال نہیں رکھتا ہوں جو تم یہ بول رہے ہو۔"

"ابتسام وہ بچہ ہے اگر کہہ دیا تو اس نے غلط تو نہیں کہا۔" سدرہ نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا جو بس گرم گھونٹ اندر اتار کے رہ گیا۔

"سمجھا کے بھیجئے گا اپنی نند کو میرے کاموں میں مداخلت نہ کرے' مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" وہ انتہا سے زیادہ روکھا اور اکھڑ ہوگیا تھا۔ اسی کو تو اس کے گرم مزاج سے کوفت ہوتی تھی۔

"ابتسام اس کی تم سے شادی ہوگی وہ صرف تمہاری وجہ سے اس گھر میں آئے گی۔" سدرہ کو اس کی یہ بات خاصی ناگوار گزری۔

"چاچو کو اس سے کیا۔" ریان نے پھر لقمہ دیا۔

"ریان اٹھو یہاں سے صبح تمہیں یونیورسٹی جانا ہے یا نہیں۔" ریان منہ بناتا ہوا کمرے میں چلا گیا۔ پورے لاؤنج کا حلیہ خراب تھا' کشنز سارے کارپٹ پر تھے کیونکہ کچھ دنگل ریحان مناہل اور ایشا نے بھی کیا تھا سدرہ ایک دن رکنے کے لیے آئی تھی۔

"بچوں سے ذرا نرم لہجے میں بات کیا کرو۔"

"یہی بات میں اس سے کہتی ہوں ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ ٹھیک نہیں رہتی۔" امی عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں ہی آگئی تھیں جبکہ ابتسام لب بھینچ کے رہ گیا۔

"میں اگر ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہوں تو بُرے انداز سے نہیں آپ کو نہیں پتا آپی! میں نے ان بچوں کو کیسے سنبھالا ہے۔" وہ سوچ کے ہی رہ گیا کیونکہ ننھی ایشا کو تو اس نے راتوں کو جاگ کے سنبھالا تھا سدرہ کی شادی تو بڑے بھائی بھابی کے اس دنیا سے جانے کے ایک سال بعد ہی کردی تھی ابتسام نے کیونکہ شعیب بھائی ابو کے دوست کے بیٹے تھے اس لیے ابتسام نے بڑے بھائی کی طرح اپنی یہ ذمہ داری بھی ادا کردی تھی پھر ابتسام نے اور امی نے ہی مل کر بچوں کو سنبھالا تھا۔

"مجھے خبر ہے بھائی لیکن تم یہ بھی تو سوچو کہ یہ بچے اب بڑے ہورہے ہیں' ریان کو دیکھو تم سے دس سال چھوٹا ہے بھائی ہی لگتا ہے۔ تم اتنے بڑے لڑکے کو ڈانٹ ڈپٹ کرکے رکھو گے تو وہ تمہاری طرف سے بدظن ہوگا۔" سدرہ اسے بڑے نرم لہجے میں سمجھا رہی تھیں۔

"اوکے لیکن پلیز اپنی نند کو ذرا میرے مزاج سے ضرور آگاہ کردیجیے گا۔" وہ بولتے بولتے کچھ جھجکا مگر وہ یہ یاددہانی ضرور کرانا چاہ رہا تھا پھر علیزہ سے اس کی کبھی بات چیت بھی نہ رہی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے واقف ہوں۔

❀……❀……❀

سدرہ بھابی نے ایسی جلدی مچائی کہ انہوں نے دو ماہ کے اندر اندر شادی کرنے کا کہہ دیا دونوں گھرانوں میں تیاریاں عروج پر ہی تھیں۔ ریان تو اکثر یہیں پایا جاتا تھا کیونکہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد اسے ایف ایم بھی جانا ہوتا تھا تو پک ڈسکس وہ علیزہ سے ضرور کرتا تھا۔

اس دن وہ عصر کی نماز پڑھ کر لاؤنج میں ہی ٹی وی آن کرکے بیٹھ گئی' گرین کاٹن کے پلین سوٹ پر پرنٹڈ بلیو دوپٹے میں اپنے سادے سے سراپے کے ساتھ بیٹھی تھی کہ ابتسام کی آمد پر وہ تو گڑبڑا ہی گئی' دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا ساتھ اس کے ایشا بھی تھی علیزہ کھڑی ہوئی دل دھڑ دھڑ کرنے لگا' بوکھلاہٹ میں سلام تک

بھول گئی۔

"آپی ہیں۔" اس نے جان بوجھ کے علیزہ پر نگاہ تک نہ ڈالی جبکہ وہ تو ساکت ہی ہوگئی تھی۔

"اوہو ماموں جان!" ریحان نے اوپر سے دیکھا' ابتسام نے ایشا کو صوفے پر لیٹا دیا۔

"بیٹا مما کو بلاؤ۔" اس نے ریحان سے کہا جبکہ علیزہ تو وہاں سے بھاگ لی۔

"دیکھی آپ نے اپنی نند کی حرکت مجھے دیکھ کر نہ سلام کیا بلکہ یہاں سے ایسے بھاگی ہے جیسے میں کوئی موذی چیز ہوں۔" ابتسام کو نہ جانے کیوں اسے اپنی تضحیک لگی۔

"ارے بے وقوف شرم کی وجہ سے گئی ہے۔" انہوں نے بات بنائی۔

"بس آپی رہنے دیں میں سب جانتا ہوں آج کی کل ان لڑکیوں کو بے باک اتنی ہوگئی ہیں۔ سب ڈھونگ لگتا ہے شرمانا' گھبرانا۔" علیزہ چائے بنانے کے لیے کچن میں ہی جارہی تھی کہ لاؤنج سے ابتسام کے کرخت اور درشت لہجہ پر چونکی اس نے بخوبی جان لیا تھا۔

"اونہہ...... ابتسام حیدر آپ میرے بارے میں ایسے نہیں کہہ سکتے میں ان لڑکیوں سے بہت مختلف ہوں۔" دل میں ایسا لگا تھا چھناکے سے کچھ ٹوٹا ہو' آنکھوں میں نمی در آئی مگر پھر ان تلخ سوچوں سے گریز کیا اور ابتسام کے لیے چائے بنانے لگی پھر خود ہی بھابی کے ہاتھ بھیجی بھی۔ ابتسام کے آنے کا مقصد یہ تھا کہ ایشا کو بہت تیز بخار تھا امی کو الگ بلڈ پریشر ہو رہا تھا پھر اسے دو دن کے لیے آفس کی وجہ سے وزٹ پر جانا پڑ رہا تھا اس لیے اس کی دیکھ بھال کی وجہ سے چھوڑنے آیا تھا۔ علیزہ نے جھٹ ایشا کو اپنے کمرے میں منتقل کرلیا تھا جب اس نے ذمہ داری اٹھانے کا سوچ لیا تھا تو ابتدا آج سے کیوں نہیں۔

"ابتسام حیدر میں آپ کی سوچوں کو غلط ثابت کر کے رہوں گی اور آپ کو اپنے سچے جذبوں سے ہی جیت کے رہوں گی۔ مجھے قوی امید ہے کہ ایک دن آپ بھی مجھے مان جائیں گے۔" وہ آہستگی سے سوئی ہوئی ایشا کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی کیونکہ شام سے اب تک وہ بہت کچھ سوچ چکی تھی شادی کے دن بھی قریب آرہے تھے اور اسے اپنے پیاروں کو ایک دن ہمیشہ کے لیے چھوڑ جانا تھا کئی بار وہ چپکے چپکے رو بھی چکی تھی۔

❀......❀......❀

یہ دو ماہ کا عرصہ ایسے تمام ہوا کہ اسے کچھ خبر ہی نہ ہوئی مایوں مہندی سارے فنکشن بڑے دھوم دھڑکے سے ہوئے کیونکہ ریان عدنان اور ایشا کو اپنے چہیتے چاچو کی شادی کا بڑا ارمان تھا۔ وہ ساری رسومات سے فارغ ہوکے ابتسام کے خوب صورت سے ڈیکوریٹڈ بیڈروم میں پہنچادی گئی' سدرہ تو ساتھ ہی آ گئی تھیں کیونکہ ادھر بھی ان کی ضرورت تھی رشتے دار بھی ایسے خاص نہ تھے کہ وہ زیادہ عرصے تک قیام کرتے۔

"ریان جلدی نکلو کمرہ خالی کرو۔" سدرہ نے اسے بازو سے پکڑ کے اٹھایا جو جہازی سائز بیڈ پر بڑے اطمینان سے لیٹا تھا۔

"پھوپو میں یہاں سے اٹھنے والا نہیں۔" اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کے اپنا ارادہ ظاہر کیا علیزہ ریڈ لہنگے میں دلہن کے روپ میں شرمائی گھبرائی بیٹھی تھی اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ ریان کو کان سے پکڑ کے اٹھا سکتی تھی۔

"ارے لڑکے تیرا دماغ تو خراب نہیں۔" وہ تو حیرانگی سے اس کی دیدہ دلیری پر اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"مما ماموں جان آپ کو بلا رہے ہیں۔" ریحان نے آ کر ابتسام کا پیغام پہنچایا' سدرہ ایک دم گھبرائی کیونکہ کچھ دیر پہلے بھی وہ خاصا جھنجلایا ہوا تھا۔

"ریان بیٹا! اٹھو شاباش ابتسام کو اندر آنا ہے۔"

"پھوپو چاچو نے یہ شادی ہمارے لیے کی ہے ان سے کہیے نکاح کے بعد ان کا رول ختم۔" وہ بڑے اطمینان سے تالی مار کے بولا۔

"ابھی چاچو آکے نا آپ کا رول بناتے ہیں اندر

آ رہے ہیں۔" عدنان فوراً اسے الرٹ کرنے آ گیا مگر اسی وقت وہ شیروانی میں بے زار سا چلا آیا کب سے اسے اس لباس سے الجھن ہو رہی تھی۔

"ریان اٹھو یہاں سے اگر ایک لفظ بھی بولے تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"دیکھیں پھوپو چاچی کے آتے ہی آنکھیں پھیر لیں۔" وہ معصوم سی صورت بناتا بیڈ سے اترا سدرہ نے سر پیٹ لیا جبکہ علیزہ کے ہونٹوں پر مبہم سی ہنسی آ ئی مگر جھٹ روک لی۔ ابتسام نے اسے اس وقت گھورا جب تک وہ کمرے سے نہیں نکل گیا۔ سدرہ بھابی علیزہ کے کان میں کچھ کہہ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئیں۔ اس نے تو خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ اور ابتسام کبھی ایک ساتھ ہوں گے۔

ابتسام نے پہلے واش روم میں جاکے کپڑے چینج کیے علیزہ پر ایک نگاہ غلط تک نہ ڈالی وہ اپنے سارے کام نمٹا تا رہا اور وہ بت بنی بیٹھی رہی۔

"میرے کاموں میں آپ دخل اندازی بالکل نہیں کریں گی مجھے بیوی کی نہ پہلے ضرورت تھی اور نہ اب ہے اور نہ ہوگی۔ یہ شادی میں نے صرف مجبوری میں کی ہے بچوں کی خاطر۔" وہ بیڈ پر اب تک اس کے قریب بیٹھا تک نہیں تھا مسلسل ادھر سے ادھر چکر لگا رہا تھا اور وہ سن کے گنگ ہی رہ گئی مگر اسے توقع تو تھی ابتسام کے اس ردعمل کی لیکن ایک آس تھی کہ شاید وہ اس اولین رات کے تقاضوں کو جانتا ہو اس لیے آج کے دن وہ سب بھول جائے مگر یہ اس کی خام خیالی ہی تھی سرخ لپ اسٹک سے مزین نازک احمریں ہونٹوں کو وہ بھینچ کے رہ گئی۔

"آپی کا خیال ہے بلکہ میری امی کا بھی خیال ہے کہ میں بچوں کی دیکھ بھال بہتر طور پر نہیں کر رہا اس لیے شادی ضروری ہے بس اسی وجہ سے میں راضی ہوا پھر بچے آپ سے پہلے ہی کافی مانوس ہیں۔ اس لیے یہ سوچ کر ہی آپ کا انتخاب کیا گیا ہے۔" اس نے بس ایک اچٹتی نگاہ اس پری پیکر پر ڈالی پھر سر کو جھٹکا وہ کسی بھی کمزور لمحے کی زد میں نہیں آنا چاہتا اور نہ اب کھائے گا اسے خود پر غرور تھا وہ اس صنف کو ہمیشہ بُرا ہی سمجھتا تھا۔ وہ عورت کو کبھی بھی اپنی ضرورت کا نام نہیں دینا چاہتا جبکہ اسے ضرورت ہے اس گھر کے لیے بچوں کے لیے۔

"یہ بھی مجھے بتادیں کہ آج کی رات میں ادھر ہی سوؤں یا آئندہ مجھے کہیں اور سونا ہوگا۔" اسے اس لمحے اپنی توہین لگی مگر خود کو وہ سنبھال چکی تھی اور دل میں عزم کر کے آئی تھی کہ اکھڑ سے ابتسام حیدر کو ایک دن جیتنا ہے خود کو منوانا ہے لیکن اس کے لیے خود کو اس کے سانچے میں ڈھال کے اس کی سوچوں کی نفی کرے گی۔

"یہ آپ مجھ پر طنز کر رہی ہیں۔" سیج کی لڑیوں کو توڑ کے کارپٹ پر اچھالا اور اس کے اتنے قریب آیا کہ وہ کانپ گئی۔

"جی نہیں...... وہ تو میں پوچھ رہی تھی۔" وہ ڈر بھی گئی کچھ خجل بھی ہوئی اپنی رسیلی آنکھوں سے اس پتھر کے مجسمے کو دیکھا۔

❁......❁......❁

شادی ولیمہ اور دعوتیں ایسے گزریں کہ پورا مہینہ ہی تمام ہو گیا علیزہ نے اب گھر کو مکمل طور پر سیٹ کرنے کا تہیہ کر لیا مگر اس کے لیے اسے مددگار بھی ابتسام کی مگر وہ تو شادی کر کے بھول ہی گیا تھا۔ سب سے پہلے اس نے ڈرائنگ روم کی صفائی کی سارا کچھ سیٹ بھی تنہا ہی کیا پورا دن لگ گیا تھا۔

"ارے علیزہ بیٹا! صبح سے تم لگی ہو کچھ دیر آرام بھی کر لو۔" امی نے اس کی سلیقہ مندی کو ستائشی انداز میں دیکھا پورا ڈرائنگ روم چمچما رہا تھا اس نے کشن تک بدل دیئے تھے پردے دھو کے دوسرے لٹکائے تھے۔

"امی اب بتائیے لگ رہا ہے نا ڈرائنگ روم۔" وہ پرپل کاٹن کے پلین سوٹ میں دھول مٹی میں اٹی کھڑی تھی انداز میں ایک تفخر بھی تھا۔

"ہاں ماشاء اللہ" وہ خوش ہو گئیں۔

"تم نہا دھو لو ریان آتے ہی کھانے کا شور مچائے گا"

عدنان اور ایشا کو میں نے کھانا کھلا دیا ہے، دونوں پڑھ رہے ہیں۔'' انہوں نے بتایا علیزہ ریان کے یونیورسٹی سے آنے سے پہلے ہی نہا کر اپنا حلیہ درست کرلیا تھا وہ تین بجے تک آتا تھا جبکہ ابتسام آفس سے آٹھ بجے آتا تھا اس لیے علیزہ کو دونوں کی ہی فکر رہتی تھی۔

''جلدی سے چاچی کھانا لگادیں، بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' بلیک پینٹ پرسی گرین ٹی شرٹ میں ملبوس تھا تھکا وہ کچن میں ہی آ گیا جہاں وہ پہلے ہی سے کھانا گرم کرنے میں لگی ہوئی تھی اس نے خود بھی نہیں کھایا تھا۔ علیزہ نے تیزی سے کھانا ٹیبل پر لگایا اور خود بھی بیٹھ گئی کاسنی جارجٹ کے پرنٹڈ کپڑوں میں اپنے دراز سلکی بالوں کو کیچر میں مقید کر کے کھلا چھوڑا ہوا تھا، گلابی گلابی سراپا غسل کے بعد اور نکھر گیا تھا، ریان نے چند منٹوں میں ہی کھانا کھالیا۔

''یہ پورچ میں آپ نے کیا کباڑ ڈالا ہے یہ سارا کباڑ تم نے جا کے باہر پھینک کے آنا ہے۔'' وہ بھی آخری لقمہ لے کے اٹھی اور برتن اٹھانے لگی، ریان نے ٹی وی آن کرلیا تھا۔

''ریان فوراً جوتے اپنے روم میں ریک پر رکھو اور یہاں کپڑے چینج کر کے آؤ۔'' وہ فوراً ہی اس پر روک ٹوک کرنے لگی۔

''میں نے جوتے یہاں رکھ دیئے تو کیا ہوا آپ کے میاں چھ فٹے وہ تو کچھ بھی جگہ پر نہیں رکھتے۔ مجھ سے یا عدنان سے کام کرواتے رہتے ہیں۔'' ایک دم ہی تنکا تی دی کو ہنوز اونچی آواز میں رکھا۔

''پہلے تمہیں سدھار لوں پھر تمہارے چاچو کی بھی خبر لوں گی۔'' وہ مسکرائی۔

''پہلے انہیں سدھاریے اور ہاں کل میرا ایف ایم پر مارننگ شو ہے پلیز ٹوپک تیار کردیجئے گا۔'' ساتھ ہی پھر ہدایت نامہ جاری کردیا علیزہ نے اسے گھورا جو صوفے پر دراز ٹی وی کے چینل بدل رہا تھا۔

''کل سنڈے ہے اٹھ جاؤ گے جلدی۔''

''کوشش کروں گا ایک ڈی جے نے کل چھٹی کی ہے مجھے اس کی جگہ شو کرنا ہے، میں نے منع بھی کیا مگر زبردستی سائن کروالیا۔'' وہ تھکا تھکا سا گویا ہوا۔

❁......❁......❁

صبح وہ چھ بجے کا الارم لگا کے سوئی تھی کیونکہ ریان کا شو تھا نو بجے پہنچا اسے اسٹڈی بھی کرنی تھی ٹوپک کی۔ وہ کچن وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اپنے روم میں آئی تو دیکھا ابتسام اپنے میلے کپڑوں کا ڈھیر اٹھا کے کمرے سے جانے لگا۔

''کپڑے میں بھی دھو سکتی ہوں۔'' وہ اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی، مگر جواب ندارد۔

''پلیز آپ میری بات سنیے تو......'' علیزہ کو اس اکھڑ آدمی کی ابھی تک سمجھ نہیں آئی تھی ایک تو ابھی تک ناشتا بھی نہیں کیا تھا اور اوپر سے گیارہ بجے وہ کپڑے دھونے نکل گیا۔

''میں نے پہلے بھی کہا تھا اپنے کام میں خود کرتا ہوں۔'' اس نے کاسنی جارجٹ کے کپڑوں میں اس کی معصوم سی صورت کو دیکھا جو ہر بار اسے اپنی جانب ہی متوجہ کرتی لگتی تھی وہ پلک لگا رہا تھا اور وہ دیکھ رہی تھی اس کی حرکات و سکنات جو کتنا بے نیاز تھا۔

''آپ چاہے مجھ سے کوئی تعلق نہ رکھیں لیکن یہ کام تو میرے کرنے کے ہیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''تم سے پہلے بھی میں خود ہی دھوتا تھا۔'' اسی وقت زوردار آواز ایشا کی سنائی دی، دونوں ہی حواس باختہ ہوکر تیزی سے اندر آئے۔ ایشا لاؤنج میں اپنا ہاتھ پکڑے رو رہی تھی سیدھے ہاتھ کی انگلی سے خون نکل رہا تھا، ای خود گھبرائی ہوئی بیٹھی تھیں۔

''کیسے ہوا بیٹا یہ......'' ابتسام کی تو وہ جان تھی جھٹ اس کی انگلی پر علیزہ کا آنچل لپیٹ دیا وہ خود ابتسام کی خود ساختہ حرکت پر چونکی جس نے کتنے استحقاق سے یہ سب کیا تھا۔

''کیسے لگی یہ؟'' علیزہ نے پوچھا۔

''چاچی! کمپیوٹر کی دراز کھینچ رہی تھی بس انگلی دب گئی اس کی۔'' عدنان بھی خاصا گھبرایا ہوا تھا۔ علیزہ جھٹ ڈیٹول لے آئی پھر اس کی بڑی مہارت سے بینڈیج کی۔

''خبردار جو اب تم میری اجازت کے بغیر کسی بھی چیز کو چھوا تو۔'' علیزہ نے پیار بھری ڈانٹ پلائی' ابتسام اسے حیرانگی سے کئی لمحے دیکھتا رہا۔

ایشا کو اس نے صوفے سے ہلنے نہیں دیا تھا جبکہ ابتسام بھی اپنے کپڑے وغیرہ سب بھول گیا اسے خبر ہی نہ ہوئی کہ کب علیزہ نے اس کے کپڑے دھو دیئے وہ تو اسے یاد آیا تو دیکھنے نکلا۔

''آئندہ یہ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں۔'' وہ کچن میں چلا آیا' جہاں وہ دوپہر کے کھانے کے لیے ریان اور عدنان کی فرمائش پر بہت کچھ تیار کررہی تھی۔

''میں آئندہ بھی زحمت کرتی رہوں گی۔'' پُراعتماد اور ترنگ بھرے لہجے میں کہتے ہوئے ابتسام کو دیکھا جو ابھی تک ملگجے سے اسکائی بلیو قمیص شلوار میں ملبوس تھا۔

''آپ کے کپڑے میں نے واش روم میں رکھ دیئے ہیں' غسل کرلیں پھر ریان کے آتے ہی کھانا لگادوں گی۔'' علیزہ نے آج سے سوچ لیا تھا کہ ابتسام کا ہر کام وہ ڈنکے کی چوٹ پر کرے گی اور وہ اب بالکل اس سے نہیں ڈرے گی۔

''تم...... تم......''

''اتنا غصہ مت کیا کریں آپ کی صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔'' وہ اس کے موڈ کی پروا ہی نہیں کررہی تھی۔

''تم اپنی حد کراس کررہی ہو۔'' اسے علیزہ کا ایسا انداز تو آگ ہی لگا گیا' دو قدم وہ آگے آیا علیزہ تو کانپ ہی گئی وہ اتنا قریب تھا کہ وہ چھو کے محسوس کرسکتی تھی۔

''چاچو درد ہورہا ہے۔'' لاؤنج کے سامنے ہی کچن تھا ایشا کی روتی بسورتی آواز پر وہ بدک کے پیچھے ہوا وہ تو اسے بھول ہی گیا تھا۔

''تم ذرا اندر آؤ تمہاری خبر تو میں لیتا ہوں۔'' وہ دھمکی دے کے کچن سے نکلا جبکہ علیزہ کا تو سانس ہی رک گیا

کس سے اس نے ٹکر لے لی جو اسے کچھ سمجھ ہی نہیں رہا کیسے وہ اسے رام کرے' لب کاٹتی ہوئی کام میں مصروف رہی۔ ریان دو بجے تک آیا تو اس نے کھانا لگایا پھر خود کچن سمیٹنے میں لگ گئی۔ پورا دن ابتسام گھر میں ہی رہا تھا علیزہ ڈر کے مارے کمرے میں ہی نہ گئی حتیٰ کہ رات ہوگئی وہ ڈرائنگ روم میں چپکے سے جاکے سوگئی۔

❁......❁......❁

''چاچو صبح چاچی ڈرائنگ روم سے دستیاب ہوئی تھیں۔'' دوسرے دن جب ابتسام آفس سے آیا تو ریان نے کہا وہ جواب میں سلگتی ہوئی قہر برساتی نگاہ علیزہ پر ڈال کے رہ گیا جو اس کے لیے چائے لے کے آئی تھی اسے اپنی توہین ہی لگی تھی کہ علیزہ کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے جب ہی رات ڈرائنگ روم میں گزاری۔

''تم زیادہ فضول بک بک مت کیا کرو۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی علیزہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیا اور سنگل صوفے کے درمیان میں کرسٹل ٹیبل تھی اس پر رکھ دیا۔

''چاچو کل کوچنگ کی فیس جانی ہے۔'' عدنان اس کے بغل میں گھس کے بیٹھا اکثر جب بھی اپنی کوئی بھی بات کہنی ہوتی تھی وہ یہی کرتا تھا۔

''کوچنگ کی فیس میں نے ریان کے ہاتھ بھجوادی تھی۔'' علیزہ نے سنا تو وہ جھٹ بولی ابتسام کو حیرانگی ہوئی کہ اس بار وہ بھول کیسے گیا۔

''ہاں چاچی نے مجھے دی تھی۔'' ریان نے بھی تائید کی۔

''تم نے مجھ سے کل ہی کیوں نہیں کہا۔'' وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آگیا جو وارڈ روب سے جانے کیا تلاش کررہی تھی۔

''آپ سے تو اس وقت کہتی نا جب آپ مجھے موقع دیں۔'' ایک طنز بھری نگاہ ڈالی اور وارڈ روب کا لاک لگایا وہ اس کے کپڑے صبح آفس کے لیے پہلے ہی نکال کے ترتیب دے لیتی تھی۔

''کتنی بار کہا ہے میرے کاموں کو ہاتھ مت

لگایا کرو۔''

''آپ کے کاموں کو ہی تو ہاتھ لگایا ہے' آپ کو تو نہیں۔'' علیزہ کے منہ سے روانی میں نکلا مگر زبان دانتوں تلے داب لی' جھینپ الگ گئی۔ ابتسام کا چہرہ تو قہر برساتا لگا۔

''شٹ اپ آئندہ ایسی کوئی خواہش زبان پر لائی نا اچھا نہیں ہوگا۔'' وہ شہادت کی انگلی اٹھا کے وارن کرنے لگا مگر علیزہ نے خود کو یک دم ہی نارمل ظاہر کیا کیونکہ بھابی کا کہا ہوا جملہ سماعتوں سے ٹکرایا۔

''تمہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں۔''

''آپ کیا سمجھتے ہیں کہ مجھے یہ خواہش شروع سے ہے۔ آپ بھی میری بات سن لیں' مرد اور عورت بھی مخالف سمتوں میں سفر نہیں کرسکتے جبکہ وہ دونوں میاں بیوی کے مضبوط بندھن میں بندھ چکے ہوں' مرد کو بیوی کی اور بیوی کو شوہر کی ضرورت رہتی ہے۔ آپ لاکھ اپنے کام خود کریں لیکن ایک بیوی کی جو ذمہ داری اور جو میرے حقوق ہیں وہ بھی پورے کروں گی ہر حال میں۔'' وہ ایک ہی سانس میں کہہ کر اپنی اور اس کی اہمیت واضح کرگئی۔ ابتسام تحیر میں مبتلا ایسی کھری باتیں سن کے گنگ رہ گیا وہ تو اسے دبو اور کم گو ہی سمجھتا آیا تھا مگر وہ تو ایک منٹ میں اسے تارے دکھا گئی۔

''میں اپنی جانب سے آپ کے حقوق میں کوتاہی نہیں برتوں گی میں آپ کے لیے ہمیشہ حاضر رہوں گی۔ چاہے آپ میرے حقوق ادا نہ کریں۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی اس کے برابر سے نکل گئی۔ ابتسام کو بولنے تک کا موقع نہ دیا۔ ابتسام کی تو ایسی حالت ہوگئی تھی کہ کوئی ردعمل ہی نہ سوجھ سکا وہ علیزہ کی دیدہ دلیری اور اتنی واضح باتوں پر اکتا سا گیا یہ سب تو اس نے سوچا تک نہ تھا اور وہ اس کے اور اپنے رشتے کے تقاضوں کو واضح کرگئی تھی وہ سکتے کی کیفیت میں بیٹھا گیا۔

❀......❀......❀

دونوں میں ایک ہفتہ ہوگیا تھا کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی' علیزہ نے اب تہیہ کرلیا تھا کہ ابتسام سے وہ خود کبھی بات نہیں کرے گی۔ اتنے دن اسے دکھ ہی دیئے گھر وہ چار دن سے رہنے گئی ہوئی تھی اور یہاں کی حالت ایک دن میں ابتر ہوگئی تھی۔ ابتسام کو موسم بدلنے کی وجہ سے کچھ زکام اور بخار ہوگیا تھا وہ آفس تک نہ جاسکا تھا اس لمحے علیزہ کی کمی شدت سے محسوس ہورہی تھی۔

''ارے میں ریان سے کہہ دیتی ہوں وہ علیزہ کو لے آئے گا۔'' امی کو اس کی اجاڑ اتری صورت دیکھ کر فکر ہی کھائے جارہی تھی۔

''امی رہنے دیں اتنے عرصے بعد وہ رہنے گئی ہے خوامخواہ پریشان ہوگی۔'' وہ کمبل میں لیٹا مسلسل سوں سوں کررہا تھا' امی کو ہی اس کی تیمارداری بھی کرنی پڑرہی تھی۔

''تم نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا ہے کم ازکم وہ آ کے خیال تو کرے گی۔''

''امی میں پہلی بار تو بیمار نہیں ہوا اس سے پہلے بھی آپ اور میں خود کرتے تھے۔'' وہ چڑا۔

''بیوی کی بات اور ہوتی ہے پہلے صبر تھا تمہاری شادی نہیں ہوئی ہے لیکن اب جبکہ بیوی موجود ہے تو اس میں اسے بلانے میں کیا ہرج ہے۔'' وہ بھی اسے اچھی خاصی سرزنش کرنے لگیں وہ جزبز سا ہوگیا۔

''شکر کرو بیوی اچھی مل گئی ورنہ میں نے تو ایسی لڑکی نہیں دیکھی جو سسرال کو اپنا گھر سمجھے۔'' ابتسام خفیف سا ہوکے رہ گیا یہ بات تو امی بھی ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ آتے ہی اس نے گھر اور بچوں کو سنبھال لیا تھا اگر ہوتی کوئی اور لڑکی تو اس سے ایک منٹ نہ بنتی اور اپنے میکے روانہ ہوجاتی جبکہ اس نے تو اس نے اس کو اس کے حق سے بھی محروم رکھا ہوا تھا۔

''ہر وقت کا غصہ اچھا نہیں ہوتا ہے علیزہ بہت صابر وشاکر بچی ہے۔ مت لے اس کے صبر کا امتحان کہیں ایسا نہ ہو کہ پچھتاتا رہے کیونکہ اچھی بیوی بھی اللہ کا بہت بڑا انعام ہوتی ہے' کیا پتا تیری کوئی بات اوپر والے کو پسند آگئی ہو جو علیزہ کی صورت ایسی اچھی بیوی دی۔'' وہ اسے

اچھی طرح ڈنٹ ڈپٹ کرکے چائے بنانے اٹھ گئی تھیں۔ ریان یونیورسٹی سے ابھی تک نہیں آیا تھا' عدنان اور ایشا اپنا ہوم ورک کررہے تھے۔

کتنا سچ کہا ہے امی نے کہ علیزہ ایک انعام کی صورت میں ملی ہے پھر وہ اپنی انا کے آگے اس کی اہمیت کو کیوں نہیں مان رہا۔ اس نے ہمیشہ صنف نازک کو دھوکے دیتے ہی دیکھا تھا اپنے حسن اور اداؤں سے مردوں کو پھانسنا پھر ان کو برباد کرنا گزشتہ سال ہی تو اس کا ایک عزیز دوست ظفر کسی لڑکی کے چکر میں ایسا پڑا کہ اپنی جان تک سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا۔ اس دن سے اس نے سوچ لیا تھا کہ اس صنف پر کبھی اعتبار نہیں کرے گا' اس نے تھک کے آنکھوں کو بند کرلیا۔ علیزہ اس کی آنکھوں میں سمائی ہوئی تھی جس دن سے وہ گئی تھی اطراف میں خالی پن سا محسوس ہورہا تھا کمرے سے ویرانگی ٹپک رہی تھی۔

''عجیب لڑکی ہے گھر کی رونق بھی اپنے ساتھ لے گئی۔'' وہ خود سے ہم کلام ہوا پھر اس نے سائیڈ پر رکھی اپنی اور اس کی تصویر پر نگاہ مرکوز کردی' شرم و حیا کا پیکر تھی کبھی بھی اس نے آنکھ ملا کے بات نہ کی تھی مگر اس نے کیسے اپنی اہمیت اس کے سامنے واضح کرکے ہونٹوں پر چپ کی مہر ثبت کرلی تھی اور اس نے مخاطب کرنے کی ہمت نہ کی تھی۔

❁......❁......❁
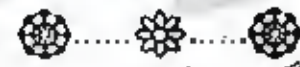
''چاچی چلئے گھر چاچو کی طبیعت بہت خراب ہے۔'' ریان جیسے ہی ایف ایم سے اپنا شو ختم کرکے آیا تو سیدھا علیزہ کے پاس چلا آیا۔

''بدتمیز مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا'' اس نے ایک دھموکا جڑنے کے ساتھ ہی خفگی سے کہا جو فوراً سنتے ہی تیاری کررہی تھی۔

''بیٹا تم فون ہی کردیتے۔'' امی نے بھی شکوہ کیا۔

''آنٹی! چاچو کا حکم تھا کہ چاچی کو نہ بتایا جائے۔''

''تم بہت اپنے چاچو کے کہنے پر چلتے ہو نا جو یہ بات مان لی۔ وہ بالوں کو لپیٹتی ہوئی لاؤنج میں آگئی جہاں وہ کاؤچ پر بیٹھا لوازمات سے انصاف کررہا تھا۔

''پھوپو کیا ہے اتنے دنوں بعد تو آئی ہیں اور آپ جارہی ہیں۔'' منال نے روتی صورت بنائی علیزہ نے جھٹ اسے اپنی گود میں بٹھالیا جو اس کے جانے کے بعد کتنا مس کرنے لگی تھی۔

''ارے تو کیا ہے پھر آجائے گی۔'' بھابی نے فوراً اسے ٹوکا۔

''ماموں جان سے کہیں ہماری پھوپو واپس کریں۔'' وہ معصومیت سے کہتی ہوئی علیزہ کو مضبوطی سے پکڑ کے بیٹھ گئی جبکہ علیزہ کی ہنسی نکل گئی۔

''سنو منال! تمہاری پھوپو کو ہمیشہ کے لیے تمہارے ماموں جان کو دے دیا ہے کبھی بھی وہ واپس نہیں کریں گے۔'' اس نے شوخی سے کہا۔ اتنے میں علیزہ نے سب ہی سے جانے کی اجازت لی شعیب بھائی اور سدرہ بھابی اسے چھوڑنے آئے تاکہ ابتسام کی خیر خیریت بھی معلوم کرلیں۔

''ارے ہمیں خبر ہوتی کہ بیوی کے لیے بیمار پڑے ہو تو ہم پہلے ہی علیزہ کو بھیج دیتے۔'' وہ سب ابتسام کے پاس ہی کمرے میں بیٹھے تھے جبکہ علیزہ نے آتے ہی کچن کا حلیہ درست کیا' فرش پر انڈے ٹوٹے ہوئے تھے' سنک میں برتنوں کا ڈھیر ڈائننگ ٹیبل پر ڈھیروں کپ دھرے تھے۔ امی کو بھی بخار ہوگیا تھا وہ بھی بستر پر لیٹی ہوئی تھیں۔

وہ پھر بھی ان سب کے لیے چائے بنا کے لے آئی تھی۔ ریان' ابتسام کے شانوں کو دبا رہا تھا۔ زکام اور بخار کی وجہ سے اس کا چہرہ تک اتر گیا تھا' شیو بھی ہلکی بڑھ گئی تھی' آفس تک تو جا نہیں رہا تھا۔ اب وہ کمرے سے چیزیں سمیٹنے لگی' ابتسام اس پھرتیلی علیزہ کو ستائشی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ ہر چیز اپنی جگہ پر آ گئی ہو۔

''ریان کتنی بُری بات ہے تم لوگ اب تو سدھر جاؤ۔'' سدرہ بھابی نے بھی ٹوکا۔

''ہم سدھرے ہوئے ہیں آپ کی نند کے میاں ہی

بگڑے ہوئے ہیں۔'' اسی وقت عقب سے ابتسام کا ہاتھ اٹھا جو اس کی پشت پر پڑا تھا وہ بلبلا گیا۔

''اُف چاچو اتنی زور سے۔'' وہ کراہ ہی گیا۔

''یہ اپنی نان اسٹاپ زبان دو گھنٹے ریڈیو پر چلایا کرو یہاں نہیں۔'' ساتھ ہی تنبیہ بھی کیا۔

''یار ابتسام تم بے چارے کو اتنا مت ڈانٹا کرو۔''

''شعیب انکل دیکھئے گا میں بھی سارے بدلے نکال لوں گا' ہوں گے نا ان کے بچے لائن میں کھڑا کر کے ساروں کی خبر لوں گا۔'' ابتسام تو جھینپ گیا جبکہ علیزہ خفیف سی ہوتے اسے گھورنے لگی۔ اسی وقت کمرے سے نکل گئی ریان کی ایسی بے باک بات پر وہ تو پسینوں میں نہا گئی۔ اتنے میں سدرہ بھابی اور شعیب بھائی نے جانے کی جلدی کی اس نے رات کے کھانے پر بہت روکا لیکن وہ نہ رکے اس نے ان کے جانے کے بعد ابتسام اور ای کے لیے چکن سوپ تیار کیا اور رات کے کھانے کے لیے چاول اور اس کے ساتھ آلو گوشت پکایا کیونکہ اس وقت سمجھ بھی نہیں آرہا تھا۔ ابتسام کو سوپ کمرے میں دینے آئی تو وہ آنکھیں موندے لیٹا تھا۔

''اگر موڈ ہو تو پلیز مجبوری میں پی لیں۔'' انتہائی سرد سے لہجے میں کہا بلکہ ظاہر کیا کہ وہ صرف اپنا فرض نبھا رہی ہے ابتسام نے بس ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی جو یلو کاٹن کے سوٹ میں کافی دلکش لگ رہی تھی۔

❀......❀......❀
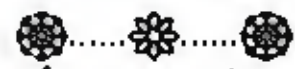
دوسرے دن رات کو اسے نیند نہ آئی تو وہ ابتسام پر نگاہ ڈالتی بیڈ سے اٹھ گئی' ابتسام بے خبر سو رہا تھا وہ وارڈ روب کی جانب آئی جو بیڈ کی لیفٹ سائیڈ پر تھی لاکر سے ڈائری نکالی اور پین بیڈ کی سائیڈ دراز سے نکال کے وہ کمرے سے آہستگی سے نکل کے لاؤنج میں آ کے بڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔ آج اس کا موڈ ڈائری لکھنے کا ہو رہا تھا' جانے کب تک وہ لکھتی رہی تھی کہ اس کی وہیں آنکھ لگ گئی۔

ابتسام کو جیسے ہی اس کی غیر موجودگی کا احساس ہوا وہ باہر آیا تو وہ صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے سو رہی تھی اور پاس ہی ڈائری رکھی تھی۔ علیزہ کو دیکھا سوتی ہوئی کتنی معصوم لگ رہی تھی وہ کچھ شانت سا ہو گیا کہ اگر وہ اس کی زندگی میں آئی ہے تو زبردستی نہیں۔

صبح وہ نارمل ہی اٹھی تھی کمرے میں آئی تو دیکھا ابتسام نکھرا نکھرا آف کلر کے کرتے شلوار میں ملبوس ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا بالوں میں برش چلا رہا تھا۔ ابتسام نے بڑی گہری نگاہ ڈالی وہ پزل ہی ہو گئی۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں آپ کی طبیعت......؟'' وہ بولتے بولتے رکی۔

''تم سے میں نے پہلے بھی کہا ہے نا میرے کاموں میں دخل مت دیا کرو۔'' بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے اپنا والٹ اور موبائل اٹھانے مڑا۔

''بیوی ہوں آپ کی میں تو کروں گی۔'' علیزہ کے پتنگے لگ گئے جبکہ ابتسام پشت پھیرے اس کے دھونس بھرے انداز پر مسکرانے لگا مگر جھٹ اپنی مسکراہٹ اس سے مخفی بھی رکھی۔

''اچھا بیوی ہو تو پھر رات میں کہاں تھیں جب مجھے ضرورت تھی۔'' طنز کرنے لگا۔

''وہ......میں......میں......'' ایک دم گڑبڑائی شریر لٹیں نازک سراپے پر دائیں بائیں جھول کر رخسار کو چوم رہی تھیں۔

''محترمہ مجھے ایسی بیوی کی ضرورت نہیں جو صرف اپنا فرض نبھائی ہو سوائے تمہاری مجبوری کے تم یہی کرو گی نا۔''

وہ اب اسے جان بوجھ کے طیش دلا کے اس کے منہ سے اقرار سننا چاہتا تھا کہ وہ اس سے شروع سے محبت کرتی ہے اگر اتنی ہمت ہے تو یہ بھی کہے۔

''جی نہیں میں مجبوری میں نہیں کر رہی۔'' وہ تو تنک گئی۔ آج ابتسام کو اسے تنگ کر کے مزا آرہا تھا کیونکہ رات سے خوش تھا کہ اگر اس نے علیزہ کے لیے کچھ سوچنا شروع کیا تو وہ پہلے ہی سے اسے چاہتی ہے۔ کتنا خوش کن احساس ہوتا ہے کہ کوئی آپ کو بھی چاہتا ہے آپ بھی کسی کے لیے کوئی خاص اہمیت رکھتے ہیں کل رات سے

وہ سرشار تھا۔
"یہی تمہاری مجبوری ہے کہ تم صرف بچوں کی ذمہ داری پوری کرنے آئی ہو کیونکہ تمہیں ان سے ہی تو محبت ہے۔" وہ بس ایک ترچھی نگاہ علیزہ کے فق چہرے پر ڈال کے رہ گیا جو ہونقوں کی طرح اسے ہی دیکھ رہی تھی۔
"جی نہیں یہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔"
"یہی سچ ہے کیونکہ تمہیں تو بس وہی نظر آتے ہیں اپنا کام کرو۔" وہ اس پر مسلسل طنز کر کے پوری طرح سلگا رہا تھا۔
"آپ کا مطلب ہے کہ میں نے بچوں کی وجہ سے آپ سے شادی کی۔" اسے رونا ہی آنے لگا ابتسام کے ایسے طنزیہ جملوں سے جو دل میں تراز و ہو گئے۔
"ظاہر ہے میرے اپنے ذاتی بچوں کی وجہ سے تو نہ کرتی نا۔" اس نے ہونٹوں کا کونا دانتوں میں دبا کے ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم اٹھایا اور خود پر اسپرے کرنے لگا۔ علیزہ آنکھوں میں نمی لیے مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے چلی گئی وہ مسکرانے لگا۔

❁......❁......❁

ابتسام کو یہ غلط فہمی ہوگئی تھی کہ علیزہ نے صرف مجبوری میں اس سے شادی کی ہے اب وہ اسے کیسے کہے کہ اس کے دل میں تو محبت کب سے پروان چڑھ رہی تھی اور یہ الگ بات تھی کہ اس نے کبھی بھی اپنے کسی بھی عمل سے یہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ اسے شدتوں سے چاہتی ہے۔ وہ کب سے کروٹیں بدل رہی تھی ابھی تک کمرے میں بھی نہیں گئی تھی آ کے ڈرائنگ روم میں صوفے پر لیٹ گئی تھی ایشا تو امی کے پاس سوتی تھی' ریان اور عدنان ایک ہی کمرے میں سوتے تھے۔
"محترمہ! کیا بات ہے جو آپ نے اپنا قیام ادھر کرلیا ہے۔" ابتسام شاید اسے ڈھونڈتا ہوا آیا تھا تو وہ ہڑبڑائی کر جھٹ اٹھ بیٹھی۔ وہ گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا' گلابی جارجٹ کے پرنٹڈ کپڑوں میں عجیب اجاڑ حلیے میں لگ رہی تھی' وہ اس کی جانب دیکھے بغیر کھڑی ہوگئی۔
"تمہارے اس احتجاج کی وجہ صبح کی باتوں کو سمجھوں یا کچھ اور......" ابتسام نے چند قدموں سے فاصلہ تمام کیا اور اس کے مقابل آ گیا تو وہ گڑبڑائی۔
"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ بدک کے پیچھے ہوئی دونوں میں اجنبیت کی فضا ابھی تک قائم تھی۔ ابتسام کو اس ناراض ناراض سی کانچ سی لڑکی پر ڈھیروں پیار آ رہا تھا مگر وہ ایسی کوئی بھی حرکت کر کے اپنی سوبر شخصیت کو خراب نہیں کرنا چاہ رہا تھا مگر اندر کے جذبات کہہ رہے تھے اس بچی اور پیاری سی لڑکی کے جذبات کی قدر کرو جو وہ اسے انعام کی صورت ملی ہے ان چار چھ ماہ میں ابھی تک کوئی شکوہ تک نہ کیا اور وہ اس کی سادہ مزاجی اور صلح جو طبیعت پر حیران تھا کہ ہر لحہ اسے ہرٹ ہی کیا ہے مگر وہ خاموشی سے سنتی رہی تھی۔
"پھر کیسی بات ہے وہ بھی بتا دو۔" دل نے کہا کہ علیزہ کے رخسار پر جھولتی لٹوں کو اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے بڑی اپنائیت سے کانوں کے پیچھے کرنے مگر حسرت بھری نگاہ ڈال کے رہ گیا۔
"اگر بتا دی تو آپ کیا کریں گے؟" غصہ میں روانی سے نکلا ابتسام کو ہنسی آ گئی' کئی دنوں سے مسکرانے بھی لگا تھا۔ اپنے دائرے سے وہ باہر آنے لگا تھا اس لڑکی کی وجہ سے جو اس کے لیے بہت کچھ ہوگئی تھی۔
"ہو سکتا ہے کچھ کر بھی لوں۔" لہجہ معنی خیز اور شوخ بنایا اسی وقت علیزہ نے چونک کے اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں اسے کچھ اور ہی نظر آیا وہ جھینپ گئی۔
"بہت رات ہوگئی ہے آپ سو جایئے صبح آفس بھی جانا ہوگا۔" اس نے ایسے کہا جیسے وہ اس کی بات کا مفہوم نہ سمجھی ہو ابتسام نے اسی لمحہ اس کا بایاں بازو اپنے مضبوط دائیں ہاتھ سے پکڑا علیزہ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑ گئی آج پہلی بار ابتسام نے اسے چھوا تھا۔
"میری بات کا جواب دو جو میں پوچھ رہا ہوں کیوں مجھ سے بےزار ہو۔" لہجہ اور چہرہ تک یک دم سپاٹ بنا لیا وہ بے چاری پہلے ہی ڈری سہمی رہتی تھی اور ہی لرز گئی

کیونکہ یک دم ہی لہجہ کی شوخی غائب ہوگئی تھی۔

''واقعی کوئی ایسی بات نہیں ہے آپ خوامخواہ غلط سمجھ رہے ہیں۔'' وہ روہانسے لہجے میں گویا ہوئی آنکھوں کی نمی ابتسام سے مخفی نہ رہ سکی۔

''دیکھو علیزہ میں تم پر کوئی زبردستی نہیں کرنا چاہتا ہوں اگر تم یہ سب کچھ چھوڑ کے بھی چلی جاؤ گی میں الزام تمہیں بالکل نہیں دوں گا۔'' علیزہ تو سناٹوں میں آگئی یہ وہ کیا کہہ رہا تھا اور اس کے جذبات اور احساسات کی پروا نہیں کتنی آسانی سے اس کے دل کا خون کیا تھا' لب بھینچ کے اندر کے درد کو روکا۔

''آپ ہر بات مجھ پر ہی کیوں ڈالتے ہیں کسی نے آپ کے لیے اپنی ہستی تک مٹادی اور بات کرتے ہیں۔'' روتی ہوئی وہ چلی گئی ابتسام کو ایک دم افسوس اور بے کلی ہوئی کہ وہ تو محض تنگ کررہا تھا۔

❀......❀......❀

دوسرے دن وہ ریان کے ساتھ ہی میکے چلی گئی ای سے بھی جانے کیا کہا' ابتسام کے تو سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنی غصہ میں آجائے گی۔

''بھابی میں بالکل نہیں جاؤں گی' جانے کیا مجھے کہتے رہتے ہیں۔'' آتے ہی سدرہ بھابی سے ابتسام کی شکایتیں کی وہ بھی متفکر سی ہوگئیں۔

''ابتسام کی خبر میں لوں گی۔''

''پلیز بھابی آپ ان سے کچھ نہیں کہیں گی۔'' وہ ملتجی لہجے میں بولتی ہوئی ان کے ہاتھ تھام کے وعدہ لینے لگی جبکہ وہ تذبذب کا شکار ہوگئیں کیونکہ وہ تو ان دونوں کو خوش دیکھنا چاہتی تھیں۔

''لیکن علیزہ! اس طرح تو تم اور اس سے دور ہوجاؤ گی۔''

''بھابی اول تو ایسا ہوگا نہیں مجھے پتا ہے وہ اس طرح کرتے مجھ پر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ میں نے صرف ان پر ترس کھا کے شادی کی ہے جبکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے کل سے اسے ابتسام کی سنگ دلی پر کئی بار رونا آچکا تھا وہ سب بھابی سے چھپا نہ رہ سکا تو قسم دے کے سب اگلوا لیا۔

''وہ شروع سے کچھ روکھی طبیعت کا ہے۔''

''لیکن بھابی! اب میں ان کی ہر بات اور سوچ کو غلط کروں گی۔'' اس نے عزم اور اٹل ارادے کے ساتھ کہا۔

''گڈ میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ اسے سیدھا تم ہی کرو ہر ایک کو غلط طریقے سے دیکھتا ہے۔'' انہیں تو خود ابتسام پر غصہ آرہا تھا کافی رات تک دونوں باتیں کرتی رہی تھیں۔ وہ تو منال بلانے آئی تو بھابی چلی گئیں۔

دو دن تو اس کے سکون سے گزرے مگر ایشا بمعہ اپنے بیگ اور سامان کے وہاں آگئی' عدنان سے بھی نہ رہا گیا تو وہ بھی ضد کرکے ریان کے ساتھ آگیا۔

''ارے تم لوگوں نے ای کو بھی اکیلا کردیا۔'' وہ ایشا کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی جو دو دن سے اپنے سارے کام کررہی تھی جو اس سے ہوتے بھی نہ تھے۔

''اگر اتنا ہی خیال ہے تو گھر چلیں نا۔'' ریان بھی خاصا چڑا ہوا تھا۔

''چاچی! دادی جان کو دو دن سے بخار بھی ہے۔''

''کل چاچو نے اتنی بدمزا چائے بنائی تھی کہ مجھ سے تو ناشتا ہی نہ ہوا۔'' عدنان نے بھی دہائی دی۔

''کتنی بری بات ہے ایک تو وہ آپ سب کا خیال کررہے ہیں اور آپ ان کی برائی کررہے ہیں۔'' وہ ان تینوں کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

''یار چاچی! کل صبح میرا ایف ایم پر شو تھا' صرف چاچو کی وجہ سے مس ہوگیا۔ آج مجھے ڈیوٹی آفیسر سے اتنی ڈانٹ پڑی کہ کیا بتاؤں۔'' علیزہ نے باری باری تینوں کے مسئلے بھی سنے لیکن ابتسام کے بارے میں پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی کہ اس نے اس کی غیر موجودگی کو کتنا فیل کیا۔

''علیزہ بیٹا! آپ کی ساس کی طبیعت خراب ہے فوراً گھر جاؤ۔'' ابو نے سنا تو وہ جھٹ گویا ہوئے پھر امی نے تو صبح ہی کہہ دیا تھا کہ گھر چلی جاؤ کیونکہ ابتسام کو بھی مشکل ہورہی ہوگی۔

"جی ابو! رات کو چلی جاؤں گی۔" اس نے سر جھکا کے کہا۔

وہ تینوں ریحان اور منال کے ساتھ لان میں نکل گئے تھے علیزہ پھر سنبھل کے بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ کیا کرے ابو اسے دیکھنے لگے۔

"بیٹا! تم یہ مت سمجھنا کہ تمہارا یہاں رہنا ہمیں ناگوار گزر رہا ہے۔" انہوں نے مدبرانہ لہجے میں سمجھاتے ہوئے علیزہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"نہیں ابو! میں ایسا بالکل نہیں سمجھوں گی۔" اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"دیکھو اس گھر کو تمہاری ضرورت ہے اور پھر آپ کسی کے لیے کیا اہمیت رکھتے ہیں' آپ خود سوچیں۔" وہ اسے سوچوں کا سرا تھما گئے تھے۔

❁......❁......❁

وہ گھر میں کیا آئی کہ ابتسام کو دلی سکون ہوا اور پھر وہ اس کے دل میں اپنی اہمیت منوا چکی تھی پہلے جو ہر وقت سپاٹ چہرہ رہتا تھا اب ہمہ وقت مبہم سی مسکراہٹ بھی رہتی۔ وہ سارے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ریان کے لیے کل کے شو کا ٹاپک تیار کرنے کاغذ اور قلم لے کے صوفے پر بیٹھی تھی جبکہ ابتسام بیڈ پر دراز کن انکھیوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا جس نے بلیو کاٹن کی پرنٹڈ کپڑوں میں دراز بالوں کو سمیٹ کے کیچر میں مقید کیا ہوا تھا چھوٹی چھوٹی لٹیں بکھری ہوئیں تھیں وہ کب سے اس کا منتظر تھا لیکن وہ تو بے گانہ بیٹھی تھی۔

"کب تک فارغ ہوگی۔" تیز لہجہ علیزہ کی سماعتوں سے ٹکرایا اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

"جی......"

"پوچھ رہا ہوں کہ کب تک فارغ ہوگی مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" ایک دم ہی غصہ آیا انداز ترش سا ہوگیا۔

"ابھی مجھے ریان کا پورا ٹاپک ریڈی کرنا ہے آپ کی بات نہیں سن سکتی۔" اس نے بھی ابتسام کو سرد مہری دکھائی وہ اس سے دیکھنے لگا جو کل تک اس سے ڈر ڈر کے بولتی تھی ایک دم اتنی پُراعتماد کیسے بن گئی۔

"یعنی تمہاری نظر میں اس وقت میری بات نہیں بلکہ یہ کام اہم ہے۔" وہ یک دم سے کھڑا ہوا اور اس کے قریب آ گیا۔ علیزہ کا دل دھک دھک کرنے لگا لیکن اس نے تہیہ کرلیا تھا کہ ابتسام کو احساس دلا کے رہے گی کہ وہ مجبوری میں یہاں نہیں آئی۔

"یہ تو میں نے نہیں کہا۔" پیپرز کو لپیٹ کے سنگل صوفے پر رکھا اور اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی جو فان کلر کے کُرتے شلوار میں مضبوط اور توانا لگ رہا تھا۔

"پھر یہ سب کیا ہے کل سے تم آئی ہو مجھے اگنور کررہی ہو۔"

"اچھا میں اگنور کررہی ہوں حیرت ہے بھول گئی بقول آپ کے میں تو صرف بچوں کی وجہ سے یہاں آئی ہوں اور آپ سے شادی بھی اسی وجہ سے کی ہے۔" وہ طنز کے ساتھ تمسخر ہی اڑانے لگی' ابتسام لب بھینچ کے رہ گیا کیسے اس نے تیر پھینکا تھا۔

"شٹ اپ۔" وہ دہاڑا۔ علیزہ کو افسوس بھی ہوا پھر وہ خود کب ایسی تلخ کلامی کسی سے کرتی تھی مگر کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا بھی پڑتا ہے۔

"آئندہ تم نے یہ بکواس کی تو بہت بُرا ہوگا۔" اپنی بڑی بڑی سحر انگیز آنکھوں کو اس کی آنکھوں میں ڈالا علیزہ کانپ ہی گئی۔ ایک لڑکی اسے مات دے رہی ہے کبھی اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ یہ وقت بھی آئے گا دھڑ سے بیڈ پر لیٹا۔ علیزہ اس کے چہرے کے تناؤ کو دیکھ کر اور ڈر رہی تھی بیڈ سے تکیہ اٹھانے جھکی اسی وقت ابتسام نے اس کی کلائی پکڑ کے کھینچا وہ تو حواس باختہ سے ہوگئی اس غیر متوقع حرکت پر دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ محسوس کرسکتے تھے۔

"تم مجھ پر کیا ظاہر کرنا چاہتی ہو؟" اس کی کان میں سرگوشی کی۔

"نہیں ابتسام حیدر! ایسے تو میں آپ کو نہیں بخشوں گی میرے جذبات اور خلوص کو آپ نے غلط رنگ دیا ہے

آپ نے میرے ساتھ بہت بُرا کیا ہے میں بھی تو حق رکھتی ہوں آپ سے ناراض ہونے کا۔'' وہ بس سوچ کے رہ گئی۔ ابتسام کی وارفتگی پر وہ آنکھیں بند کرگئی تھی وہ ان لطیف جذبوں سے مغلوب نہیں ہونا چاہتی وہ ابھی اپنا آپ ہارنا نہیں چاہتی تھی۔

''پلیز مجھے ابھی بہت کام ہے۔'' کسمسا کے اپنا نازک وجود ابتسام کے آہنی شکنجوں سے چھڑایا اور پھر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

ابتسام کو یہ اپنی توہین ہی لگی جسے وہ اپنا نام دے کر لایا ہے وہ اسے یوں اگنور کرے اس کے جذبات کو رد کرکے وہ دور ہٹی تھی۔

''ٹھیک ہی کہتے تھے میرے دوست شادی سوائے دردسری کے کچھ نہیں' فضول کے نخرے۔ بیوی کے برداشت کرو...... اونہہ!'' وہ بڑبڑاتا ہوا اٹھ بیٹھا علیزہ کو خود ایسا کرکے کون سا اچھا لگا تھا۔ وہ خود بھی جذبات و احساس رکھتی تھی' ایک مدت سے اسے وہ چاہتی آرہی ہے اور پھر ایسے اس نے جھڑکا تھا وہ تو ابتسام کی انا پر کاری ضرب ہی لگا۔

''میں نے ابھی نخرے دکھائے ہی کب ہیں۔'' وہ قدرے توقف کے بعد گویا ہوئی۔

''شٹ اپ اینڈ گیٹ لاسٹ...... آج کے بعد مجھ سے تم توقع بھی مت رکھنا۔'' الٹا وہ اس پر غصہ نکال رہا تھا۔ علیزہ لب کچلتی تیر کی طرح کمرے سے نکل گئی' ابتسام نے بس ایک حسرت بھری نگاہ ڈالی اور لب بھینچ کے لیٹ گیا۔

''جب مجھ سے محبت کرتی ہے تو پھر یہ رویہ کیوں اپنا رہی ہے' کیوں وہ اس طرح کررہی ہے۔'' مسلسل سوچوں میں ڈوبا رہا اسے نہ خبر ہوئی کہ کب تک جاگتا رہا اور کب وہ کمرے میں آئی اور صوفے پر لیٹ گئی' مسلسل ضمیر اسے ملامت ہی کرتا رہا کہ کیوں اس نے ابتسام جیسے رکھائی برتی۔

❁......❁......❁

اب تو ابتسام نے اسے مخاطب ہی کرنا چھوڑ دیا جبکہ اس دن کے بعد سے علیزہ نے خود کو لعنت ملامت کرنے کے بعد اپنا سارا غصہ اور بدلا لیا جانا ایک طرف اٹھا کے رکھا بلکہ ابتسام کو منانے کے ہر جتن کرنے لگی۔

''چاچی! آج سنڈے ہے اور آپ کوئی نئی ڈش بنایئے۔'' عدنان کچھ زیادہ ہی کھانے پینے کا شوقین تھا وہ سب کو ناشتا دے رہی تھی جبکہ ابتسام اخبار کے مطالعہ میں منہمک تھا۔

''کوئی نئی ڈش۔'' علیزہ نے ایک نگاہ ابتسام پر بھی ڈالی جو سلائس اٹھانے آگے بڑھا ہی تھا کہ جھٹ آگے کردیا۔

''بھئی کیا بات ہے چاچو کا بڑا خیال کررہی ہیں۔'' ریان کی بے تکی راگنی شروع ہوئی اسی وقت ابتسام کی غصیلی اور گھورتی نگاہ کا بھی لگتا تھا اثر نہ ہوا۔

''مجھے پتا ہے آپ دونوں میں کچھ ناراضگی ہے۔''

''ریان بکواس نہیں۔'' ابتسام نے سرزنش کی۔

''ارے واہ آج کا ٹاپک ایف ایم پر رکھوں گا ''روٹھو کو کس طرح منایا جائے'' میں لائیو کالز پر لسنرز سے پوچھوں گا پھر چاچی! آپ سنیئے گا آج کا شو زبردست اور دھماکے دار ہوگا۔'' انداز ایسا پرجوش تھا کہ علیزہ کی ہنسی نکل گئی۔

''بھائی آپ کو کیسے پتا چاچو چاچی سے ناراض ہیں؟'' ایشا نے معصومیت سے استفسار کیا اسی وقت ابتسام کی سائیڈ پر بیٹھے ریان کی گدی پر دھپ پڑی وہ تو اہل ہی گیا۔

''کیا کرتے ہیں وہ ناشتا کررہا ہے۔'' علیزہ کو ناگوار گزرا کیونکہ ریان خود سانس روک کے رہ گیا تھا۔

''یہ سب بکواس تمہاری وجہ سے کرنے لگا ہے بہت ٹاپک تیار کرکے اسے دیتی ہو نا کیونکہ تم یہاں آئی اسی لیے ہو۔'' وہ غصہ کرتا ڈائننگ ٹیبل کی چیئرز سے کھڑا ہوا' تینوں ہی سہم گئے امی البتہ اپنے کمرے میں تھیں ورنہ وہ ضرور ابتسام کو سرزنش کرتیں۔

''وہ کوئی بچہ نہیں ہے بڑا ہے۔'' وہ بھی دوبدو ہوگئی۔

"تم بھی کوئی چھوٹی نہیں بڑی ہو شادی شدہ ہو۔" لہجہ ذومعنی اور طنزیہ تھا' وہ جھینپی ریان پہلے اٹھا پھر ایشا اور عدنان بھی اٹھ کے اندر چلے گئے۔

"دیکھیں ناراضگی آپ کی مجھ سے ہے بچوں پر تو ظاہر نہ کریں۔" وہ بھی چیئر گھسیٹ کے کھڑی ہوئی' کاسنی کاٹن کے ایمبرائیڈی والے کپڑوں میں اس کا سراپا سادگی میں بھی دلکش ہی لگتا تھا' ابتسام کی لمحہ بھر کو نگاہ بھٹکی تھی۔

"اچھا تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں ناراض ہوں۔" اُلٹا شرمندہ کرنا چاہا۔ علیزہ کے چہرے کا رنگ یک دم پھیکا پڑا کیونکہ اس کا غصہ اتر ہی نہیں رہا تھا اور وہ منا منا کے تھک گئی تھی۔

"پلیز ایم سوری!" وہ گلوگیر لہجہ میں گویا ہوئی۔

"اونہہ سوری...... کسی کی انا کی دھجیاں بکھیر دیں اور سوری!" وہ تیز تیز قدموں سے اندر کمرے میں چلا گیا۔ علیزہ کا خاک کام میں دل لگتا بے دلی سے اس نے دوپہر کا کھانا پکایا جو کہ پلاؤ اور نرگسی کوفتے تھے وہ بھی ابتسام نے نہ کھایا' وہ کڑھتی رہی لیکن اسے امی سے کہنا مناسب نہ لگا بلکہ بھابی سے مشورہ کرنا مناسب لگا۔ شام میں ابتسام کہیں دوستوں میں نکل گیا جبکہ ریان کا تو ایف ایم پر شو تھا وہ بھی چلا گیا۔ عدنان اور ایشا کمپیوٹر پر گیم کھیل رہے تھے امی کو وہ شام کی چائے ان کے کمرے میں دے آئی تھی اس لیے اسے فراغت ہوئی تو وہ فون لے کے بیٹھ گئی۔

"السلام علیکم!" دوسری طرف شعیب بھائی تھے۔

"وعلیکم السلام کیسی ہو گڑیا؟" پیار بھرے لہجے میں پوچھا۔

"ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟"

"سوچ رہے تھے ہم کہ تمہاری طرف چکر لگائیں گے سدرہ اور بچے امی کے ساتھ ماموں کی طرف نکل گئے۔" ساتھ ہی انہوں نے تفصیل بھی بتائی۔ علیزہ کا جو تھوڑا بہت بھابی سے بات کرنے کا وہ بھی رہ گیا' شعیب بھائی سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اب تو اسے ہی کوئی حل تلاش کرنا تھا کہ یہ اجنبیت کی دیوار تو گرانی ہی ہے آخر کب تک دونوں ایک دوسرے سے بچتے رہیں گے۔

❀......❀......❀

روز کا اس کا وہی معمول تھا کہ وہ سب کو ریڈی کر کے یونیورسٹی اور اسکول بھیج دیتی تھی' ابتسام کے کام کرتی تو سوائے گھورنے کے کچھ نہ کرتا تھا۔

"سوری...... آئی ایم سوری......" وہ ملتجی لہجے میں شرمندہ سی گویا ہوئی۔ ابتسام نے اس پر ایک بار بھی نگاہ نہیں ڈالی وہ ہنوز ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا مسٹرڈ پینٹ پر آف وائٹ شرٹ میں وہ ڈیسینٹ لگ رہا تھا۔

"کس لیے؟" وہ ناٹ باندھنے کے بعد پرفیوم کا اسپرے کرنے لگا۔

"وہ میں اس دن آپ سے......" بولتے بولتے جھجک کے رکی۔ ابتسام کا بھی ازلی غصہ عود کر آگیا تھا اس لیے وہ بھی اکڑ دکھانا اپنا حق سمجھ رہا تھا۔ والٹ اور موبائل لینے بیڈ کی سائیڈ پر آیا جو علیزہ نے جھٹ اٹھا کے دے دیا' جھپٹنے کے انداز میں ابتسام نے لیا۔

"مجھے تمہاری اب جی حضوری کی ضرورت نہیں۔" انتہائی سنگ دلی سے مخاطب ہوا تو وہ جز بز سی ہوئی اور آنکھوں میں نمی در آئی۔

"آپ میری بھی تو سنیے۔" لہجہ روہانسا ہو گیا۔

"سننے سنانے کے دن اب گئے تم یہاں سے جانے کی تیاری کرو مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔" وہ ذرا بھی اس کے دل کی پروا نہیں کر رہا تھا۔

"مجھے تو آپی نے یہ بتایا تھا کہ تم بہت نرم اور صلح جو ہو میری مرضی پر چلو گی۔ اونہہ...... لیکن تم ایک فیصد بھی اس کے مطابق نہیں ہو۔" وہ اس پر اچھی طرح واضح کر دینا چاہتا تھا۔

"آپ مجھے بولنے کا موقع تو دیں۔" وہ اس کی راہ

میں حائل ہوئی جسے ابتسام نے بازو سے پکڑ کے سائیڈ پر کیا بلیو جارجٹ کے کپڑوں کا آنچل پھسل کے ابتسام کے قدموں پر گر گیا'ایک فہمائشی نگاہ آنچل پر ڈالی اور گہری نگاہ اس کے وجود پر ڈالی جو سُتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کے مقابل تھی۔ دل نے کہا کہ اس کا نازک مکھڑا اپنے ہاتھوں میں لے کے اس پر پیار بھری مہر ثبت کردے مگر پھر ایسی کوئی بھی خود ساختہ حرکت سے باز رکھا۔

''سوری کرنے کے بھی کچھ انداز ہوتے ہیں شاید تم ان سے واقف نہیں ہو اب تک۔'' آنچل اس پر اچھال کے معنی خیز لہجے میں کہتا نکل گیا۔ وہ ابتسام کے لہجے اور بات پر غور کرتی رہ گئی کہ وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔ وہ لبوں کو کاٹتی کمرے کو سمیٹنے لگی پھر دوپہر کے لیے بھی کھانا پکایا۔ پورا دن مصروفیت کی نذر ہو گیا تھا ریان بھی دوپہر کو لیٹ آیا تھا اس لیے خاموشی تھی۔ عدنان اور ایشا اسکول سے آنے کے بعد کھانے سے فارغ ہو کے ہوم ورک کر رہے تھے۔ عدنان کے میٹرک کے ایگزام ہونے والے تھے علیزہ کچھ دیر اسے بھی پڑھاتی تھی۔

''علیزہ تم اپنا حلیہ تو دیکھو بیٹا! کتنا خراب ہو رہا ہے' جاؤ کپڑے بدلو۔'' وہ شام کو ای کے پاس ان کے کمرے میں بیٹھی تھی ان سے رہا نہ گیا تو ٹوک دیا۔

''وہ جی...... بس نہانے جا ہی رہی تھی۔'' وہ شرمندہ سی ہوئی۔

''چاچی! آج ہم سب ڈنر باہر کریں گے بہت دن ہو گئے ہیں چاچو باہر لے کے نہیں گئے۔'' عدنان بھی وہیں چلا آیا۔

''ٹھیک ہے پھر چلیں گے' آپ کے چاچو کا موڈ دیکھنا پڑے گا۔'' علیزہ نے اسے دیکھا جو ای کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔ اس نے جلدی جلدی نہا کر تیاری کی اور ابتسام کا انتظار کرنے لگی وہ تینوں تو پہلے ہی تیار ہو چکے تھے کیونکہ اتنے دنوں بعد سب ساتھ جا ئیں گے۔

❀......❀......❀

وہ بوجھل سے ذہن کے ساتھ گھر آیا تھا آتے ہی ڈھیلے انداز میں لاؤنج میں سنگل صوفے پر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ چوڑیوں کی مخصوص کھنک سماعتوں سے ٹکرائی تو اپنے رائٹ سائیڈ پر دیکھا وہ پیرٹ گرین جارجٹ کے ہلکی سی ایمبرائیڈری والے سوٹ میں سجی سنوری اسے حیران کر گئی' کتنے عرصے بعد وہ اسے اس طرح دیکھ رہا تھا۔

''آخا...... چاچو آ گئے۔ چاچو! ہم ڈنر باہر کریں گے۔'' ایشا نے آتے ہی اس کے گلے میں بازو حمائل کیے علیزہ ایک دم ہی سنبھل کے کھڑی ہو گئی۔

''سوری بیٹا! آج چاچو کی طبیعت ٹھیک نہیں۔'' وہ ایشا کے ہاتھوں کو اپنے گلے سے نکال کے کھڑا ہوا' ایشا ناراض سی دور ہو گئی علیزہ کو اس وقت ابتسام کی کیفیت کا اندازہ تھا۔

''بیٹا! آپ فکر نہ کرو ہم آج ہی چلیں گے۔'' اس نے ایشا کو اطمینان دلایا اور کمرے میں چلی آئی وہ جوتوں سمیت نیم دراز تھا۔ علیزہ جھجک کے بیڈ کی پائنتی پر رک گئی' ابتسام نے پھر ایک استحقانہ نگاہ ڈالی وہ بزل ہو گئی۔

''دیکھیں آپ کو مجھ پر جتنا غصہ ہے کرلیں لیکن پلیز بچوں سے تو نارمل بی ہیو کریں۔'' وہ ساری ہمتیں مجتمع کر کے اس کے پہلو میں ہی آ کے بیٹھ گئی۔ ابتسام تو متحیر رہ گیا وہ خود یوں پہلی بار قریب آئی تھی۔

''میرا بچوں کے ساتھ رویہ ایسے ہی ہوتا ہے۔'' وہ اٹھنے لگے مگر علیزہ نے اس کے سینے پر بے اختیار ہی سر رکھ دیا اور اتنا روئی کہ وہ تو ہراساں ہو گیا پھر وہ تو آج اسے حیرانگیوں کے جھٹکے دیئے جا رہی تھی' علیزہ کے آنسو اس کے کشادہ سینے میں جذب ہو رہے تھے۔

''کیا بچوں جیسی حرکت ہے کیوں رو رہی ہو؟'' اس نے ڈپٹ کے پوچھا اور اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما رونے سے اس کا میک اپ تک ڈھل گیا۔

''آپ مجھے تو کوئی موقع ہی نہیں دے رہے ہیں' غصہ کرے جا رہے ہیں۔''

''سوچو اس دن تم نے کیا کیا تھا' بتاؤں کتنا غصہ آ رہا

ہے مجھے اس دن سے۔" دانت پیسے علیزہ نے ہاتھ جوڑ دیئے جواس نے تھام لیے۔

"آپ بار بار یہ کیوں کہے جا رہے تھے کہ میں نے بچوں کی وجہ سے مجبوری میں شادی کی ہے آپ سے۔" وہ شکوہ کرنے لگی۔

"ظاہر ہے تم مجھ پر توجہ نہیں دو گی تو یہی کہوں گا نا۔" اس نے علیزہ کے سرد ہاتھوں کو ابھی تک تھاما ہوا تھا۔

"آپ نے اولین شب یاد ہے کیا کہا تھا مجھے نہ بیوی کی اب ضرورت ہے اور نہ بعد میں ہو گی اس وقت مجھے بھی غصہ آیا تھا۔"

"وہ تو میں نے پتا نہیں اس وقت کیوں کہہ دیا تھا ایسا۔" وہ خود ہی کہے پر شرمندہ ہوا یہ تو سب کچھ ہی غلط ثابت ہوا علیزہ نامحسوس طریقے سے اس کے دل میں جگہ بناتی چلی گئی تھی وہ خود حیران تھا۔

"پھر یہ اچانک تبدیلی۔" وہ حیران ہوئی۔

"آہستہ آہستہ تم میری سوچوں کو غلط ثابت کرتی گئیں، تم نے آتے ہی بچوں کو بالکل ماں بن کے ہی سنبھالا پھر میری ماں کا تم اتنا خیال رکھتی ہو۔ سوچتا ہوں اگر تم نہ ہوتیں تو کیا ہوتا۔" ابتسام کو اعتراف کرنے میں آج ذرا جھجک اور عار محسوس نہ ہوئی اور اس پر تو شادیٔ مرگ طاری ہو گیا وہ ابتسام کو سچے جذبوں سے جیت گئی تھی۔

"پھر ایک رات تمہیں ڈائری لکھتے دیکھا پھر اسے پڑھ بھی لیا۔"

"کیا آپ نے میری ڈائری پڑھی۔" وہ تو بدک کے پیچھے ہوئی کتنی حیا سی آئی اس میں تو سارا کچھ ابتسام کے بارے میں تھا۔

"جب مجھ سے محبت تھی تو یہ دوری کیوں قائم رکھی؟" اس نے علیزہ کو قریب کر کے فاصلہ ختم کیا اور وہ شرم سے نگاہ بھی نہیں اٹھا پا رہی تھی۔ اسے کیا پتا تھا ابتسام اس کے دل کی ساری باتوں کو اس طرح جان لے گا۔

"میں نے عزم کیا تھا کہ اپنی محبت اور سچے جذبوں سے آپ کا دل جیتوں گی۔" اس نے دل سے اقرار کیا۔

"دیکھو جیت لیا ہے اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے کہ میرے بچے بھی آ جائیں گے تو تم میرے بھائی کے بچوں سے محبت کم نہیں کرو گی۔" ابتسام کی ایسی بے باک بات پر وہ کانوں کی لوؤں تک سرخ پڑ گئی۔

"سنو ہمارے بچے نا صرف......" اس سے آگے علیزہ نے اس کے ہونٹوں پر اپنا بایاں نازک ہاتھ رکھ کر بولنے سے باز رکھا ابتسام نے اسے بھی چوم لیا۔

"اٹھیے......ضرورت سے زیادہ آپ تو بے باک ہیں۔" وہ جھینپی۔

"ابھی بے باکی دیکھی کب ہے۔" وہ پھر جھکا دھکا دے کے وہ اٹھ گئی ابتسام نے قہقہہ لگایا۔

"بچے ڈنر پر جانے کو کہہ رہے ہیں آپ کے کپڑے ریڈی ہیں، پندرہ منٹ میں آ جائیں باہر۔" اس نے بڑی محبت سے حکم دیا وہ بھی اٹھ گیا۔

"واپسی پر آپی کے گھر چلیں گے اور ان کا شکریہ ادا کرنے کہ انہوں نے اپنی صابر و شاکر نند میرے حوالے کی ہے ورنہ تو میں لڑکیوں کو نخروں کا منبع کہتا تھا۔"

"نخروں کا منبع تو آپ ہیں۔" وہ ہنسی۔

"چاچو چاچی جلدی چلیں نا۔" ریان کی آواز پر دونوں چونکے علیزہ ابتسام کو واش روم میں دھکا دیتی باہر آ گئی۔ زندگی کتنی اچھی لگنے لگی تھی وہ دلوں کی دھند چھٹ چکی تھی۔

❀

میں کیسے پُرسہ دوں
میرے کانوں میں چیخیں ہیں
میرے معصوم بچوں کی
میری آنکھوں کے تاروں کی
کہ جن کے کھیلنے کے دن تھے
لیکن ان ظالموں نے ان سے کیسا کھیل کھیلا تھا
میرے بچوں سے اس دن "موت" کھیلی تھی
میری آنکھوں میں منظر ہیں
بہت سفاک منظر ہیں
کہیں بکھری کتابیں ہیں
کہ جن پر موت لکھی ہے
کہیں بستہ ہے کاپی ہے
کہ جن پر خون کے دھبے رلائیں خون کے آنسو
کسی منظر میں مائیں بین کرتی ہیں
کہیں پھولوں کی لاشوں پر بہت سے پھول رکھے ہیں
مجھے ماؤں کی چیخیں رات بھر سونے نہیں دیتیں
کہ میں ان سرد راتوں میں یہ گھنٹوں سوچتی ہوں
بس......
میں پُرسہ دے سکوں گی کیا؟
انہیں اب اپنی نظموں سے؟
میں کیسے ان کے دکھ کو اپنی نظم میں ڈھالوں؟
مجھے پُرسہ تو دینا ہے
مجھے ان سب دکھوں کو اپنی نظموں میں بھی لکھنا ہے
میرے آنسو بھی حاضر ہیں
میری یہ نظم نذرانہ
مگر میں کیسے پُرسہ دوں
کہ یارب...... میں بھی تو ماں ہوں
سو ماں کا درد سمجھتی ہوں
مجھے معلوم ہے ایسے دکھوں کا تیری دنیا میں
مداوا ہو نہیں سکتا
کبھی بھی دل گرفتہ ماں کو پُرسہ دے نہیں سکتا
تڑپتی ماما کو اب دلاسا دے نہیں سکتا
بلکتی ماما کو اب دلاسا دیا جا نہیں سکتا

❀......❀......❀

"خدا کے لیے بس کردیں' یہ سوالات نہ' ہمیں اپنے پیاروں کی یاد میں مزید تڑپائیں' اپنے چینل کی مقبولیت میں اضافے کے لیے آئے روز آپ یہ تماشا کرتے ہیں اور ہمارے زخموں کے ٹانکے ادھڑتے چلے جاتے ہیں۔" عضوا نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے آنسو تواتر سے اس کا غم زدہ چہرہ بھگونے لگے۔

"آپ دکھی نہ ہوں دیکھیں' ہم آپ لوگوں کا دکھ بانٹنے کے لیے ہی تو یہاں آتے ہیں' ہم آپ کا درد سمجھتے ہیں۔" میزبان خاتون تیزی سے بولی۔

"کیا درد سمجھتے ہو' ہمارا یہی کہ آپ روز تڑپیں روز روئیں ان لمحوں کو یاد کریں کہ کس طرح ہمارے بچوں کے دماغوں میں گولیاں ماری گئیں' سر میں لگی گولی دیکھ کر آپ کی کیا حالت ہوئی جب وہ خون میں لت پت آپ کو ملے تو آپ کا دل کیسے پھٹا۔ کیسے بین کیے' کتنے آنسوؤں کے دریا بہائے یہ سب کچھ پوچھ کر آپ ہمارا دکھ بانٹتی ہیں یا زخموں کو تازہ کرتی ہیں جب بھی ان زخموں پر کھرنڈ آنے لگتا ہے پھر کسی نہ کسی کو ہمارا دکھ بانٹنا یاد آجاتا ہے اور ہمارے زخموں کے کھرنڈ نوچنے آجاتے ہیں۔ زخم پھر سے ہرا ہوجاتا ہے' خون رسنے لگتا ہے آنکھیں ساون بھادوں کا منظر پیش کرتی ہیں مگر آپ کو اس سے کیا آپ کو تو اپنے چینل کی ساکھ بڑھانی ہے نا۔ اس بات سے قطع نظر کہ اس وقت ہم کس ذہنی اذیت سے گزر رہے ہیں۔" وہ چیختے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''دیکھیں آپ ہمارے بارے میں غلط نہ سوچیں' ہم آپ کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کرسکتے ہیں اور پھر شیئر کرنے سے غم ہلکا بھی تو ہوتا ہے۔'' میزبان خاتون نے بودی سی دلیل پیش کی۔

''ہاں میں مانتی ہوں کہ کچھ غم کسی سے شیئر کرنے سے ہلکے ہوتے ہیں مگر یہ ایک ایسا جانگسل غم ہے جسے یاد کرنے پر روح تک کانپ اٹھتی ہے۔ پورا جسم درد سے بلبلانے لگتا ہے' ہم ماں باپ اپنے بچوں کے غم میں چلتی پھرتی زندہ لاشیں ہیں جو اس وقت آپ کے سامنے ہیں۔ کس دل سے آپ یہ سوال ہم سے پوچھتی ہیں کہ کیا عبداللہ آپ کو یاد آتا ہے۔ ارے ماں کا کلیجہ چیر کر دیکھیں عبداللہ کی یادوں سے بھرا پڑا ہے اس کی صورت نگاہوں کے سامنے سے نہیں ہٹتی کسی لمحے اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتی۔ دل تڑپتا ہے آنکھ روتی ہے ہمارے غنچوں' کلیوں کو مسل دیا گیا۔ آپ بھی تو ایک ماں ہیں پھر آپ کس طرح یہ سوال پوچھتی ہیں اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کیا اگر آپ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آتا تو آپ کی کیا حالت ہوتی بتائیں مجھے...... اگر آپ کا بچہ صحیح سلامت ہنستا مسکراتا صبح اسکول روانہ ہو اور واپسی پر وہ بند آنکھوں کے ساتھ خون میں بھیگے کپڑوں کے ساتھ آپ کو تھما دیا جائے تو آپ کو کتنا ہوش ہوگا بتائیں مجھے...... جواب دیں مجھے میرے سوال کا...... اپنی کیفیت بتائیں......'' وہ ہذیانی انداز میں چیختی ہوئی میزبان کے پیچھے پڑگئی اور میزبان صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتی ہوئی آنکھوں میں نمی لیے اس کے ہاتھ سہلانے لگی۔ عضوا کی دس سالہ بیٹی ماں کے لیے پانی لے کر آئی باقی بچے بھی غم زدہ بیٹھے تھے' آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ میزبان بریک پر چلی گئی بریک سے واپسی پر عبداللہ سے چھوٹے حمزہ کی طرف گفتگو کا رخ کیا۔

''اچھا بیٹا! آپ بتائیں کہ بھائی آپ سے کتنا پیار کرتا تھا کبھی عبداللہ بھائی نے آپ کی لڑائی ہوئی۔'' وہ کچھ دیر لب بھینچا بیٹھا رہا پھر کہنے لگا۔

''بھائی مجھے بہت پیار کرتا تھا کبھی کبھی مجھ سے لڑتا بھی تھا' مجھے غلط بات پر مارتا بھی تھا۔ میرا دل کرتا ہے میرا بھائی واپس آجائے مجھے مارے مجھے ڈانٹے...... میں مما پاپا سے بالکل بھی شکایت نہیں کروں گا۔ میں اس کی مار کھالوں گا میں بالکل بھی نہیں روؤں گا' آنٹی آپ مجھے میرا بھائی لادیں۔ مجھے اپنے بھائی کی بہت یاد آتی ہے' ہم اکٹھے کھیلتے تھے ایک ہی کمرے میں رہتے تھے ایک ہی اسکول میں جاتے تھے اب میں تنہا ہوگیا ہوں میرا دل نہیں لگتا ہم سب بھائی کے بغیر اداس ہیں۔ ہمیں بھائی کے بغیر کھانا اچھا نہیں لگتا بھائی کو پزا بہت پسند تھا اب ہم پزا شاپ پر بھی نہیں جاتے ہمارا پزا دیکھنے کو بھی دل نہیں کرتا۔ ہمارا بھائی نہیں ہے تو لگتا ہے زندگی میں کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ بتاتا گیا اور آنسو اس کے دامن کو بھگوتے چلے گئے۔

ماں نے لپک کر اپنے بچے کو سینے سے لگالیا سارے بہن بھائی بلک رہے تھے ٹی وی کے سامنے بیٹھے ناظرین دم سادھے اشک بار آنکھوں سے ان کی باتیں سن رہے

تھے یہ واقعہ ہر ماں کا دل چیرے دے رہا تھا۔
''اچھا اروما بیٹا! آپ عبداللہ بھائی کو کیسے یاد کرتی ہیں۔'' وہ چھ سالہ اروما سے مخاطب ہوئی۔
''میں روز اللہ سے دعا کرتی ہوں اللہ جی میرے بھائی جنت میں ہیں ان کا بہت زیادہ خیال رکھنا اور میرے حمزہ بھائی کو کوئی ہم سے نہ چھینے۔'' اروما نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو سب کے دل سے آمین نکلا۔
''ایک ہی دفعہ ہم سے سب کچھ پوچھ لیں میرے بچوں کو یوں نہ تڑپائیں' یہ معصوم دل ہفتوں اس غم سے نہیں نکلیں گے اپنے بھائی کی یاد میں آنسو بہاتے رہیں گے۔''
''16 دسمبر کی یخ بستہ صبح میں نے حسب معمول اپنے بچوں کو اسکول کے لیے اٹھایا مگر عبداللہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا وہ بار بار اصرار کرتا رہا تھا۔ مما آج میرا اسکول جانے کو دل نہیں کر رہا' مجھے ٹھنڈ لگ رہی ہے' مجھے سونے دیں مگر مجھے پتا تھا کہ آج اس کا میتھ کا ٹیسٹ ہے اس لیے جانا ضروری تھا۔ بڑی مشکل سے میں نے اسکول کے لیے تیار کیا گھر کے گیٹ سے نکلتے نکلتے بھی اس نے میری طرف آخری نظر ڈالی اور کہنے لگا۔
''مما آپ اچھا نہیں کر رہیں' آج مجھے گھر پر رہنے دیتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔ آج آپ نے میری میٹھی نیند سے دشمنی کی ہے۔'' میں نے اس کی بات نظر انداز کی اور گیٹ بند کر کے گھر کے کاموں میں مشغول ہوگئی دل عجیب سی بے چینی کا شکار تھا۔ بار بار یہی خیال ستاتا رہا کہ بچے سخت سردی میں اسکول گئے ہیں کہیں ٹھنڈ نہ لگ جائے اگر عبداللہ کا ٹیسٹ نہ ہوتا تو میں آج ضرور چھٹی کرا لیتی۔ میں نے سوچا کیوں نہ آج اس کی پسند کا کھانا پکا لیا جائے تاکہ واپسی پر اس کا موڈ من پسند کھانے کو دیکھ کر فریش ہو جائے۔ اسے بریانی اور وائٹ قورمہ بہت پسند تھا میں جلدی جلدی کھانے کی تیاری کرنے لگی پتا نہیں اس دن مجھے کیا ہوگیا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے مصالحوں کے ڈبے میرے ہاتھ سے چھوٹ چھوٹ گئے' کئی مرتبہ کھانا پکاتے ہوئے ہاتھ جلا مگر میں پھر بھی لگی رہی اتنے میں گلی میں ایمبولینس کی چنگھاڑتی آوازیں آنا شروع ہوگئیں۔ میرا دل ہولا میں جلدی سے مین گیٹ کی طرف بھاگی اور دروازہ کھول کر دیکھا تو ہمارے گھر کے سامنے ایمبولینس کے پاس بہت سے لوگ جمع تھے اور عبداللہ کو ایمبولینس سے نکال رہے تھے۔ میرا بچہ' میرا عبداللہ امتحان دینے گیا تھا اور زندگی کا امتحان ہی ہار گیا۔ عضوا روح فرساں منظر یاد کر کے تڑپ رہی تھی سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔'' میزبان نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا اور دلاسہ دینے لگی' کچھ دیر کے لیے سب دم سادھے بیٹھے رہے۔ میزبان خاتون پھر سے عضوا کی طرف متوجہ ہوئی۔
''میرا عبداللہ ایک ہنس مکھ' شرارتی اور ذہین بچہ تھا وہ کہتا تھا مما میں پائلٹ بنوں گا' ہواؤں میں اڑوں گا۔ آسمان کی بلندیوں کو چھوؤں گا۔ آسمان کی بلندیوں کو چھونے کا خواب دیکھنے والا آسمان کی وسعتوں میں ہی گم ہوگیا ساری رونقیں اسی کے دم سے تھیں۔ وہ چھوٹے بہن بھائیوں کا ایک ذمہ دار اور محبت کرنے والا بھائی تھا' کبھی اس نے مجھ سے ضد نہیں کی اپنے بابا کو نہیں ستایا وہ باقی بچوں سے بالکل مختلف تھا۔ میرے عبداللہ کے بغیر گھر بالکل سونا اور ویران ہوگیا ہے دیکھیں کیسی اداسیوں نے یہاں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ میرے بچے اپنے بھائی کی جدائی میں مرجھا کر رہ گئے ہیں۔ کوئی بچہ کھانے کی' پہننے کی کسی چیز کی فرمائش نہیں کرتا جو ملتا ہے دو چار نوالے کھا کر ٹیبل سے اٹھ جاتے ہیں ان کے بابا ان کو اداس دیکھ کر گھمانے لے جاتے ہیں پارک میں بھی چپ چاپ بیٹھ کر واپس آ جاتے ہیں۔ میرے معصوم بچے ہنسنا مسکرانا تک بھول گئے ہیں' بار بار یہی خیال کچوکے لگاتا ہے کہ میرا بچہ بار بار مجھ سے گھر پر رہنے کی ضد کرتا رہا اور میں نے زبردستی اسے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔ کاش میں اس دن عبداللہ کی نیند خراب نہ کرتی تو وہ ہمیشہ کی میٹھی نیند تو نہ سوتا یہی خیال بار بار ذہن پر ہتھوڑے برساتا ہے کہ اس نے موت کو سامنے دیکھ کر ماں کو یاد کیا ہوگا باپ کو پکارا ہوگا جب اس کے دماغ کو گولی نے بھونا ہوگا موت کو سامنے دیکھ کر کتنی بار اس کے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ کاش مما آج

مجھے چھٹی کرالیتیں۔ سفید لباس میں پھولوں سے ڈھکے چہرے کو قبر میں اتار دیا گیا' ماں باپ تڑپتے رہ گئے' بہن بھائی کرلاتے رہ گئے۔ ظالموں نے ماں کے کلیجے کو تار تار کردیا۔
ہر سانس کے ساتھ اس کی جدائی کا دکھ شریانوں میں خون کی طرح سرایت کرتا ہے روز اس کا بستہ اس کی کتابیں دیکھتی ہوں اس کے جوتے اس کی گیند اس کے ریکٹس سب سنبھال کر رکھے ہوئے ہیں۔ عبداللہ کی جدائی کی تکلیف میری جسم کا ریشہ ریشہ ادھیڑ دیتی ہے' کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے کہ دل ڈوب چلا ہے مگر پھر اپنے دوسرے جگر گوشوں پر نظر ڈالتی ہوں تو سینے میں اٹکتے سانس کو بحال کرنے کی کوشش کرتی ہوں اپنے بکھرے وجود کو ان کی خاطر سمیٹنے کی کوشش کرتی ہوں۔ حمزہ کی شبیہ میں عبداللہ کی شبیہ تلاش کرتی ہوں' اس کو سینے سے لگاتی ہوں اپنے رب عظیم کا کروڑوں مرتبہ شکر ادا کرتی ہوں کہ ایک نعمت اور دو رحمتیں تو میرے پاس ہیں ان میں اپنا دل بہلانے کی کوشش کرتی ہوں۔ میرے اطمینان و سکون کے لیے یہی بات کافی ہے کہ میرے عبداللہ نے حصول علم کی خاطر جان دی وہ سرخرو ہوکر اپنے رب کے پاس گیا۔ جنت کا مکین ہے' شہیدوں کا درجہ ملا' اپنے اللہ سے دعا ہے کہ وہ مجھے صبر دے اور صبر سے اس عظیم صدمے کو برداشت کرنے کی ہمت دے بس یا کچھ اور بھی رہ گیا بتانے کو.....'' مسلسل بولتی ہوئی عضوا نے کالر مائیک اتارے میزبان خاتون کے چہرے کو دیکھا' اپنے بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور ساتھ والے کمرے میں جانے کے لیے قدم بڑھادیئے۔
''اور ہاں ایک آخری بات اور کہنا چاہوں گی۔'' وہ کیمرے کے سامنے ہوئی۔ ''یہ دکھ ہمارا دکھ ہے اسے ہمیں صبر اور حوصلے سے برداشت کرنے دیں' خدا کے لیے آئندہ کسی اور ماں کے زخموں کے کھرنڈ نوچنے اس کے گھر مت جانا۔ درد کی کربناک لہریں جب بھی تھمنے لگتی ہیں آپ جیسوں میں سے پھر کوئی اس موج کو درد کا رستہ دکھا دیتا ہے۔ اگر آپ کچھ کرسکتے ہیں تو کوئی اس ملک میں ایسا سکون قائم کردے جہاں کسی کے بچے دہشت گردی کا شکار نہ ہوں' کسی بھی ممتا کو اپنی اولاد سے دائمی جدائی کا کرب نہ سہنا پڑے۔'' یہ کہہ کر وہ بچوں کو کمرے سے لے کر نکل گئی اور میزبان کہہ رہی تھی۔
''تو ناظرین آپ نے دیکھا شدید صدمے نے ان کے اندر تلخیاں بھر دی ہیں کئی بار انہوں نے مجھے جھڑکا مگر میں نے کمال ضبط کا مظاہرہ کیا اور ان کی کڑوی کسیلی باتیں برداشت کیں کیونکہ میں خود ایک ماں ہوں میں ان کے درد کو سمجھتی ہوں ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہے مجھے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کو ہمارا آج کا یہ پروگرام بہت پسند آیا ہوگا۔ ان شاء اللہ کل پھر کسی نئے موضوع کے ساتھ آپ کے ساتھ ہوں گی' تب تک کے لیے اجازت دیجیے اللہ حافظ۔''

❀.....❀.....❀

''توبہ..... آج تو پتا نہیں کیسی خبطی عورت سے واسطہ پڑا' کیمرے کے سامنے ہی مجھے بے نقط سنادیں اور ماؤں کے بھی بچے جدا ہوئے ہیں مگر ایسی بدتہذیبی کا مظاہرہ کسی نے نہیں کیا۔'' وہ اپنی کنپٹیوں کو سہلاتی ہوئی بولی۔
''ہاں میں نے بھی تمہارے پروگرام کا کچھ حصہ دیکھا تھا اس خاتون کی باتیں مجھے بھی عجیب لگی تھیں تم نہ کرتیں انٹرویو۔'' عمران چائے کے سپ لیتا ہوا بولا۔
''نہیں انٹرویو تو لازمی کرنا تھا یہ بھی اچھا ہی ہوا کہ اس نے کیمرے کے سامنے سب کچھ کہہ دیا اور ناظرین نے دیکھ لیا کہ ہم اپنے پروگرام کے لیے کتنی باتیں برداشت کرتے ہیں' کیسے کیسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے اور ہمیں کتنے صبر سے کام لینا ہوتا ہے۔ صبح اخبارات کا مطالعہ کرنا اور فیس بک چیک کرنا آج کا انٹرویو دیکھ کر سب ہی میرے صبر کی داد دیں گے۔ آج کے اس انٹرویو سے ہمارے پروگرام کی ریٹنگ بہت آگے چلی گئی ہے۔'' اس کے چہرے پر بڑی پیشہ وارانہ مسکراہٹ تھی اس نے تکیے میں منہ دیا اور نیند کی وادیوں میں کھوگئی۔ اس سے قطع نظر کہ آج وہ کسی کی آنکھوں کی نیندیں اڑا کر آئی ہے پتا نہیں کتنی راتیں نیند کی دیوی اس گھر کے مکینوں پر نامہربان رہے گی۔

❀

قسط نمبر :

حورین کی چیخوں سے آن واحد میں سارا محلہ اس کے گھر کے باہر جمع ہوگیا تھا۔ پارس جو کل رات ہی نواب شاہ سے یہاں پہنچی تھی اپنی ماں کے ہمراہ انتہائی حواس باختہ سی حورین کے گھر میں داخل ہوئی جبکہ گھر کا منظر دونوں ماں بیٹی کو دہلا گیا تھا حورین ہاشم احمد کے بے جان جسم کو خود سے بھینچے رو رہی تھی پارس کے والد اور محلے کے چند بزرگوں نے نرمی سے ہاشم احمد کے جسد خاکی کو اس سے علیحدہ کرنا چاہا مگر حورین نے اسے اور شدت سے خود سے لپٹا لیا۔

''نہیں...... نہیں میرے ابا کو کوئی بھی مجھ سے الگ نہیں کرسکتا میں کہیں نہیں جانے دوں گی انہیں ابا...... ابا آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر تو نہیں جائیں گے ناں۔'' حورین آخر میں ہاشم احمد کا مردہ چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر بالکل بچوں کے انداز میں بولی پارس کا کلیجہ اپنی عزیز از جان سہیلی کی حالت پر پھٹنے لگا تھا' بے ساختہ وہ بھی شدت سے رونے لگی۔ وہ کسی طور ابا کو خود سے الگ کرنے کو تیار نہیں تھی۔

''حورین اللہ کے واسطے ہوش میں آؤ' ابا چلے گئے ہیں تمہیں چھوڑ کر اس حقیقت کو تسلیم کرو کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے اب۔'' پارس حورین کا کندھا جھنجوڑ کر بولی مگر وہ کسی کی سن ہی کہاں رہی تھی۔ اس پر تو ایک جنون دیوانگی سوار تھی' ماں کی جدائی پر تو اس نے جیسے تیسے کرکے صبر کرلیا تھا مگر شعور اور ذہن یہ بات ماننے سے قطعی انکاری تھا کہ اماں کے بعد اب ابا بھی اسے اس بے رحم' بے ثباتی دنیا میں تنہا و اکیلا چھوڑ کر دوسرے جہان سدھار گئے ہیں۔

''میں نے کہا نا کہ کوئی بھی میرے ابا کو ہاتھ نہ لگائے' میں انہیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔ دور ہوجاؤ سب۔ آپ لوگ چلے جائیں پلیز چلے جائیں۔'' اس پل حورین بالکل ہی آپے سے باہر ہوگئی تھی پھر مجبوراً پارس اس کی والدہ اور چند لوگوں نے زبردستی حورین کو ابا سے علیحدہ کیا تو وہ چلاتے چلاتے پارس کی بانہوں میں جھول کر ہوش وخرد سے بیگانہ ہوگئی تھی۔

❀......♥......❀
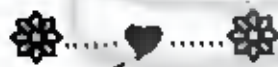
کتنی ہی دیر وہ ساکت وصامت ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتا رہا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ابھی ابھی جو اس کی سماعت نے سنا تھا وہ محض ایک خواب تھا' جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا' وہ نجانے کتنی ہی دیر بےیقینی و بےیقینی کے درمیان جھولتا رہا پھر ذہن شاکڈ کیفیت سے باہر آیا تو بے اختیار اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا' سمیر کو اس پل انتہائی شدت کے ساتھ ہاشم احمد سے کل کی گئی ملاقات یاد آگئی جب اس نے انہیں انکار کا بتایا تھا تو صدیوں کی تھکن سمندر کی گہرائی سے زیادہ گہرا دکھ ان کے چہرے پر آسمایا تھا' آنکھوں میں اضطراب' بے قراری ولاچاری کا طوفان سا امڈ آیا تھا اور آج...... آج وہ شریف النفس انسان زندگی جیسی انمول دولت سے ناتا توڑ بیٹھا تھا جسے ہر پل ہر آن بس اپنی جوان بن بیاہی بیٹی کی فکر لاحق رہتی کہ کہیں موت کا پروانہ پلک جھپکتے ہوئے آن پہنچا اور ان کی بیٹی تنہا و بے آسرا رہ جائے' ان کا خوف ان کا خدشہ صحیح نکلا مگر اس بات کی ذمہ داری کچھ حد تک ان سب پر بھی آن پڑی تھی سمیر اس پل خود کو ان کی اچانک موت کا ذمہ دار ٹھہرا رہا تھا۔ احتشام کا شادی سے انکار بیٹی کے مستقبل کی تباہی کا خوف شاید انہی کا احساس موت کے آگے گھٹنے ٹیک گیا تھا۔ بے شک موت برحق ہے مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ حورین کی

شادی ٹوٹنے کا غم انہیں منوں مٹی تلے سلا گیا تھا۔

❀......♥......❀

کبریٰ بیگم اور حاکم دین اپنی جگہ چور بے مگر انتہائی صدمے سے دوچار حورین کو سنبھالنے کی کوشش کررہے تھے جو کسی کے قابو میں نہیں آ رہی تھی' جب اسے ہوش میں لایا گیا تو ہاشم احمد اپنے آخری سفر پر جانے کو تیار تھے۔ کبریٰ بیگم اور حاکم دین کو جب یہ اندوہناک خبر ملی تو حاکم دین بے ساختہ لڑکھڑا سے گئے جبکہ کبریٰ بیگم شدت غم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں' احتشام جو اپنے کمرے میں سو رہا تھا آوازیں سن کر نیچے آیا تو معاملہ جان کر محض خاموش ہی رہا۔

''ہائے میری بن ماں کی بچی' آج اپنے باپ کے شفیق سائے سے بھی محروم ہوگئی' ابھی تو صغریٰ کی جدائی کے زخم بھرے بھی نہیں کہ اتنا بڑا زخم لگ گیا میری حورین کو۔'' کبریٰ بیگم روتے ہوئے بولیں پھر حاکم دین نے ہی سمیر شاہ کو اطلاع دی تھی' دونوں میاں بیوی کے ہمراہ احتشام بھی حورین کے گھر آیا تھا' حورین کو بڑی مشکلوں سے ہاشم احمد کے جنازے سے علیحدہ کیا تو وہ ایک بار پھر بے ہوش ہوگئی۔ سمیر حورین کی حالت زار دیکھ کر بہت غم زدہ ہوا اسے رہ رہ کر اپنے اوپر پچھتاوا ہو رہا تھا کہ اس نے ہاشم احمد سے بات ہی کیوں کی اگر ایسا نہیں ہوا ہوتا تو شاید آج وہ زندہ ہوتے' سمیر نے بے ساختہ حاکم دین کو دیکھا تو دونوں ہی ایک دوسرے سے نگاہ چرا گئے اس موقع پر بھی احتشام کا انداز بالکل نارمل تھا' سمیر کو اس پر بے تحاشا غصہ آیا نجانے بے حسی کی کس مٹی سے بنا ہوا تھا یہ شخص' کسی کے دکھ و تکلیف کی پروا نہ کسی کے جذبات کا احساس اس پل سمیر کا دل چاہا کہ اسے خوب کھری کھری سنائے مگر وہ جانتا تھا کہ اس خودغرض انسان پر کوئی اثر ہونے والا نہیں الٹا اس کی توانائی اور الفاظ ہی خرچ ہوں گے۔ وہ انتہائی بوجھل دل لیے وہاں سے چلا آیا۔

❀......♥......❀

پارٹی اس لمحے عروج پر تھی۔ سوئیٹی کے ڈیڈی کے فارم ہاؤس میں اس وقت بے پناہ ہلڑ بازی مچی ہوئی تھی' تیز آواز میں چلتا میوزک اس پر تھرکتے قدم' ہاتھوں میں گلاس لیے وہ زندگی کی رنگینیوں اور دلکشیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سوئیٹی کے ساتھ ڈانس کر کے خاور جب تھک سا گیا تو وہ فارم ہاؤس کے باہر بنے سوئمنگ پول کی جانب چلا آیا تازہ ہوا کا سرد جھونکا اس کو اس پل بہت بھلا لگا وہ تھوڑا لڑکھڑاتا ہوا وہاں چلا آیا اور وہاں بچھی کرسیوں میں ایک پر بیٹھ گیا۔ اس وقت آسمان بالکل سیاہ تھا نہ چاند تھا اور نہ ہی ستارے دکھائی دے رہے تھے۔ بادلوں کی دبیز تہہ نے آسمان کی رونقوں کو چھپا دیا تھا۔

''ارے آپ یہاں بیٹھے ہیں' میں تو آپ کو پورے ہال میں تلاش کر رہی تھی۔'' رجاء بلیک میکسی میں ملبوس دعوت عشرت دیتی اس کے سامنے کھڑی تھی' آج صبح ہی سوئی نے اسے فارم ہاؤس میں پارٹی کا بتایا تھا' وہ اور اس کے دوست رات یہاں پارٹی کر رہے تھے' خاور حیات پارٹی وغیرہ کے بالکل موڈ میں نہیں تھا' اور نہ ہی سوئی کے سنگ وقت گزارنے کی خواہش تھی کیونکہ اب اس کے ڈیڈی کا کام بھی سوئیٹی کے والد سے نکل چکا تھا لہٰذا اسے کسی بھی بات کی مطلق پروا نہیں تھی سوئی ورلڈ ٹور سے آ کر بھی خاور کے پیچھے پڑ گئی تھی' لہٰذا وہ سنجیدگی سے اس سے جان چھڑانے کی فکر میں تھا مگر وہ تو حلق کی ہڈی ہی بنتی جا رہی تھی' اس نے سوچ لیا تھا کہ آج کی پارٹی کے بعد وہ سوئی سے صاف صاف بات کر لے گا' رجاء سے وہ پہلی بار مل رہا تھا' سوئی نے اسے اپنی کزن کہہ کر تعارف کروایا تھا' عام سے نین و نقوش کی مالک مگر متناسب سراپے کی حامل رجاء سے وہ کچھ خاص متاثر نہیں ہوا جبکہ رجاء خود ہی خاور کے گلے پڑ رہی تھی۔

''دراصل مجھے اندر کچھ گھٹن محسوس ہو رہی تھی تو میں باہر چلا آیا۔'' خاور اس سے بات کرنے کے موڈ میں بالکل نہیں تھا لہٰذا انتہائی سپاٹ لہجے میں بولا۔

چمکتے چاند کو ٹوٹا ہوا تارہ بنا ڈالا
میری آوارگی نے مجھ کو آوارہ بنا ڈالا
بڑا دلکش بڑا رنگین ہے یہ شہر کہتے ہیں
یہاں پر ہیں ہزاروں گھر' گھروں میں لوگ رہتے ہیں
مجھے اس شہر نے گلیوں کا بنجارہ بنا ڈالا
میں اس دنیا کو اکثر دیکھ کر حیران ہوتا ہوں
نہ مجھ سے بن سکا چھوٹا سا گھر' دن رات روتا ہوں
خدایا! تُو نے کیسے یہ جہاں سارا بنا ڈالا
میرے مالک! میرا دل کیوں تڑپتا ہے سلگتا ہے
تری مرضی! تری مرضی پہ کس کا زور چلتا ہے
کسی کو گُل' کسی کو تُو نے انگارہ بنا ڈالا
یہی آغاز تھا میرا یہی انجام ہونا تھا
مجھے برباد ہونا تھا' مجھے ناکام ہونا تھا
مجھے تقدیر نے تقدیر کا مارا بنا ڈالا

انتخاب: حریم زہرہ۔ کراچی

''لگتا ہے آپ ہم سے ناراض ہیں۔'' رجاء اس کے تھوڑا قریب جھکتے ہوئے دلکش انداز میں بولی تو خاور کوفت زدہ ہوگیا' آج پہلی بار اسے کسی لڑکی کی قربت سے بے چینی ہورہی تھی۔ وہ کوئی جواب دیتا کہ اسی پل باوردی ویٹر ہاتھ میں ٹرے اٹھائے دو فریش ڈرنک کے گلاس لے آیا۔ رجاء نے سہولت سے اورنج جوس کا گلاس اسے تھمایا اور لیمن جوس کا گلاس خود تھام لیا' خاور نے نہ چاہتے ہوئے بھی گلاس تھاما اور چھوٹے چھوٹے سپ لینے لگا۔

''سوئٹی بتارہی تھی کہ آپ کو گھڑ سواری بہت پسند ہے بلکہ ایک اعلیٰ نسل کا گھوڑا بھی آپ کے پاس ہے۔'' رجاء نے استفسار کیا تو خاور کچھ کہتا کہ یک دم اسے ابکائی سی محسوس ہوئی سر میں بھی اچانک بھاری پن کا احساس ہوا۔

''آئی تھنک میری طبیعت کچھ ڈسٹرب ہورہی ہے۔ واش روم کہاں ہے؟''

''آپ پلیز میرے ساتھ آیئے۔'' رجاء یک دم پریشان سی ہوکر بولی پھر تیزی سے اس کا بازو تھام کر ایک جانب لے گئی۔ پانی سے اچھی طرح منہ دھو کر وہ واش روم سے باہر آیا تو کمرے میں رجاء کو محو انتظار پایا۔

''آر یو فائن ناؤ...... اگر آپ کہیں تو میں ڈاکٹر کو کال کروں۔'' رجاء اسے دیکھتے ہی تشویش زدہ لہجے میں بولی۔

''نہیں...... اب میں ٹھیک ہوں۔'' خاور ہاتھ اٹھا کر بولا مگر پھر اسی پل اسے اتنا شدید چکر آیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوتا چلا گیا آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس نے رجاء کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ دیکھی تھی۔

❀......♥......❀

کبریٰ بیگم اور حاکم دین حورین کو زبردستی اپنے ہمراہ لے آئے تھے گو کہ حورین کے آس پڑوس والے بہت اچھے تھے اور اس کا خیال بھی رکھ رہے تھے خصوصاً پارس اور اس کے گھر والے مگر پھر بھی وہ جوان و خوب صورت تھی اس طرح اکیلے و تنہا اسے گھر پر چھوڑ دینا ہرگز مناسب نہیں تھا حورین کا دل و دماغ ابھی تک یہ قبول کرنے سے قاصر تھا کہ والدین جیسا انمول رشتہ اس سے چھن چکا ہے۔ اب وہ اس بھری دنیا میں بالکل اکیلی ہے اس کا ذہن بے پناہ

صدمے اور شاکڈ کی کیفیت میں تھا کبریٰ بیگم اس کا بے تحاشا خیال رکھ رہی تھیں' اس کی دل جوئی کررہی تھیں مگر اس کے اوپر بے حسی کی کیفیت طاری تھی پارس بے چاری ہر دوسرے دن اپنی اماں تو کبھی ابا کے ہمراہ اس کے پاس آجاتی' اسے زندگی کی جانب لانے کی تگ ودو کرتی مگر سب بے سود ایک دو بار احتشام نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ خالی خالی نظروں اور ذہن سے محض اسے دیکھتی رہ جاتی' ایک دن کبریٰ بیگم کا پیمانہ ضبط لبریز ہوگیا تو وہ اپنے شوہر کے سامنے رودیں۔

"یہ سب احتشام کا کیا دھرا ہے' نہ وہ بدبخت حورین سے شادی سے انکار کرتا نہ ہاشم احمد یوں دنیا چھوڑ کر جاتا اور نہ میری پھولوں جیسی بچی کی یہ حالت ہوتی۔"

"اب ہونی کو کون ٹال سکتا ہے احتشام کی ماں' وہ غریب حورین کو دلہن بنا دیکھنے کا ارمان لیے قبر میں سوگیا' کتنا بے کس اور مجبور باپ تھا وہ۔" حاکم دین کو بھی یوں ہاشم احمد کی موت پر بے پناہ صدمہ تھا' شاید تمام بیٹیوں کے باپ کے دل اتنے ہی حساس ونازک ہوتے ہیں جیسے ہاشم احمد کا تھا' جو اپنی بیٹی کے شادی نہ ہونے کی خبر پر ہی بند ہوگیا تھا۔

"میں تو اس بات پر افسردہ ہوں کہ ہم نے حورین کی منگنی احتشام جیسے لڑکے سے کی ہی کیوں؟ اگر یہ منگنی ہوتی ہی نہیں تو آج حورین اپنے گھر بار والی ہوتی۔" حاکم دین پچھتاوے میں گھر کر بولے تو کبریٰ بیگم نے اپنے مجازی خدا کی جانب سراثبات میں ہلا کر دیکھا۔

"آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں' میں تو یہی سمجھتی رہی کہ احتشام کی لاپرواہیاں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہوجائیں گی' وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگے گا مگر نہیں......! وہ تو پہلے سے بھی زیادہ خود پسند اور بے پروا ہوگیا ہے۔" کبریٰ بیگم بھیگی ہوئی آواز میں بولیں تو پارس جو حورین کو سلا کر اپنے گھر جانے کا بتانے کی غرض سے ان کے کمرے کی جانب آئی تھی ادھ کھلے دروازے سے آتی باتوں کی آواز سن کر بے اختیار وہیں ٹھہر گئی تھی یہ حقیقت جان کر وہ پوری جان سے لرز گئی تھی' ایک شاکڈ کی کیفیت سے بمشکل نکل کر اسے پہلا خیال حورین کے خوابوں کے ٹوٹنے کا آیا تھا۔

"اف کتنا جانگسل انکشاف ہے یہ کہ...... وہ بے اختیار اپنے نچلے لب کو دانتوں سے کچل گئی۔" کہ حورین یک طرفہ محبت کے پرخار راستے پر دیوانہ وار دوڑ رہی ہے اس کی چاہتیں' محبتیں' شدتیں' سب یک طرفہ ہیں اس کے ملن کا انتظار بھی یک طرفہ" پارس دل ہی دل میں خود سے بولی پھر بے تحاشا آنسوؤں کو بمشکل روکتے ہوئے وہاں سے بھاگنے کے انداز میں باہر نکل آئی تھی۔

❁......♥......❁
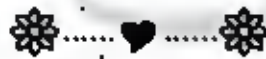
خاور نے بمشکل اپنی آنکھیں کھولیں تو سر میں شدید درد کی لہر اٹھی' اس نے بے اختیار دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔ اس وقت اس کا دماغ دریا میں چلتی کشتی کی مانند ڈانواڈول ہورہا تھا وہ چند ثانیے بستر پر یونہی ساکت پڑا رہا پھر یک دم سویٹی کے دھاڑنے کی آواز آئی تھی۔

"یو ایڈیٹ' اسٹوپڈ......" خاور نے جلدی سے گھبرا کر آنکھیں کھولیں تو سویٹی اس کے سر پر کھڑی اسے بے تحاشا گالیوں اور مختلف القابات سے نواز رہی تھی خاور نے غائب دماغی سے اس کے ہلتے ہونٹوں کو دیکھا مگر کچھ پلے نہیں پڑا' وہ سوچ رہا تھا کہ اتنی صبح صبح سویٹی اس کے کمرے میں کیا کررہی ہے...... اور اتنا چلا کیوں رہی ہے؟ ابھی وہ اس سے کچھ پوچھتا کہ اچانک... خاور کی نگاہ صوفے پر بیٹھی بے ترتیب حلیے سمیت رجاء پر پڑی تو بے تحاشا چونکا جس کے پاس کھڑے سویٹی کے کچھ فرینڈز شاید اسے خاموش کرا رہے تھے۔ جو چھکوں پھکوں رو رہی تھی۔ وہ بجلی کی تیزی سے بستر سے اچھل کر اٹھا' سارا خمار ہرن ہوگیا تھا۔

ماں

⌘اس چھوٹے سے لیکن محبت بھرے لفظ میں کتنی کشش ہے' کیسی جاذبیت ہے ان تین حرفوں میں کتنا پیار چھپا ہوا ہے۔

⌘ماں کا عزم اور استقلال پتھروں کو بھی پاش پاش کردیتا ہے۔

⌘ماں تجھ میں کون سا جوہر پوشیدہ ہے کہ سارا عالم تیرے نقوش کی قسم کھاتا ہے۔

⌘ماں تو ایک لاثانی وجد ہے تیری معصومیت تیری شفقت اور عہد وفا پر فرشتوں کو بھی ناز ہے۔

⌘ماں تو وہ عظیم ہستی ہے کہ تمام مذاہب تک تیرے آگے اپنی پیشانی عقیدت سے جھکا دیتے ہیں۔

عینی طارق......اسلام آباد

''کیا ہوا......! سویٹی تم اتنا چیخ کیوں رہی ہو اور یہ رجاء......'' خاور خود ہی اپنا جملہ ادھورا چھوڑ گیا۔

''میں تو تمہیں صرف جھوٹا ہی سمجھتی تھی مگر تم اتنے گھٹیا اور گرے ہوئے انسان ہو یہ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔'' سویٹی انتہائی نفرت سے اپنی ناک سکیڑتے ہوئے نخوت سے بولی تو خاور کو بھی طیش آ گیا۔

''زبان سنبھال کر بات کرو۔'' خاور بستر سے اٹھا اور اب معاملہ کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا۔

''اونہہ تم ہمارا منہ بند نہیں کرسکتے خاور اور سنبھالنی تو تمہیں مشکل ہوجائے گی اپنی عزت اور امیج تم نے رجاء کے ساتھ جو زیادتی کی ہے وہ تمہیں بہت مہنگی پڑنے والی ہے' سمجھے یو ایڈیٹ۔'' سویٹی دانت چباتے ہوئے زہر خند انداز میں بولی تو خاور نے سویٹی کو انتہائی اچنبھے سے دیکھا پھر رجاء کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورا اتنا تو وہ سمجھ ہی گیا تھا کہ رجاء کوئی تماشا کھڑا کررہی ہے مگر سویٹی بھی رجاء کی ہم نوا تھی یہ بات خاور کو انتہائی حیرت میں مبتلا کرگئی تھی۔

''اس......اس کمینے نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔'' رجاء سر اٹھا کر خاور کی جانب انگشت شہادت اٹھاتے ہوئے بولی۔

''شٹ اپ' یو سلی گرل تم کہیں کی تھی بھی کہاں میں تم جیسی دو ٹکے کی لڑکیوں کو منہ لگانا تو دور کی بات ان پر ایک نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کرتا اور سویٹی تم......'' وہ سویٹی کی جانب بل کھا کر پلٹا۔ ''تم یہ گھٹیا تھرڈ کلاس فلموں والا سین کری ایٹ کرکے کیا سمجھ رہی ہو ہاں؟ میں خاور حیات ہوں' تم اپنے ان پالتو بوائے فرینڈز کے ساتھ کھیلو میری عزت اور امیج سے کھیلنے کی کوشش میں کہیں اپنی عزت اور امیج سے نہ ہاتھ دھو بیٹھو۔''

''اوہ یو......تم بھی مجھے نہیں جانتے خاور آئی ایم سویٹی ابراہیم مجھے ریجیکٹ کرنے والا اس دنیا میں ابھی پیدا نہیں ہوا سمجھے۔'' بے پناہ طیش کے عالم میں سویٹی اپنے اندر کی بات خاور پر عیاں کرگئی تو خاور نے اسے بے تحاشا چونک کر دیکھا پھر وہ اپنے چچوں کے ہمراہ کمرے سے واک آؤٹ کرگئی جبکہ مارے طیش و بے بسی کے خاور نے اپنی مٹھیاں بھینچ لی اس پل اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ سویٹی کا گلا دبا دے کتنی آسانی سے اس نے اس پر جال پھینک کر اسے پھنسالیا تھا' خاور سلگتے ذہن سے کچھ سوچتا رہا پھر وہ خود بھی وہاں سے نکل گیا۔

❁......♥......❁
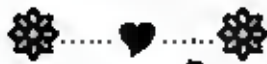
اس واقعہ کی خبر سویٹی نے پریس و میڈیا تک پہنچادی تھی حیات افتخار کے لیے یہ سچویشن کافی پریشان کن تھی' خاور بھی اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا' سویٹی نے ایک ہنگامہ کھڑا کردیا تھا حیات افتخار کا بزنس کی دنیا میں ایک خاص مقام تھا۔ میڈیا میں بھی وہ اپنا اثر ورسوخ رکھتے تھے یہ اسکینڈل ان کی امیج کو متاثر کررہا تھا۔ دراصل ابراہیم خاکوانی نے سویٹی کا

پروپوزل خود سے حیات افتخار کے سامنے خاور کے لیے رکھا تھا حیات افتخار نے اپنے بیٹے کے رجحان کو نہ دیکھتے ہوئے فی الحال انہیں ٹال دیا تھا سوئیٹی کا فرینڈ سی نجانے یہ بات کیسے جان گیا تھا کہ خاور سوئیٹی سے شادی کرنا نہیں چاہتا اور آج کل وہ اس سے پیچھا چھڑانے کی ترکیبیں سوچ رہا ہے۔ یہ تمام باتیں جب سوئٹی کے علم میں آئیں تو توہین واہانت کے احساس سے وہ بے پناہ مشتعل ہوگئی۔

''اس خاور کی اتنی ہمت کہ مجھ جیسی لڑکی کو وہ اس طرح ٹھکرانے کی جرأت کرے۔ خاور اب تم دیکھنا میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں' تم بھی ساری زندگی یاد رکھو گے کہ سوئٹی جیسی لڑکی کے ساتھ تمہارا پالا پڑا۔'' پھر سوئٹی نے ہی پورا پلان بنایا' رجاء ایک ایسی لڑکی تھی جو اس طرح کے ڈرامے اور حرکات وسکنات کر کے امیروں کو لوٹتی اور انہیں بلیک میل کرتی تھی۔ وہ پیسے کی خاطر سب کچھ کر سکتی تھی' اپنے کام میں رجاء بہت ماہر تھی' اب تک کتنے ہی امیروں کو وہ اپنی اداؤں سے دام الفت میں پھنسا کر یا پھر کسی کے کہنے پر انہیں بلیک میل کر چکی تھی' سوئٹی بہانے سے خاور کو اپنے فارم ہاؤس لے آئی تھی اور رجاء کے ذریعے انہوں نے اس کی سوفٹ ڈرنک میں کچھ ملا دیا تھا' جسے پی کر خاور کی طبیعت خراب ہوئی اور پھر وہ بے ہوش ہوگیا' اس واقعے کو لے کر میڈیا بہت شور مچا رہا تھا' حیات افتخار کے برنس حریف بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا رہے تھے' اس تمام سچویشن نے حیات افتخار کو اچھا خاصا بوکھلا دیا تھا' سمیر اور احتشام کے علم میں یہ بات آئی تو فوراً وہ خاور کے پاس پہنچے تھے۔

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا خاور کہ سوئیٹی سے کلیئر کٹ بات کر لو وہ اتنی سیدھی لڑکی ہرگز نہیں ہے اس کا اندازہ تو مجھے پہلے ہی ہو گیا تھا۔''

''سمیر تم کیا سمجھتے ہو وہ مجھ سے شادی کرنے کے شوق میں مری جارہی تھی؟ اونہہ ایسی لڑکیاں ایک مرد پر کبھی اکتفا نہیں کرتیں وہ صرف میرے ٹھکرانے کا بدلہ لے رہی ہے مجھ سے کیوں کہ مردوں کو تو وہ اپنے پیر کی جوتی کی طرح استعمال کرتی ہے' کچھ عرصہ پہنا پھر پھینک کر دوسرا خرید لیا۔'' وہ انتہائی رعونت ونفرت سے سوئیٹی کا ذکر کرتے ہوئے بولا۔

''اب کیا ہوگا..... اس صورت حال سے کیسے نمٹا جائے..... تمہارے ڈیڈی تو پریشان ہوں گے نا؟'' احتشام نے خاور سے استفسار کیا تو خاور نے ایک ہنکارا بھرا۔

''ہوں وہ تو الٹا مجھ سے شدید ناراض ہیں' میں نے ان کے فائدے کی خاطر سوئیٹی سے اپنا رشتہ جوڑا تھا ورنہ اسی دن جس دن سمیر نے مجھے کلب میں مشورہ دیا تھا کہ سوئٹی سے صاف صاف بات کر لو تو اسی وقت میں اس کے ہوش ٹھکانے لگا دیتا۔''

''بہر حال جو ہوا سو ہوا' اب بتاؤ ہوگا کیا؟ اور وہ لڑکی کیا نام ہے اس کا؟'' بولتے بولتے سمیر نے ذہن میں زور ڈالتے ہوئے کہا۔ تو خاور منہ بنا کر بولا۔

''رجاء۔''

''ہاں رجاء وہ بہت شور مچا رہی ہے کہہ رہی ہے یا تو خاور مجھ سے شادی کرے یا پھر جیل جانے کو تیار ہو جائے۔''

''اونہہ' اس کے باپ کا مال ہوں میں جیسے! ارے بازاری عورت ہے چند روپوں کی خاطر نوٹنکی کر رہی ہے۔'' اس وقت خاور کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ رجاء اور سوئٹی کو اپنے پستول کی گولیوں سے بھون ڈالے پھر معاً اسے کچھ یاد آیا تو سمیر سے استفسار کرنے لگا۔

''اس سوئٹی کو یہ کیسے پتہ چلا کہ میں اس سے شادی کرنا نہیں چاہتا' اور اس سے پیچھا چھڑانے کی کوششوں میں

اِک ایسا سمندر ہوں
جس کا کوئی ساحل ہی نہیں
اِک ایسا مسافر ہوں
جس کی کوئی منزل ہی نہیں
سرِ عام قتل ہوا ہوں لیکن
یہاں تو کوئی قاتل ہی نہیں
زندگی نے کیا دیا ہے مجھے
میں وہ پتھر ہوں جس کا کوئی دل ہی نہیں
ایسے لوگوں کو یاد کرنے سے کیا فائدہ انعم
وہ جو تیری زندگی کی کتاب میں شامل ہی نہیں
میں وہ آشیانہ ہوں جو ٹوٹ کے بکھر گیا
اب تو کہیں نظر آتی کرچیں ہی نہیں
انتخاب: عائشہ سلیم ..... کراچی

ہوں۔" خاور کی بات پر سمیر نے ذہن پر زور دیا تو اس کی آنکھوں میں اس دن کا منظر پوری آب وتاب سے سامنے آ گیا جب کلب کے اندر وہ دونوں گلف کھیل رہے تھے اور خاور حسب معمول ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول تھا اور سویٹی کا تذکرہ آن نکلا تھا۔ اس دن سمیر نے وہاں سے سنی کو گزرتے دیکھا تھا' مگر حقیقت یہ تھی کہ پلر کے پیچھے کھڑے ہو کر وہ سب کچھ سن چکا تھا اور وہاں سمیر کے سامنے سے یوں پوز کرتا ہوا گزرا جیسے وہ محض یہاں سے گزرا ہو۔

"یاد آیا خاور وہ اس دن جب ہم گولف کھیل رہے تھے تو سنی وہاں سے گزرا تھا۔ سوئٹی تو ان دنوں ورلڈ ٹور پر تھی۔" سمیر کچھ سوچتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر بولا تو خاور یک دم اچھل پڑا۔

"اسی کمینے نے سوئیٹی کو یہ سب بتایا ہوگا' چغلی لگا کر سنی نے سوئیٹی کے سامنے ہیرو بننے کی کوشش کی ہوگی' میں نے اس سالے کو اپنے سامنے ناک رگڑنے پر مجبور نہ کر دیا نا تو میرا نام بھی خاور حیات نہیں۔"

"ایک تو تم ہر شخص کے پیچھے فوراً پڑ جاتے ہو ارے دفع کرو اس سنی کو وہ بھی ایم این اے کا بھتیجا ہے' اب کسی نئے پھڈے میں مت کود جانا۔ تم یہ سوچو کہ اس رجاء اسکینڈل سے تم باعزت باہر کیسے آؤ گے؟" سمیر نے خاور کو ٹھنڈا کرتے ہوئے اس کی توجہ اصل معاملے کی جانب دلوائی تو خاور بھی ڈھیلا پڑا۔

"میرے خیال میں انکل بھی اپنا اثر ورسوخ استعمال کر رہے ہوں گے سوئیٹی نے خاور کو بہت ہلکا لے لیا جتنا آسان وہ سمجھ رہی ہے یہ کام اتنا آسان نہیں' خاور کو بدنام کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔" احتشام خاور کو چڑھاتے ہوئے بولا تو وہ تن سا گیا۔

"تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو احتشام' میرا باپ ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر نہیں بیٹھا ہوا' فی الحال تو وہ رجاء کو خریدنے کی کوشش کر رہا ہے پھر تم دیکھنا اس سوئیٹی اور اس کے باپ کو ہم کیسا مزہ چکھاتے ہیں۔"

"گائز اب میں چلتا ہوں' ممی کے ساتھ شاپنگ پر جانا ہے آج کل تیاریاں بہت تیزی سے چل رہی ہیں۔" سمیر

اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے بولا تو خاور کو جیسے اچانک یاد آ گیا۔
"اوہ تمہاری شادی میں تو بہت کم دن رہ گئے ہیں یار ویسے ہنی مون کہاں کا پلان کیا ہے؟"
"میں نے تو کچھ پلان نہیں کیا ہاں ساحرہ کچھ تذکرہ کر تو رہی تھی۔" اس بات پر خاور اسے دیکھ کر ہنس کر بولا۔
"اف اتنی بے خبری اور بے نیازی بے چاری ساحرہ بھابی تم جیسے خشک رومانس سے دور بھاگنے والے شخص کے ساتھ وہ کیسے گزارا کریں گی۔"
"تجھے ترس کھانے کی ضرورت نہیں ہے میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ تجھ جیسے دل پھینک' رنگین مزاج اور چھچھورے لڑکے کے ساتھ میری ہونے والی بھابی کیسے گزارا کریں گی۔" سمیر خاور پر برابر کی چوٹ کرتے ہوئے بولا تو خاور ایک مصنوعی آہ بھر کر گویا ہوا۔
"ہائے ظالم اس پل کس کی یاد دلا دی تو نے میری جان جگر جان تمنا اتنے دن سے اسے دیکھا بھی نہیں۔"
"خاور یہ چیٹنگ ہے یار تو ہمیں اس لڑکی سے ملواتا کیوں نہیں؟ ہم بھی تو دیکھیں آخر اس لڑکی میں ایسی کون سی خاصیت ہے جو تو لٹو کی طرح چکرا رہا ہے۔" احتشام نے تقریباً ناراض ہونے والے انداز میں کہا تو سمیر بھی تائیدی انداز میں سر اثبات میں ہلا کر بولا۔
"احتشام بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے خاور یہ بہت غلط بات ہے آخر وہ لڑکی کون ہے' کہاں رہتی ہے' کیا کرتی ہے' اس کا نام کیا ہے' تجھ کھامڑ کو وہ کہاں ملی' یہ سب تو ہمیں کب بتائے گا؟"
"صبر کر میرے دوست صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" خاور سمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا پھر مزید گویا ہوا۔
"ہاں اتنا ضرور تم دونوں کو بتا سکتا ہوں کہ اس کا حسن ایسا جادوئی ہے جیسے بارش کا پہلا قطرہ' لچکتی بل کھاتی شاخ کی مانند اس کا خوب صورت سراپا جس کی بھول بھلیوں میں دل کہیں الجھ جاتا ہے اور......"
"سینسر سینسر' مزید تعریفیں تو خود اپنے آپ سے کر لینا' میرے بھائی۔" سمیر ہنستے ہوئے بولا تو خاور تھوڑا خفیف سا ہو گیا پھر تینوں دوست زور سے ہنس دیئے۔

❀......♥......❀

حورین آہستہ آہستہ زندگی کی جانب آ رہی تھی' کبریٰ بیگم حاکم دین اور پارس کی بے پایاں کوششوں سے وہ کچھ نارمل ہو گئی تھی مگر زیادہ تر وہ چپ چپ اور گم صم رہتی تھی' بیٹھے بیٹھے نجانے کہاں کھو جاتی' یہاں تک کہ احتشام کی موجودگی بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوتی تھی' پہلے وہ میکانکی انداز میں کبریٰ بیگم کا کام وغیرہ میں ہاتھ بٹاتی کھاتی پیتی اور سو جاتی تھی البتہ اب وہ خالہ خالو کی باتوں پر ہوں ہاں کر دیا کرتی تھی۔
کبریٰ بیگم جب رات سونے کے لیے اپنے کمرے میں آئیں تو اپنے مجازی خدا سے گویا ہوئیں۔ وہ کافی دنوں سے حورین کے ساتھ ہی سو رہی تھیں مگر حورین کچھ سنبھلی تو اس نے زبردستی انہیں اپنے کمرے میں بھیجا تھا۔
"میں اب ٹھیک ہوں خالہ ای' آپ پلیز اپنے کمرے میں سو جائیں' خالو کو کسی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔" حورین نرمی سے گویا ہوئی تو کبریٰ بیگم بے اختیار اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولیں۔
"تو ان کی فکر نہ کر انہیں جو چاہیے ہو گا وہ خود لے لیں گے۔"
"پھر بھی خالہ ای مجھے اچھا نہیں لگتا' مجھے تو ہمیشہ سے اکیلے سونے کی عادت ہے' آپ خالو کے پاس جایئے مجھے ضرورت ہو گی کسی چیز کی تو میں آپ کے پاس آ جاؤں گی۔" حورین نے زور زبردستی کر کے انہیں ان کے کمرے میں بھیجا تھا مگر ان کے جانے کے بعد اسے خالی کمرے سے بے پناہ وحشت ہوئی تھی' اپنے ماں باپ کی یادیں عود کر آئی

تھیں اور اس کی آنکھوں میں ساون آ ٹھہرا تھا‘ کبریٰ بیگم کی بات پر حاکم دین ایک گہری سانس بھر کر رہ گئے تھے۔
’’اپنے ہاتھ پیروں سے بالکل ٹھیک ٹھاک چلتا پھرتا باپ اچانک اس طرح موت کی آغوش میں جا سویا یہ بات واقعی بے حد تکلیف دہ اور اذیت ناک ہے اور افسوس تو اس بات کا ہے کہ بھائی ہاشم ہمارے دیئے صدمے کی بدولت اس دنیا سے چلا گیا۔‘‘
’’اللہ کو شاید یہی منظور تھا کاتب تقدیر کے آگے ہم سب بے بس ہیں۔ یہ سب تو پہلے ہی لکھا ہوا تھا۔‘‘ دونوں میاں بیوی ہاشم احمد کی موت کا ذمہ دار خود کو ہی ٹھہراتے اور ایک دوسرے کو تسلیاں بھی دیتے تھے۔
’’اللہ گواہ ہے نیک بخت ہم نے یہ کبھی نہیں چاہا کہ اسے کوئی صدمہ پہنچے مگر......!‘‘ حاکم دین جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک دم رو دیے۔ شوہر کو اس حالت میں دیکھ کر کبریٰ بیگم تڑپ اٹھیں۔
’’آپ خود کو کیوں قصوردار ٹھہراتے ہیں‘ آپ نے تو حورین کی بھلائی چاہی تھی اور پھر ہم احتشام کو راضی کرنے میں ناکام بھی تو ٹھہرے تھے۔‘‘
’’بس ہاشم احمد تم مجھے معاف کر دینا‘ شاید ہم دونوں ہی تمہارے قصوروار ہیں کیونکہ ہماری اولاد کے سبب تمہیں اتنا بڑا صدمہ ملا۔‘‘ حاکم دین ہنوز انداز میں بولے تو کبریٰ بیگم بھی خود پر ضبط نہیں رکھ سکیں۔

❁......♥......❁

پارس کی منگنی تھی اس نے حورین کو اپنی قسم دے کر آنے کا اصرار کیا تھا۔ ہاشم احمد کو گزرے تین ماہ ہو چکے تھے اور ان تین مہینوں میں وہ ایک بار بھی گھر سے باہر نہیں نکلی تھی‘ منگنی کی سادہ سی تقریب گھر پر ہی تھی پارس کی شادی کا اسے بے حد ارمان تھا‘ مگر اب جب اس کی منگنی کا دن آیا تو اس کا دل ہر بات سے اچاٹ ہو چکا تھا۔
’’حورین بیٹا چلی جاؤ نا تمہارا دل بھی بہل جائے گا اور پارس بھی کتنا خوش ہوگی۔ ورنہ اس کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تیرے بچپن کی سہیلی ہے وہ‘ چلو اٹھو اور تیاری کرو شاباش۔‘‘ کبریٰ بیگم اسے چمکارتے ہوئے بولیں تو حورین بے زاری سے گویا ہوئی۔
’’خالہ امی میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا‘ میں پارس سے معافی مانگ لوں گی۔‘‘
’’پارس تمہاری بہنوں کی طرح ہے وہ بھی تمہیں اپنی بہنوں کی طرح چاہتی ہے‘ تمہارا انتظار کرے گی وہ‘ چلی جاؤ میری بچی۔‘‘ خالہ اسی انداز میں بولیں تو حورین نے بڑی بے بسی سے انہیں دیکھا۔ ’’میں تمہارے خالو سے کہہ دوں گی وہ تمہیں چھوڑ آئیں گے اب بس زیادہ سوچو مت اور جانے کی تیاری کرو‘ چلو اٹھو۔‘‘ خالہ امی نے اسے زبردستی اٹھا کر ہی دم لیا پھر اس نے انتہائی بجھے دل سے منگنی میں شرکت کی اور خالو کے ساتھ ہی واپس آ گئی۔

❁......♥......❁

سوئیٹی کے رچائے گئے ڈرامے میں کافی سنگینیاں آ گئی تھیں‘ خاور حیات اچھا خاصا پھنس گیا تھا جبکہ سوئیٹی کے والد ابراہیم خاکوانی بھی بیٹی کے اس پلان میں شریک تھے‘ حیات افتخار نے اپنے دوستوں اور وکیل کے مشوروں کے مدنظر خاور حیات کو ملک سے باہر بھجوا دیا تھا‘ ہر جا میڈیا پر خوب شور مچا ہی تھی اور میڈیا بھی اس واقعہ کو خوب اہمیت دے رہا تھا۔ ان کے پاس واحد راستہ یہی تھا کہ فی الحال خاور حیات کو اسکرین سے بالکل غائب کر دیا جائے جبکہ خاور سخت طیش کے عالم میں پیچ و تاب کھا رہا تھا‘ وہ بزدلوں کی طرح یوں ملک چھوڑ کر جانا بھی نہیں چاہتا تھا مگر حیات افتخار نے زبردستی اسے یورپ روانہ کر دیا تھا ان ہی دنوں سمیر شاہ کی شادی کی تقریبات کا بھی آغاز ہو گیا تھا۔ سمیر اور احتشام دونوں دوست خاور کو کافی مس کر رہے تھے جو سمیر کی شادی میں شرکت نہیں کر سکا تھا‘ سمیر کی شادی بخیر و عافیت اختتام پذیر ہوئی تو وہ

اپنی بیوی کے ساتھ ہنی مون کے لیے چلا گیا اور احتشام نے اپنے باہر جانے کے لیے ہاتھ پیر مارنا شروع کردیئے وہ بس کسی بھی طرح ملک سے باہر جانا چاہتا تھا اور اس سلسلے میں وہ مختلف کمپنیوں سے بھی رابطہ کررہا تھا جبکہ کبریٰ بیگم اور حاکم دین نے حورین سے یہ حقیقت ابھی تک چھپا رکھی تھی کہ احتشام اپنے تیئں اس کے ساتھ منگنی اس کے باپ کی زندگی میں ہی ختم کرچکا ہے حورین اب کافی سنبھل گئی تھی' وہ سارا وقت گھر کے کاموں میں مصروف رہتی تھی' احتشام سے اس کی ملاقات اور بات بہت واجبی سی ہوتی تھی کبھی کبھار حورین کو احتشام کا اجنبی رویہ بہت الجھاتا تھا۔ فارغ وقت میں وہ پہروں احتشام کے انداز واطوار پر غور کرتی رہ جاتی تھی ایک دوبار جب بھی پارس اس سے ملنے آئی حورین نے احتشام کی بابت اس سے گفتگو ضرور کی جبکہ پارس کچھ کہتے کہتے فوراً اپنی زبان کو دانتوں تلے دبالیتی' وہ یہ سفاک حقیقت اپنی عزیز از جان دوست کو بتانا چاہتی تھی کہ جس کو اس کی پیاری سہیلی گھنٹوں سوچتی ہے وہ ستم ظریف ایک لمحہ کے لیے بھی اس کے متعلق نہیں سوچتا حورین کی اہمیت اس کی نظر میں کچھ بھی نہیں ہے وہ تو منگنی کا بندھن بھی کب کا توڑ چکا ہے' جس کے وجہ سے اس کے باپ کو بے پناہ صدمہ پہنچا تھا اور وہ قبر میں جا سویا تھا۔ پارس نے جب یہ حقیقت روتے ہوئے اپنی اماں کو بتائی تو انہوں نے سختی سے پارس کو اپنی زبان بند رکھنے کی ہدایت کی جس پر پارس کو بے تحاشا حیرت بھی ہوئی تھی۔

''مگر اماں تم جانتی ہونا کہ میں حورین سے کوئی بات نہیں چھپاتی اور پھر ایک نہ ایک دن تو اسے بتانا ہی ہوگا کہ اب وہ احتشام بھائی کی منگیتر نہیں رہی۔'' پارس نے انتہائی اچنبھے سے اماں کو دیکھ کر بے پناہ الجھ کر کہا تھا۔

''جب حورین کی سگی خالہ خالو نے اس سے یہ بات چھپائی ہوئی ہے تو تمہیں بھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے ویسے بھی یہ ان کے گھر کا ذاتی معاملہ ہے ہوسکتا ہے کہ تمہارے بتانے سے حورین پر مزید مصیبت ومشکلات آن پڑیں۔ بیٹا ہر بات بتانے والی نہیں ہوتی اور پھر آج کل وہ بے چاری اپنے باپ کے غم میں نڈھال ہے' یہ حقیقت اسے مزید تکلیف ودکھ دے گی اور جب اسے یہ تمام سچائی پتہ چل جائے گی تو وہ کبریٰ خالہ کا گھر بھی چھوڑ دے گی پھر کہاں ماری ماری پھرے گی وہ جوان بچی؟'' اماں نے اسے اونچ نیچ سمجھائی تو وہ مجبوراً چپ ہوگئی اور چاہتے ہوئے بھی حورین سے کچھ کہہ نہیں سکی' البتہ اپنی سہیلی کی حالت زار دیکھ کر اس کا دل بے تحاشا دکھتا۔ وہ چاہ کر بھی اس کے لیے کچھ نہیں کرپارہی تھی۔

❀......♥......❀

حاکم دین جیسے ہی دکان سے گھر آئے حورین نے فوراً چولہے پر توا رکھا اور آٹے کے پیڑے بنانے لگی وہ حورین کے ہاتھ کی گرما گرم روٹی بہت پسند کرتے تھے اور اسے خوب دعائیں دیتے تھے' حورین نے رات کے کھانے کا دستر خوان لگایا تو آج خلاف معمول احتشام بھی اس وقت گھر آگیا حورین کو اندر ہی اندر خوش گوار حیرت ہوئی' خالہ خالو نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔

''احتشام بیٹا چلو اچھا ہوا آج تم کھانے کے وقت آگئے' اتنے عرصے سے تم نے ہمارے ساتھ کھانا نہیں کھایا آجاؤ جلدی سے ہاتھ منہ دھو کر حورین نے آج بھنڈی گوشت اور بگھارے بینگن پکائے ہیں۔'' اماں خوشی سے بولیں تو احتشام اثبات میں سر ہلاتا کپڑے بدلنے کی غرض سے کمرے میں جانے کی خاطر سیڑھیاں چڑھ گیا پھر چاروں نے مل کر ایک ساتھ کھانا کھایا کھانے کے بعد حاکم دین کو چائے پینے کی عادت تھی جب کہ احتشام نے بھی حورین سے چائے کی فرمائش کردی تھی' حورین چائے بنانے کی غرض سے کچن میں چلی آئی تو احتشام نے اپنے ماں باپ کو ایک نگاہ دیکھتے ہوئے کچھ سوچا۔

''مجھے آپ دونوں سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو دونوں جو آج احتشام کے

رنگ ڈھنگ میں کچھ نیا پن محسوس کر رہے تھے اپنی اپنی جگہ چونک سے گئے اور اندر ہی اندر خاصے خائف بھی ہوئے۔
"کہو کیا بات کرنی ہے تمہیں۔" حاکم دین احتشام کو پرسوچ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ایک ہنکارا بھر کر گویا ہوئے۔
ابھی احتشام کچھ بولتا کہ آسمانی رنگ کے عام سے شلوار قمیص کے سوٹ میں ملبوس دوپٹہ سر پر جمائے حورین چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی۔
"حورین بچے اب تم کمرے میں جا کر آرام کرلو سارا دن کاموں میں مصروف رہتی ہو۔" کبریٰ بیگم کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں احتشام کوئی الٹی سیدھی بات حورین کے سامنے نہ کردے۔ لہٰذا جلدی سے کہہ گئیں حورین سعادت مندی سے 'جی اچھا' کہہ کر وہاں سے چلی گئی تو دونوں میاں بیوی نے اطمینان کا سانس لیا وہ حورین کو آج کل یہ بات بتانے والے تھے کہ احتشام نے اس کے ساتھ رشتہ ختم کردیا ہے ایک نہ ایک دن تو انہیں حورین کو سچائی سے آگاہ کرنا ہی تھا مگر وہ یہ بات اپنے طریقے سے بتانا چاہتے تھے احتشام اگر اپنی زبان سے کچھ الٹا سیدھا بول دیتا تو یقیناً حورین کی دل آزاری ہوتی اور یہ وہ دونوں میاں بیوی بالکل نہیں چاہتے تھے۔
"آپ لوگ میری شادی حورین سے کرنا چاہتے تھے ناں تو....." احتشام کی بات پر دونوں میاں بیوی نے اسے بغور دیکھا جو اپنی بات ادھوری چھوڑ کر قصداً ٹھہرا۔
"تو.....آگے بھی تو بول کیوں ہمیں ہولا رہا ہے۔" کبریٰ بیگم پہلو بدل کر اسے سرزنش کرتے ہوئے بولیں تو احتشام بالکل ڈرامائی انداز میں گویا ہوا۔
"تو میں حورین سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔"
"کیا.....؟" دونوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ احتشام پٹاخہ چھوڑ کر اب مزے سے چائے پی رہا تھا حاکم دین اور کبریٰ بیگم چند ثانیے تو سن سے اپنی جگہ پر بیٹھے رہے پھر انتہائی پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔
"احتشام یہ کیا مذاق لگا رکھا ہے تو نے پہلے تو بالکل صاف چٹ انکار کیا.....صرف تیری وجہ سے حورین کے باپ کو اتنا گہرا صدمہ پہنچا' ہمارے سمجھانے کے باوجود تیری ناں ہاں میں نہیں بدلی اور اب......اب کس وجہ سے تو راضی ہو گیا۔" حاکم دین کو احتشام کی بات سخت طیش دلا گئی۔ "جب ہاں کرنی ہی تھی تو انکار کرکے اتنے لوگوں کو اذیتیں کیوں دی تھیں؟"
"آپ بھی کمال کرتے ہیں' پہلے تو میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے رہے کہ حورین سے شادی کرلو اور اب جب میں شادی کرنے کے لیے تیار ہو گیا ہوں تو تب بھی آپ خوش نہیں ہیں۔" احتشام برامان کر بولا۔
"واہ بیٹا واہ! پہلے تو ہمیں حورین کے باپ کے سامنے رسوا کردیا اور اب تو اسی سے شادی کے لیے راضی بھی ہو گیا۔ شاباش بچے تیرا بھی جواب نہیں۔" کبریٰ بیگم کا لہجہ بھی طنزیہ ہو گیا وہ اسے فہمائشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں تو احتشام نے انتہائی جزبز ہو کر اپنی جگہ سے پہلو بدلا۔
"آپ نے ایک جوان جہان لڑکی کو گھر میں رکھا ہوا ہے آس پڑوس کے لوگ یقیناً باتیں بنائیں گے کہ گھر میں نوجوان لڑکے کے ہوتے ہوئے یوں لڑکی کو رکھا ہے۔"
"اچھا تجھے کب سے لوگوں کی باتوں کی پروا ہونے لگی۔" ابا نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تو وہ انتہائی جھنجلا کر بولا۔
"آپ دونوں کو جو سوچنا ہے جو سمجھنا ہے وہ سوچ سمجھ لیں مگر میں اگلے ماہ ہی حورین سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
"اگلے ماہ۔" کبریٰ بیگم کو شدید حیرت کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی خوشی بھی ہوئی پھر انتہائی بے یقین نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''احتشام تو سچ کہہ رہا ہے نا کیا واقعی تو حورین سے شادی کرنا چاہتا ہے' اپنے دل سے راضی خوشی ہو کر یہ فیصلہ کیا ہے نا۔''

''افوہ اب میں کس طرح یقین دلاؤں' حد ہوگئی' پہلے تو زبردستی مجھ سے حورین کو نتھی کر رہے تھے اب خود بول رہا ہوں تو آپ نخرے کر رہے ہو۔'' وہ ہنوز انداز میں بولا تو دونوں اپنی اپنی سوچوں میں غلطاں ہوگئے۔ احتشام نے چند ثانیے انہیں دیکھا پھر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا' کافی دیر خاموشی چھائی رہی پھر حاکم دین کی سوچ میں ڈوبی آواز ابھری۔

''اس لڑکے کی تو میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہاں تو حورین سے شادی کے لیے وہ قطعاً راضی نہیں تھا اور اب خود منہ سے اس سے شادی کرنے کا اصرار کر رہا ہے۔'' کبریٰ بیگم سوچتے سوچتے یک دم جیسے خوش ہی ہوگئیں۔

''ہوسکتا ہے کہ حورین کو اپنی نظروں کے سامنے دیکھ کر اسے حورین کے اندر کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا اندازہ ہوگیا ہو اور وہ اس کی نگاہوں کو بھا گئی ہو۔''

''ہوں کاش یہ لڑکا پہلے ہی اس شادی کے لیے راضی ہوجاتا تو.....'' حاکم دین ایک ہنکارا بھر کر خود ہی جملہ ادھورا چھوڑ گئے جبکہ کبریٰ بیگم کی آنکھیں نمکین پانی سے جھلملا سی گئیں۔

❁......♥......❁
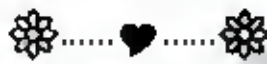
سمیر جب ہنی مون سے واپس لوٹا تو یہ خبر سن کر اسے بھی حیرت کے ساتھ ساتھ کچھ پریشانی بھی ہوئی پھر سر جھٹک کر اس نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ بروقت احتشام کو عقل آ گئی' احتشام بہت مگن ہو کر شادی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ حاکم دین اور کبریٰ بیگم کے ساتھ ساتھ احتشام کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ شادی انتہائی سادگی سے کی جائے تاکہ فضول کی چیزوں میں رقم برباد نہیں ہو۔ حورین بھی ان دنوں بے پناہ خوش تھی مگر ہر لڑکی کی طرح اسے خوشی کے ساتھ ساتھ کچھ خدشات اور واہمے بھی پریشان کر رہے تھے۔ پارس بھی سب کی طرح پہلے حیران و پریشان ہوئی تھی مگر پھر حورین کی خوشی دیکھ کر وہ بھی خوش ہوگئی تھی اور اپنی سہیلی کی خوشیوں کی دائمی ہونے کی بے حساب دعائیں دے ڈالیں۔ دن جیسے پر لگا کر گزر رہے تھے اور پھر بالآخر حورین اور احتشام کی شادی کا دن بھی آن پہنچا تھا۔ سمیر اپنے دوست کی شادی میں بہت ایکسائیٹڈ تھا اس نے احتشام کو بڑی محبت سے دلہا بنایا جبکہ لال اور دھانی رنگ کے امتزاج کے شرارے میں دلہن بنی حورین چودھویں کے چاند کو شرمانے دے رہی تھی۔ نکاح کے وقت حورین کو اپنے اماں ابا بے تحاشا یاد آئے' وہ بلک بلک کر رودی۔ کبریٰ بیگم اور پارس نے انتہائی مشکلوں سے اس کو سنبھالا اور پھر وہ حورین ہاشم سے حورین احتشام بنادی گئی۔ اس کا مستقبل اب احتشام کے ہاتھوں میں تھا جو اس کا مجازی خدا اس کا والی و وارث تھا حورین کو احتشام کے کمرے میں پہنچادیا گیا تھا۔ شب زفاف کی اہمیت وہ اچھی طرح جانتی تھی' اسی رات کے حوالے سے اس کی آنکھوں میں بھی ڈھیر سارے روپہلے سنہری سپنے بسے ہوئے تھے' احتشام اس کا منگیتر ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی محبت تھا۔ پہلی چاہت تھا' اس کے دل میں صرف اور صرف احتشام کی شبیہ تھی اور آج کی رات ملن کی رات تھی جذبوں اور احساسات کے اظہار کی رات تھی' ایک دوجے کو محبت و چاہت سے مکمل کرنے کی رات تھی' حورین سہمے دل اور کپکپاتے وجود سمیت احتشام کی منتظر تھی' جب گھڑی نے بارہ کا ہندسہ عبور کیا تو احتشام نے کمرے میں قدم رکھا۔ حورین نے گھونگھٹ میں چھپائے چہرے کو بالکل ہی نیچے گرالیا' احتشام قریب آیا اور حورین کے مقابل بیٹھ کر جو نہی حورین کا گھونگھٹ اٹھایا تو کھڑکی سے جھانکتے چاند نے بھی شرما کر خود کو بادلوں کی اوٹ میں چھپالیا۔

❁......♥......❁
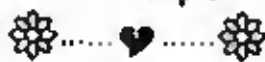
"نیک بخت اب باقی نوافل کل پڑھ لینا' تم ویسے بھی بہت تھک گئی ہو ابھی آرام کرلو۔" کبریٰ بیگم کو ایک بار پھر نیت باندھنے کا ارادہ کرتے دیکھ کر حاکم دین مسکرا کر گویا ہوئے۔ کبریٰ بیگم نے انتہائی مسرت سے اپنے شوہر نامدار کو دیکھا پھر مسکرا کر بولیں۔

"نہیں احتشام کے ابا میں نے اپنے رب سے یہ نیت کی تھی کہ جس دن حورین میرے بیٹے کی دلہن بن کر میرے گھر آئے گی میں رب کریم کے حضور سو رکعت شکرانے کے نفل ادا کروں گی آپ سو جائیں میں تو سو رکعت پڑھ کر ہی لیٹوں گی شکر ہے میرے اللہ کا آج صغریٰ اور بھائی صاحب کی روح بھی بہت خوش ہوگی۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ اچھا بھئی تم نماز سے فارغ ہو کر لیٹ جانا کسی کام میں مت الجھ جانا۔" حاکم دین کروٹ بدلتے ہوئے نیند سے بھری آواز میں بولے تو کبریٰ بیگم نیت باندھ کر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھنے لگیں۔

❀......♥......❀
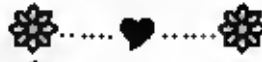
سنہری صبح کی اجلی کرنوں نے حورین کی کھڑکی پر دستک دی تو اس کی آنکھ فوراً کھل گئی۔ اس نے بے ساختہ اپنے پہلو میں سوئے احتشام کو دیکھا جو اس وقت بے خبر سو رہا تھا' وہ چند ثانیے اسے دیکھتی رہی پھر گزشتہ شب کی باتیں یاد آنے لگیں وہ تو سمجھی تھی کہ احتشام اس کی تعریف کرے گا' اس سے رومان پرور باتیں کرے گا' اپنی بے قراریوں کا اقرار کرے گا اس کے حسن کو خراج پیش کرے گا' مگر......! حورین ایک تھکی سی سانس بھر کر رہ گئی سب نے اس کی بے حد تعریف کی تھی ان دونوں کی جوڑی کو چاند سورج سے تشبیہ دی تھی مگر احتشام نے اس کی تیاری اس کے ہار سنگھار کو در خود اعتناء نہ سمجھا تھا اپنی غربت بھری زندگی کو کوس رہا تھا' اسے مڈل لوئر کلاس سے بے تحاشا نفرت تھی جس کلاس سے وہ خود تعلق رکھتا تھا اسے اپنے غریب مفلس والدین سے بے پناہ شکوے شکایتیں تھیں جنہوں نے اسے ایک پر آسائش اور پر تعیش زندگی سے محروم رکھا تھا' اسے اپنے گھر اپنے ماحول سے بے زاری تھی جس نے اسے کوئی خوشی' کوئی طمانیت نہیں بخشی تھی۔ اسے اپنے ملک سے بھی بدگمانی تھی جس نے اسے بڑا آدمی بننے کا موقع فراہم نہیں کیا تھا۔

"حورین میری زندگی کا صرف اور صرف ایک ہی مقصد ہے اس ملک سے باہر جانا اور خوب روپیہ پیسہ کمانا' مجھے اپنی زندگی میں سب کچھ چاہیے وہ سب کچھ جو سمیر اور خاور کو میسر ہے اور یہ سب میں حاصل کر کے رہوں گا۔" آخر میں وہ پر عزم لہجے میں بولا تو حورین محض اسے دیکھتی رہ گئی۔

حورین نے ایک بار پھر سوئے ہوئے احتشام پر نگاہ ڈالی اور دوسرے ہی پل بستر سے اٹھ گئی تیار ہو کر نیچے آئی تو چند ایک رشتے دار لاؤنج میں براجمان تھے' حورین نے انہیں سلام کیا اور پھر کبریٰ بیگم کے اصرار پر وہیں بیٹھ گئی۔

"احتشام کو ذرا دیر سے اٹھنے کی عادت ہے' تو تم لوگ ناشتہ شروع کرو میں چائے لے کر آتی ہوں۔" کبریٰ بیگم مہمان نوازی سے بولیں تو حورین اپنی جگہ سے اٹھی۔

"خالہ امی آپ پلیز بیٹھ جائیں میں چائے بناتی ہوں۔"

"ارے دلہن آج کے دن اپنی ساس سے خدمت کروالو پھر پوری زندگی تم ان کی خدمتیں کر لینا۔" ایک رشتے دار خاتون ہنس کر بولیں تو کبریٰ بیگم نے زبردستی حورین کو اپنی جگہ بٹھایا اور چائے لینے کی غرض سے کچن کی جانب چلی گئیں۔ دوسرے دن سادگی سے ولیمہ کی تقریب بھی بخیر و عافیت اختتام پذیر ہوگئی اور زندگی معمول پر آنے لگی۔

❀......♥......❀
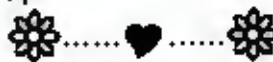
شادی کے بعد بھی احتشام کے وہی شب و روز تھے' دن چڑھے سو کر اٹھتا اور پھر تیار ہو کر گھر سے نکل جاتا پھر رات گئے ہی واپسی ہوتی۔ حورین دن بھر گھر کے کاموں میں مصروف رہتی کہیں فارغ وقت ملتا تو کڑھائی لے کر بیٹھ

جاتی' کبریٰ بیگم اور حاکم دین کی دل و جان سے خدمت کرتی وہ دونوں اسے دعائیں دیتے نہیں تھکتے تھے۔ سارا سارا دن کاموں میں مصروف رہنے کے بعد جب رات کو وہ اپنے کمرے میں آ کر لیٹتی تو بے اختیار دماغ میں احتشام کا خیال در آتا وہ ابھی تک اسے سمجھ نہیں پائی تھی' اپنی ہی ذات میں گم اور مست رہنے والا احتشام حورین سے کسی بھی قسم کے لگاؤ اور اپنائیت کا اظہار نہیں کرتا تھا' وہ جو اپنے شریک سفر کی بابت انتہائی روپہلے سہانے ارمان دل میں بسائے ہوئے تھی وہ سب ایک ایک کر کے اب راکھ کا ڈھیر بن رہے تھے۔ احتشام کی بے اعتنائی و بے رخی نے گویا انہیں فنا کر دیا تھا۔ کبریٰ بیگم اور حاکم دین بھی احتشام کی بے پرواہیاں اور حورین کے ساتھ سرد رویوں کو دیکھ رہے تھے مگر چاہ کر بھی کچھ کر نہیں پا رہے تھے بس اندر ہی اندر کڑھ کر رہ جاتے تھے۔ آج دوپہر میں پارس اس سے ملنے آئی تو اسے یوں دیکھ کر پریشان ہو گئی۔

''حورین ابھی تمہاری شادی کو کتنے دن ہوئے ہیں جو تم یوں سر جھاڑ اور منہ پھاڑ جیسے حلیے میں گھوم رہی ہو۔'' پارس اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بولی تو حورین نے پھیکی سی مسکراہٹ سمیت اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس میرا دل ہی نہیں چاہتا خود کو سجانے سنوارنے کا۔''

''لو بھلا یہ کیا بات ہوئی بیویوں کو اپنے شوہروں کے سامنے ہمیشہ نک سک سے تیار رہنا چاہیے تاکہ وہ کہیں اور تانک جھانک نہ کر سکیں سمجھیں۔'' پھر قدرے توقف کے بعد اس نے متفکرانہ انداز میں استفسار کیا کسی خدشے نے پارس کے دل میں یک دم سر ابھارا تھا۔

''حورین تم خوش تو ہونا' احتشام بھائی تم سے پیار تو کرتے ہیں نا تمہارا خیال تو رکھتے ہیں نا۔'' ایک پل کے لیے حورین کے دل میں آیا کہ وہ احتشام کے بارے میں سب کچھ پارس کو بتا دے مگر اگلے ہی لمحے اس نے خود کو ایسا کرنے سے باز رکھا آج پہلی بار اس نے اپنی بچپن کی سکھی سے جھوٹ بولا۔

''ہاں بھئی بھلا مجھ میں ایسی کون سی کمی ہے جو میرا مجازی خدا مجھ سے پیار نہیں کرے گا' تم بالکل پریشان مت ہو' احتشام میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور میں خوش بھی ہوں۔ تم بیٹھو میں تمہارے لیے فٹافٹ چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' حورین جلدی جلدی بول کر وہاں سے اٹھی تو پارس محض اسے جاتا ہوا دیکھتی رہ گئی۔

❀......❤......❀
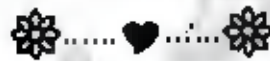
سمیر شاہ آج کل اپنے والد کے ہمراہ بزنس کو مزید وسیع کرنے میں بے پناہ مصروف تھا جبکہ اس کی بیوی ساحرہ ان دنوں تخلیق کے مراحل سے گزر رہی تھی۔ وہ آفس سے جیسے ہی فارغ ہوتا اس کا رخ گھر کی جانب ہوتا' ایسے وقت میں وہ ساحرہ کے ہمراہ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتا تھا۔ وہ آفس میں کچھ ضروری کام نمٹا کر اٹھنے ہی والا تھا کہ اسی دم فون کی گھنٹی بجی تو سمیر نے مصروف انداز میں فون ریسیو کیا' دوسری جانب خاور کا ملازم تھا جو اچھا خاصا گھبرایا ہوا تھا۔

''سمیر صاحب میں نے آپ کے گھر فون کیا تھا تو آپ کے ملازم نے بتایا کہ آپ آفس میں ہیں' اس نے مجھے بڑی مشکلوں سے آپ کے آفس کا نمبر دیا۔'' ملازم پریشان کن اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بات کرتے ہوئے بولا تو سمیر کچھ الجھ کر گویا ہوا۔

''سب خیریت تو ہے نا' تم اتنے گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟''

''سمیر صاحب خیریت ہی تو نہیں ہے دراصل چھوٹے صاحب آج صبح ہی گھر آئے تھے اس وقت تو وہ مجھے بالکل ٹھیک ٹھاک لگ رہے تھے' مگر ابھی دو گھنٹہ پہلے ان کے کمرے سے بہت عجیب و غریب آوازیں آنے لگیں تو میں گھبرا کر ان تک پہنچا مگر دروازہ اندر سے بند تھا' شاید وہ اپنے کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہے تھے۔ مجھے ڈر

لگ رہا ہے کہ کہیں چھوٹے صاحب خود کو کوئی نقصان نہ پہنچادیں۔" خاور کا ملازم اپنے مالک کے لیے متفکر اور خوف کے ملے جلے تاثرات میں گھر کر جلدی جلدی بولا تو سمیر بھی پریشان ہوگیا۔ وہ خاور حیات کی عادت وفطرت سے بخوبی آگاہ تھا اور اس طرح جذباتی ہوکر یوں توڑ پھوڑ کرکے شور شرابا کرنا اس کی نیچر میں نہیں تھا اس کا مطلب تھا کہ بات واقعی سنگین ہے اس نے بے ساختہ گھڑی کی جانب دیکھا جو دن کے دو بجے کا اعلان کررہی تھی' اس وقت ساحرہ لنچ پر اس کا انتظار کررہی ہوگی۔

"ٹھیک ہے افضل میں وہاں جلد سے جلد پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں' تم حیات انکل کو بھی فون کردو۔"

"صاحب تو دو گھنٹے پہلے ہی اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔ کسی میٹنگ کے سلسلے میں' چھوٹے صاحب سے مل کر بھی گئے ہیں۔" افضل ہنوز اسی لہجے میں بولا تو سمیر نے مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا' سو عجلت میں بولا۔

"ٹھیک ہے تم فون رکھو میں بس ابھی آفس سے نکلتا ہوں۔" پھر سمیر نے سرعت سے اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی اور تیزی سے آفس سے نکلا' جب کہ اگلے ہی پل ساحرہ نے سمیر کے آفس میں فون ملایا مگر صرف بیل جاتی رہی' سمیر نے فون پک نہیں کیا۔

❁......♥......❁
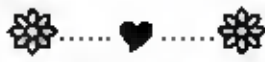
حورین باتھ روم سے نہا کر نکلی تو بستر پر احتشام کو نیم دراز پایا۔ "یہ احتشام گھر کب آئے؟" وہ تھوڑی متعجب ہوکر خود سے بولی' اس وقت سہ پہر کے تین بج رہے تھے دو گھنٹے پہلے ہی احتشام گھر سے نکلا تھا ہمیشہ اس کی واپسی رات گئے تک ہوتی تھی' آج یوں احتشام کو گھر میں پاکر وہ کچھ پریشان سی ہوگئی جس کا وہ بے ساختہ اظہار بھی کرگئی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ اس طرح اچانک گھر آگئے؟"

"کیوں کیا میں گھر نہیں آسکتا اور ویسے بھی یہ میرا گھر ہے' میں جب چاہوں جس وقت چاہوں اپنے گھر آسکتا ہوں' تم کون ہوتی ہو مجھ سے اس طرح کے سوال جواب کرنے والی۔" احتشام نے انتہائی بگڑ کر حورین کو جواب دیا جبکہ حورین متحیر سی منہ کھولے احتشام کو دیکھتی رہ گئی۔ احتشام کا رویہ اس کے ساتھ روکھا پھیکا سہی مگر اس طرح بدتمیزی سے اس نے آج پہلی بار حورین سے بات کی تھی' پہلے تو حورین اچنبھے سے اسے دیکھتی رہ گئی پھر یک دم چھن سے اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا مگر اپنے اندر کی آواز کو اس نے نظر انداز کرکے احتشام کی جانب دیکھ کر جلدی سے نرم خو لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری اگر آپ کو برا لگا میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" حورین کی وضاحت پر احتشام ماتھے پر ناگواری کے بل ڈالے یونہی بستر پر دراز ہوئے اپنے سگریٹ کے پیکٹ سے ایک نکال کر سلگانے لگا' حورین نے ایک نگاہ اسے دیکھا پھر آئینے کے سامنے آکر وہ اپنے گیلے بالوں کو تولیے سے خشک کرنے لگی۔ گہرے جامنی رنگ کے لان کے سوٹ میں دوپٹہ گلے میں ڈالے اپنے کام میں مصروف سی حورین کے عکس کو آئینے میں دیکھ کر احتشام نے اس سے استفسار کیا تھا۔

"تمہارے ابا نے اپنا دواخانہ اور مکان تمہارے نام منتقل کیا ہے نا۔" احتشام کے اتنے غیر متوقع سوال پر حورین کے ہاتھ اچانک ساکت ہوئے تھے' اس نے بے اختیار آئینے کے عقب میں جھلکتے احتشام کے عکس کو دیکھا جو اس وقت سگریٹ نوشی میں مصروف تھا۔ بلیک جینز پر بلیک ہی شرٹ پہنے اپنی گندمی رنگت اور خوب صورت ناک ونقشے سمیت وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا مگر اس کی زبان سے نکلے لفظوں اور انداز نے اس کی وجاہت ودلکشی کو کافی ماند سا کردیا تھا۔

"کوئی الجبرا یا جیومیٹری کا سوال تو نہیں پوچھ لیا تم سے جو مجھے یوں ہونقوں کی طرح دیکھے جارہی ہو۔" احتشام ایک بار پھر بدتمیزی وناگواری سے بولا تو حورین نے سہم کر بے ساختہ سر اثبات میں ہلایا احتشام نے اسے چند ثانیے دیکھا پھر سپاٹ انداز میں بولا۔ "مجھے کچھ رقم کی ضرورت ہے اب چونکہ تم میری بیوی ہو تو تمہاری چیزوں پر میرا بھی حق

ہے اور ویسے بھی جہیز کے نام پر تم ایک سوئی بھی نہیں لے کر آئیں۔"
کیا یہ احتشام ہے؟ کیا یہ وہی احتشام ہے جس کے نام کی انگوٹھی پہن کر وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی، اپنے آپ کو دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی تصور کر رہی تھی' کیا یہ وہی احتشام ہے جس کی مورت بنا کر اس نے اپنے دل کے مندر میں اسے سب سے اونچی مسند پر سجایا تھا' جس کی محبت وچاہت نہ صرف اس کے دل بلکہ روح کے خانوں میں جا بسی تھی جو اس کی پہلی طلب اس کے کنوارے سپنوں کا مالک تھا' اس کے ان چھوئے ارمانوں کا رکھوالا' حورین خالی خالی نگاہوں سے بس اسے دیکھے گئی جو مزید گوہر فشانی کر رہا تھا۔
"مجھے رقم کی سخت ضرورت ہے میں تمہارے مکان اور ابا کی دکان کا سودا کر رہا ہوں۔ مجھے یہ چیزیں اپنے نام کروانے کی ضرورت نہیں ہے اب اتنے لمبے چکر میں کون پڑے جب گاہک پکا ہو جائے گا تو تم کاغذات پر دستخط کر دینا۔" احتشام تو پورا پروگرام بنائے بیٹھا تھا' حورین محض ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھی۔ وہ کچھ بھی بولنے کے قابل ہی کہاں رہی تھی۔ احتشام اپنی بات پوری کر کے بستر سے اٹھا' کچھ خیال آیا تو بت بنی حورین کی طرف گھوم کر آیا۔
"اور ہاں اس بات کی خبر اماں ابا کو ہرگز نہیں ہونی چاہیے اگر ایسا ہوا تو تمہارا بہت برا حشر کروں گا میں۔" یہ کہہ کر احتشام تیزی سے باہر نکل گیا جبکہ حورین ایک بے جان پتلے کی مانند بے حس وحرکت نجانے کتنے پل یونہی کھڑی رہی۔

❁......♥......❁
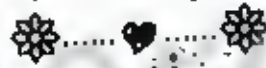
سمیر انتہائی ریش ڈرائیونگ کر کے خاور ولا پہنچا تھا وہ افضل کے ہمراہ تیزی سے خاور کے کمرے کی جانب آیا اس پل کمرے میں گہری خاموشی تھی' سمیر نے جلدی سے دروازہ زور سے بجایا۔
"خاور..... خاور دروازہ کھولو میں ہوں سمیر! پلیز دروازہ کھولو۔" سمیر اونچی آواز میں بولا مگر دوسری جانب ہنوز خاموشی رہی سمیر نے انتہائی متفکر ہو کر افضل کو دیکھا وہ بھی اپنے مالک کے لیے کافی پریشان دکھائی دیا۔
"فار گاڈ سیک خاور دروازہ کھولو! ہم تمہارے لیے پریشان ہو رہے ہیں تم ٹھیک تو ہو نا..... خاور..... خاور فوراً دروازہ کھولو ورنہ میں دروازہ ابھی اسی وقت توڑ رہا ہوں۔" سمیر اب اچھا خاصا حواس باختہ ہو رہا تھا اس نے بری طرح دروازے کو پیٹ ڈالا مگر کوئی جواب نہیں آیا۔
"میرے خیال میں افضل ہمیں دروازہ توڑنا ہی پڑے گا تم ذرا پیچھے ہٹو۔" سمیر جلدی سے بولا تو ملازم ایک جانب کھڑا ہو گیا سمیر نے دو تین جاندار کک ماری بالآخر دروازے کا لاک ٹوٹ گیا اور وہ کھل گیا' سمیر بے صبری سے اندر داخل ہوا پیچھے پیچھے افضل موجود تھا اندر کا حال دیکھ کر سمیر حیرت زدہ رہ گیا۔

❁......♥......❁

انتہائی طیش کے عالم میں اس نے گھڑی کی جانب دیکھا جو چار بجے کا عندیہ دے رہی تھی۔ اسے اس پل سمیر پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا وہ لنچ اس کے ساتھ ہی کرتا تھا۔ دوپہر بارہ بجے ہی اس نے ساحرہ کو فون کر کے بتایا تھا مگر اب تک سمیر کا کوئی اتا پتہ نہیں تھا ساحرہ کا اس سے رابطہ ہی نہیں ہو رہا تھا' وہ یونہی بھوکی بیٹھی پیچ وتاب کھا رہی تھی حالانکہ ساس نے کئی بار کہا کہ کچھ کھا لے مگر وہ بھی ضد کی بے حد پکی تھی۔

❁......♥......❁
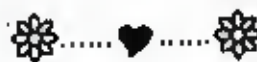
"مجھے رقم کی ضرورت ہے۔ اور ویسے بھی جہیز کے نام پر تم ایک سوئی بھی نہیں لے کر آئیں۔ میں تمہارے مکان اور ابا کی دکان کا سودا کر رہا ہوں۔" احتشام کے جملوں کی بازگشت اسے کبھی بہت دور سے اور کبھی بے حد قریب سے سنائی دے رہی تھی۔ نجانے کتنے لمحوں سے یونہی کھڑی رہی پھر انتہائی اذیت ناک درد محسوس کر کے وہ بے اختیار گھٹنوں کے بل

زمین پر بیٹھتی چلی گئی اس کے دل مندر کا بت بہت بری طرح ٹوٹا تھا جس کی کرچیاں اس کے وجود میں بکھرنے کے ساتھ ساتھ اس کی روح میں بھی اتر گئی تھیں' احتشام حاکم وہ تو کہیں نہیں تھا' اس کا تو اس حقیقت کی دنیا میں سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا وہ تو صرف ایک الوژن تھا ایک ایسا خواب ایسا خیال جسے حورین نے تخلیق کیا تھا' وہ احتشام جو اس کی رگ و پے میں موجود تھا' وہ مجسم نہیں تھا وہ سچائی نہیں تھا صرف اور صرف ایک احساس ایک تصور تھا' جس کا حقیقی دنیا سے کوئی تعلق نہیں تھا حورین ایک شاکڈ کی کیفیت میں بیٹھی اپنے خوابوں کے ٹوٹ جانے پر نوحہ کناں تھی' یہ حقیقت تھی کہ احتشام نے اس سے کبھی کوئی عہد و پیماں نہیں کیے تھے' کبھی اظہار لگاوٹ یا خاص جذبوں کا اسے احساس نہیں بخشا تھا مگر احتشام کی شخصیت کا یہ روپ بھی اس کے لیے ناقابل یقین تھا وہ تو سمجھتی تھی کہ احتشام کی طبیعت میں تھوڑی بے پروائی و غیر ذمہ داری ہے مگر اسے یہ ہرگز نہیں معلوم تھا کہ وہ جذبات و احساسات سے عاری انسان ہے' وہ بے اختیار بے آواز روتی چلی گئی پھر خود سے گویا ہوئی۔

''احتشام آپ مجھے اپنی محبت کا احساس دلا دیتے میرے اندر اپنائیت و خلوص کی روشنی جلاتے تو میں کوئی لمحہ سوچے بنا ہنسی خوشی وہ مکان اور دکان آپ کے قدموں میں ڈال دیتی مگر......! آپ کی نگاہ میں میرے وجود میری ذات' میری ہستی کی کوئی اہمیت کوئی وقعت نہیں' آپ کو چاہت ہے تو صرف میرے مکان اور دکان کی' آپ ایسے کیوں ہیں احتشام کیوں ہیں؟'' حورین بلک بلک کر رو دی۔

❀......❤......❀
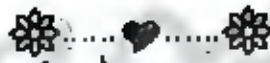
کمرے کی کوئی بھی چیز سلامت نہیں تھی۔ ساری چیزیں ٹوٹی ہوئی چہار سو بکھری ہوئی تھیں' اس پل کمرا کسی کباڑ خانے کا نمونہ پیش کر رہا تھا' سمیر نے تیزی سے نگاہیں ادھر ادھر دوڑائیں تو بستر کے دوسری جانب خاور آڑھا ترچھا اوندھے منہ پڑا نظر آیا' سمیر بکھرے ہوئے سامان سے بچتا بچاتا اس کی طرف آیا اور تیزی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے وجود کو اپنی جانب موڑا خاور اس وقت ہوش و خرد سے بیگانہ تھا' سمیر نے جلدی سے افضل کی مدد سے اسے بستر پر لیٹایا' افضل نے بستر پر موجود چیزوں کو تیزی سے ایک طرف کیا تھا۔

''خاور...... خاور تم ٹھیک تو ہو نا خاور پلیز آنکھیں کھولو۔'' سمیر اس پر جھکا اس کے گال کو تھپک رہا تھا' جب ہی افضل نے سمیر کو پانی کا گلاس تھمایا' سمیر نے پانی کے چھینٹے خاور کے منہ پہ مارے تو وہ ذرا کسمسایا۔

''خاور میں ہوں سمیر پلیز آنکھیں کھولو۔'' سمیر اس کو ہوش میں لانے کے جتن کر رہا تھا جب ہی خاور نے ہوں ہاں کرتے ہوئے آنکھیں کھولی تھیں۔

''اوہ تھینک گاڈ تم نے آنکھیں تو کھولیں۔'' سمیر بولا تو خاور اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔

''اب کیسا فیل کر رہے ہو میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟'' سمیر کے استفسار پر خاور نے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں۔'' خاور کو پوری طرح ہوش میں آتا دیکھ کر سمیر نے افضل کو باہر جانے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے باہر چلا گیا۔

''ہوں اب بتاؤ کیا ہوا تھا تم نے خود کی اور کمرے کی حالت کیوں بگاڑی۔'' سمیر اسے استفہامیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا تو بے ساختہ خاور کی آنکھیں نم ہو گئیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہ بچوں کی طرح زار و قطار رونے لگا۔

''خاور آر یو اوکے......! پلیز ٹیل می کیا ہوا ہے تم کیوں اس طرح رو رہے ہو؟'' سمیر خاور کو یوں روتے دیکھ کر متحیر ہوا وہ جانتا تھا کہ خاور کوئی کمزور دل کا مالک نہیں ہے وہ کافی مضبوط اعصاب رکھتا تھا۔ سمیر نے ہمیشہ یہی دیکھا تھا کہ جب بھی خاور کی راہ میں کوئی سخت مہم در آئی اس نے انتہائی مضبوطی سے اس کا مقابلہ کیا اور اس پر قابو پایا انتہائی نامساعد

حالات کو اپنے قبود میں کر لینا صرف خاور سے کوئی سیکھ سکتا تھا۔ بڑی سے بڑی مصیبت پریشانی سے وہ کبھی نہیں گھبرایا تھا مگر نجانے آج اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا تھا کہ آہنی اعصاب رکھنے والا شخص یوں دل چھوڑ کر بیٹھ گیا تھا۔
''خاور میرے دوست پلیز مجھے بتاؤ کہ آخر ایسی کیا بات ہوگئی جس نے تم جیسے مضبوط انسان کے یوں ہوش وحواس چھین لیے۔'' سمیر پریشانی وحیرت کے ملے جلے انداز میں بولا تو خاور نے انتہائی تکلیف وہ تاثرات سے سمیر کو دیکھا اس پل خاور کی آنکھیں سرخ انگاروں کی مانند ہورہی تھیں۔ پھر جو کچھ خاور نے سمیر کو بتایا سمیر کو لگا جیسے اس نے سننے میں کوئی غلطی کی ہو پہلے تو وہ اسے ٹکر ٹکر دیکھتا رہا پھر آہستگی سے گویا ہوا۔
''کیا کیا تم نے......''

❋......♥......❋
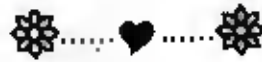
شام کو حورین نیچے آئی تو کبریٰ بیگم کو تخت پر براجمان پایا جو اس وقت ساگ کے پتے چن رہی تھیں حورین کو اس پل احتشام کی دھمکی یاد آ گئی کہ اگر اس بات کا ذکر اماں ابا سے کیا تو وہ اس کا حشر خراب کردے گا بے ساختہ حورین کا دل چاہا کہ وہ خالہ امی کی گود میں سر رکھ کر بے تحاشا رو دے اور انہیں سب کچھ سچ سچ بتادے مگر اس نے خود کو ایسا کرنے سے باز رکھا اور ان سے نگاہیں چرائی ہوئی شام کی چائے بنانے کی غرض سے کچن میں آ گئی جب ہی کبریٰ بیگم کی آواز آئی۔
''حورین بیٹا یہ احتشام آج دوپہر میں ہی گھر آ گیا تھا پھر کچھ دیر بعد چلا بھی گیا تم سے کچھ کہہ رہا تھا کیا؟'' حورین کے ہاتھ یک دم بے جان سے ہوگئے جسم میں گویا سنسناہٹ دوڑ گئی اسے ایک بار پھر احتشام کے ادا کیے ہوئے الفاظ یاد آنے لگے اس نے خود کو سنبھالا اور پھر اپنے لہجے کو حتی الامکان نارمل بناتے ہوئے سرسری انداز اپناتے ہوئے بولی۔
''نہیں خالہ امی مجھ سے تو کچھ نہیں کہا انہوں نے بس تھوڑا سا آرام کرکے پھر چلے گئے۔'' اسے کبریٰ بیگم سے جھوٹ بولتے ہوئے بہت دکھ ہورہا تھا ایک وہی تو ہستی تھیں جن کے وجود سے اسے اپنی ماں کی خوش بو آتی تھی جن کی گود کی حدت اسے اپنی ماں کی گرمی سے مشابہ لگتی تھی۔
''پتہ نہیں کیا گورکھ دھندے ہیں اس احتشام کے صبح وشام جانے کن چکروں میں پڑا رہتا ہے۔'' کبریٰ بیگم کی بڑبڑاہٹ حورین کے کانوں تک پہنچی تو حورین نے بڑی بے دردی سے اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو اپنے پلو سے رگڑا تھا۔

❋......♥......❋
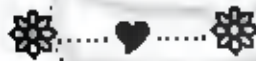
ڈرائیونگ کرتے سمیر کے ہاتھ بار بار اسٹیئرنگ پر بہک جاتے تھے اس کا دماغ جیسے سن سا ہوگیا تھا۔ حیرت انگیز سوچیں متفکرانہ خیالات اس کے دل ودماغ کو آکٹوپس کی طرح جکڑے ہوئے تھے یہ حقیقت تھی کہ خاور نے اسے اس وقت بری طرح متوحش کردیا تھا وہ تھکے ماندہ اعصاب سمیت جب گھر پہنچا تو ساحرہ بم کی مانند اس کے سر پر پھٹنے کو بالکل تیار تھی۔ سمیر نے جب ساحرہ کو خطرناک تیوروں سے گھورتے پایا تو وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔
''ایم سوری ساحرہ دراصل خاور کی اچانک طبیعت......!'' جواباً ساحرہ کے جو منہ میں آیا وہ بولتی چلی گئی اور اس پل سمیر کو یہ شدت سے احساس ہوا کہ ساحرہ جیسی خود پسند خود غرض اور مغرور عورت سے شادی کرکے اس نے زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر ڈالی۔ بولتے بولتے جب ساحرہ کی طبیعت خراب ہونے لگی تو سمیر انتہائی پریشان ہوکر اس کے پاس آیا۔
''ساحرہ پلیز ریلیکس ہوجاؤ اتنا غصہ بچے کی صحت پر برا اثر ڈال سکتا ہے۔'' سمیر کو بچوں سے بے حد پیار تھا وہ اپنے ہونے والے بچے کے معاملے میں بہت حساس تھا۔ سو ساحرہ کا اتنا منفی رویہ بھلا کر اس کی دل جوئی کرنے لگا۔

''اونہہ! یہ بچہ بھی صرف تمہاری ضد اور خواہش کا نتیجہ ہے ورنہ میں اس جھنجٹ میں ہرگز نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ مجھے اپنی لائف بھرپور طریقے سے انجوائے کرنی تھی اور تم نے مجھے اس جنجال میں پھنسادیا۔'' وہ نخوت سے زہر اگل رہی تھی اور سمیر شاہ اسے بھونچکا سا دیکھ رہا تھا۔ شادی سے پہلے اسے اس بات کا تو اندازہ تھا کہ ساحرہ کچھ آزاد خیالات کی مالک لڑکی ہے مگر اسے یہ ہرگز معلوم نہیں تھا کہ وہ اس طرح کی سوچیں رکھتی ہے۔

''ساحرہ یہ کیا تم بچوں جیسی باتیں کررہی ہو ماں بننا تو ہر عورت کا اولین خواب ہوتا ہے اس کی تکمیل اس کی ذات کے مکمل ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے ارے خوش نصیب ہوتی ہیں وہ عورتیں جو ماں جیسے اونچے اور انمول منصب پر فائز ہوتی ہیں اور تم کتنی ناشکری عورت ہو اتنی بڑی نعمت اور اعزاز کو جنجال کہہ رہی ہو۔'' سمیر افسوس و تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے بولتا چلا گیا۔

''او جسٹ ربش یہ تم مڈل کلاس مردوں جیسی باتیں مت کرو، ہم پانچ سال کی پلاننگ تو کرسکتے تھے نا۔''

''جب قدرت تمہیں خود اپنا اتنا انمول تحفہ دینا چاہ رہی تھی تو کیا تم اس کو ٹھوکر ماردیتیں؟''

''ہاں میں ایسے ہی کرتی اگر مجھے بروقت معلوم ہوجاتا تو۔'' ساحرہ ناک بھوں چڑھا کر بولی تو سمیر سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ اسے لگا کہ تمام الفاظ بے معنی ہوگئے ہیں وہ مزید اس سے الجھے بغیر خاموشی سے اپنے کمرے سے باہر چلا گیا۔

❁......♥......❁

ریزہ ریزہ ہے میرا عکس تو حیرت یہ ہے محسن
میرا آئینہ سلامت ہے تو پھر ٹوٹا کیا ہے؟

وہ کتنی دیر سے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے بیٹھی خالی خالی نگاہوں سے اپنے عکس کو دیکھے گئی ابھی تھوڑی دیر پہلے احتشام اس سے کاغذات پر دستخط کروا کر گیا تھا اس نے اس کا گھر اور باپ کی دکان جس میں انہوں نے دواخانہ کھول رکھا تھا بیچ ڈالا تھا' حورین نے احتشام سے یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ اس نے کن کے ہاتھوں' کتنی مالیت پر اپنے والدین کی جمع پونجی کو بیچا' گھر بکنے سے پہلے وہ ایک بار اپنے بابل کے گھر کو دیکھنا چاہتی تھی' ان درودیوار کو چھونا چاہتی تھی اس آنگن میں جاکر بیٹھنا چاہتی تھی جہاں اس کی بچپن کی ہنسی کلکاریاں بسی ہوئی تھیں' ان یادوں کو محسوس کرنا چاہتی تھی جو وہاں کے کونے کھدروں میں بسی ہوئی تھیں مگر اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی' احتشام نے سب کچھ اتنا جلدی کیا پھر اسے احتشام سے بھی کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی تھی اور احتشام نے بھی اسے کچھ نہیں بتایا تھا اتنی بڑی رقم اسے کس کام کے لیے چاہیے تھی اور اس رقم سے وہ کیا کرنے والا تھا' حورین کو اس نے کچھ نہیں بتایا تھا جبکہ اس کارنامے سے کبریٰ بیگم اور حاکم دین بالکل لاعلم تھے۔

❁......♥......❁
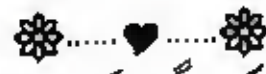
ملک سے باہر جانا اور وہاں جاکر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا احتشام حاکم کا دیرینہ خواب تھا جو محض چند قدم کی دوری پر تھا وہ آج بے حد خوش تھا کیونکہ اسے بیرون ملک کا ویزا ملنے والا تھا' پھر کچھ دنوں بعد وہ یہ ملک چھوڑ کر جانے والا تھا جہاں اس نے صرف مفلسی و مشکلات سے پر زندگی گزاری تھی' لڑکوں کو باہر جانے کا لالچ دینے والی کمپنی نے جب احتشام سے ایک خطیر رقم مانگی تو وہ سوچ میں پڑ گیا تھا بھلا اتنی بڑی رقم وہ کہاں سے لاسکتا تھا۔

''دیکھیے احتشام صاحب ہم تو صرف آٹھ لاکھ روپے مانگ رہے ہیں ورنہ اور کمپنیاں تو بارہ چودہ لاکھ سے کم کی بات ہی نہیں کرتیں۔'' کمپنی کے منیجر نے اپنی گول گول تیز آنکھیں چشمے کے پیچھے سے گھماتے ہوئے کہا تو احتشام بناء

سوچے بغیر جلدی سے بولا۔
"میں...... میں آٹھ لاکھ کا بندوبست کرلوں گا بس آپ کسی طرح مجھے ملک سے باہر بھجوادیں۔"
"آپ آٹھ لاکھ روپے لے آئیے تو سمجھیے آپ کا ویزا بھی آ گیا۔" منیجر کی بات پر احتشام خوش ہوکر وہاں سے نکلا پھر اس نے تمام رات سوچا کہ کس طرح روپوں کا بندوبست کیا جائے کیونکہ ابا سے اسے ایک آنے کی بھی امید نہیں تھی' سوچتے سوچتے اچانک اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا کسی خیال کے تحت اس کی آنکھوں میں چمک سی آ گئی' حورین اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی' لہٰذا اپنے باپ کی جائیداد کی بھی تنہا وارث تھی احتشام کے ذہن میں یہ ترکیب آئی کہ حورین سے شادی کرکے اس کی جائیداد کو بیچ کر یہ رقم حاصل کرلی جائے۔ لہٰذا محض حورین کے گھر اور اس کے ابا کی دکان کی خاطر اس نے ماں باپ پر حورین سے شادی کرنے پر زور ڈالا تھا بیچارے احتشام کے سادہ لوح والدین احتشام کی نیت اور اس کے ارادوں کو سمجھ نہیں سکے تھے۔ اس نے بہت عجلت میں یہ دونوں چیزیں فروخت کی تھیں حالانکہ اسے اور بھی اچھے دام مل سکتے تھے مگر اس پر تو ملک سے باہر جانے کا جنون سوار تھا' خرید و فروخت کی جب تمام فارمیلیٹیز پوری ہوئیں اور رقم احتشام کے ہاتھ میں آئی تو اسی دن وہ رقم اس کمپنی کے حوالے کرآیا اور بڑی بے صبری و بے قراری سے اپنے ویزے کے آنے کا انتظار کرنے لگا جنہوں نے اسے ایک ہفتے کا وقت دیا تھا۔

❀......♥......❀

آج کل احتشام کا موڈ بہت خوش گوار تھا کبریٰ بیگم اور حاکم دین دونوں احتشام کے مزاج میں اس مثبت تبدیلی پر قدرے حیران اور کافی خوش تھے جب کہ حورین احتشام کی خوش مزاجی کی وجہ سے بخوبی واقف تھی یقیناً ایک بڑی رقم مکان اور دکان کے بیچنے سے اس کے ہاتھ آ گئی تھی مگر وہ اس بات سے قطعاً لاعلم تھی کہ احتشام نے وہ تمام رقم کسی کمپنی کے حوالے کررہی ہے جو اس کے عوض اس کو کسی باہر کے ملک کا ویزا فراہم کریں گے' احتشام کو صرف بیرون ملک جانے سے غرض تھی ملک چاہے کوئی بھی ہو وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ کسی بھی ملک میں جاکر اس کے ہاتھ میں سونے کا انڈہ دینے والی مرغی ہاتھ آ جائے گی اور وہ راتوں رات امیر آدمی بن جائے گا۔ خاور آج احتشام سے ملنے اس کے گھر آیا تھا چونکہ وہ حورین اور احتشام کی شادی میں شرکت نہیں کرسکا تھا لہٰذا خاص طور پر وہ دونوں کے لیے تحائف بھی لایا تھا۔ سویٹی کا معاملہ مکمل طور پر سرد ہوگیا تھا کیونکہ رجاء خاور ہی کی طرح کسی امیر زادے کو بلیک میل کرنے کے چکر میں پکڑی گئی تھی اور اس نے یہ سب بھی اگل دیا تھا کہ اس نے خاور حیات کو سویٹی اور ابراہیم خاکوانی کے کہنے میں اسکینڈلائز کیا تھا۔ احتشام خاور سے مل کر بہت خوش ہوا تھا۔
"یار میں کل شام تمہارے گھر آیا تھا تم سے ملنے مگر تمہارے ملازم نے بتایا کہ تم سو رہے تھے سفر کی تھکان شاید ابھی تک اتری نہیں۔" احتشام ہلکے پھلکے انداز میں گویا ہوا تو خاور قدرے نظریں چرا کر بولا۔
"ہاں ابھی میرے سونے جاگنے کی روٹین سیٹ نہیں ہوئی اس لیے۔" پھر مسکرا کر احتشام کی جانب دیکھتے ہوئے کچھ افسوس سے کہا۔
"دیکھو نا یار ہم تینوں ہمیشہ ساتھ ساتھ رہتے تھے ایک ساتھ گھومتے پھرتے' کھاتے پیتے تفریح وغیرہ کرتے تھے اور دیکھو تم دونوں کی ہی شادی میں' میں شرکت ہی نہیں کرسکا اس بات کا مجھے بہت افسوس رہے گا۔"
"ایمان سے یار ہم نے بھی تجھے بہت مس کیا تھا' میری شادی تو کافی سادگی سے ہوئی تھی مگر سمیر کی شادی تو دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔" احتشام کی بات پر خاور نے لحظہ بھر کو اسے دیکھا پھر کچھ سوچ کر اسے مخاطب کرتے ہوئے گویا ہوا۔
"احتشام تم تو فی الحال شادی کرنے کے سخت خلاف تھے پھر اچانک تم نے کیسے شادی کرلی۔ یقیناً تمہارے

سنہری باتیں

- بُرے دوستوں سے بچو کیونکہ وہ تمہارا تعارف بن جاتے ہیں۔
- جب تک کسی سے بات چیت نہ کرو اسے حقیر نہ جانو۔
- تحریر ایک خاموش آواز ہے اور قلم ہاتھ کی زبان ہے۔
- دولت کے بھوکے کو کبھی حقیقی سکون نہیں ملتا۔
- ہر ناکامی کے بعد کامیابی حاصل ہوتی ہے شرط یہ ہے کہ ناکامی کے بعد مایوس نہ ہوا جائے۔
- دشمنوں کو نیک مشورے سے شکست دو اور دوستوں کو اخلاق وانکسار سے اپنا گرویدہ بناؤ۔
- عورت مصیبت اور غم کو کم کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔
- امید کا دوسرا نام غریبوں کی قوت ہے۔
- بہترین قول ذکر ہے، بہترین فعل عبادت اور بہترین خصلت علم ہے۔
- ایسے فائدوں سے پرہیز کرو جو دوسروں کے لیے نقصانات کا باعث ہوں۔

مسز نگہت غفار...... کراچی

والدین نے تمہیں مجبور کیا ہوگا۔'' خاور کے آخری جملے پر احتشام بھنویں چڑھا کر زعم سے بولا۔

''اس دنیا میں ایسا کوئی بھی شخص نہیں ہے جو احتشام کو مجبور کرسکے، میں نے یہ شادی اپنی مرضی اور اپنی غرض کی بناء پر کی ہے۔''

''اپنی غرض......'' خاور نے اسے قدرے چونک کر دیکھا جبکہ خاور سے ملنے کی غرض سے اندر آتی کبریٰ بیگم بے ساختہ چوکھٹ تھام کر رہ گئیں۔

''حورین بھابی سے شادی تم نے کسی غرض کی بناء پر کی' آخر کیا غرض ہے تمہاری؟'' خاور کی آواز ابھری تو کبریٰ بیگم کے دل کی دھڑکنیں بری طرح بے ترتیب ہوگئیں۔

''مجھے باہر جانے کے لیے رقم کی بے پناہ ضرورت تھی جب کہ حورین کے والدین نے جائیداد کے نام پر دو ڈربے نما مکان اور چھوٹی سی دکان اس کے حوالے کی تھی بس اسی غرض کی بناء پر میں نے حورین سے شادی کرلی۔'' احتشام کے اتنے خود غرضانہ انداز اور بے حس وسفاک لفظوں کو سن کر کبریٰ بیگم مارے صدمے و حیرت سے گنگ رہ گئیں۔ دونوں لڑکوں کی دروازے کی جانب پشت تھی لہٰذا دونوں کو معلوم نہیں ہوسکا کہ پیچھے کھڑی کبریٰ بیگم سب جان گئی ہیں وہ اپنے ریزہ ریزہ وجود کو بمشکل سمیٹ کر اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔ مزید کچھ اور سننے کی ان میں تاب نہیں تھی نہ سننے کی ضرورت تھی وہ جان گئی تھیں کہ احتشام اب ہر حد سے گزر چکا ہے۔

''تو حورین بھابی وہ دونوں چیزیں تمہارے حوالے کردیں گی؟''

''اس کی میرے سامنے انکار کی مجال بھی نہیں تھی' بہرحال میں نے دونوں چیزیں بیچ کر رقم کمپنی میں جمع کروادی ہے بس اب تو مجھے اپنے ویزے کا انتظار ہے۔'' آخر میں وہ انتہائی جوش سے بولا تو خاور محض اس کو دیکھتا رہ گیا جب ہی آتشی گلابی شلوار سوٹ میں دوپٹہ سلیقے سے سر پر جمائے حورین لوازمات سے بھری ٹرے لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی خاور اسے دیکھ کر احتراماً کھڑا ہوا اور اسے شادی کی مبارک باد دی۔ حورین احتشام کے کہنے پر وہیں صوفے پر ٹک

گئی کسی بھی طرح کے میک اپ سے عاری چہرہ لیے حورین اس پل گلاب کے پھول کی مانند لگ رہی تھی سوٹ کے رنگ کا عکس اس کے چہرے کو انتہائی دلکش و دل فریب بنا رہا تھا۔

''ارے حورین بھابی آپ تو کہیں سے بھی نئی دلہن نہیں لگ رہیں اب اتنی سادگی بھی اچھی نہیں ہوتی۔'' خاور ہنستے ہوئے حورین سے بولا تو وہ گڑبڑا سی گئی۔ بے اختیار اس نے احتشام کو دیکھا جو چائے کی پیالی کی جانب متوجہ تھا۔

''جی بس ایسے ہی۔'' وہ فقط اتنا ہی کہہ سکی پھر اس نے بڑی محبت سے اسے تحفے پیش کیے تو وہ لینے میں تامل برتنے لگی کیونکہ وہ سب کافی قیمتی تھے جبکہ خاور بے حد اصرار کر رہا تھا۔

''خاور بھائی میں ان میں سے ایک تحفہ لے لیتی ہوں اتنے سارے تحفوں کی کیا ضرورت؟'' اس نے پرفیوم کے سیٹ کا ڈبہ اٹھاتے ہوئے کہا جب کہ اس کے علاوہ وہ جیولری سیٹ ریسٹ واچ کا خوب صورت سا سیٹ اور کاسمٹکس کی چیزیں بھی لایا تھا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔'' خاور تھوڑا خفا ہو کر بولا پھر احتشام کو مخاطب کر کے گویا ہوا۔ ''احتشام یہ سب چیزیں میں اتنے خلوص و محبت سے لایا ہوں اور دیکھو تمہاری وائف یہ سب لینے سے انکار کر رہی ہے تم ہی سمجھاؤ نا انہیں۔''

''حورین لے لو سب خاور کوئی غیر نہیں ہے میرے بھائی جیسا ہے۔'' احتشام کے کہنے پر اب حورین کے پاس انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی لہٰذا وہ نگاہیں جھکا کر دھیرے سے شکریہ کہہ کر رہ گئی۔ جب ہی خاور مطمئن ہو کر احتشام کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بھئی احتشام میں نے سمیر اور تمہاری دعوت کا پروگرام بنایا تھا مگر سمیر کی وائف کی آج کل طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو تم دونوں میرے ساتھ ڈنر پر چلنا۔''

''کیوں نہیں یار جب تم کہو ہم چلنے کو تیار ہیں۔'' احتشام خوش مزاجی سے بولا تو خاور احتشام کے والدین کی بابت دریافت کرنے لگا۔ جب ہی اچانک حورین کو کبریٰ بیگم کا خیال آیا وہ جب چائے بنا رہی تھی تو وہ حورین سے یہ کہا تھا۔

''میں ذرا خاور سے مل لوں بہت عرصے بعد آیا ہے۔'' حورین کو یک دم کبریٰ بیگم کی فکر لاحق ہوئی تو وہ چائے کے برتن اٹھانے کے بہانے خود بھی وہاں سے اٹھ کر چلی آئی۔

❀......♥......❀

سمیر خاور سے اس دن کے بعد سے ملنے کی کوشش کر رہا تھا جبکہ خاور جان بوجھ کر سمیر کو نظر انداز کر رہا تھا ابھی بھی وہ بغیر فون کیے خاور کے گھر پہنچا تا کہ اسے پکڑ سکے مگر ملازم نے بتایا کہ وہ اپنے دوست کے گھر گئے ہوئے ہیں۔

''کس دوست کے گھر گئے ہیں کچھ بتا کر گئے ہیں؟'' سمیر کچھ سوچتے ہوئے بولا تو ملازم نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''مجھے معلوم ہے خاور کہ تم جان بوجھ کر مجھ سے ملنے اور بات کرنے سے کترا رہے ہو یہ تم اچھا نہیں کر رہے خاور تمہیں مجھ سے بات تو کرنی ہی پڑے گی۔'' ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ مسلسل خاور کی بابت سوچ رہا تھا۔ جب گھر پہنچا تو اس کی امی اور چھوٹی بہن نے گھبرا کر اسے بتایا کہ ساحرہ کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے اسے فوراً ہاسپٹل لے کر جانا پڑے گا یہ سنتے ہی اس نے جلدی سے اپنے کمرے کی جانب دوڑ لگائی۔

❀......♥......❀

حورین مجرموں کی طرح سر جھکائے کبریٰ بیگم اور حاکم دین کی سامنے بیٹھی ہوئی تھی احتشام خاور کے ساتھ ہی باہر نکل گیا تھا۔ حورین جب کبریٰ بیگم کے کمرے میں آئی تو انہیں گم صم بیٹھا دیکھ کر پریشان ہی ہوگئی حورین کے استفسار پر کبریٰ بیگم نے احتشام کی تمام گفتگو اسے سنائی اور پھر آخر میں جب کڑے تیوروں سمیت براہ راست اس

اچھی باتیں

❁ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ مشترکہ ملکیت پر کبھی نہ کبھی جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔

❁ زندگی سے پیار کریں کیونکہ یہ صرف ایک بار ملتی ہے۔

❁ آپ جانتے ہیں کہ خوشیوں کے ساتھ غم کیوں ہوتے ہیں تاکہ ہماری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے۔

❁ دوسروں سے لگائی گئی توقعات آپ کو ہمیشہ دکھی کر دیتی ہیں' بہتر یہی ہے کہ خود کو دکھی نہ کریں۔

❁ کبھی بھی اپنوں سے ایسی لڑائی نہ لڑنا کہ لڑائی تو جیت جاؤ مگر اپنوں کو ہار جاؤ۔

❁ زندگی کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ یہ ہم سے صرف ایک بار روٹھتی ہے۔

نشاط کامران...... کراچی

سے پوچھا کہ مکان اور دکان احتشام کے حوالے کر دی ہے؟ تو جواباً وہ اپنا سر جھکا گئی اور کبریٰ بیگم سب کچھ جان گئیں اور بے اختیار رونے لگیں حورین بھی ان کو سنبھالتے سنبھالتے رونے لگی جب ہی حاکم دین گھر میں داخل ہوئے اور دونوں کو یوں روتے دیکھا تو بے تحاشا گھبرا گئے اور جب انہیں کبریٰ بیگم کی زبانی سچائی کا علم ہوا تو انہیں بھی بے تحاشا صدمہ پہنچا' کافی دیر تک وہ کچھ بول ہی نہیں سکے تینوں نفوس رات کا کھانا بھلائے یونہی گم صم بیٹھے تھے جب احتشام کی بائیک کی آواز گونجی تھی حورین کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔ یقیناً خالو احتشام پر بہت زیادہ گرجنے برسنے والے تھے اور پھر ہوا بھی یہی۔

''اوہ تو تم نے اماں ابا کو سب کچھ بتا دیا تمہیں میں نے کہا تھا کہ خاموش رہنا اب دیکھو کیا کرتا ہوں میں تمہارے ساتھ؟'' احتشام خطرناک تیوروں سے اسے گھورتے ہوئے بولا تو حاکم دین زور سے دہاڑے۔

''خبردار احتشام اگر حورین پر تم نے کوئی سختی کی' اس بے چاری نے تو ہمیں کچھ نہیں بتایا تمہاری ماں نے خود تمہارے منہ سے تمہاری گوہر فشانی سنی ہے جو تم خاور کے سامنے بیان کر رہے تھے۔'' یہ سن کر احتشام لمحہ بھر کو گڑبڑایا مگر پھر دوسرے ہی پل ڈھٹائی و بدتمیزی سے بولا۔

''وہ چیزیں میری بیوی کی تھیں میں انہیں بیچ دوں یا آگ لگا دوں آپ لوگ کون ہوتے ہیں درمیان میں بولنے والے۔''

''کیا......؟ کہیں تو نے وہ دونوں چیزیں بیچ تو نہیں دیں۔'' حاکم دین کے دل میں پرزور خدشے نے سر ابھارا تو وہ کپکپاتے لہجے میں گویا ہوئے۔

''ہاں بیچ دیں میں نے! کیونکہ مجھے اس ملک سے باہر جانا ہے' یہاں کیڑے مکوڑوں کی طرح سسک سسک کر زندگی گزارنا مجھے قطعاً منظور نہیں' سمجھے آپ دونوں۔'' وہ چلا چلا کر بولتا رہا جبکہ دونوں میاں بیوی بھونچکا سے اس کی جنون بھری کیفیت کو دیکھتے رہ رہے۔ احتشام بک جھک کر کمرے سے باہر نکلا تو بے اختیار حورین کے منہ سے ایک سسکی برآمد ہوئی پھر وہ بھی چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئی۔

❁......♥......❁

ساحرہ نے ایک صحت منداور خوب صورت سے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ یمیر شاہ کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہ تھا' سوائے ساحرہ کے سب ہی اس ننھے مہمان کی آمد سے بے پناہ خوش و پرجوش تھے۔

''دیکھو ساحرہ ہمارا بیٹا کتنا خوب صورت ہے بالکل اپنے باپ پر گیا ہے۔'' وہ فرط مسرت سے بولا تو ساحرہ نے

زمانے بھر کی بیزاری چہرے پر سجاتے ہوئے ایک نگاہ اسے دیکھا دوسرے ہی پل اسے اس گول گوتھنے پر بے اختیار پیار آ گیا مگر سمیر کی موجودگی کے خیال سے وہ اپنے جذبات پر قابو پا کر تنک کر بولی۔

''سمیر اب تم مجھ سے یہ امید مت رکھنا کہ میں ساری ساری رات جاگ کر اسے سنبھالوں گی میں اپنی نیند کی قطعی قربانی نہیں دے سکتی اور پھر میری آنکھوں کے نیچے حلقے بھی پڑ جائیں گے میری ہیلتھ خراب ہو جائے گی۔''

''ساحرہ ڈارلنگ تم اس بات کی بالکل فکر مت کرو امی اور طوبیٰ (چھوٹی بہن) وہ سب کر لیں گے اور پھر میں اس کے لیے ایک گورنس بھی رکھ لوں گا۔'' وہ اس وقت مکمل طور پر اپنے بچے میں مگن تھا' ساحرہ کی بات پر بغیر برا منائے بولا تو وہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔

❀......♥......❀
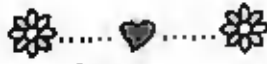
وہ شام کو صحن کے ایک جانب بنے چھوٹے سے باغیچے میں پانی دے رہی تھی جب ہی مضمحل سے حاکم دین وہاں آ کر بید کی کرسی پر آ بیٹھ گئے۔ آج انہوں نے دکان نہیں کھولی تھی صبح وہ کافی بوجھل طبیعت لے کر اٹھے تھے لہٰذا انہیں دکان جانے کی ہمت نہیں ہوئی پھر حورین اور کبریٰ بیگم کے اصرار پر انہوں نے گویا چھٹی کر لی تھی۔

''خالو جان اب آپ کی طبیعت کیسی ہے' کمزوری اگر ابھی بھی محسوس ہو رہی ہے تو پلیز میرے ساتھ ڈاکٹر کے پاس چلیں۔'' حورین انہیں متفکرانہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی تو وہ اس کی بات پر ایک تھکن زدہ مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر محض ایک سرد آہ بھر کر رہ گئے۔ حورین نے انہیں سوچوں میں غلطاں پایا تو ایک بار پھر انہیں مخاطب کر کے بولی۔

''کیا ہوا خالو جان کیا سوچ رہے ہیں آپ؟ مجھے بتائیں نا کہ آپ اب کمزوری تو محسوس نہیں کر رہے۔'' حورین سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ان کے قریب آ کر تشویش زدہ لہجے میں بولی تو حاکم دین نے انتہائی پرشفیق نگاہوں سے اسے دیکھا پھر بہت حلاوت سے بولے۔

''میری بیٹی میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم ہماری سگی اولاد نہیں ہو مگر ہمارے دکھ درد اور تکلیف کا اس قدر احساس ہے اور ایک وہ ہے میرے اپنے وجود کا حصہ میرا اپنا خون غیروں سے بدتر نالائق نانہجار......!'' آخر میں ان کا لہجہ مشتعل سا ہو گیا۔

''خالو جان آپ پلیز ایسا مت کہیں' میں آپ کی سگی بیٹی نہیں ہوں مگر سچ میں' میں آپ کو اپنے ابا جیسا سمجھتی ہوں' آپ اور خالہ امی ہی میرے ماں باپ ہیں میری دنیا میری کل کائنات ہیں۔'' حورین ان کے قریب دوزانو بیٹھ کر بھیگے لہجے میں بولی تو حاکم دین نے دست شفقت اس کے سر پر رکھا۔

''تم بھی ہمیں بہت پیاری ہو' بہت عزیز ہو میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر والدین کو تم جیسی نیک فطرت نرم دل اور سعادت مند بیٹی عطا کرے! بس تم اس بے بس اور لاچار باپ کو معاف کر دینا ہم نے تمہارے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر ڈالی بیٹا۔'' حاکم دین اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکے بے اختیار ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے' جنہیں دیکھ کر حورین بری طرح تڑپ اٹھی۔

''یہ کیا کہہ رہے ہیں خالو جان آپ پلیز روئیے مت ورنہ میں بھی رونا شروع ہو جاؤں گی۔''

''نہیں حورین پہلے اس بے بس باپ کو تم معاف کر دو۔''

''باپ بیٹیوں سے معافی نہیں مانگتے خالو جان۔''

''میں...... میں شاید تمہارا گناہ گار ہوں بیٹی دراصل احتشام نے تمہارے باپ کی زندگی میں ہی تم سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔'' حاکم دین کے اس جملے پر حورین نے انہیں انتہائی اچنبھے سے دیکھا' ان کے دل میں اس بات کا

در قفس سے پرے جب صبا گزرتی ہے
کسے خبر کہ اسیروں پہ کیا گزرتی ہے
تعلقات کبھی اس قدر نہ ٹوٹے تھے
تری یاد بھی بادل سے خفا گزرتی ہے
وہ اب ملے بھی تو ملتا ہے اس طرح
بجھے چراغ کو چھو کر جیسے ہوا گزرتی ہے
بھنور سے بچ تو گئیں کشتیاں مگر اب کے
دلوں کی خیر کہ موجِ بلا گزرتی ہے
تو پوچھو اپنی انا سے بغاوتیں محسن
در قبول سے بچ کر دعا گزرتی ہے

انتخاب: ہالہ سلیم...... کراچی

بوجھ تھا کہ انہوں نے حورین سے اتنی بڑی سچائی کو چھپایا تھا' یہ بوجھ انہیں دن رات کچوکے لگاتا تھا سو آج ہمت کر کے انہوں نے حورین کو سب کچھ بتانے کی ٹھان لی اور حورین ایک کربناک اذیت کی لہر میں گھری وہ تمام باتیں سنتی رہی۔

''ہمارے کہنے پر میر بیٹے نے تمہارے ابا سے بات کی اور وہ نصیب کا مارا یہ بات جان کر اسی رات یہ دنیا چھوڑ کر چلا گیا۔'' اپنی بات مکمل کر کے حاکم دین ایک بار پھر رونے لگے' اسی پل حورین جیسے ہوش میں آئی' اس نے بے اختیار ان کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھاما۔

''میری بات غور سے سنیے خالو جان! ان ساری باتوں میں آپ کا کوئی قصور نہیں اور نہ ہی خالہ امی کا' یہ سب میرے نصیب میں لکھا تھا اور نصیب کا لکھا ٹالا نہیں جا سکتا ابا جان آپ کو میری قسم اگر آج کے بعد آپ نے خود کو موردالزام ٹھہرایا تو......!'' حورین نے انہیں مسلسل آنسو بہاتے دیکھا تو ان کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر آج پہلی بار ابا جان کہہ کر مخاطب کیا جبکہ حاکم دین نے فوراً اس کی بات کو قطع کر کے کہا۔

''کچھ غلط مت بولنا میری بیٹی ٹھیک ہے ہم اپنے آپ کو خطاکار نہیں سمجھیں گے بس تو سلامت رہے تجھے زندگی کی تمام خوشیاں ملیں' آمین۔'' حورین ان کی بات پر دھیرے سے مسکرا دی جبکہ چند قدم کے فاصلے پر تخت پر ایستادہ کبریٰ بیگم بھی یہ سب سن اور دیکھ کر بھیگی آنکھوں سے حورین کی مسکراہٹ کی دائمی ہونے کی دعا کرنے لگیں۔

❀......♥......❀
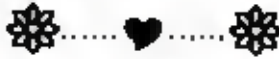
احتشام کو اس پل یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے آسمان سے دھکا دے کر منہ کے بل گرا دیا ہو وہ یک دم ہوا میں معلق ہو گیا ہو۔ اس کے پیروں تلے زمین ہی نہ ہو' اس کے سارے خواب سارے ارادے سارے منصوبے دھرے کے دھرے رہ گئے' اسے اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ اتنا بڑا فراڈ ہو گیا تھا' اسے تو لگ رہا تھا کہ اس کی منزل محض چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہے مگر یہ کیا! جسے وہ منزل سمجھ رہا تھا وہ تو گھاؤں کا دھوکہ محض ایک سراب تھا' احتشام بجائے ایک ہفتہ بعد جانے کے وہ پانچویں دن اس مطلوبہ کمپنی کے آفس پہنچا تھا جنہوں نے اسے ویزا دلوانے کا لالچ دیا تھا' کیونکہ مزید اس سے صبر ہی نہیں ہو رہا تھا وہاں جا کر دیکھا تو اس آفس کا نام و نشان تک نہیں تھا' وہ جیسے صدمے سے پاگل ہونے لگا' آس پاس کے لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ کمپنی فراڈ تھی جو نوجوانوں کو باہر بھیجنے کا لالچ

دے کر لوگوں کے لاکھوں روپے لوٹ کر راتوں رات بھاگ گئے۔"
"نہیں ایسا نہیں ہوسکتا میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ اتنا بڑا فراڈ نہیں ہوسکتا۔" وہ اپنے بالوں کو بری طرح نوچتے ہوئے بولا۔ اس کے لیے یہ صدمہ بہت شدید تھا۔

❀......♥......❀
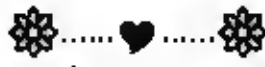
آج کافی دن بعد خاور کلب آیا تھا وہ جم خانے کی جانب چلا آیا ابھی اسے ایکسر سائز شروع کیے بمشکل دس منٹ ہی گزرے تھے کہ پیچھے پیچھے سمیر شاہ چلا آیا تھا۔
"خاور یہ تم ٹھیک نہیں کر رہے؟"
"میں کیا ٹھیک نہیں کر رہا۔"
"مجھ سے کیوں کترا رہے ہو؟"
"میں تم سے کترا نہیں رہا یہ محض تمہارا وہم ہے۔"
"اوہ کم آن خاور میں کوئی ناسمجھ بچہ نہیں ہوں' جسے تم اس طرح بہلا لوگے۔"
"میں اس وقت مصروف ہوں۔"
"تمہاری اس مصروفیت سے زیادہ میری بات زیادہ اہم ہے۔" سمیر نے مشین کا بٹن بند کرتے ہوئے قطعیت بھرے لہجے میں کہا تو یک دم مشین کے بند ہوجانے پر خاور بھی ناچار رکا' اس نے انتہائی ناپسندیدہ نگاہوں سے سمیر شاہ کو دیکھا پھر مشین سے اتر کر دوسری جانب چلا گیا' سمیر شاہ اس کے پیچھے پیچھے ہی چلا آیا۔
"تمہیں میرے پیچھے آنے کے علاوہ کوئی اور کام نہیں ہے کیا؟" وہ انتہائی رکھائی سے بولا تو سمیر شاہ اسے مسکرا کر دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔
"فی الحال اس کام سے ضروری میرے پاس کوئی کام نہیں ہے۔" خاور اسے محض دیکھتا رہ گیا پھر ویٹ اٹھاتے ہوئے ہنوز لہجے میں بولا۔
"سمیر تم میرے ذاتی معاملات میں دخل اندازی نہ ہی کرو تو بہتر ہے۔"
"یہ بات تم خود کو بھی سمجھا لو تو بہتر ہے۔"
"مجھے معلوم ہے کہ کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔"
"میں تمہارا دوست ہوں' تمہارے لیے کیا بہتر ہے اور کیا بہتر نہیں یہ سمجھانا اور بتانا میرا فرض ہے۔" سمیر خاور کو دوبدو جواب دیتے ہوئے بولا تو خاور زچ ہوا۔
"دیکھو سمیر اس وقت میرا موڈ بالکل اچھا نہیں ہے لہٰذا تم مجھ سے ابھی الجھنے کی کوشش مت کرو۔" وہ اپنا بایاں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بےزاری سے بولا تو سمیر محض اسے دیکھتا رہ گیا۔

❀......♥......❀
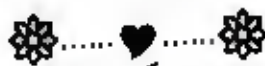
دو دن سے احتشام اپنے کمرے میں بند تھا' اس کا صدمہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا' کبریٰ بیگم' حاکم دین اور حورین کو بھی سب معلوم ہوگیا تھا کہ کمپنی فراڈ تھی' یہ بات حاکم دین کو اپنے دوست کے بیٹے سے معلوم ہوئی تھی۔ جو اخباری رپورٹر تھا۔ تینوں اپنی اپنی جگہ خاموش تھے کسی نے بھی احتشام سے اس حوالے سے بات نہیں کی تھی۔ تیسرے دن خاور احتشام کے گھر آیا اور اسے اس بابت معلوم ہوا تو اس نے احتشام کو کافی تسلی و تشفی دی۔
"یار کیا احتشام تم یوں لڑکیوں کی طرح سوگ منا رہے ہو ارے جب ایک در بند ہوتا ہے تو دس در کھلتے ہیں۔"

”ہوں یہ ایک در کتنی مشکلوں سے مجھے ملا تھا وہ کمپنی ہی فراڈ نکلی۔“ وہ پیچ وتاب کھا کر بولا۔
”تم ہمت مت ہارو حوصلہ رکھو ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی اور راستہ ضرور نکلے گا۔“
”بس یار میں ایک دفعہ یہاں سے چلا جاؤں تو بھول کر بھی میں ادھر کا رخ نہیں کروں گا۔“ احتشام ٹھوس لہجے میں اپنے دائیں ہاتھ کا مکا بنا کر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے بولا تو اسی دم کبریٰ بیگم چائے کی ٹرے اٹھائے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔
”ارے آنٹی آپ نے کیوں تکلیف کی حورین بھابھی لے آتیں۔“
”ارے بیٹا وہ ساتھ والے گھر قرآن خوانی میں گئی ہوئی ہے وہ تو جانا ہی نہیں چاہ رہی تھی میں نے ہی اسے زبردستی بھیجا ورنہ تو ہر وقت کام میں مصروف رہتی ہے۔“ کبریٰ بیگم کے لہجے میں حورین کے لیے محبت وحلاوت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔
”ہوں لگتا ہے ساس بہو میں بہت اچھی نبھ رہی ہے۔“
”ارے وہ میری بہو تھوڑی ہے میری بیٹی ہے بیٹی۔“ خاور ان کی بات پر زور سے ہنسا۔

❋......♥......❋
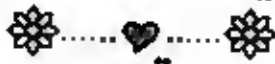
حورین قرآن خوانی ختم ہوتے ہی گھر کی جانب دوڑی تھی‘ شام کے دھندلکے گہرے ہوکر معدوم ہو چکے تھے جبکہ رات کی سیاہی بڑی تیزی سے چہار سو پھیل رہی تھی۔ آج اماوس کی رات تھی آسمان پر گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا‘ حورین کبریٰ بیگم کو مختصراً احوال بتا کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر صحن میں بنے اپنے کمرے کی جانب آئی اس وقت صحن اور کمرے کی لائٹ بھی بند تھی اس کا ارادہ تھا کہ جلدی سے کپڑے بدل کر وہ نیچے آ کر روٹیاں پکا لے گی‘ اپنی جون میں وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی تھی کہ کسی کے وجود سے وہ پوری قوت سے ٹکرائی دو مضبوط ہاتھوں نے اسے گرنے سے بچایا تھا‘ حورین بری طرح گھبرائی اسے لگا کہ احتشام ابھی اس پر برسے گا اسے سخت سست سنائے گا مگر یہ کیا؟ اس نے انتہائی محبت سے حورین کا ہاتھ تھاما‘ حورین کچھ حیران حیران سی گھپ اندھیرے میں احتشام کے وجود کو دیکھے گئی جبکہ اگلے لمحے اس نے اس کی جانب پیش قدمی کی اسی پل کلون اور پرفیوم کی نامانوس مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تو اس نے الجھ کر محض ایک انچ کے فاصلے پر ایستادہ اس وجود کو دیکھنے کی سعی کی جس نے اس سمے اس پر جھکنا ہی چاہا کہ یکلخت احتشام کی تند و تیز آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔
”ایک تو اس گھر میں کوئی آرام سے نہا بھی نہیں سکتا امی پانی ختم ہوگیا ہے موٹر چلائیں۔“
حورین کے بدن میں ہزار والٹ کا گویا کرنٹ دوڑ گیا انتہائی متوحش ہوکر وہ چند قدم پیچھے ہٹی اور اندھیرے میں سرعت سے سوئچ بورڈ کو ٹٹولا‘ کمرا روشنی سے منور ہوگیا جب کہ سامنے کھڑے شخص کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ کر بمشکل اس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر بے ساختہ در آنے والی چیخ کو روکا اس کے کپکپاتے لبوں سے انتہائی دقتوں سے نکلا۔
”آپ......!“

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

داغ دریچہ دوپہر

فرحین اظفر

نیم روشن کمرے میں اس کی سنہری کانچ سی آنکھیں بھادوں برسا رہی تھیں۔ یہ کوئی آج کی بات نہ تھی، قسمت نے رسائی دے کر بھی نارسائی کو اس کا مقدر ٹھہرایا اور یہ مقدر اپنے ہاتھوں کی لکیروں میں اس نے خود بہت شوق سے سجایا تھا۔ بہت چاؤ، ارمانوں سے، اسے خود پر بھروسہ اور اعتماد بھی تو حد سے زیادہ تھا۔ جب ہی تو خود سے بڑھ کر پت جھڑ کی زردی اپنی خوشیوں کے چہرے پر ملتے ہوئے اس کے ہاتھ ذرا نہ کانپے۔ نہ ارادہ ڈولا، نہ دل ڈگمگایا لیکن اب......!

اب ایک کرب مسلسل نے اسے جکڑ رکھا تھا، ایک طویل گمنام منزل کی بے نشان مسافت نے اسے تھکا ڈالا تھا۔ یہ آنسوؤں کا سیل رواں روز بہتا تھا، وہ اپنی ناقدری کا ہر رات جشن مناتی تھی۔ نیند کی پری روز اس کا نم چہرہ بانہوں میں لے کر سوتی اور وہ بیڈ کے دوسرے کنارے پر منہ موڑے محو خواب وجود سے کبھی شکوہ نہیں کرتی تھی۔

ہر دن کا آغاز اللہ تعالیٰ کے شکرانے کے ساتھ ہوتا۔ وہ ایک نئے عزم کے ساتھ نئے دن کی روشنی کو دیکھتی پھر سے جی اٹھتی۔ وہی ایک وجود جو اس کے جیون میں ویرانیاں بھرنے کا ذمے دار تھا اسی ایک وجود کو چلتا پھرتا زندگی میں سانس لیتا دیکھ کر وہ بھی اپنے غم بھلا دیتی۔ ناقدری کا نوکیلا چبھتا رگیں کاٹتا ہوا احساس کہیں سو جاتا، پپڑی زدہ ہونٹ کھل کر سانس لیتے اور وہ لپک جھپک کبھی ناشتہ بناتی، کبھی چائے تو کبھی دودھ......! ناشتے کا دور تمام ہوتا۔

وہ دشمن جاں غم روزگار کا قصد کرتا اور گھر پھر سے ویران ہو جاتا، ذرا دیر کے لیے گھر میں جاگی زندگی پھر سے جبر توں کا لبادہ اوڑھ لیتی۔ وہ بولائی بوکھلائی خالی گھر کی سیاہ دیواروں کو تکتی، اپنی تنہائی پر ہنستی اور اپنے خسارے کو یاد کر کے روتی، یونہی ہنستے روتے شام بیت جاتی رات بھگ جاتی، خاموشی سسکیاں بھرتی اور وہ انتظار کی سولی پر لٹکی آنے والے کی راہ تکتی۔ ناامیدی کی لو بڑھنے لگتی تب کہیں جا کے اس گھر کے دوسرے مکین کی شکل نظر آتی۔ وہ اندر آتا، اس کی نگاہوں میں ٹمٹماتے امید کے دیئے کو ایک سرد نگاہ ڈال کر بجھا دیتا اور پھر بستر پر گر جاتا۔ اس گھر کے یہی شب و روز تھے اور اس گھر کی شاید یہی قسمت تھی۔ اگر یہ واقعی ایک "گھر" تھا تو......!

⊛☐......☐......☐⊛

گھٹن زدہ کمرے میں اونچی چھت کے پاس بالشت برابر روشن دان تھا۔ جہاں سے روشنی دن کے کسی وقت ایک چوکور ڈبے کی صورت میں دھوپ کسی خیرات کی طرح اندر پھینک دیتی، اور وہ کئی دنوں کے بھوکے سائل کی طرح اس دھوپ پر ٹوٹ پڑتی۔ کبھی ہاتھ لہراتی، کبھی چہرہ اس دھوپ کی سیدھ میں کر کے روشن دان سے جھانکتے، شاخاور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی کوشش کرتی۔

وہی دھوپ جب دیوار سے سرک کر زمین پر آتی تو اپنے دونوں پیر اس کی نرم گرم حدت میں رکھ دیتی، وہ قطرہ قطرہ یہ امرت جل پیتی تھی۔ بوند بوند اس تپش کو اپنے اندر اتارتی تھی، ورنہ...... ورنہ اسے ڈر تھا کہ اس نے ایسا نہ کیا، تو اس چار دیواری کے اندر وہ کہیں گل سڑ نہ جائے۔ چار دیواری ایک دروازے اور ایک روشن دان پر مشتمل اس کمرے میں ایک اٹیچ باتھ روم تھا اور شاید زندگی گزارنے کے لیے یہ ایک واحد سہولت جس سے اسے اپنا آپ ابھی تک انسان لگا کرتا۔ وہ کتنے دن سے یہاں قید تھی۔ کوئی اندازہ نہ تھا، کیوں قید تھی، کچھ پتہ نہ تھا اور کب تک رہنے والی تھی...... اللہ جانے......!

اس اونچی بہت اونچی سیلن زدہ قبر میں نہ گھڑی تھی نہ

کھڑکی نہ ٹی وی نہ موبائل ہاں ایک عورت کی آمدورفت ضرور تھی جس کے ہاتھوں میں تین ٹائم کھانے کی ٹرے ہوتی۔ وہ ٹرے رکھ کر خاموشی سے اس کے کمرے سے نکل جاتی اور اس کے نکلنے کے بعد وہ ہمیشہ پاگلوں کی طرح دروازہ پیٹتی...... اور پیٹتی رہ جاتی۔ اس کی آواز ویران بیابان جنگل میں گونجتی کسی بےبس بھٹکے گمراہ مسافر کی طرح پلٹ کر خود اس ہی تک آن پہنچتی...... ہاتھ تھک جاتے جسم نڈھال ہوجاتا سانس پھول جاتی اور وہ خود...... پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی اسی دروازے کی دہلیز پر گر جاتی۔

❂❒......❒......❒❂

چاندنی راتوں کے بارے میں پورے گاؤں میں مشہور تھا کہ ان راتوں میں پورے گاؤں میں بدروحیں بھٹکتی پھرتی ہیں کئی بار چاندنی راتوں میں گاؤں میں ایسے واقعات ہوئے کہ اس عقیدے پر گاؤں والوں کا یقین پکا ہوتا گیا۔ ایک رات اچانک ہی چھوٹے زمیندار کی بیٹی گھر سے غائب ہوئی اور تین دن بعد گاؤں کی حدود سے باہر پیر صاحب کے مزار کے احاطے میں صبح فجر کے وقت مردہ پائی گئی۔ ایسے ہی ایک چودھویں شب کمہار کے گھر کے کچے میں سوکھے سارے برتن ٹوٹ گئے اسی رات فضلو کسان کے بیٹے کو ایک زہریلے ناگ نے اس کے بستر پر چڑھ کر ایسا ڈسا کہ وہ بنا پانی مانگے رات کے رات ہی بستر پر دم توڑ گیا۔ پورے گاؤں میں دہشت پھیل گئی۔

پورے چاند کی راتیں منحوس قرار پائیں ان راتوں میں مغرب کے بعد ہی پورے گاؤں میں سناٹا بولنے لگتا۔ لوگ اپنے گھروں میں دبک جاتے دکانوں کے شٹر گرادیے جاتے کوئی تقریب نہیں رکھی جاتی گاؤں گوٹھوں میں تو یوں بھی مغرب کے بعد ہی رات کا کھانا کھا کر فراغت کرلی جاتی ہے۔ لیکن جو معمول کی آمدورفت اور گرمیوں کی سہانی راتوں کی رونق ہوتی وہ بھی چاندنی راتوں میں سرے سے مفقود ہوجاتی۔

کھیتوں کو پانی لگانے والے سرشام ہی کام ختم کرکے گھر کی راہ لیتے اور پہرے دار پہرے داری چھوڑ کر گھروں میں خراٹے بھرتے۔ اس رات گاؤں بھر کے کتے غیر معمولی سناٹا محسوس کرکے رات بھر گلیوں میں بھونکتے پھرتے یا پھر گاؤں کی حدود سے باہر کھیتوں کے پرلی طرف جمع ہوکر پوری پوری رات روتے......! ان کے رونے کی منحوس آوازیں گوٹھ والوں کے کانوں میں پڑتیں تو بزرگ لاحول پڑھتے بچے ماؤں کے سینوں میں منہ چھپالیتے کنواری کنیائیں اپنی اوڑھنیوں میں دبک جاتیں اور حاملہ عورتوں کے گرد خاص طور پر حصار پڑھ پڑھ کر کھینچے جاتے۔

”رب سوہنا خیر کرے آج تو زیادہ ہی رونا ڈالا ہے منحوسوں نے۔“ گاؤں کی بڑی بوڑھیاں صبح دم فجر تک رب سے خیر مانگتی رہتیں اور سوائے ان گھبرو جوانوں کے جن کی چوڑی چھاتیوں میں خدائے تعالیٰ بزرگ و برتر کے اور کسی کا خوف نہ تھا کوئی بھی سکون و بےفکری کی نیند نہ سوپاتا۔

وہ بھی ایک ایسی ہی رات تھی ماہ تمام کی سفید دودھیاں روشنی نے مسجد کے میناروں کو درختوں چوباروں کھلیانوں کو نور سے نہلا رکھا تھا پراسرار خاموشی میں صرف جھینگروں کے ٹرانے اور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں چکرا رہی تھیں گاؤں کا اکلوتا چوکیدار رفیق عرف فیکا اپنے گھر کی چار دیواری میں ہی چوکیداری کررہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا بڑی سبک رفتاری سے چلتی پت جھڑ اور آتے جاڑوں کو سلام کرتی خنکی میں اضافہ کررہی تھی۔ ہر سو خاموشی کی حکومت تھی۔ کھیت کھلیانوں میں کھڑی فصلیں سبک خرام ہوا کے مزے لے رہی تھیں اور ڈھور ڈنگر غنودگی کے عالم میں تھے۔ تب ہی بڑی حویلی کے قطار در قطار بنے کمروں میں سے ایک کمرے کی بتی جل اٹھی۔

نیم اندھیرے میں ڈوبی حویلی میں زندگی کا احساس جاگا کمرے میں بتی جلنے کے ساتھ ہی معمولی اور غیر محسوس سی حرکت ہوئی اور چند لمحوں بعد پچھلے احاطے میں

کھلنے والی کھڑکی کھل گئی۔ پچھلا احاطہ نیم کچا نیم پکا سا تھا۔ باہر کی دیوار کے ساتھ لگے پرانی طرز کے اسٹور نما کمرے قطار در قطار بنے ہوئے تھے۔ ان کمروں میں جانوروں کا چارہ اور سال بھر کا اناج جمع کیا جاتا تھا۔ دن کے وقت اور مغرب کے بعد کچھ دیر تک یہاں حویلی کے ملازموں کی آمدورفت رہتی پھر یہ رونق جلد ہی دم توڑ جاتی اور آج تو چودھویں شب تھی۔ اس احاطے میں رات کے دوسرے پہر کسی ذی روح کی موجودگی کا تصور خیال وخواب ہی ہوسکتا تھا۔

ایسے میں اس وحشت زدہ ماحول' چاندنی رات میں' تمام وحشت خاموشی اور سناٹے سے بے پروا کھلی کھڑکی سے ایک وجود احاطے میں آہستگی سے اترا اور دبے قدموں لیکن تیز رفتاری کے ساتھ داہنی جانب بنے آخری کمروں کی جانب بڑھنے لگا۔ آخر میں بنے دو اسٹور نما کمروں کے درمیان ایک چار فٹ لمبا اور تین فٹ چوڑا چھوٹا سا سیاہ رنگ کا آہنی دروازہ تھا۔ وہ سایہ نما وجود تیزی سے چلتا اس دروازے تک آ کر رکا پھر دونوں ہاتھ سختی سے بند کنڈی پر جمائے اور بے حد آہستگی سے اسے کھانچے سے نکال کر پیچھے سرکا دیا۔

چاند کا سفر جاری تھا اور ایک سایہ بدروحوں اور نحوست کے خوف سے بے نیاز کھیتوں کے درمیان بنی پلیوں کے درمیان سے اڑتا ہوا گزر رہا تھا۔ کچی اور نیم زمین اس کے پیروں کے نیچے سے تیرتی ہوئی نکل رہی تھی۔ بنا دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھے وہ بس آگے اور آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ چھوٹے سے گاؤں کی حدود ختم ہوگئیں' آگے یا تو گھنی جھاڑیاں تھیں' درختوں کی لمبی قطار اور وہیں اس قطار کے آغاز میں ایک بے حد گھنے اور بوڑھے املتاس کے اندھیرے سائے کے نیچے کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ جو اسے سامنے سے نمودار ہوتا دیکھ کر بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پورن ماشی گزر رہی تھی' دھیرے دھیرے......!

⊙□......□......□⊙

وہ ایک بے حد چمکیلا اور سنہرا دن تھا۔ بہار اپنے

رو پہلے آنچل سے موسم کے سنہری دریچے پر دستک دے رہی تھی۔ وقت کے ہاتھ اپنی بانہیں کھولے موسم بہار کا خوش بو در وجود خود میں سمونے کے لیے بے تاب تھا۔ اس نے سر پر رکھا سفید چادر کا کونا ہٹایا اور ٹھنڈی اور تیز خوش بو سے بوجھل ہوا میں ایک گہری سانس بھری، پھر دل میں اٹھتی خوشی کی بے اختیار لہر کو محسوس کیا تو خود بخود لبوں پر مسکراہٹ کے کنول کھلنے لگے۔

"اوہو...... بڑی ہنسیاں آ رہی ہیں کیا بات ہے؟" برابر میں بیٹھی عائشہ نے فوراً نوٹ کیا۔ اس نے پورے کالج گراؤنڈ پر ایک نظر ڈالی ٹھنڈی ہوا کے تیز جھونکے دل و دماغ کو معطر کر رہے تھے۔ عائشہ کے چھیڑنے پر گروپ کی سب لڑکیاں اسے دیکھنے لگیں۔

"موسم ہی اتنا زبردست ہے کہ خود بخود موڈ اچھا ہوجائے۔" اس نے حقیقت بیان کی۔

"ہاں یار موسم تو واقعی اور رات میں تو اور بھی ظالم ہوجاتا ہے۔" روحانہ ایک لمبی ہائے کر کے صدف پر گر گئی۔ صدف نے اسے پرے دھکیلا۔

"تو مجھ پر تو مت مرو۔ مجھے بھی کسی پرنس چارمنگ کے لیے زندہ چھوڑ دو۔" اس نے صاف روحانہ کے فربھی جسم پر پھبتی کسی تھی۔

"او......و......و......" گروپ میں چھ سات لڑکیاں تھیں۔ اس کے پرنس چارمنگ کہنے پر شور سا مچ گیا۔ وہ بھی انجوائے کر رہی تھی۔

"ہاں پرنس چارمنگ جس کی دور اور نزدیک کی نظر کمزور ہوگی۔" روحانہ کیوں معاف کرتی۔ ایک زوردار قہقہہ پڑا۔ بظاہر سب ہی ہنس بول رہی تھیں لیکن ان میں ایک لڑکی ایسی بھی تھی جو ہنستے ہوئے بھی بغور سامنے بیٹھی زارا کے چمکتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

زارا زبیر کالج کی ہزاروں دوسری لڑکیوں جیسی عام سی لڑکی تھی مگر وہ خود یعنی لیلیٰ بخت آور کوئی عام لڑکی نہیں تھی نہ خاندانی حیثیت سے نہ مالی پوزیشن سے اور نہ حسن و خوب صورتی سے۔ وہ ہر لحاظ سے ممتاز دکھنے والی تھی۔ اپنے گروپ ممبرز کے درمیان لیڈر سی محسوس ہوتی، پر کیوں وہ زارا کو اس قدر غور سے جانچ و پرکھ رہی تھی، کیا تھا اس عام سی شکل و صورت اور بے حد عام سے گھرانے سے تعلق رکھنے والی زارا زبیر میں......! اس کی آنکھیں صاف، روشن اور چمک دار تھیں، دانت موتیوں کی لڑی اور ہونٹ ہاں ہونٹ بے حد گلابی اور نم رہنے والے تھے۔ لیلیٰ بخت آور کا دل خود بخود اسے زارا زبیر کی خوبیاں گنوانے لگا اور بالآخر ایک نتیجے پر جا پہنچا۔

"اگر بہروز شاہ سائیں کی نیت اس پر ڈانوا ڈول ہوتی ہے تو ایویں نہیں ہوتی۔" اس نے بے حد تلخی و تنفر سے اس شخص کا نام لیا جو رشتے میں اس کا منگیتر تھا۔

◎□......□......□◎

دن ڈھلنے سے ذرا پہلے جب وہ دال چاول پر اچار اور پاپڑ ڈال کر انگلیوں سے چڑ چڑ مکس کر رہی تھی تب فاریہ نے اس کے چلتے ہاتھوں کو بریک لگایا۔

"آج امان آیا تھا صبح تمہارے جانے کے بعد۔" وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتی رہی فاریہ کچھ نہیں بولی تو پوچھا۔

"کیوں آیا تھا، کوئی خاص کام تھا۔"

"نہیں بس ویسے ہی...... کیوں وہ کیا خاص کام کے بغیر نہیں آسکتا۔" فاریہ کے چبھتے الفاظ اس کے مسکراتے لہجے سے میل نہیں کھا رہے تھے۔

"نہیں کیوں نہیں آسکتا۔ میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔"

"کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہ رہیں کہ وہ تمہاری غیر موجودگی میں کیوں آیا تھا۔" زارا نے چونک کر اسے دیکھا، پھر انگلیوں میں اٹکے نوالے کو منہ میں رکھا۔

"میں ایسا کیوں کہوں گی، اس کے چچا کا گھر ہے جب جی چاہے آئے۔" فاریہ نے پانی پی کر گلاس رکھا اور ایک جتاتی ہوئی نظر اس کے خفت زدہ چہرے پر ڈالی۔

"جی میں بھی کہہ رہی ہوں کہ یہ اس کے چچا کا گھر ہے اور میں اس کی چچازاد۔" زارا اس کی بات پر پھر حیرت

میں پڑ گئی۔ عجیب سی بات کی تھی اس نے ادھوری اور مکمل بھی۔ سادہ اور معنی خیز بھی۔ یوں لگتا تھا ابھی وہ مزید کچھ اور بھی کہے گی لیکن وہ برتن سمیٹ کر دھونے کے لیے اٹھ گئی۔ زارا دیر تک فاریہ کی بات کو سوچتی رہی۔

کالج کی رونقیں آج کل اپنے عروج پر تھیں۔ اسے روز افسوس ہوتا کہ فاریہ نے اس کے ساتھ ریگولر کلاسز میں ایڈمیشن کیوں نہیں لیا۔ حالانکہ اس نے کئی بار کہا کہ کم سے کم گریجویشن تو کرلو۔ وہ تو بس انٹر پاس کر کے خود کو بہت طرم خان سمجھ بیٹھی تھی۔ اس لیے ریگولر تو کیا پرائیویٹ پڑھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہوئی۔ وہ کئی بار فاریہ کو قائل کرنے بیٹھی کہ تعلیم کا سلسلہ یوں فضول میں کیوں ختم کررہی ہو لیکن فاریہ تو مان کر ہی نہ دی۔ اس نے خود کو گھر داری میں مصروف کرلیا۔ بقول اس کے یہ اس کی ماں کے آرام کے دن تھے اور اس کا فرض تھا کہ اب وہ گھر کا انتظام سنبھال لے۔ اس نے تو دبے لفظوں میں زارا کو بھی باور کرانے کی کوشش کی کہ جب وہ خود پڑھائی چھوڑ کر اپنی اماں کے سر سے فیس کا بوجھ کم کررہی ہے تو لامحالہ زارا کو بھی یہی کرنا چاہیے۔ کیونکہ زارا بہرحال ان کی بیٹی نہیں بھانجی تھی۔

زارا فاریہ کے انداز اور بین السطور مطلب کو سمجھتی اور اس کی ذہنیت پر اسے افسوس بھی ہوتا۔ عین ممکن تھا کہ وہ فاریہ کی بحث کو ایک طعنے کے طور پر لیتے ہوئے انٹر تک ہی رک جاتی' فاریہ کی طرح لیکن یہاں پر ہمیشہ کی طرح امان درمیان میں آ گیا۔

زارا ٹیوشن کے بچوں کی کاپیاں چیک کررہی تھی۔ وہ امان اور فاریہ گرم چائے کے مگ درمیان میں رکھے چھت پر موجود تخت پر بیٹھے تھے۔ موسم گرما کی ٹھنڈی شام فاریہ کا آتشی گلابی آنچل اڑا رہی تھی۔ اس نے کچھ دیر پہلے ہی نہا کر نیا جوڑا زیب تن کیا تھا۔ آتشی گلابی اور ہلکے پیلے رنگ کے امتزاج کا پرنٹڈ لان کا سوٹ اس کی صاف رنگت اور متناسب سراپے پر بہت جچ رہا تھا۔ زارا

ریا احمد

السلام علیکم! میرا نام ریا احمد ہے میں پاکستان کے سب سے خوب صورت شہر چکوال میں رہائش پذیر ہوں۔ میں آگ برساتی گرمی یعنی جولائی کے مہینے میں سب کے لیے ٹھنڈک بن کر آئی۔ میں پرویز سائنس اکیڈمی کی سب سے سینئر کلاس 10th کی سویٹ سی اسٹوڈنٹ ہوں۔ میری چار سہیلیاں ہیں' بختاور' غزل' مہرین اور مقدس۔ کھانے میں بریانی پسند ہے' وہ بھی کراچی کے فوڈ سینٹر کی۔ رنگوں میں گلابی رنگ' فیورٹ ہیرو سلمان خان' فیورٹ سنگر راحت فتح علی خان' فیورٹ شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم' فیورٹ کرکٹر محمد حفیظ' شاہد آفریدی۔ میرے چالیس کے لگ بھگ بہن بھائی ہیں' ارے اتنا حیران نہ ہوں کزنز بھی تو بہن بھائی ہوئے نا۔ سب ہی بہت اچھے ہیں' میں اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹی ہوں۔ میری کزن دیا آپی سب سے اچھی ہیں' ان کی ساری اسٹوریز بھی اچھی ہوتی ہیں۔ وہ سب سے پہلے مجھے ہی اپنی اسٹوری سناتی ہیں ویسے تو میں آنچل نہیں پڑھتی کیونکہ پڑھائی میں مصروف ہوتی ہوں اس لیے دیا آپی پڑھ کر سنا دیتی ہیں جب بھی میں فارغ ہوتی ہوں تو۔ انہوں نے مجھے ''ٹوٹا ہوا تارا'' پڑھ کر سنائی ہے اس میں مصطفی کا کردار بہت اچھا ہے۔ میری آپ سب سے درخواست ہے کہ پلیز میرے لیے دعا کریں کہ میں اپنے 9th میں ٹاپ کروں۔ میں گھر کا کام بالکل نہیں کرتی۔ وجہ کوئی خاص نہیں بس دل نہیں کرتا' دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

اپنے وہی گھسے پٹے پرانے کپڑے پہنے صبح کالج کے وقت سے بندھی چوٹی کو کیچر لگا کر قابو کیے بیٹھی تھی۔ بالوں کی لٹیں ہوا سے نکل نکل کر چہرے پر آتیں اور وہ کانوں کے پیچھے اڑس لیتی۔

''تم ہی اس کو کچھ سمجھاؤ امان! میں تو کہہ کہہ کر تھک گئی ہوں۔'' امان نے سوالیہ نظروں سے اسے اور پھر فاریہ کو دیکھا۔

”وہی پرانا مسئلہ میں آگے ایڈمیشن لے لوں۔“ فاریہ اکتا کر بولی۔

”پڑھنا تو چاہیے۔ اس میں تمہارا اپنا ہی فائدہ ہے۔“ فاریہ نے کچھ چڑ کر امان کی طرف دیکھا۔ وہ زارا کی طرف متوجہ تھا‘ وہ کچھ اور چڑ گئی اسے لگتا تھا امان کبھی زارا کی کسی غلط بات کو بھی غلط نہیں کہہ سکتا۔ یہ تو پھر بالکل ٹھیک بات تھی۔

”اور کیا انٹر پاس کو کون پوچھتا ہے آج کل۔“ زارا نے چائے کا گھونٹ بھر کر مگ واپس رکھا۔

”خیر...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔ مجھے پوچھنے والے بہت...... جن کو میری فکر ہے‘ وہ اپنی فکر کریں تو بہتر ہوگا۔“ اس کے انداز میں ایک خاصی اتراہٹ جھلکی۔ زارا نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا‘ اس کا چہرہ لمحے بھر میں تاریک سا ہوگیا۔ امان بھی ہکا بکا سا رہ گیا۔

”زارا کا مطلب وہ نہیں تھا فاریہ! تم نے غلط سمجھا۔“ امان نے نرمی سے کہہ کر اس کی بات کی تلافی کرنی چاہی۔

”پتہ ہے مجھے ان کی کسی بات کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ مجھ سے زیادہ وہ نہیں سمجھ سکتے تم اور مجھے سمجھانے کے بجائے تم اسے کیوں نہیں سمجھاتے۔“ وہ تنک سی گئی۔

”کیا...... کیا سمجھائے گا وہ مجھے۔“ چائے ٹھنڈی ہورہی تھی۔

”اب اتنی بھی بھولی نہیں ہو تم‘ اچھی طرح جانتی ہو امی کتنی مشکل سے گھر کا خرچہ چلا پاتی ہیں۔ اوپر سے تم نے اپنی پڑھائی کا اضافی بوجھ ان پر ڈال دیا ہے۔“ لحاظ ومروت کی ایسی کے اندر شدید کمی تھی۔ زارا ہمیشہ ہی نظر انداز کرجاتی تھی‘ آج بھی کرنا ہی تھا لیکن امان آیا بیٹھا تھا‘ کم سے کم اس کے سامنے تو......!

”زارا نے کسی پر اپنی پڑھائی کا بوجھ نہیں ڈالا‘ وہ ٹیوشن پڑھاتی ہے اپنا خرچہ خود اٹھاتی ہے۔“ امان سے چپ نہ رہا سکا‘ اس کے بولنے پر فاریہ کو اور پتنگے لگ گئے۔

”دل تو تمہیں تو اس کی بے جا حمایت کے سوا اور کوئی کام نہیں‘ حالانکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اگر ہمیں اپنی ایجوکیشن جاری رکھنی ہوتی تو سب سے پہلا حق میرا بنتا تھا‘ لیکن صرف اس کی ضد کی وجہ سے میں نے امی سے کہا کہ میں آگے پڑھنا نہیں چاہتی۔“ جارحانہ انداز میں بولتے ہوئے اس نے زارا کے سر پر بم پھوڑا۔ وہ ہکا بکا رہ گئی۔ بھلا ایسا کب ہوا تھا‘ اس کے علم میں یہ بات تو آئی ہی نہیں کہ فاریہ نے زارا کی وجہ سے......!

اس نے تو خود کئی بار فاریہ کو کنوینس کرنے کی کوشش کی تھی کہ ہم لوگ ٹیوشنز پڑھا کر اپنا خرچہ خود اٹھالیں گے۔ لیکن فاریہ مان کر نہیں دی اور خالہ جان خود اس بات کی گواہ تھیں کہ اپنی ضد اور بحث میں اس نے خالہ جان کی بات بھی نہیں مانی تھی۔ فاریہ اپنی بات کہہ کر رکی نہیں بلکہ دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

امان اور زارا ایک شاک کے عالم میں ایک دوسرے سے نظریں چرائے بیٹھے تھے۔ زارا خاموشی سے اپنی کاپیوں پر جھک گئی۔ امان بنا کچھ کہے اٹھ کر چلا گیا۔ یا تو اسے لگا کہ کچھ بھی کہنا بیکار ہے یا پھر اسے لگا کہ کچھ کہنا زارا کو مزید دکھی کرنے کے مترادف ہے زارا نے اسے جاتے دیکھ کر روکا بھی نہیں‘ اس کے سامنے رکھی کاپی کے الفاظ دھندلا رہے تھے۔ اس نے خالی سیڑھیوں پر ایک نظر ڈالی اور نم آنکھیں صاف کرکے پھر سے کام میں لگ گئی۔

◙□......□......□◙

پوری حویلی میں جشن کا سا سماں تھا۔

اس حویلی کا بڑا سپوت بہزاد شاہ سائیں ایک طویل عرصے بعد وطن واپس لوٹ رہا تھا۔ وہ شاداب ماں کا بیٹا تھا۔ جس کی آنکھیں ایک طویل عرصے تک بیٹے کی جدائی میں لہو روئی تھیں۔ اب ان میں فقط یادوں کے ٹھیکرے تھے۔ شاداب ماں کا دل اپنی اولاد کے انتظار میں بیمار ہوچکا تھا۔ آنکھیں لہو بہا بہا کر پتھرا گئی تھیں لیکن وہ عورت تھی‘ اسی حویلی کی رسم ورواج میں جکڑی بے قصور لیکن مجرم عورت۔ عورت جو مظلوم اور معصوم

ہے لیکن اس حویلی میں اس کا عورت ہونا ہی اسے قصور وار ثابت کرنے کو کافی تھا۔ بے شک شاداب ماں نے حویلی کو وارث دیا لیکن پھر اگلے کئی سال تک وہ ماں نہ بن سکیں اور جب دوسری بار ماں بننے کی سعادت نصیب ہوئی تو اس بار ان کی گود میں دمکتا ستارا نہیں بلکہ ایک ننھی منی گلابی پری لیٹی تھی۔

عورتیں لڑکیاں بیٹیاں کسی بھی روپ میں حویلی میں خوشی کا باعث نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ یہ تو کمزوری کی علامت تھیں۔ شکست کی ضامن یا پھر خون بہا میں دی جانے والی بھینٹ......!

......

آمنہ حلیمہ مومنہ یہ ان عورتوں کے نام تھے جو زمانے بھر کی سب سے مقدس ہستیوں کے نام پر رکھے جاتے اور ونی ستی اور کاری یہ ان کے نصیب تھے۔ جنہیں اس حویلی کے مرد اپنے ہاتھوں سے لکھتے اور جو بھی کوئی قسمت کی دھنی اپنے نصیب سے باعزت بری ہو کر کسی کی نصف بہتر کا درجہ پا لیتی تو اس کا شوہر یا تو عمر میں پچیس تیس سال بڑا ہوتا یا پھر پندرہ سال چھوٹا...... صبر اور شکر کی انتہا پر یا پھر ظلم و جبر کی انتہا پر یہی رسم و رواج تھے۔

شاداب ماں کو بھی اسی ریت کو سہنا پڑا۔ ان پر صرف بیٹی کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ڈالی گئی۔ بہزاد شاہ بخت سے ماں کا دودھ چھڑوا کر پالنے میں ہی دوسری عورت کے سپرد کر دیا گیا۔ جوان کی گورنس ٹیوٹر اور انسٹرکٹر بھی تھی۔ بہزاد شاہ بخت اس حویلی کا ولی عہد تھا۔ اسے ہی آگے چل کر بہرام شاہ بخت سائیں کی جگہ لینی تھی۔ زمینوں کے معاملات جاگیروں کے مسئلے اور کمی کمینوں کے لیے نجات دہندہ بننا تھا وہ آس پاس کے بسنے والے کئی ایک گاؤں میں سب سے بڑا زمیندار جانا جاتا۔ تو لوگ اس کا نام نسل در نسل یاد رکھتے۔ اس کے پیر چھوتے اور پیٹھ پیچھے بھی اسی عقیدت و احترام سے اس کا ذکر کرتے جو کسی معزز و پہنچے ہوئے بزرگ کا کیا جاتا ہے۔

ایسی عزت مآب شخصیت کے روپ میں ڈھلنے والے

پتلی ساز

پتلی ساز کے من میں
کوئی نہ جانے
کیا سمائی
بنائیں کمال مہارت سے
حسین و خوبرو
ماہ رخ و ماہ وش
پتلیاں
جن میں زندگی کی رمق
فقط
پتلی ساز کی ڈوریوں کی جنبش سے ہے
جو نہ جانے
کب کہاں کہیں وقت
تھم جائے
تماشا گاہِ زیست میں
تماشا دکھاتی
حسین پتلیاں
پتلی ساز کے اسٹور روم میں
ابدی نیند سو جاتی ہیں
وہ پھر نئی پتلیاں بنا کر
منظر عام پر لاتا ہے
اور بالآخر......
انہیں بھی اپنے اسٹور روم کی زینت بنا لیتا ہے

سمیرا بتول مغل...... شاہ کوٹ

مرد کو کسی گنوار دیہاتن کے سپرد کر کے اس کی تربیت پر بٹا لگانے کی غلطی پیر و مرشد سائیں بہرام شاہ بخت ہرگز نہیں کر سکتے تھے۔ خواہ وہ گنوار دیہاتن اس کی اپنی سگی ماں ہی کیوں نہ ہوتی۔ اتنی ننھی جان کو ماں کی گود سے الگ کرتے ہی ممتا تڑپ اٹھی۔ ان کا رونا بلکنا ساتھ ہی فریادیں کچھ کام نہ آئیں اور ایک ولایت آیا اس کی نگرانی تعلیم و تربیت کے لیے مختص کر دی گئی۔ شاداب ماں کو ہفتے میں صرف ایک بار اس سے ملنے کی اجازت ملی۔

بہرام شاہ سائیں کا دل پتھر تھا پتھر ہی رہا' اسے نہ پگھلنا تھا نہ پگھلا۔ یہاں تک ایک دن اچانک چلتے چلتے احتجاجاً یوں خاموش ہوا کہ اسے دوبارہ زندگی میں لانے کی ساری تگ ودو بیکار گئی اور اس خاموش دل کو اس کے وجود سمیت لحد میں اتار دیا گیا۔

اس وقت تک بہزاد شاہ بخت گھڑ سواری اور تیر اندازی سیکھ کر ماہر نشانہ باز بن چکے تھے۔ بلکہ تیراکی میں بھی حد درجہ مہارت حاصل کرلی تھی۔ وہ جوانی کی سرحدوں پر قدم رکھ چکے تھے۔ جب ایک روز انہیں اپنے گاؤں اور حویلی سے کوسوں دور مری کے مرغزاروں میں تعمیر شدہ اپنے خاص ریسٹ ہاؤس میں والد محترم کے جان سے گزر جانے کی خبر ملی۔ انہوں نے مہینوں بعد حویلی میں قدم رکھا تھا۔ مگر یوں لگتا تھا سالوں بعد آئے ہوں۔ ان کا چچازاد بھائی بہروز شاہ بخت بڑھتے بڑھتے ان کے کندھے سے آن لگا تھا۔ عجیب روایت تھی کہ بہروز شاہ بخت بھی اسی حویلی کا بیٹا تھا لیکن وہ ہمیشہ حویلی میں اپنے ماں باپ کے درمیان رہا۔ شہرام شاہ سائیں جو بہرام شاہ سائیں کے چھوٹے بھائی تھے۔ اپنی مرضی اور پسند کی زوجہ لے کر حویلی آئے تھے جس کی محبت کی پٹی ان کی آنکھوں پر کچھ ایسے بندھی کہ انہوں نے اپنی بیوی کے کہنے میں آکر بہروز شاہ بخت کے لیے حویلی میں ہی استانی کا بندوبست کیا۔ اسے بورڈنگ میں ڈالنے کے فیصلے کے خلاف بغاوت کردی۔ بہرام شاہ اپنے چھوٹے بھائی سے ایک لمبا عرصہ اس بات پر خفا رہے۔ ان کے خیال میں شہرام اپنے بیٹے کو اپنا وارث بنانے کے بجائے اپنی زنانی کی طرح اسے بھی حویلی میں رکھ کر زنانی بنادیں گے۔

شہرام شاہ بخت کو ان کی بات اکھری تو بہت..... لیکن جھگڑے وفساد کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ دوسرے ان کا اپنا دل بڑے بھائی کی طرح اتنا سخت نہ تھا' وہ اپنے اکلوتے بیٹے سے سالہا سال پر محیط اتنی دوری اور جدائی برداشت نہیں کرپاتے۔ جو تربیت کے نام پر بہرام شاہ نے اپنی بیوی اور بیٹے پر مسلط کی ہوئی تھی۔ گھڑ سواری' نشانہ بازی اور تیراکی بہروز شاہ سائیں نے بھی سیکھی لیکن اس سب کے ساتھ ساتھ وہ اور دوسری بہت سی ایسی حرکتیں بھی سیکھ گئے جو عرف عام میں مختصراً بدکرداری اور عیاشی کے دائروں میں آتی تھیں۔ بہروز شاہ بخت اپنے والدین کے ایک ایکسیڈنٹ میں چل بسنے کے بعد خودمختار ہوتے چلے گئے۔ تایا کے انتقال کے بعد زمینوں کے سب معاملات خود بخود ان کے ہاتھوں میں منتقل ہوگئے۔ ان کی غلط روش اور آزادانہ فطرت جوانی کو چھوتے ہی ماں باپ کی نظروں میں آچکی تھی۔ اسی لیے ان کو لگام ڈالنے کے لیے ان کا رشتہ شہرام شاہ نے بہرام اور شاداب ماں کی رضامندی سے ان کی اکلوتی بیٹی بختاور سے طے کردیا تھا۔

گھر میں حسین وجمیل منگیتر کے موجود ہوتے ہوئے بھی بہروز کی روش اور عیاش پرستی میں کوئی تبدیلی نہ آسکی اور بختاور جو باپ کے انتقال کے بعد ماں سے ضد کرکے میٹرک سے آگے تعلیم حاصل کرنے شہر آگئی تھی اپنے دل اور دماغ میں پروان چڑھتے شعور اور بھلے برے کی تمیز کے ساتھ دن بدن بہروز سے بیزار رہنے لگی اور دور ہوتی گئی۔ خود بہروز کے لیے بھی بختاور محض ایک دل بہلانے والی حسن کی مورت تھی۔ جس سے کھیلنے کا صحیح وقت ابھی آیا نہ تھا۔ تو جب تک وہ وقت نہ آجاتا تب تک وہ دوسری حسین صورتوں سے اپنا دل بہلا رہا تھا اور اس کی ان ہی حرکتوں نے بختاور کے دل میں موجود اس کے لیے بیزاری کو بڑھا کر نفرتوں کی حدود تک پہنچا دیا تھا۔

بختاور ہر ویک اینڈ پر شاداب ماں سے ملنے حویلی آتی' شاداب ماں اور بہروز حویلی میں اب سالوں گزرنے کے بعد صرف وہ ہی مکین باقی بچے تھے۔ بہزاد شاہ بخت تو باپ کے انتقال پر چند دن حویلی میں گزارنے کے بعد واپس مری اور پھر وہیں سے لندن چلے گئے۔ اعلیٰ تعلیم ان کا بچپن کا خواب تھا اور وہ اس خواب کو پورا کرنے میں پوری لگن سے جتے یہ بھول ہی بیٹھے تھے کہ ان کی ایک ماں بھی ہے' جو قبر میں پیر لٹکائے

آج بھی ان کی واپسی کی راہ تک رہی ہے اور یہ اعلیٰ تعلیم اور بہترین تربیت ان کے والد نے انہیں یوں دیار غیر میں لٹانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے گاؤں کی جاگیر سنبھالنے کے لیے دلوائی تھی۔

زمینداری سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جائیداد کی تفصیل اور بٹوارے سے بھی کوئی لگاؤ نہ تھا۔ ان کی تربیت بالکل الگ خطوط پر ہوئی تھی۔ ایک ولایتی آیا کے ہاتھوں میں جو انصاف پسند معاشرے کی پروردہ تھی۔ برابری اور حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض کی بات بھی کرتی تھی۔ اسی نے بہزاد شاہ بخت کو عورت کی عزت کرنا سکھایا تھا۔ اس کے زیر سایہ اور زیر تربیت اپنا بچپن گزارنے کی وجہ سے وہ اپنے ازلی فیوڈل لارڈز سسٹم سے بیزار کن حد تک دور اور لاتعلق ہو چکے تھے۔ اتنے لاتعلق کہ اپنی ماں اور بہن تک کو بھلائے باہر بیٹھے بس بے حسی سے ماں کی تکرار سن لیتے تھے۔

"کب آؤ گے، میری آنکھیں ترس گئی ہیں۔ مرنے سے پہلے مجھے اپنی صورت تو دکھا جا میرے لعل۔ نہیں تو پتہ نہیں دم بھی نکل پائے گا کہ نہیں۔"

عرصہ گزر گیا تھا شاداب ماں کی اس طرح کی باتیں سنتے۔ ان پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ وہ تو ایک دن اچانک بھیانک حادثے کا شکار ہونے سے بال بال بچے اور انہیں احساس ہوا کہ یہ زندگی جو ایک چھوٹے سے فلیٹ میں وہ تن تنہا گزارتے چلے آ رہے ہیں، پانی کے بلبلے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور ڈالروں کے ڈھیر بھلا کس کام کے، جو ان کی ڈیڈ باڈی کو اپنے وطن تک نہیں پہنچا سکتے۔ شاید انہیں یہیں غیر مسلموں کے درمیان کہیں تابوت میں بند لحد میں نہ اترنا پڑے۔ اس حادثے نے ان کے خیالات تو کیا دل و دماغ بدل ڈالے ادھ مرے جذبات جاگے تب انہیں موت کے منہ میں جاتی ماں کا خیال آیا اور انہوں نے حویلی فون کر کے اپنی واپسی کا عندیہ دیا۔

⊙□......□......□⊙

"میں خوب نوٹ کر رہی ہوں تمہاری امان کی ساتھ

> **رشک وفا**
>
> السلام علیکم! قارئین کیا حال ہے؟ یقیناً ٹھیک ہوں گے اب آتی ہوں اپنے تعارف کی طرف تو جناب میرا نام (سوری) میرا تخلص رشک وفا ہے۔ گجرات کے ایک گاؤں برنالی سے تعلق ہے بائیس جولائی بروز جمعۃ المبارک کی ایک تپتی دوپہر میں اس دنیا میں تشریف آوری ہوئی۔ چار بہن بھائی ہیں اور میں سب سے چھوٹی ہوں اس لیے لاڈلی بھی ہوں۔ بڑے بھائی وقاص کی تو سب سے زیادہ لاڈلی ہوں۔ کھانے میں بریانی اور چکن کی ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ کلرز میں بلیک اینڈ وائٹ موسٹ فیورٹ ہے اینڈ بیسٹ فرینڈز بہت سی ہیں کچھ کے نام یہ ہیں، فوزیہ، اقراء، آنسہ، مقدس بھابی، رضوانہ، فوزیہ شادی کی بہت بہت مبارک ہو۔ لباس میں گھیر دار فراک اور چوڑی دار پاجامہ موسٹ فیورٹ ہیں۔ ایکٹرز میں شاہ رخ خان، فیصل قریشی اور سنگرز میں عاطف اسلم، راحت فتح علی خان اور ثریا گھوشال موسٹ فیورٹ ہیں۔ غزلیں سننا اور لکھنا اچھا لگتا ہے۔ آخر میں اپنی پیاری آپی سحرش کو سلام اور بہت بہت پیار، اپنی ڈیئرسٹ ہادیہ کو ڈھیر سارا پیار اور ارمان جانی دنیا میں ویلکم او کے رب را کھا ٹیک کیئر۔

بڑھتی ہوئی بے تکلفیاں۔" فاریہ کی تیز آواز نے اس کی سماعتیں چیر ڈالیں۔ اس نے ایک نظر اندر کمرے کی طرف دیکھا۔ فاریہ کو اپنی ماں کا نہیں لیکن اسے اپنی خالہ جان کی طبیعت کا بہت خیال تھا۔ وہ ابھی ابھی بلڈ پریشر کی گولی کھا کر لیٹی تھیں۔ ساری رات بے چینی کے بعد اب کہیں جا کے ان کی آنکھ لگی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا اس بات سے؟" اسے کالج سے دیر ہو رہی تھی لیکن یہیں رک کر اس بات کو ختم کر دینا زیادہ بہتر تھا۔

"مطلب صاف ہے، تم جو یہ سمجھ رہی ہو کہ امی اور میری ناک کے نیچے یہ کھیل کھیلو گی اور ہمیں خبر نہیں ہو گی تو تم غلطی کر رہی ہو۔"

"کون سا کھیل؟ میں نہیں سمجھی تم...... کس بارے میں بات کررہی ہو۔"

"زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں' تم اچھی طرح سمجھ رہی ہو جو میں کہہ رہی ہوں۔" اس نے فاریہ کے شعلے برساتے تیور دیکھے اور ہاتھ میں پکڑا مگ سلیب پر رکھ دیا۔

"میں واقعی نہیں سمجھ رہی فاری! آخر کیا ہوا ہے' بتاؤ تو سہی۔"

"تم سمجھ رہی ہو کہ اس طرح معصومیت کا ڈرامہ کرکے اور یہ ثابت کرکے کہ اپنی پڑھائی کا بوجھ خود اٹھا رہی ہو' اپنی مظلومیت ثابت کرکے تم امان کا دل جیت لوگی تو یہ تمہاری بھول ہے۔" زارا کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

"جیسا تم سمجھ رہی ہو ویسا کچھ نہیں ہے۔" چند لمحوں بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی تو نظریں چرا کر بس یہی کہہ سکی۔

فاریہ اور وہ خود دونوں جانتی تھیں کہ وہ دل ہی دل میں امان کو پسند کرتی ہے اور امان تو تنہائی میں اس سے اس بات کا اقرار بھی کرچکا تھا لیکن یہ بات اگر زبان زدعام ہوجاتی تو کتنی تباہی لاتی۔ فاریہ کا سرخ چہرہ اس تباہی کا محض ایک ٹریلر تھا۔

"آج ہی بات کرتی ہوں امی سے' کامران بھائی کو بلوائیں اور تمہیں چلتا کریں۔ ورنہ تم جیسے لوگ جس تھالی میں کھاتے ہیں اس میں چھید کرتے ہوئے ذرا نہیں ہچکچاتے۔" اس کی سماعتوں پر بم گرا کر وہ تیزی سے پلٹ گئی۔ زارا افسردگی اور غم کے ملے جلے تاثرات سمیت کتنی دیر وہیں کھڑی رہی۔

"کیا ہے میری قسمت...... کچھ بھی نہیں' میری زندگی میں میری مرضی اور خوشی کے لیے؟" خود سے سوال کرتی وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی بیرونی دروازے تک لے جارہی تھی۔

پورے چاند کی رات اپنے جوبن پر تھی۔ مہتاب کا دودھیا چمکتا پیالہ زمین کی دھرتی پر اپنی روشنی فراخدلی سے لٹا رہا تھا۔ دوسرے پہر کے سناٹے میں دور دور تک ہر چیز واضح دکھائی دیتی تھی۔ ایک محسوس کی جانے والی ویرانی اور خاموشی نے فضاؤں میں پہرے باندھ رکھے تھے۔ حد نگاہ تک کوئی ذی نفس ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ سوائے اس بوڑھے املتاس کے گھرے سائے تلے' جہاں دو پریم کے متوالے ہر ستم کے خوف سے آزاد ایک دوسرے سے جڑے بیٹھے تھے۔ مگر اس بار ہمیشہ کی طرح ان کے درمیان صرف خاموشی محو گفتگو نہیں تھی آج لبوں پر لگے چپ کے قفل کھل گئے تھے۔ ایک نسوانی وجود دھیرے دھیرے سسک رہا تھا۔

"میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا۔ حالانکہ میں ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن...... لیکن میں مجبور ہوگئی بے بس ہوگئی۔"

"میں جانتا ہوں۔" سسکیوں کے جواب میں ایک بھاری سرگوشی ابھری اور ایک مردانہ ہاتھ ریشمی بالوں سے ڈھکے سر پر آن ٹھہرا۔

"یہ کوئی آج کے رسم و رواج نہیں' ان اونچی حویلیوں کے پچھلے کچے احاطوں میں پشت ہا پشت سے جنم لیتے ایسے کئی کردار اور واقعات دفن ہیں' جنہوں نے ظلم کے خلاف بغاوت کے لیے سر اٹھایا لیکن ان کا سر ہمیشہ کے لیے کاٹ کر پھینک دیا گیا۔"

"اور...... اور شاداب ماں...... وہ کہتی ہیں' تم تو سب سے خوش قسمت ہو کہ تمہیں......" بات ادھوری رہ گئی۔

کچی سڑک پر دور بہت دور کہیں روشنی کا ایک ننھا سا شعلہ لپکا تھا۔ وہ دونوں وجود دبک گئے۔ سانسیں تک روک لی گئیں۔

"کوئی...... کوئی آرہا ہے' کوئی حویلی کی طرف ہی آرہا ہے۔" سہمی ہوئی نسوانی آواز میں ہزار ہا خدشے تھے۔

"اوہ میرے خدا...... کہیں یہ میرے لالہ تو نہیں۔" نسوانی وجود پر واضح لرزش طاری تھی۔ روشنی قریب آرہی تھی۔

"ہاں...... ہاں...... انہوں نے آنا تھا۔" وہ تڑپ کر

اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جارہی ہوں' اگلی چودھویں میں آؤں گی۔" اس کی بات ابھی باقی تھی' اس نے لمحے بھر کی دیر کیے بغیر کوئی چیز برآمد کی اور تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھے مرد کی گود میں پھینک دی۔

"یہ لو...... سنبھال کر رکھنا۔"

وہ کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس ہی تھیں' اس کا بدترین خدشہ سچ ثابت ہوا۔ وہ بہزاد شاہ بخت ہی تھے جو پردیس سے اپنے وطن واپس لوٹے تھے۔ اس نے ایک پل کو مڑ کر دیکھا اور پھر کچے میں ایک جست لگائی اور بھاگتے قدموں سے دور ہوتی چلی گئی۔

⊙□......□......□⊙

چلتی گاڑی کو ایک جھٹکا لگا اور وہ رک گئی۔

"کیا ہوا......" گھر والوں کی یاد میں محو بہزاد شاہ بخت نے چونک کر ڈرائیور سے پوچھا۔ جس کے چہرے پر خوف کے واضح سائے لرزاں تھے۔

"کچھ نہیں سائیں' آج چاند کی چودہ تاریخ ہے ناں' تو......" وہ متذبذب سا ہوا۔

"تو کیا۔" انہیں ذرا تجسس سا ہوا۔ وہ ذرا سا آگے جھک آئے۔

"پورے گوٹھ والے کہتے ہیں' چاند کی درمیانی راتوں میں گوٹھ میں چھل پیریاں گھومتی ہیں سائیں۔"

"کیا......!" وہ چند لمحے خوف زدہ ڈرائیور کا چہرہ دیکھتے رہے' پھر ہنس دیئے۔

"ایسا کچھ نہیں ہوتا ذاکر۔" آخری کے الفاظ انگلش میں بڑبڑا کر ادا کیے۔

"پر سائیں...... میں نے ابھی ابھی ایک...... ایک...... وہ سائیں۔" ڈرائیور گل ذاکر کے چہرے پر اڑتی ہوائیاں اندھیرے میں بھی واضح دکھ رہی تھیں۔

"میں نے ایک سایہ دیکھا وہ اس طرف بھاگا...... سائیں رب کی قسم سائیں۔" اس کا رواں رواں تن گیا۔ بہزاد شاہ بخت الجھ گئے۔ اس طرف دیکھنے کی کوشش کی

نظم

اک بار یاد رکھنا اے قوم ہندو
قائم رہے گا لکھ لو میرا یہ پاکستان
تم خود کو جو بھی سمجھو پر یہ خیال رکھنا
جیتو گے تم نہ ہم سے اسلام دین ہے اپنا
جتنی بھی چل لو چالیں جتنی لگا لو طاقت
تم منہ کے بل گرو گے یہ بات یاد رکھنا
ربّ ساتھ ہے ہمارے تم کرلو جو بھی چاہے
آساں نہیں ہے ہم سے ٹکرا کے پھر سنبھلنا
تاریخ جانتی ہے' یہ پہلے بھی ہو چکا ہے
اپنا جو امتحان تھا ذرا وہ بھی یاد رکھنا

جویریہ خان...... گوجر خان

جہاں گل ذاکر کی سہمی ہوئی نظریں بنا پلک جھپکے جمی ہوئی تھیں۔ لیکن وہاں چاندنی کی روشنی میں کسی انسان یا غیر انسانی مخلوق کے کوئی آثار نہ تھے۔

"اچھا ہٹو تم' میں ڈرائیو کرتا ہوں۔" بہزاد فیصلہ کن انداز میں گاڑی سے اترا۔ ڈرائیور ذاکر تمام تر ادب اور لحاظ بھلا کر تیزی سے فرنٹ سیٹ پر کھسک گیا اور خود کانپتے لبوں سے قرآنی دعاؤں کا ورد کرنے لگا۔

بہزاد نے گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے اسے دیکھا اور دھیرے سے ہنس دیا۔ باقی کا تمام راستہ سکون وعافیت سے گزر گیا۔ یہاں تک گاڑی کچے پکے راستوں پر ہچکولے کھاتی حویلی کے بڑے اور عالی شان پھاٹک کے سامنے آن رکی۔

⊙□......□......□⊙

چھٹی کے وقت کالج گیٹ پر روزانہ والا ہی رش تھا۔ پھر بھی اس نے دور ہی سے لینڈ کروزر سے ٹیک لگائے ہوئے اس آوارہ اور چھچھورے شخص کو دیکھا۔ اس کے وہی انداز تھے۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے نوٹ کر رہی تھی۔ جہاں وہ گیٹ سے نکلتی اور اس کی گاڑی کے سامنے سے ہوتی ہوئی آگے جاتی۔ وہ اپنی بڑی ساری گاڑی چھوڑ

کراس کے پیچھے پیچھے چل پڑتا۔ شروع میں تو زارا کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔ وہ شکل ہی سے کوئی بہت پیسے والا مغرور اور بدکردار شخص لگتا تھا۔ اس کالج میں ایسے لوگوں کی آمدورفت کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ وہاں بہت سی دوسری ویل آف فیملیز کی لڑکیاں بھی پڑھتی ہیں اور لڑکے لڑکیوں کے چکر بھی آئے دن منظر عام پر آتے رہتے تھے۔ یہ کوئی نئی یا بہت بڑی بات نہیں تھی۔ لڑکیاں اس سچویشن کو بہت انجوائے کرتی تھیں۔

ایک پیسے والا بگڑا ہوا امیر زادہ جس کے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ وہ یہ بڑی ساری گاڑی میں آتا' اور ایئر کنڈیشن سے نکل کر دھوپ میں کھڑا رہتا' پھر اس کے چلنے پر اپنی شاہانہ اور عالی شان گاڑی چھوڑ کر اس کے پیچھے چل پڑتا۔ وہ بھی اگر کسی امیر کبیر باپ کی لاڈلی بیٹی ہوتی یا اس کے نزدیک اپنے کردار کی پختگی اور نیک نامی کی کوئی حیثیت نہ ہوتی تو' اب تک ان دونوں کے درمیان خیر سگالی مراسم کا تبادلہ ہو چکا ہوتا۔ یہاں معاملہ الگ تھا۔ وہ پہلی بار اسے یوں پیچھا کرتے دیکھ کر بری طرح گھبرائی۔ اگلے دن کالج ہی نہیں گئی' پھر تین لڑکیوں کے گروپ کے ساتھ نکلی اور بنا دائیں بائیں دیکھے آگے بڑھتی چلی گئی۔ اگلے کئی روز تک وہ شکل نظر نہیں آئی' اس نے بھی سکون کا سانس لیا' لیکن پھر جلد ہی یہ سکون غارت ہو گیا۔ وہ ایک روز پھر یونہی اس کے قدم ناپنے کو کھڑا تھا۔

کئی بار صورت حال ایسی رہی پھر...... پھر اس کا خوف ختم ہو گیا۔ اس نے اس چھچھورے امیر زادے کو بالکل ہی نو لفٹ کرا دیا۔ خیال تھا کہ اب راہ راست پر آجائے گا اور اگر مجھے کوئی ایسی ویسی لڑکی سمجھ رہا ہے تو یقیناً اپنی غلط فہمی دور کرلے گا لیکن اس دن پتہ چلا کہ غلط فہمی کا شکار تو وہ خود تھی۔ وہ بھی عام دنوں جیسا ہی دن تھا۔ بس صبح صبح ہونے والی فاریہ کے ساتھ بک بک نے اس کا دماغ تپا رکھا تھا۔ اوپر سے وہ پاگل اور لوفر انسان کشاں کشاں اس کے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ اس کا دماغ بری طرح کھولنے لگا۔

''مس ایکسکیوزمی...... سنیے مس۔'' آج گروپ کی دو میں سے تین لڑکیاں غیر حاضر تھیں اور تیسری اپنے گھر کی گلی میں مڑ چکی تھی۔ اس وقت اس گلی میں دور دور تک سناٹا تھا۔ تبھی اس اکیلے پن اور تنہائی سے شہ پا کر وہ اسے مخاطب کر بیٹھا۔ وہ بے حد خار کھائی ہوئی فیصلہ کن انداز میں پلٹی۔

''جی فرمایئے۔''

''ایک ضروری بات کرنی ہے آپ سے۔'' اس کے رکتے ہی اس شخص کے چہرے پر ایک پرغرور مسکراہٹ ابھری۔ لہجہ ٹھہر گیا اور وہ ذرا کی ذرا اس کی بھاری آواز کے رعب میں آگئی۔

''دیکھیے مسٹر......''

''بہروز...... بہروز شاہ بخت کہتے ہیں ناچیز کو۔''

''جو بھی آپ کا نام ہے۔ مجھے نہ تو آپ کی بات سننی ہے نہ کوئی بات کرنی ہے۔ بہتر ہوگا کہ آئندہ آپ میرا پیچھا نہ کریں۔'' اس نے بات مکمل کر کے رکنا مناسب نہیں سمجھا لیکن وہ آگے بھی نہیں بڑھ سکی کیونکہ بہروز شاہ بخت اپنا لمبا چوڑا وجود لے کر اس کے رستے میں حائل ہو گیا تھا۔ زارا گھبرا سی گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔ ہٹیے میرے راستے سے۔''

''ہم کسی کے راستے میں ہٹنے کے لیے کھڑے نہیں ہوتے میری بلبل۔'' اس کا لہجہ اور انداز بے حد عامیانہ تھا۔ زارا کے کان لوؤں تک سرخ ہو گئیں۔

''کیا بکواس ہے۔ راستہ دو ورنہ میں شور مچا دوں گی۔'' وہ ڈر گئی تھی لیکن ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بہروز کی ہنسی نے اسے جتایا کہ وہ کتنی بری اداکاری کر رہی ہے۔

''مچاؤ شور...... شوق سے مچاؤ۔'' وہ بڑی ادا سے اس کے سامنے جھکا۔

''تم جیسی نازک تتلیوں کا شور مچانا' پر پھڑپھڑانا بہت پسند ہے۔'' اس کا چہرہ زارا کے چہرے کے اس قدر نزدیک تھا کہ زارا کو جھرجھری سی آگئی۔ وہ بے اختیار

ایک قدم پیچھے ہٹی پھر سائیڈ سے ہو کر نکلنے لگی تھی کہ بہروز نے اس کی کلائی جکڑ لی۔

زارا کے اندر طیش کی ایک شدید لہر اٹھی۔ اس نے دایاں ہاتھ اٹھایا اور پوری قوت سے اس شخص کے منہ پر دے مارا۔ بہروز شاہ بخت پتھرا سا گیا' غصے کی شدت سے اس کی آنکھوں میں لہو اترا اور زارا اس کی لمحے بھر کو کمزور پڑتی گرفت سے فائدہ اٹھا کر وہاں سے بھاگ نکلی۔

⁂

''دستی خیراں...... ست بسم اللہ...... بھلی کرے آیو میرا چاند...... میرا لال...... میرے جگر کا ٹکڑا۔'' انہیں کمرے میں قدم رکھتا دیکھ کر گھٹنوں سے مسلے پر بیٹھی شاداب ماں تیزی سے اٹھیں' ان کی بوڑھی ہڈیوں میں اتنا دم نہیں تھا کہ لمبا چوڑا وسیع و عریض کمرہ عبور کر کے دہلیز پر رکے بہزاد کو یک لخت جا لپٹتیں۔ ان کی چال میں بھی اب کافی دھیمی رفتار ہوتی تھی۔

بہزاد نے انہیں اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو' چند لمحے ہچکچائے پھر خود ہی تیز قدموں سے چلتے ان تک پہنچے اور انہیں اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ شاداب ماں کی سوکھی آنکھوں سے چشمے پھوٹ پڑے اور جھری زدہ لبوں سے دعاؤں کے سوتے جاری ہو گئے۔ سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا۔ یوں لگا جیسے صدیوں کی پیاسی زمین پر ابر باراں برس پڑا ہو۔ انہوں نے اپنا آپ اپنی اولاد' اپنے بیٹے کے سینے میں سمو دیا۔

یہ گرمی' یہ خوش بو' یہ سینہ اور یہ مضبوط حفاظتی حصار......! وہ کتنے برسوں سے ترس رہی تھیں۔ تڑپ رہی تھیں' اپنی اولاد سے ملنے کو......! ان کی پیاسی ممتا پر ڈھیر سے ڈھیر سے پھوار پڑ رہی تھی اور آنکھوں کے رستے بہہ بہہ کر بہزاد کے سینے میں جذب ہو رہی تھی۔ بہزاد کی اپنی آنکھیں بھی جلنے لگیں۔

انہوں نے کب دیکھے تھے۔ ایسی محبتوں کے مظاہرے' انہیں تو ہمیشہ فاصلے پیدا کرنا' فاصلے پر رہنا اور دوسروں کو بھی فاصلوں پر رکھنا سکھایا گیا تھا۔ وہ جس حادثے کی دہشت سے بے ہوش ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہیں ہاسپٹل میں ہوش آیا تھا۔ لیکن وہاں ان کے ایک دو کولیگز کے سوا کوئی نہ تھا' جو ان کے لیے پریشان ہوتا۔ ان کی زندگی کی صحت یابی کی دعائیں کرتا اور سب سے بڑھ کر اس محبت سے ان کی پیشانی پر بوسہ دیتا جس میں ممتا کی خوش بو تھی۔ مسیحائی کی مہک تھی' محبت کی چاشنی تھی۔

> **ناداں لڑکیاں**
>
> ہم ناداں لڑکیاں
> پلکوں پر خواب سجا کر
> تتلیوں کے پیچھے دوڑنا
> چھوٹی سی بات پر منہ بسور لینا
> غم کے موقعوں پر زور سے ہنس دینا
> زندگی کو سمجھنے سے ناآشنا ٹھہری
>
> سائرہ حبیب اوڈ...... عبدالحکیم

وہ بے قرار ہو گئے' اپنی ماں کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کے کتنے لمحے یونہی گزار دیے۔ شاداب ماں کی آنکھیں اور بہزاد شاہ بخت کی آنکھیں' بیک وقت پیاسی بھی تھیں اور گیلی بھی۔ کمرے میں موجود ملازمائیں بھی اشک بہا رہی تھیں اور ان دونوں کے علاوہ ہر چیز نے اپنی حیثیت کھو دی تھی۔ پھر لمحے آگے سرکے اور کمرے میں ایک آواز گونجی۔

''اداسائیں۔'' شاداب ماں ایک دم ہوش میں آئیں اور بہزاد کے چوڑے سینے کے پیچھے جھانک کر کمرے میں داخل ہوتی بختاور کو دیکھا۔

''بخت میری دھی رانی...... آ...... ادھر آ دیکھ تو کون آیا ہے۔ ادا آیا ہے تیرا۔'' بہزاد نے بھی پلٹ کر دیکھا۔

اٹھارہ سے بیس سالہ نازک اندام گوری چٹی لڑکی نگاہوں میں معصومیت بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔ بہزاد نے مسکرا کر اپنی بانہیں پھیلائیں اور وہ دوڑ کر اس میں سما گئی' سر سے پیر تک خود کو آف وائٹ چادر میں لپیٹے اس

معصوم اور کم سن لڑکی کے سر سے چادر ڈھلک چکی تھی۔ بہزاد نے اس کے ریشمی بالوں پر محبت سے بوسہ دیا ہاتھ رکھا اور سر سے سرکی ہوئی چادر واپس ڈال دی۔ برس ہا برس سے حویلی کے سوگوار در و دیوار میں جیسے زندگی سی جاگ اٹھی تھی۔

⦿□......□......□⦿

کئی بار دستک دینے پر بھی نہ کسی نے دروازہ کھولا نہ ہی کوئی جواب آیا۔

لاکھ لاپروا ہونے کے باوجود اس کے دل میں ہلکی سی فکر نے سر اٹھا ہی لیا۔ اس نے دستک دے کر ایک آخری کوشش کی' اندر ہنوز خاموشی تھی اور ایسا آج پہلی بار ہوا تھا۔ اس نے موبائل نکال کر ٹائم دیکھا۔ ابھی رات کے گیارہ بجے تھے اور وہ روزانہ سے تھوڑا سا لیٹ ہوگیا تھا۔ لیکن اندر موجود وہ اگر سو بھی گئی تھی تو اتنی دستکوں بلکہ اچھی طرح دروازہ دھڑ دھڑانے کے بعد تو آنکھ کھل جانی چاہیے تھی۔ اس نے گلی میں دائیں بائیں دیکھا' زیادہ تر گھروں کے مکین اپنے گھروں کی بیرونی بتیاں بجھا چکے تھے۔ اس نے فیصلہ کن انداز میں متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا' پھر دو تین ٹوٹی پھوٹی اینٹوں کو اٹھا کر دیوار کے ساتھ رکھا' ایک پیر ان پر جما کر اندازہ کیا' دیوار کی منڈیر پر ہتھیلیاں جمائیں اور اگلے کچھ پلوں میں وہ گھر کے اندر کود چکا تھا۔ اس کے کودنے سے دھم کی آواز پیدا ہوئی پھر خاموشی چھا گئی' یوں لگتا تھا گھر کے اندر کوئی ذی روح ہے ہی نہیں۔ مغرب کے بعد لائٹیں بھی نہیں جلائی گئی تھیں۔

''کیا گھر کے اندر واقعی کوئی نہیں ہے۔'' اسے تشویش اور الجھن نے ایک ساتھ پکڑا اور وہ اپنے دھیان کا ہاتھ چھڑواتا اندر کمرے تک پہنچا تو بستر پر سارے سوالوں کے جواب موجود تھے۔

اس کا بخار کی حدت سے تپتا ہوا وجود نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا۔ اس نے جلتی ہوئی پیشانی پر ہتھیلی رکھا اور پھر فوراً ہٹا لیا۔ چند لمحوں بعد وہ لیڈی ڈاکٹر کو فون کر رہا تھا۔

⦿□......□......□⦿

''ادا سائیں...... مجھے...... مجھے بہروز شاہ بخت پسند نہیں۔'' بہزاد کے آنے کے بعد جب پوری حویلی میں خوشی کے شادیانے بج بج کر خاموش ہوئے۔ سات دن سے مسلسل جلتے چولہے ٹھنڈے پڑے' کھڑکتی دیگوں میں خاموشی ہوئی' لنگر خانہ بند ہوا اور باہر کے احاطے سے قناطیں سمیٹی گئیں تو یہ پہلی بات تھی جو بختاور نے اپنے بڑے بھائی کو اعتماد میں لے کر کی تھی۔

اسے معلوم تھا انگریزی تعلیم انگریزوں کے درمیان بیٹھ کر حاصل کرنے والا اس کا ادا سائیں اس بہروز بخت جیسے جاہل انسان سے ہزار گنا بہتر ذہنیت رکھتا ہوگا اور یہ ٹھیک بھی نکلا۔ بہزاد نے تحمل سے اس کی بات سنی پھر وجہ پوچھی۔

''ادا وہ ایک عیاش مرد ہے۔ میں ایسے مرد کے ساتھ ساری زندگی گھٹ گھٹ کر نہیں جی سکتی۔ وہ اپنے اور میرے رشتے کے بارے میں بھی بالکل سنجیدہ نہیں' بلکہ وہ تو...... میری کالج کی دوستوں کو بھی بری نظر سے دیکھتا ہے۔'' بختاور اب خود پر سے ضبط کھو کر سسک اٹھی۔

''آئے دن ڈیرے سے خبریں آتی ہیں کہ اس نے وہاں عورتیں بلائیں اور......'' اس سے آگے وہ اپنے بھائی سے کچھ نہیں کہہ سکی۔ بہزاد شاہ نے روتی ہوئی بہن کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

حویلی کی ریت رواج اور اقدار کا پاس ان کو بھی تھا۔ لیکن جو اندھیر یہاں بہروز نے مچایا تھا وہ واقعی قابل مذمت تھا۔ ایسے بے لحاظ تو ان کے باپ دادا اور چچا بھی نہیں تھے۔ وہ خود بھی بہروز کے رنگ ڈھنگ دیکھ ہی رہے تھے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ اپنی بہن کے لیے حقیقی معنوں میں کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے۔ شاداب (ماں) مر کر بھی بہروز کے ساتھ اس کی بچپن کی منگنی کو ختم نہ ہونے دیتیں اور پھر غیر ذات اور برادری میں اس کا رشتہ کرنا تو ایسا خواب تھا جو شاید اگلے جنم میں بھی شرمندہ تعبیر نہ ہو پاتا۔ بہزاد کو اندازہ تھا جبھی بہن

کی ہمدردی میں ماں کے آگے مقدمہ رکھا تو لڑنے سے پہلے ہی ہار گئے۔ شاداب ماں نے سخت الفاظ میں ان کو تنبیہہ کی کہ ایسی بات کے بارے میں وہ خواب میں بھی نہ سوچیں۔ ورنہ بہروز شاید سارا ادب لحاظ بھلا کر مرنے مارنے پر تل جائے گا۔ اب جب اتنے دنوں کے بعد وہ حویلی میں واپس پلٹے ہیں تو شاداب ماں کو کھل کر یہ خوشی منا لینے دیں۔ اتنے سالوں بعد حویلی کی روٹھی ہوئی خوشیوں کو واپس بلا کر انہیں لہو کا غسل دینے کی ان میں ہمت نہیں تھی۔

شاداب ماں کے الفاظ اتنے قطعی تھے اور ان کے لب و لہجے میں ایسی التجا تھی کہ بہزاد آگے سے ایک لفظ بھی نہ بول سکے جب وہ ماں کے پاس سے اٹھے تو مایوسی نے ان کے پورے وجود پر اپنے سیاہ پر پھیلا رکھے تھے۔ ناامیدی اور بہن کو مایوس کر کے ایک ناپسندیدہ زندگی میں دھکیل دینے کے تصور سے ہی ان کے اعصاب شکستہ اور کندھے جھک چکے تھے۔ شاداب ماں کے کمرے کے دروازے سے چپک کر کان لگائے سنتی بختاور کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ آنسو جو اس کی اپنی ماں نے ساری زندگی بہائے تھے اور اب وہ بخوشی ان آنسوؤں کو تاعمر اپنی بیٹی کو تحفے میں دینے والی تھی۔ تب بھی ان آنسوؤں کی کوئی وقعت تھی نہ قیمت......!

☯□......□......□☯

وہ وہاں کیوں تھی...... اسے کیوں لایا گیا تھا...... کون تھا اور اس کا اتنا بدترین دشمن جسے نہ اس کی زندگی کی پروا تھی نہ موت کی...... وہ جی رہی تھی...... کوئی پوچھتا نہ تھا...... وہ مرگئی تھی...... کسی کو یاد نہ تھا۔ تو پھر وہ کیوں تھی وہاں اُسے رہا کیوں نہیں کرتا تھا اسے وہاں لانے والا۔

دن بھر پتھرائی ہوئی نگاہوں سے در و دیوار کو تکتے جب وہ خود سے سوال کرتے کرتے تھک جاتی تب سرزمین پر ڈال کر دھیرے دھیرے رونے لگتی۔ اس سے اب زور زور سے چلا چلا کر رویا نہیں جاتا تھا۔ پسلیوں سے زور نہیں لگایا جاتا تھا۔ وہ کھانا لے کر آنے والی عورت کو بھی ساکت نگاہوں سے تکا کرتی۔ اس کا چہرہ سپاٹ ہو چکا تھا۔ اسے سوائے موت کے اور کسی چیز کا انتظار نہیں تھا۔ نہ اس شخص کا جو اسے وہاں لے کر آیا تھا۔ اور نہ ان سوالوں کا جو صبح سے شام شام سے رات اور رات سے صبح کرتے اس کے ذہن میں کلبلاتے پھرتے تھے۔

فجر کی اذانوں کی بے حد مدھم آوازیں کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ اس کی آنکھ کھلی تو وہ بے ساختہ اٹھ بیٹھی۔ باتھ روم میں جا کر غسل کیا اور وہاں لٹکایا گیا دوسرا جوڑا پہن لیا۔ رب تعالیٰ کے حضور معافی مانگ کر بے اندازہ ایک طرف رخ کر کے قبلہ رو کھڑی ہوگئی۔ پوری نماز فجر کے دوران اس کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ اسے اپنے اوپر ترس نہیں غصہ آرہا تھا۔ کیونکہ اس نے خدا کو پکارا تو بہت بار تھا لیکن ڈھنگ سے حاضری ایک بار بھی نہ لگائی تھی۔ حالانکہ اللہ نے اسے خود سے قریب کرنے کے لیے اسے کیسا سنہری موقع دیا تھا۔ اس کی سوچیں بدل رہی تھیں۔

وہ قیام کی حالت میں تھی۔ اس کا ذہن پلٹ رہا تھا۔ وہ رکوع کر رہی تھی۔ اس کے اندر نئی زندگی جاگ رہی تھی۔ وہ سجدے میں تھی۔

''پاکی بیان کرتی ہوں میں اپنے پروردگار و بزرگ کی۔'' وہ گھٹنوں پر رکھے ہاتھ اٹھا کر سیدھی ہوئی۔

''اللہ نے اس کی سن لی جس نے اس کی تعریف کی۔'' اس کے لب ہل رہے تھے۔ وہ سیدھی ہو کر لحہ بھر کی اُسے یقین تھا کہ اس کا رب اللہ جل شانہٗ اسے سن رہا تھا۔

''اے اللہ! تیرے لیے ہی سب تعریف ہے۔'' اس کے دل میں سکون داخل ہو رہا تھا۔

''پاکی بیان کرتی ہوں میں اپنے پروردگار و برتر کی۔'' وہ سجدے میں ٹھہری ہوئی تھی۔

''سلام ہو تم پر اور اللہ کی رحمت۔'' اس نے داہنی طرف سلام پھیرا پھر بائیں طرف اور اس کے دل میں دماغ میں روح میں وجود میں سب جگہ جیسے ایک سکون سا اتر آیا۔

اس زنداں میں گزرے شب وروز اس کے سامنے فلم کی طرح گزر رہے تھے۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے رہی‘ لیکن اسے رونا نہیں آیا یہ کیسا مقام تھا‘ یہ کیسی گھڑی تھی‘ یہ کون سی ساعت تھی۔ وہ سرتا پیر‘ خیر ونور میں نہائی ہوئی تھی۔ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھوں میں دعاؤں کے پھول تھے اور لبوں پر ذکر الٰہی۔

”یااللہ! میں گواہی دیتی ہوں‘ آپ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں‘ آپ وحدہ لاشریک آپ کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ میرے نبی‘ میرے آقا سرکار دو جہاں پر لاکھوں درود وسلام۔“ وہ دیر تک درود وسلام پڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ بند کمرے میں دھندلی روشنی پھیلنے لگی۔ اس کے ہاتھ پھیلے رہے۔

”تیری دی ہوئی کوئی تکلیف‘ خوشی‘ غم اور کوئی راحت حکمت سے خالی نہیں۔ مجھے میرے صبر اور ضبط سے بڑھ کر مت آزمانا میرے مالک! یہ آزمائش تیری طرف سے ہے۔ اسے ختم کرنے والا بھی تو ہی ہے۔ مجھے یہاں تک لانے والا بھی تو‘ اور یہاں سے بحفاظت نکال کر لے جانے والا بھی تو ہی ہے۔ میں تجھ سے دعا مانگتی ہوں اللہ کریم...... اگر یہ میرے کسی عمل کی سزا ہے تو میری توبہ اپنی بارگاہ میں قبول فرما اور اگر یہ میرے لیے کوئی آزمائش ہے تو‘ مجھے اس میں ثابت قدم رکھنا...... آمین ثم آمین۔“ دعا مانگ کر اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرے اسی وقت دروازے پر کھٹکا ہوا اور کوئی باہر سے لگی ہوئی کنڈی کھول کر اندر داخل ہوا۔

اس نے بنا چونکے پلٹ کر دیکھا‘ اور آنے والے کو دیکھ کر اس پر غم وغصے کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

⊙□......□......□⊙

ڈاکٹر پتہ نہیں کیا کیا ہدایات دے رہی تھی اور وہ دونوں ہی ساکت‘ بے جان مورتوں کی مانند اسے سن رہے تھے۔ یوں لگتا تھا وہ اس زبان سے یکسر نابلد ہیں حالانکہ وہ تو اردو میں بات کر رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے انہوں نے کوئی بھوت دیکھ لیا ہے۔ لیکن نہیں یہ تو ان کی اپنی زمین تھی‘ قدموں کے نیچے‘ کم سے کم فاریہ کے قدموں کے نیچے تو تھی۔ اور سر پر سائبان کی صورت آسمان بھی تھا۔ اس نے چونک کر اپنے شریک حیات کو دیکھا‘ کیا پتہ اس کے قدموں تلے زمین اب تک تھی یا......

پھر اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ آیا‘ جس پر لکھے ہوئے متن کا مفہوم تھا کہ اس کی زندگی سے کوسوں دور بلکہ ہزاروں نوری سال کے فاصلے پر کھڑی بہاریں آ کر اس سے لپٹنے والی ہیں‘ اسے چومنے والی ہیں اور رب تعالیٰ اسے انسانیت کے سب سے اونچے رشتے پر فائز کر کے اس کے قدموں تلے زمین نہیں بلکہ جنت بچھانے والا ہے۔ امان نے نسخے کا پرچہ ہاتھ میں پکڑ کر فرماں برداری سے سر ہلایا۔ وہ اس کے ماتھے کی شکنیں باآسانی دیکھ سکتی تھی اور ایک بار پھر خود کو یقین دلایا۔

”ہاں...... میں ماں بننے والی ہوں۔“

⊙□......□......□⊙

غیض وغضب سے اس کے منہ سے کف اڑنے لگا۔ شدید مغلظات بکنے کی کوشش میں زبان لڑکھڑائی اور وہ...... وہ ایسے ہی سامنے کھڑا مسکراتا رہا۔

”کیوں...... حیران رہ گئی ناں...... یقین تو نہیں آ رہا ہوگا تجھے‘ خود کو بڑا سورما سمجھتی تھی ناں‘ اب پتہ چلا تجھے...... بہروز سے پنگا لینے کا انجام...... بلکہ نہیں...... ابھی کہاں...... تجھے تو ابھی بہت کچھ پتہ چلنا ہے۔“ اس کے لہجے میں سانپ جیسی پھنکار تھی۔

زارا کے تن بدن میں ایک سرد سی لہر سرائیت کر گئی۔ ٹانگیں یوں بے جان ہو گئیں گویا کسی بھی لمحے لڑکھڑا کر گر پڑیں گی۔ آنکھیں اپنے دائروں سے باہر ابل آئیں اور اس کے پیروں نے مزید بوجھ سہارنے سے انکار کر دیا‘ وہ دھڑام سے فرش پر گری‘ اس شیطان کو اپنی طرف بڑھتا دیکھنے لگی‘ جو دروازے کی اندر سے کنڈی لگا چکا تھا اور اب چہرے پر دنیا جہاں کی خباثت طاری کیے‘ اپنے ناپاک

ارادوں کی تکمیل کی خاطر اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

☯□......□......□☯

آتے ہوئے جاڑے نے آدھے سے زیادہ دن کو اپنی آغوش میں بھر رکھا تھا۔ جتنی جلدی سورج اترتا' دوسرے دن چڑھنے میں اتنی ہی سستی دکھاتا۔ فضاؤں میں باجرے کی ٹکی اور حلوؤں مانڈوں کی مخصوص خوشبوئیں تھیں۔ زیادہ تر گھروں کے کچے آنگن میں' کھیس' رلیاں اور رضائیاں دھوپ لگنے لگیں تھیں۔ اصلی گھی اور مکھن کی خوش بو سے گاؤں کے گاؤں مہک جاتے۔ سرمئی شامیں اداسی کی ردا اوڑھ لیتیں اور صبحیں کہر آلود ہو جاتیں۔ شدید سردی میں مغرب کے بعد ہی کچی پکی گلیوں میں ویرانہ ہو جاتا اور اس موسم میں پورن ماشی آجاتے تو...... پھر تو......

☯□......□......□☯

سفید چادر میں سرتا پیر خود کو ڈھانپے اور پیچھے رہ جانے والوں سے اپنا دل و ذہن چرائے وہ ہیولہ تیزی سے آگے اور آگے املتاس کے نزدیک بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ آج انتظار کی گھڑیوں کے اختتام کا دن تھا۔ آج اس کی آزادی کا دن تھا۔ اپنی من پسند زندگی من پسند جیون ساتھی کے ساتھ گزارنے کے آغاز کا دن تھا۔

وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی...... سب کچھ...... ہر چیز...... اپنی پچھلی زندگی' ایک ناپسندیدہ شخص کا ساتھ...... اپنی بے بسی اور بے کسی...... اور...... اور وہ ایک لڑکی...... وہ معصوم لڑکی' جو بہروز شاہ بخت کے ڈیرے پر مقید تھی' وہ اسی کی کلاس فیلو تھی' اس کی دوست تھی' اسی کے گروپ میں تھی۔

بختاور روز اس سے ملتی' اس کی ہنسی' اس کا غصہ' اس کا اترانا' گھبرانا پریشان ہونا سب اس کی نظروں کے سامنے ایک فلم کی طرح گزر رہا تھا۔ جب بہروز نے اس کے سامنے اپنے ناپاک عزائم کا ذکر کیا' تب اس کے دل میں بہروز کے لیے کیسی نفرت کے دریا ٹھاٹھیں مار رہے تھے' اس کا دل چاہا تھا کہ وہ بہروز کے منہ پر تھوک دے' وہ اسی کے سامنے اپنی ہونے والی بیوی اور اپنی بچپن کی منگ کے سامنے' اس سے پیار محبت کی باتیں تو دور' کسی کی عزت خراب کرنے کے ارادوں کا ذکر کر رہا تھا۔ اس وقت بختاور کو زارا کا وجود خود سے بہت عظیم' بہت مہان اور بہت بلندی پر دکھائی دیا تھا۔ اس کا دل تڑپا تھا کہ وہ ایک بار صرف ایک بار جا کے زارا کو خبردار کر دے' اسے کالج آنے سے منع کر دے' اسے بتائے کہ تم نے جس جرأت کا مظاہرہ کیا اس پر تمہیں سات سلام' لیکن اس کے نتائج اچھے نہیں ہوں گے' جو کام تم کر گئیں وہ تو میں نے کتنی بار سوچا لیکن کر نہیں سکی' اور اب......!

اب اسے ذرا سکون اور اطمینان تھا۔ وہ بہروز کے منہ پر تھوک نہیں سکی تھی' لیکن اس نے زارا سے زیادہ زوردار طمانچہ اپنے ہونے والے شوہر کے منہ پر دے مارا تھا۔

''میں خود باکردار ہوں اس لیے کسی بدکردار مرد کے ساتھ گزارا نہیں کر سکتی۔'' اپنے ادا سائیں کے نام چھوڑے گئے خط میں اس نے خود اعتراف کیا تھا کہ وہ یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہے' اس میں تفصیل سے بہروز کی ساری حرکتوں کا ذکر تھا اور زارا کا بھی...... لیکن اس خط میں اس نے زارا کو بچانے کی کوئی منت سماجت نہیں کی تھی' اب تک زارا کو غائب ہوئے اتنا عرصہ گزر گیا تھا کہ یقین سے یہ کہنا بھی مشکل تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا......!

یوں بھی اس جیسی لڑکیاں جب بہروز جیسے درندوں کا شکار بنتی ہیں تو اس کے بعد بخوشی موت کو گلے لگا لیتی ہیں ابدی زندگی کا تلخ گھونٹ امرت سمجھ کر پی جاتی ہیں۔ وہ اس فانی دنیا اور یہاں کی تمام غلاظت کو اسی ناپاک دنیا کے غلیظ لوگوں کے ہاتھ میں تھما جاتی ہیں' یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کی موت حرام ہے لیکن اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے حساب ضرور لے گا۔

اور اگر وہ زندہ بھی تھی' تو بہروز شاہ بخت نے اس کا وہ حال کیا ہوگا کہ وہ زندوں میں رہی ہوگی نہ مردوں میں۔ پھر ایسی زندہ لاش کو ڈیرے کی دم گھوٹتی زنداں سے باہر نکلوا کر میں کیا کروں گی' سوائے اس کے کہ اسے ایک اندھیرے کمرے سے نکال کر دنیا والوں کی تیز نظروں

میں دن کی روشنی میں لاکھڑا کروں' جہاں تمام لوگوں کی اٹھی ہوئی انگلیاں تیر بن کر اس کی روح میں پیوست ہوجائیں' کبھی نہ نکلنے کے لیے...... جتنے تیز اس کے قدم تھے' اس سے بھی تیز اس کا دماغ دوڑ رہا تھا۔

اس کی منزل قریب آ گئی تھی' دور گہرے گھنے سائے کے نیچے ایک ننھا سا شعلہ حرکت کر رہا تھا۔ وہ بھی آج یقیناً پریشان تھا۔ جبھی اس نے پہلی بار بختاور کے انتظار میں دھواں پھونکا تھا۔

بختاور...... جو بہروز شاہ بخت کی منگ تھی' جو شاداب ماں کی اکلوتی بیٹی تھی۔ جو حویلی کی عورتوں میں سب سے زیادہ پڑھی لکھی تھی اور جو کالج کی سب لڑکیوں اور اساتذہ کے لیے حسن و خوب صورتی کی نزاکت کی مثال تھی اور ان کے لیے لیلیٰ بختاور تھی۔

......

اگر قیامت کبھی آنی تھی تو یقیناً اس پر وقت سے پہلے آ چکی تھی۔ ڈیرے کے باہر بھوکے کتے بھیڑیوں کی طرح منحوس آوازیں نکالتے رو رہے تھے اور وہ اپنے ٹکڑے ٹکڑے وجود کو سمیٹنے کی سکت تک نہ رکھتی تھی۔ ایک ایک جوڑ یوں فریادی تھا جیسے پھانسی کا مجرم آخری رات کو فریادی ہوتا ہے۔ اب ان آتی جاتی سانسوں کے علاوہ اس کے پاس کچھ باقی نہیں بچا تھا' ایک آخری عزت کا سہارا تھا تو وہ بھی ہاتھ سے گیا۔ نہ اس کی التجائیں کام آئیں' نہ اللہ رسول کے واسطے' نہ ماں بہن اور بیٹی کے حوالے' وہ جو بھی تھا' اس وقت کچھ نہیں تھا' نہ باپ' نہ بیٹا' نہ بھائی' وہ تو شاید اپنے اندر کا انسان بھی کہیں مار کر دفن کر آیا تھا اور اب اس کے اوپر کسی وحشی درندے کا قبضہ تھا۔ جس نے اس کا کمزور جسم نوچ نوچ کھایا اور کسی بھوکے گدھ کی طرح جب رج گیا تو آئندہ کے لیے اسی زنداں میں دفن کر گیا...... اور وہ کر ہی کیا سکتی تھی۔

رو سکتی تھی...... رو رو کر ہار گئی' چیخ سکتی تھی' چیخ چیخ کر تھک گئی اور اب جی جی کر مر رہی تھی یا اللہ جانے مر مر کر جی رہی تھی۔ اسے دن کی خبر تھی' نہ رات کا ہوش۔ کھانا لانے والی عورت نے ہی اس کے منہ میں نوالے ڈالے' پانی ٹپکایا' کپڑے بدلوائے' اس کا نیل و نیل جسم اور نقاہت دیکھ کر وہ بھی برداشت نہ کر سکی' منہ میں دوپٹہ ٹھونس کر ہچکیاں بھرتی' بددعائیں دیتی رہی۔

اس کی زبان تو بددعا دینے کے بھی قابل نہیں رہی تھی۔ بس ایک نگاہ...... ایک شکایتی نگاہ اس نے قید خانے کی چھت سے جڑے روشن دان سے جھانکتے فلک پر ڈالی اور پھر نگاہ جھکالی تھی۔ اس ایک نگاہ میں کیا تھا' شکایت' بے بسی' التجا' محرومی اور کیا نہ تھی' دعا' امید آس......! اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس مظلوم کی آہ سے بچو جس کے پاس اللہ کے سوا کوئی شکایت سننے والا نہ ہو۔

تبھی چاند کی پندرھویں تاریخ اپنی صبح میں ایک تاریکیوں بھرا سورج لے کر طلوع ہوئی۔ بختاور کا کمرہ خالی تھا اور وہ پوری حویلی میں کہیں نہیں تھی۔ شاداب ماں نے اپنے سینے پر زور دار دو ہتھڑ مارے۔

''ہائے لے گئی' چودھویں کی بلائیں میری دھی کو لے گئیں۔ دے ربا' یہ کیا غضب ہوا ارے اماں...... ابا بہزاد اور بہروز سائیں کو بلاوے فضل۔'' ان کی چیخیں دیواروں اور دروازوں کے آر پار جا رہی تھیں۔ اور اس سب واویلے سے بے نیاز بہزاد شاہ اپنے کمرے کی اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھے وہ خط پڑھ رہے تھے جو بختاور ان کے نام چھوڑ گئی تھی۔

''اپنی بہتر زندگی کے لیے ایک کوشش میں نے آپ سے کروائی' آپ ناکام رہے' شاداب ماں نہیں مانیں' لیکن ایک پہلی اور آخری' کم سے کم ایک کوشش خود کرنا میرا حق بنتا ہے اوا سائیں اور یہ کوشش میں ضرور کروں گی۔ مجھے ڈھونڈنا فضول اور بیکار ہے' سائیں بہروز سے کہیے گا وہ خود کو تھکائے مت' ہاں لیکن ایک اور حرماں نصیب اس کے ڈیرے کی نجی جیل میں ایڑھیاں رگڑ رہی ہے اگر کچھ کرنا ہے تو اوا سائیں اس کے لیے کریں۔ باقی رہا بہروز تو شاید اب وہ اپنی پرانی بدکاری کی ڈگر چھوڑ کر شرافت کے راستے پر چل پڑے۔

اگرچہ ایسا ہونا ناممکن ہی نظر آتا ہے۔ دعا نہیں دے سکتے تو خدارا بددعاؤں میں بھی یاد نہ رکھیے گا۔ آپ کی اپنی اکلوتی چھوٹی اور مجبور بہن...... بختاور۔''

انہوں نے گہری سانس لے کر بڑی بڑی کھڑکیوں میں اترتی جاڑوں کی دھوپ کو دیکھا۔ دل میں تاسف کا ایک عجیب دکھ بھرا احساس ابھرا اور ان کی آنکھیں بھیگ گئیں پھر وہ اٹھے اور شکستہ قدموں سے باہر نکلے اور شاداب ماں کے کمرے میں آئے۔ جہاں بہروز کھڑا ان کی بہن کے خلاف زہر اگل رہا تھا۔

''کتیا اپنی مرضی سے گئی ہے حرام زادی...... اماں میں نے بھی اس کے ٹوٹے ٹوٹے نہ کیے تو میرا نام بہروز شاہ بخت نہیں۔ کاری کروں گا دونوں سالوں کو اور اس کے یار کی تو......!''

''بہروز......'' بہزاد شاہ کی دھاڑ میں اتنی جان ضرور تھی کہ سگی تائی کا لحاظ کیے بغیر مغلظات بکتی ان کی زبان لمحے بھر کو ٹھہری گئی۔

''کیا ہوا' کچھ پتہ چلا۔'' شاداب ماں ابھی تک اس امید میں تھیں کہ شاید رات میں اسے واقعی کوئی بدروح اٹھا کر لے گئی ہوگی اور اب بس زندہ یا مردہ...... وہ مل جائے کہیں سے۔ بہزاد نے نفی میں سر ہلایا' بہروز کو پھر سے شہ مل گئی۔

''پتہ نہیں چلے گا' اس کا پاسپورٹ غائب ہے' سب تلاشی لے لی ہے میں نے۔ نقدی' زیور سب پڑا ہے۔ صرف شناختی کارڈ اور پاسپورٹ لے کر بھاگی ہے۔'' اس نے پھر گالی دی اور اس بار بہزاد سے ضبط نہ ہوسکا۔

''اپنی گندی زبان کو لگام دو بہروز...... کہیں ایسا نہ ہو میرا ضبط ختم ہوجائے۔'' بہروز یوں رہ گیا جیسے رات میں سورج دیکھ لیا ہو۔

''واہ...... واہ ادا سائیں' کیا بات ہے' آپ کی واہ...... ابھی بھی آپ کا ضبط سلامت ہے واہ بھئی واہ' کیسے بھائی ہو آپ...... جس کی بہن رات کی تاریکی میں منگیتر کو چھوڑ کر یار کے ساتھ بھاگ نکلی اور آپ کہتے ہو میں زبان کو لگام دوں؟ ارے آپ جیسے بھائی کو تو ڈوب مرنا چاہیے۔''

''ڈوب مرنے کا مقام میرے لیے نہیں تمہارے لیے ہے بہروز۔'' ان کی آواز میں ذرا سی لرزش یا لڑکھڑاہٹ نہ تھی۔

''یہ دیکھیے...... اسے پڑھیے ماں۔'' انہوں نے ایک پرچا اپنی ان پڑھ ماں کے آگے پھینکا۔

''پڑھیں کہ کیا لکھا ہے' اس میں آپ کی بیٹی نے۔ وہ اس گھر سے بھاگی ضرور ہے لیکن کسی یار کی محبت میں بے قرار ہوکر نہیں بلکہ آپ کے بھتیجے اور ہونے والے داماد کے چلن سے مجبور ہوکر۔'' ان کی بلند آواز نے سب کو خاموش کرادیا۔

''تم تو پڑھے لکھے ہو۔ تم خود پڑھو اپنی آنکھوں سے تم جیسے بدکردار شخص کی بیوی بننے سے بہتر لگا اسے کہ وہ سب کی...... ہم سب کی عزتوں کو روند کر یہاں سے بھاگ نکلے۔ تمہارا عورتوں سے لگاؤ' ڈیرے کی جاگتی راتیں آوارگی' اس کی دوستوں پر بری نظر اور بختاور کے سامنے ہی اس کی دوستوں کے بارے میں فحش گفتگو' کس بات کا غرور ہے تمہیں خود پر' بہروز شاہ بخت' صرف عورت کو پیر کی جوتی یا جسم پر پہنا کپڑا سمجھ لینا مردانگی نہیں بلکہ انسانیت کے درجے سے بھی گری ہوئی حرکت ہے۔''

شاداب ماں پھٹی ہوئی نگاہوں سے بہزاد کو دیکھ رہی تھیں۔ بہروز کا سر جھک گیا تھا۔ وہ شاداب ماں کے سامنے اس انکشاف کی توقع نہیں کررہا تھا۔

''اور پوچھیے اس سے اماں سائیں' پوچھیے اس سے کون ہے وہ مجبور اور بے بس لڑکی' جسے تم نے مہینوں سے ڈیرے پر قید کررکھا ہے' کیا جرم ہے اس کا اور کون ہوتے ہو تم اسے کسی بھی کردہ و ناکردہ جرم کی سزا دینے والے بہروز...... یاد رکھو' اختیار' حسن' دولت' جوانی اور طاقت ہمیشہ رہنے والی چیزیں نہیں' ہمیشہ رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے ڈرو اس اللہ کی ذات کے قہر اور ناراضگی سے' موت صرف دوسروں کو ہی نہیں تمہیں بھی آنی ہے اور

"تم......" ان کی گونجتی آواز حویلی کی اونچی فصیلوں سے ٹکراتی یک لخت خاموش ہوئی اور پھر وہ بے ساختہ شاداب ماں کی طرف لپکے‘ جو اپنا دل تھامے جھکتی چلی جارہی تھیں۔

☯□......□......□☯

تین دن زندگی وموت کی کشمکش میں اپنی قوت ارادی اور آتے جاتے تنفس سے سخت جنگ لڑنے کے بعد شاداب ماں یہ جنگ ہار گئی تھیں۔ بہزاد شاہ بخت کو ان کی اس قدر اچانک موت اور اس پر اپنی بہن کی غیر موجودگی نے مکمل طور پر توڑ ڈالا تھا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیے اور انہیں کوئی کندھا میسر نہ آسکا۔ بہروز بھی صرف تدفین تک حویلی میں رکا اور پھر پتہ نہیں کہاں کی خاک چھاننے نکل کھڑا ہوا۔ وہ تن تنہا ہی تمام انتظام دیکھتے رہے اور اپنی جلتی ہوئی نم آنکھوں کو مسلتے تعزیت کے لیے آنے والوں سے پرسہ لیتے رہے۔

سوئم کی دنیاداری نمٹے بھی پہر دن گزر گئے تھے جب ان کی راکنگ چیئر آگے پیچھے جھولتی ہوئی رک گئی۔ کوئی خیال بجلی کے تیز جھٹکے کی مانند ان کے ذہن میں آیا۔ انہوں نے دھیرے سے کھڑے ہو کر اپنا دامن جھاڑا گویا تین دن پرانے مسلے ہوئے کپڑوں پر سے اعصاب شکن غم کی تھکن مٹانے کی ناکام کوشش کی پھر اسی آہستگی سے چلتے باہر پورچ تک آئے۔ حویلی کے بڑے پھاٹک کے کنارے بیٹھے چوکیدار کے پاس باتیں کرتا ان کا ڈرائیور انہیں دیکھ کر تیز قدموں سے بھاگتا ان کی طرف آیا۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور خود ہی آگے بڑھ کر جیپ کی ڈرائیونگ سیٹ پر سوار ہوگئے۔ چوکیدار نے مستعدی سے پھاٹک کھولا اور گہرے اندھیرے میں دھول اڑاتی ان کی جیپ حویلی سے نکلتی چلی گئی۔

☯□......□......□☯

فاریہ کے سر پر بجلی سی گری تھی۔ جب امان نے اسے بتایا کہ کامران نے زارا سے شادی سے انکار کردیا ہے۔

"لیکن کیوں امان‘ آخر انہیں اعتراض کس بات پر ہے۔" فاریہ کے بے بس لہجے سے پھوٹتی غصے کی چنگاریوں کی تپش باہر کھڑی زارا کو اپنے چہرے پر محسوس ہوئی تھی۔

"شاید کوئی اور دیکھ رکھی ہے اس نے۔" امان کی آواز دھیمی تھی۔

"اوہ تو یہ چکر ہے‘ آپ نے کچھ کہا کیوں نہیں ان سے۔ اگر وہ زارا سے شادی نہیں کریں گے تو پھر زارا سے شادی کون کرے گا۔" اس کی آواز میں غصہ تھا‘ زارا کے لیے کسی قسم کی کوئی فکر ہرگز نہیں تھی‘ زارا کی آنکھوں میں بے اختیار نمی بھرنے لگی اسے فاریہ پر غصہ آنے کے بجائے ترس آیا۔ اسے صرف اس بات کی فکر تھی کہ زارا اور امان کے درمیان بڑھتی بے تکلفی کسی رشتے کا تقاضہ نہ کرنے لگے اور اسے اپنے برسوں پرانے من چاہے خواب سے دستبردار ہونا پڑے۔

"مجھے امان کو اپنی طرف سے مایوس کرنا ہوگا۔" اس نے لمحہ بھر میں اپنے دل کی سجی سجائی دنیا کو مسمار کر ڈالا اور اپنے خوابوں کی راکھ کے ملبے پر صبر وضبط کا بھاری پیر جما کر سوچ گئی۔

خالہ نے خود کو صرف اس کی ماں کہا نہیں تھا بلکہ بن کر بھی دکھایا تھا‘ امی اور ابا کے انتقال کے بعد کوئی اس کے سر پر ہاتھ رکھنے کو تیار نہ تھا بہرحال وہ ایک لڑکی تھی اور یہ معاشرہ لڑکی میں اور ایک پرائے بوجھ میں کوئی فرق نہیں سمجھتا ایسے میں خالہ نے اپنی غربت اور بیوگی کی پروا نہ کرتے ہوئے اس کی ذمہ داری اٹھائی۔ خالہ کے ہوتے اس نے کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں کی تھی۔ امان خالہ کے دیور کا بیٹا تھا‘ جسے فاریہ پسند کرتی تھی۔ شاید ہمیشہ سے یا شاید شعور کے قدم جوانی کی دہلیز پر پڑنے کے بعد سے۔ امان کا جھکاؤ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ زارا کی طرف ہوتا گیا۔ زارا اس حقیقت سے خوب واقف تھی اور کچھ کچھ اندازہ فاریہ کو بھی ہو چلا تھا۔ جبھی اس کے لہجے میں رچی محبت کا رنگ بدلنے لگا۔ وہ زارا کی سہیلی تو تھی لیکن ایک

رازدار نہ بن سکی اور جس دن اسے اپنے بدترین خدشوں کے سچ ہونے کا گمان یقین میں بدلتا دکھائی دینے لگا اسے زارا کو اپنی بھابی بنانے کا خیال آ گیا لیکن یہاں بھی اس کی تدبیر بیکار ہی گئی۔ کامران نے زارا کو بھی فاریہ کی طرح اپنی بہن ہی بنا ڈالا اور فاریہ کے لیے یہ بات کسی طور قابل قبول نہ تھی۔

ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ایک محبت کو پا کر باقیوں کی عداوت سے زندگی کو جہنم بنانے سے کہیں بہتر اسے لگا کہ وہ اس ایک محبت کو کوئی عنوان ملنے سے پہلے ہی اس سے الگ ہوجائے' کیا وہ اپنی خالہ کی محبت میں' ان کی قربانیوں اور احسانات کے بدلے اتنا بھی نہیں کرسکتی تھی۔ اس نے کئی بار اپنے ٹوٹتے بکھرے وجود اور ارادوں کو جوڑا' سمیٹا پھر مصمم ارادہ کیا کہ اسے اپنی خواہش چھوڑنی ہی ہوگی' ورنہ ہوسکتا ہے کہ نفرت اور نامرادی کی بیل اس گھر کے در و دیوار سے چمٹ کر بھی خوشیوں کو نگل لے اور ایک بھی نہ بھرنے والے زخم ختم نہ ہونے والی شرمندگی کا عفریت اپنے پنجے گاڑ کر مسلط ہوجائے اور یہ فیصلہ بھی کون سا آسان تھا۔ کئی دن اس نے کالج کی شکل نہیں دیکھی۔ اندرونی شکست و ریخت کے آثار اس کے چہرے کی زردی میں جھلکنے لگے اور وہ کئی مرتبہ چاہ کر بھی امان سے وہ سب نہیں کہہ پائی جو کہنا چاہتی تھی اور پھر...... ایک دن قیامت ہی آ گئی...... وہ ہوگیا جس کا کسی نے کبھی گمان نہ کیا تھا' خود اس نے بھی نہیں۔

جب ہی کئی دن کے ناغے کے بعد وہ کالج جانے کے لیے نکلی اور پھر واپس نہیں آئی۔ چھٹی کا وقت گزر گیا' نہ وین کا ہارن سنائی دیا۔ نہ وہ دروازے تک آئی' ایک گھنٹہ گزرا' دوسرا' تیسرا اور پھر کتنے گھنٹے گزر گئے' چوبیس پھر چھتیس اور پھر اڑتالیس گھنٹے دنوں میں اور دن مہینوں میں ڈھل گئے۔ خالہ جو اس کی ماں نہیں تھی' لیکن خود کو اس کی ماں ہی تو کہتی تھیں' جبھی اس کی گمشدگی کا صدمہ ایسا دل پر لے کر بیٹھیں کہ ایک دن زارا کو لحہ لحہ پکارتا ان کا دل ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔

کامران دوسرے شہر میں نوکری کرتا اور کئی چھڑوں کے ساتھ ایک کمرے میں رہتا تھا۔ ایسے میں فاریہ بالکل ہی تنہا رہ گئی اور شیطان کی آنت جیسے دن اور پہاڑ راتوں کی تنہائیاں اسے جیتے جی مارنے لگیں۔ تب کامران کی خواہش پر امان نے اسے اپنا لیا۔ بلکہ اپنایا بھی کیا' یوں جیسے پرایا بوجھ ڈھونے کے لیے اپنے کندھوں پر رکھ لیا۔

فاریہ ہمیشہ دل ہی دل میں یہی خیال کرتی تھی کہ ایک بار وہ امان کی زندگی میں شامل ہوجائے گی تو امان اسے دل سے قبول کر ہی لے گا۔ چاہے تھوڑے عرصے بعد ہی سہی' لیکن ہوا اس کے برعکس۔ امان اسے اپنا شریک سفر بنا کر اس کی طرف سے اور بھی غافل ہو بیٹھا۔

زارا کی یاد اس کے دل میں چٹکیاں بھرتی اسے دنیا و مافیہا سے بے خبر کردیتی اسے خود اپنا ہوش نہیں رہتا تھا تو وہ کسی دوسرے کا کیا خیال کرتا۔ زارا زندگی سے کیا نکلی گویا یوں ہوگئی جیسے اس کا وجود صفحہ ہستی سے ہی مٹ گیا۔ قصہ پارینہ بن گیا۔ پولیس میں رپورٹ کے ڈر سے خالہ نے اسے منع کردیا۔ پھر بھی کالج اور وین ڈرائیور سے پوچھ گچھ کی تو اچھی خاصی بدنامی اس غیر حاضر وجود کے نادیدہ دامن میں جا گری اور ہاتھ پھر بھی کچھ نہ لگا۔ ڈرائیور کو ٹھیک سے یاد نہ تھا کہ اس نے صبح زارا نامی لڑکی کو روڈ سے پک کیا تھا یا نہیں کیونکہ کبھی تو وہ گیٹ تک آتا تھا اور کبھی زارا جلدی تیار ہوکر نزدیکی سڑک پر جا کھڑی ہوتی۔ کالج کی لڑکیوں کے بیان میں بھی واضح فرق تھا۔ کچھ لڑکیوں نے اسے چھٹی تک دیکھا' کچھ نے اسے صبح گراؤنڈ میں دیکھا' کچھ اس سے بات کرنے کی بھی گواہ تھیں جبکہ چند ایک لڑکیوں نے اس دن کالج میں اس کی موجودگی سے ہی انکار کردیا۔

امان کو زارا کی گمشدگی کی بابت معلومات حاصل کرنے کے لیے کالج تک جانے میں بھی کئی دن لگ گئے تھے۔ شروع میں وہ کسی اغواء کنندگان کے فون کا انتظار کرتے رہے۔ بعدازاں لاشعوری طور پر کسی بری خبر کا بھی۔ خالہ نے ہی امان کو کئی دن کالج میں خبر کرنے

سے روکے رکھا۔ بالآخر جب خالہ بالکل ڈھے گئیں ان کے اعصاب اور جسمانی حالت بے حد شکستہ ہوگئے تب ان سے چھپ کر امان زارا کے کالج پہنچا اور جب وہاں سے نکلا تو اس کی آنکھیں نم تھیں' کندھے جھکے ہوئے' وجود نڈھال اور ڈوبتا دل۔

بھری دوپہر میں' ایک سنسان گلی میں لگے درخت کے سائے تلے بیٹھ کر گھٹنوں میں سر دیئے وہ آواز دبا کر گھٹتا رہا' سسکتا رہا' حالات و واقعات نے اسے بے بسی کے کس کنارے پر لا کھڑا کیا تھا کہ اس کے آگے مایوسی اور ناامیدی کی ایک اندھی غار کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ موم کی طرح پگھلتا دل' جانے کب فاریہ کی ہمراہی میں پتھر کے بت میں ڈھل گیا اور دن گزرتے چلے گئے۔

☯□......□......□☯

ڈیرے کے پھاٹک اور اندرونی عمارت پر کالی سیاہ رات نے اپنے بازو پھیلا رکھے تھے۔ جیب کی ہیڈلائٹس سیدھی پھاٹک پر پڑیں تو لمحہ بھر کے لیے سارا منظر دور تک عیاں ہوتا چلا گیا۔ داہنی طرف بیٹھے چوکیدار نے بڑے سائیں کی جیب کو پہچان کر ہاتھ میں تھامی گن کا اسٹریپ گلے میں ڈالا اور تیزی سے اٹھ کر پھاٹک وا کر دیا' البتہ اس کے چہرے پر رات کے اس پہر ڈیرے پر بڑے سائیں کو دیکھ کر چھانے والا تعجب صاف پڑھا جاسکتا تھا۔ بہزاد نے سیٹ سے اتر کر ایک زناٹے سے جیب کا دروازہ بند کیا۔ رات کے سناٹے میں دور تک پہیوں کی گڑگڑاہٹ اور پھر دروازے کی دھاڑ گونج کر رہ گئی تھی۔

''خیری صلا سائیں...... اتنی رات گئے خیر ساں آھیا یاں۔'' بہزاد نے ایک ہنکارا بھرا اور اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

ڈیرے کے اندرونی حصے میں موجود ملازمائیں اسے یوں اچانک آتا دیکھ کر بوکھلائیں۔ پورے ڈیرے میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔

''بھلی کرے آیاں سائیں۔'' سب سے عمر رسیدہ ملازمہ ہاتھ جوڑے حاضر ہوئی اور بہزاد کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر وہیں پتھر کا بت بن گئی۔

''کتھے آہے ہو چھوری' جلدی بدھائیں۔''

''ہلا سائیں ہلا ہلا۔'' بوڑھی ملازمہ نے انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

وسیع و عریض ڈیرے کا رہائشی حصہ عبور کر کے وہ انہیں لیے پچھلے احاطے میں داخل ہوئی اور اناج اور چارے کے لیے بنائے گئے قطار در قطار کمروں میں سے سب سے آخری پر جا رکی۔ بھاری زنگ آلود کنڈی زوردار آواز سے کھلی۔ بہروز نے ملازمہ کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور خود اندر داخل ہوگئے۔

کمرے کے اندر کا منظر روح تک کو لرزا دینے کے لیے کافی تھا۔ میلے کچیلے بوسیدہ سے کمبل میں ایک نیم مردہ وجود ننگی زمین پر غافل پڑا تھا۔ بہزاد نے کپکپاتے ہاتھوں سے کمبل ہٹایا اور ہڈیوں کے اس پنجر کو' جس میں آتی جاتی سانسیں اتنی مدھم تھیں کہ بمشکل زندگی کا پتہ دیتی تھیں۔ اپنے شانوں پر رکھی گرم چادر میں لپیٹ کر بازوؤں میں اٹھالیا۔

☯□......□......□☯

ایسا لگتا تھا جیسے صدیوں اس نے اس گھڑی کا انتظار کیا ہو۔ جو اس وقت چپکے سے اس کی زندگی کی سونی' زرد خزاں میں بہار کے رنگ بھرنے چلی آئی تھی۔ وہ ایک بے کیف رات تھی۔ بے کیف بھی اور تنہائی کے زہر میں بجھی ہوئی بھی......

جب اپنے مقررہ وقت پر گھر واپس آنے کے بجائے امان کو دیر ہوگئی اور پھر ہوتی ہی گئی۔ ابھی کل ہی تو ڈاکٹر نے اس کی بے رنگ زندگی میں رنگ بھرنے کی نوید سنائی تھی۔ اس کے صدیوں کے مرجھائے چہرے پر زندگی کی رمق جاگی تھی' پپڑی زدہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر وہ ذرا سا مسکرائی تھی۔ جب امان نے بنا کچھ کہے گاڑی میڈیکل اسٹور کے سامنے روکی تھی۔ وہ تو دل ہی دل میں جانے کیا کچھ سمجھ بیٹھی تھی گویا اس نے امان کو اس دنیا میں آنے والی

اولاد کی نوید نہیں سنائی تھی بلکہ اس کے دل کے بند قلعے کی فصیل میں نقب لگادی تھی۔ یا قلعے کا دروازہ قبضوں سے ہلا ڈالا تھا۔

مگر آج رات دیر گئے تک اس کی غیر حاضری نے فاریہ کے دل میں سر اٹھانے والے خوش امیدی کے تمام شراروں پر برف ڈال دی تھی۔ وہ اس کا انتظار کرتے کرتے بار بار ابھرتے آنسوؤں کو صاف کرتی کب نیند کی مدہوش وادیوں کی سیر کو نکل گئی پتہ ہی نہیں چلا۔ آنکھ کھلی تو اس وقت جب بے حد دھیمی آواز میں کسی نے اسے پکارا۔ وہ ذرا سا کسمسائی پھر ایک دم خوف زدہ سی ہوکر اٹھ بیٹھی۔ اس کے بالکل برابر میں کنارے پر امان بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پلیٹ تھی۔ جس میں کوئی کھانے کی چیز یا شاید وہ دال چاول ہی تھے جو فاریہ نے دوپہر میں پکائے تھے۔ دال میں لگے تازہ بگھار کی خوش بو اور اچار کی ملی جلی مہک پورے کمرے میں چکرا رہی تھی۔ اس کے دل میں بے اختیار بھوک کا احساس جاگا۔ اس نے کسی قدر رندیدی نظروں سے امان کے ہاتھوں میں دھری پلیٹ کی طرف دیکھا پھر سیدھی ہوگئی پھر اسے جھجک نے آن گھیرا۔ امان اور اس کے درمیان موجود بچپن کی بے تکلفی اس نئے اور دنیا کے ہر رشتے سے زیادہ بے تکلف رشتے کے مقبرے کی بنیادوں میں دفن ہوگئی تھی۔ امان نے پلیٹ میں انگلیاں چلا کر اسے دیکھا اور اس کا ارادہ بھانپ گیا۔

''بھوک لگی ہے تمہیں۔'' کمرے کے سناٹے میں اس کی آواز کس قدر اجنبی سی تھی۔

''جی۔'' فاریہ نے سر جھکایا۔

''کیوں ..... کھانا نہیں کھایا تھا۔'' ایک ساتھ دو جملے۔

''نہیں کھایا تو تھا پھر دوبارہ سے لگنے لگی ہے اب۔''

وہ خاموشی سے کھاتا رہا۔ فاریہ اس کی بے حسی پر دل ہی دل میں کڑھنے لگی۔

''آپ ..... مجھے اٹھا دیتے ..... میں کھانا گرم کردیتی ..... آپ نے خود کیوں .....؟'' اٹک اٹک کر شروع کی گئی بات اسے ادھوری ہی چھوڑنا پڑی۔ دوسری جانب کوئی ردعمل ہی نہیں تھا۔ یوں جیسے وہ دیواروں سے باتیں کررہی ہو۔

کتنے ہی پل ان دونوں کے مابین یوں خاموشی سے آکر گلے ملنے لگے جیسے بڑی پرانی شناسائی ہو اور تھی بھی ..... پھر اچانک .....! امان اس کی طرف مڑا اس نے انگلیوں میں دال چاول کا لقمہ دوبارہ رکھا تھا۔

''لو .....'' اس نے اپنا ہاتھ فاریہ کی طرف بڑھایا۔ فاریہ نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

وہ چند لمحے بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔ یہ کیسا انوکھا سا منظر تھا کتنا بھلا اور کتنا نامانوس ..... اسے لگا جیسے یہ کوئی خواب ہے اس نے پلک بھی جھپکی تو ٹوٹ جائے گا۔ اسے یوں بے یقینی سے منہ کھولے اپنی طرف تکتا پا کر ایک بے حد موہوم سی مسکراہٹ نے امان کے لبوں کو چھوا۔

''دیکھ کیا رہی ہو ..... لو ..... کھاؤ۔'' وہ لقمہ منہ میں لینا نہیں چاہتی تھی وہ شدید بھوک کے باوجود کھانا نہیں چاہتی تھی؛ وہ بس امان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسی طرح دیکھتے رہنا چاہتی تھی۔ اپنی پوری زندگی ان لمحوں کی نذر کردینا چاہتی تھی۔ لیکن ..... یہ ممکن نہیں تھا۔

اس نے یونہی دیکھتے ہوئے آگے ہوکر منہ کھولا اور امان نے نوالہ اس کے منہ میں ڈال دیا۔ فاریہ کی آنکھیں لبالب نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ دھیرے سے مسکرا دیا؛ اس کے لبوں پر ایک لرزتی مسکان کی کرن چمکی۔ بے اختیار اس کا دایاں بازو وا ہوا ..... اور ..... اور ..... فاریہ محبت کے بھوکے کسی یتیم بچے کی طرح اس کے فراخ سینے میں سما گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رودی اور امان پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کا سر تھپکتا رہا۔

☯▢.....▢.....▢☯

آج پندرھویں دن اس کے وجود میں زندگی کی اتنی رمق جاگی تھی کہ اس نے خود سے اٹھ کر پیر بستر سے نیچے لٹکائے تھے۔ بہزاد، ملازماؤں اور شہر سے خاص طور پر

بلوائی گئی ڈاکٹر کی مکمل توجہ کے طفیل وہ نیم مردہ وجود دوبارہ زندگی کی طرف پلٹا تھا۔ ورنہ ڈاکٹرنی نے تو اسے دیکھتے ہی جواب دے دیا تھا اور ساتھ ہی بے حد واشگاف الفاظ میں اس کی حالت اور بہزاد کی طرف اپنے شکوک وشبہات کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

''شادی شدہ تو نہیں لگتی یہ لڑکی..... کسی نے.....!''
اس نے سر سے پیر تک بہزاد کو سخت چبھتی نظروں سے دیکھ کر اپنا جملہ پورا کیا۔

''بڑی بے رحمی سے استعمال کیا ہے اسے۔ زیادتی بھی کی اور پھر کئی بار کی..... اس کے بعد بھی اسے علاج معالجہ میسر نہیں آسکا۔ جبھی تو اتنی بری حالت ہے اس کی۔ ایک کلائی میں موچ بھی ہے۔'' بہزاد نے اس وقت خود پر کس طرح ضبط کی زنجیریں باندھی تھیں یہ وہ خود ہی جانتے تھے۔

''اس کی حالت بے حد نازک ہے اور بچنے کے چانسز صرف ٹوئنٹی پرسنٹ' پھر بھی دوائیں دے رہی ہوں' یہ ڈرپ وغیرہ منگوائیں' بہتر یہی ہوگا کہ آپ اسے ہاسپٹل ایڈمٹ کروادیں۔'' چاہتے تو وہ خود بھی یہی تھے لیکن جس طرح ڈاکٹرنی نے انہیں شکوک بھری نظروں سے نوازا تھا' اس کے بعد وہ دوسرے لوگوں کا سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں کر پارہے تھے۔ انہیں تو بہروز کے ان کرتوتوں نے ہی ندامت کی سمندر میں غرق کرڈالا تھا۔ وہ بھلا اس سیاہی کو اپنے منہ پر ملنے کی دعوت کیسے دے دیتے۔ اتنا گھناؤنا جرم جو کہ انہوں نے کیا بھی نہیں تھا۔ انہیں شرمندگی سے مار ڈالنے کے لیے یہ بات ہی کافی تھی کہ مجرم ان کا اپنا بھائی اور بہنوئی تھا۔ وہ کیسے برداشت کرتے کہ ایک ڈاکٹرنی کے بعد باہر کی دنیا کا ہر شخص ان ہی کو معتوب ٹھہرائے۔ اس لیے گھر ہی میں اس کا علاج چلتا رہا۔ دوائیں' پھل' دودھ' جوس اور صحت وطاقت بخش غذائیں' دن رات کی دیکھ بھال کے لیے ہمہ وقت موجود مستعد خادمائیں' جو کسی نازک کچی کلی کی طرح اسے ہتھیلیوں پر رکھ رہی تھیں۔ ہر چیز اپنے وقت پر اسی کمرے میں' اسی نرم وملائم بستر پر میسر آرہی تھی۔ کمرے میں مسلسل چلتا ہیٹر جسم وجان میں ایک تازگی سی بھر دیتا تھا۔ اس کی خدمت پر معمور بتول اور خالدہ کو اپنی بی بی سائیں پر جی بھر کر ترس آتا جو یا تو چپ چاپ پڑی آنسو بہاتی رہتی یا پھر اجنبی نگاہوں سے ان کو تکا کرتی۔

ایک حرکت جو سب کو چونکا دیتی تھی وہ یہ تھی کہ بہزاد جب بھی اس کے کمرے میں آتے وہ فوراً بستر ہی میں بالکل کونے میں دبک جاتی اور بے پناہ خوف زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھتی۔ اگر خالدہ یا بتول قریب ہوتیں تو ان کی آغوش میں گھسی جاتی۔ کمبل میں چھپتی' ان کی طرف دیکھنے سے گریز کرتی اور تمام ہی ملازموں کے حقیقت سے باخبر ہونے کے باوجود بہزاد خوامخواہ میں ہی چور سے بن جاتے۔ اس کا رویہ انہیں ہر بار ندامت کی اندھیری گہری کھائی میں دھکیل دیتا اور ان کا جی چاہتا کہ وہ بہروز کو زندہ زمین میں گاڑ دیں۔

انہیں اپنی بہن کی یاد بھی بری طرح ستاتی تھی۔ جس نے حویلی سے نکلنے کے بعد ایک بار بھی خبر نہیں لی تھی۔ نہ ہی بہروز کو اس بات کی پروا تھی' نہ اس چیز کا خیال کہ وہ زمینوں کے حساب کتاب میں جتنا ماہر ہو چکا تھا' بہزاد اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھے۔ وہ اپنی بے عزتی پر چراغ پا ہو کر نہ جانے کون سے زمانوں کی خاک چھاننے نکل پڑا تھا۔ اسے چاہیے تھا کہ واپس آکر اپنے معاملات سنبھالتا لیکن شاید اس کے واپس نہ آنے میں ہی کوئی بہتری تھی۔ نہ صرف بہروز بلکہ بہزاد اور یقیناً اس لڑکی کے لیے بھی..... جس کا کوئی اتہ پتہ نہ تھا' نہ گھر کے بارے میں کوئی خبر تھی' نہ شہر معلوم تھا' نہ علاقہ' نہ باپ دادا' یہاں تک کہ نام بھی نہیں' ان کا دل اس معصوم' بے گناہ کے لیے بے پناہ گداز ہوتا جارہا تھا اور وہ خود کو اس معاملے میں بالکل بے بس پاتے تھے۔ انہیں اس بات کا بھی بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اگر کسی روز بہروز واپس آ گیا تو ڈیرے پہ اس لڑکی کی غیر موجودگی اور پھر حویلی میں اس کی موجودگی پر اس کا ردعمل کیا ہوگا؟

ایک بات تو طے تھی' بہروز جو مرضی کرتا پھرے' اب وہ اس لڑکی کے معاملے میں اسے ذرہ برابر بھی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ شاید اس کی ایک وجہ اس لڑکی کا بختاور سے تعلق بھی تھا جو کہ بختاور اپنے خط میں انہیں جتا گئی تھی۔ بختاور کی ذہنی اذیت اور تکلیف کا خیال انہیں بے چین کردیتا تھا اور اس لڑکی کے ساتھ بھلائی کرکے وہ لاشعوری طور پر اس تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتے تھے جو اس لڑکی کی گمشدگی کے پیچھے بہروز کا ہاتھ جان کر بختاور نے برداشت کی تھی۔ ان کا تو یہ سوچ کر ہی رؤم رؤم جل اٹھتا تھا کہ بختاور اب نہ جانے کن حالوں میں ہوگی اور اسے ان حالوں میں پہنچانے والا شخص بھی وہی تھا جو اس لڑکی کا مجرم تھا۔ اس کی عصمت دری کرنے والا' اسے زندہ درگور کردینے والا۔ اور وہ لڑکی' جوان کے لیے اب تک صرف "وہ لڑکی" ہی تھی کیونکہ اس نے ابھی تک اپنے لب نہیں کھولے تھے' اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ وہ لڑکی انہیں اپنے دل سے بے حد قریب محسوس ہونے لگی تھی۔ اور جیسے جیسے وقت بیت رہا تھا' وہ دل میں آہستہ آہستہ گھر کرتے ہوئے اس احساس سے خوف کھانے لگے تھے۔

* * *

دو مہینے اپنی مخصوص رفتار سے ہی گزرے جب موسم نے اپنے کپڑے بدلے' سرد زمانے اتار پھینکے اور بہار کا ست رنگی چولہ پہن کر رقص کرنے لگا' ہر پھول میں رنگ' ہر پہر میں خوش بو' ہر جھونکا تازہ اور ہر لمحہ جیسے خوشیوں کی نئی نوید سناتا محسوس ہوتا تھا۔ وہ امان کے دل میں جگہ بنا سکی یا نہیں لیکن امان نے اپنے اور اس کے رشتے کو کاغذی تعلق کو ضرور دل سے قبول کرلیا تھا اور اب ایمان داری سے اس کے حقوق و فرائض نبھا رہا تھا۔ گو کہ ان کے درمیان ایک جھجک اور ٹھہراؤ ابھی بھی موجود تھا مگر وہ پہلے والی اجنبیت کی دیوار گر چکی تھی۔ امان اب نہ صرف اس سے دن بھر کی چھوٹی موٹی کوئی بات' کبھی کبھی شیئر کرلیتا اور وہ بھی بھار جھجکتے ہوئے اس سے اپنی کیفیات کا اظہار کردیتی' امان اس پر محبت بھری تو نہیں ہاں مگر ایک مہربان نگاہ ڈال دیتا اور وہ اس کی ممنون ہوجاتی کہ اس کے پیاسے دل کو سیراب کرنے کے لیے توجہ کی ایک بوند ہی کافی لگتی تھی۔ یوں اپنی مخصوص چال چلتا وقت' فاریہ کے نزدیک جیسے پر لگا کر اڑتا جارہا تھا۔

اس دوران کامران نے چکر لگایا تو بہن کو خوش دیکھ کر اس کو بھی اطمینان حاصل ہوا کہ شادی کے بعد ابتدائی دنوں میں جس طرح امان کی بے توجہی فاریہ کے معاملے میں اسے دکھی اور بے چین رکھتی تھی اس کا خاتمہ ہوگیا۔ دیر سے سہی لیکن امان کو بالآخر اپنے فرائض یاد آہی گئے تھے۔ اب شاید زندگی کسی ڈھب پر آنے لگی تھی۔ دلوں میں اطمینان اور چہروں پر رونق نظر آنے لگی تھی' پھر بھی......

کبھی کبھی رات میں کسی پہر جب چہار سو خاموشی اور سناٹے کا راج ہوتا تو دور کہیں سے آتی کتوں کے رونے کی آوازیں اور اچانک ہی گلی میں گونج اٹھنے والی چوکیدار کی سیٹی کی آواز فاریہ کا دل دہلا دیتی۔ کسی بھولی بسری یاد کا طفل ناسمجھ دھیان کا دامن پکڑ کر یوں سسک سسک کر روتا کہ دل نکل آتا لیکن اس کی آنکھیں پلک تک نہ جھپکتیں۔ دل مضطرب اور بھی بے کلی کا شکار ہوتا جب گہری نیند سے کسی وقت آنکھ کھلتی اور امان اپنے پہلو کے بجائے صحن میں سگریٹ پھونکتے ہوئے ملتا۔ اس کے لب بھینچ جاتے اور خوف کی ایک لہر ریڑھ کی ہڈی میں سرائیت کرتے ہوئے فریاد کرتی۔

"کہاں چلی گئی تو زارا! کہاں چلی گئی آخر......!" تب اس کے جسم کے ایک ایک مسام سے دعا نکلتی۔

"یااللہ وہ جہاں بھی ہو' خیر سے ہو' اسے اپنی پناہ میں رکھنا مالک۔"

* * *

دن ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے کتنے ہی آگے نکل گئے۔ تسلسل بہتری کی طرف قدم بڑھاتی اس لڑکی نے زندگی کو برتنا جیسے پھر سے سیکھا تھا۔ اب وہ بھی بھی اٹھ کر کمرے سے خود ہی باہر آجاتی' بڑی سی ڈائننگ

ٹیبل پر کھانا بھی کھاتی۔ سب سے خوش آئند تبدیلی جو اس کے اندر سب ہی نے نوٹ کی وہ یہ کہ اب وہ بہزاد شاہ بخت سے پہلے کی طرح خوف زدہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کے مختل ہوئے حواس مکمل طور پر واپس آچکے تھے وہ بتول سے اپنی ضرورت کی چیزیں منگواتی‘ خالدہ سے مانگ کروائی کھاتی اور جب وہ اس کے سر میں تیل کی مالش کرتی تو دیر تک آنکھیں موندیں سر کو پیچھے گرائے خاموش بیٹھی رہتی۔ اس کے حرکت کرتے پپوٹے اس کے بیدار حواس کی نشاندہی کرتے‘ پھر منظر بدل جاتا‘ اس کی بند پلکوں میں لرزش اترتی اور ان میں نمی پھیل جاتی۔ ایسے میں خالدہ کی پکار اور بتول کی آواز بھی اسے واپس نہیں بلا سکتی تھی۔

سپاٹ چہرے پر جھر جھر نمکین پانی بہتا چلا جاتا اور جانے کتنا وقت بیت جاتا یہاں تک کہ وہ خود ہی چونکتی اور پھر اپنے آنسو صاف کرلیتی‘ اس کے لب ہنوز مسکراہٹ سے ناآشنا تھے اور بہزاد کے دل میں روز بروز یہ خواہش جڑ پکڑ رہی تھی کہ اسے ایک جیتی جاگتی نہیں بلکہ زندگی سے بھرپور لڑکی کی صورت میں دیکھیں۔

☯□......□......□☯

فاریہ کی طبیعت آئے دن خراب رہنے لگی تھی۔ وہ ماں بننے کے عمل سے گزرتی سخت تکلیف میں تھی۔ اس کی کمر اور ٹانگوں میں اکثر درد رہتا جو بھی کھاتی الٹیوں میں نکل جاتا ہمہ وقت چکر آتے‘ ایسے ہی ایک دن صبح ناشتے کے وقت وہ کچن میں چکر آنے کے سبب گرتے گرتے بچی‘ پھر بھی سنبھلتے سنبھلتے اس کی چیخ نکل گئی۔ امان جو آفس کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ کمرے سے نکل کر کچن کی طرف بھاگا۔ فاریہ کنپٹی کو انگلیوں سے سہلاتی دوسرے ہاتھ سے سلیب پکڑے خود کو سنبھال رہی تھی جب امان کچن میں داخل ہوا اور اس کی نگاہ سیدھی فاریہ کے دوپٹے پر پڑی۔ خود کو سنبھال کر دوپٹے کا پلو جھٹکتے ہوئے اس نے کب آگ پکڑی‘ فاریہ کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے دوپٹے میں آگ لگ گئی ہے۔ امان نے فوراً آگے بڑھ کر دوپٹہ کھینچا اور زور سے چلایا۔

”زارا دوپٹہ جل رہا ہے کہاں کھوئی ہوئی ہو؟“ اس نے دوپٹہ گھسیٹ کر صاف ستھرے سنک میں پٹخا اور نل فل اسپیڈ سے کھول دیا۔ دوپٹے سے چھن چھن کرتی آواز نکلی اور وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔

”تم ٹھیک ہو‘ کیا ہوا‘ چکر آگیا تھا؟“ اب وہ فاریہ کو بہت محبت سے تھام کر کمرے میں لے آیا اور اب اس کی خیریت دریافت کررہا تھا اور اپنی بگڑتی ہوئی طبیعت‘ جلے دوپٹے اور ساری چیخ و پکار سے بے نیاز فاریہ کے کانوں میں امان کی آواز گونج رہی تھی۔

”زارا......زارا......!“

☯□......□......□☯

”زارا...... زارا نام ہے میرا۔“ بہزاد نے اس کا جواب سن کر گہری سانس بھری۔

کتنے لمبے اور صبر آزما انتظار کے بعد وہ انہیں اپنا نام بتا دینے کے قابل ہوئی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے کچھ یاد نہ تھا یا وہ بہزاد کو بتانا نہیں چاہتی تھی‘ وہ جانتی تھی اول آخر اسے اس جگہ سے جانا ہی ہوگا‘ اسے اس جگہ کو خیر باد کہہ کر اپنے ٹھکانے کی طرف کوچ کرنی ہوگی لیکن یہ اگلا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ اس سوال کے آگے کوئی جواب نہ تھا۔ پتہ نہیں گھر والوں نے اسے مردہ تصور کرلیا ہوگا‘ یا اب بھی اسے تلاش کرتے ہوں گے‘ اسے اغوا شدہ سمجھتے ہوں گے یا گھر سے بھاگی ہوئی۔ اسے یاد کرکے روتے ہوں گے یا دل ہی دل میں لعنت بھیج کر لاحول پڑھتے ہوں گے۔ حالانکہ اسے کسی کی محبت پر شبہ نہیں تھا لیکن کوئی لڑکی جوان جہان گھر سے غائب ہوجائے اور پھر مہینوں اس کی کوئی خیر خبر نہ آئے تو سگے رشتوں سے جڑی محبت کی آہنی دیوار میں بھی دراڑیں پڑ جاتی ہیں وہ تو پھر اس کی خالہ کا گھر تھا اور......! اور وہاں اس کا ایک چاہنے والا بھی تو تھا...... اس سے سچی محبت کا دعویدار......! جس کے منہ سے اس نے اظہار سنا نہ آزمایا اور اس سے پہلے ہی ہجر کا تپتا سورج ان کے درمیان یہ عذاب لے آیا تھا۔

بہزاد اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کھوجتے بہت صبر سے اس کی اگلی بات کے منتظر تھے۔ ظاہر ہے وہ اسے ہمیشہ کے لیے یہاں تو نہیں رکھ سکتے تھے اور وہ لڑکی جس نے اپنا نام زارا بتایا' اگر بختاور کے کالج میں پڑھتی تھی' تو یقیناً کسی اچھے خاندان کی لڑکی تھی۔ کیونکہ بختاور کراچی کے چند ایک مشہور کالجز میں سے ایک میں پڑھتی تھی اور ہمیشہ سونے چاندی کے سکوں سے کھیلنے والے بہزاد یہی سمجھتے تھے کہ وہاں داخلہ لینے والی ہر لڑکی بخت جتنی نہ سہی لیکن صاحب حیثیت تو ہوگی ہی۔ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ ٹیوشن پڑھا کر اپنی پڑھائی کا خرچہ اٹھانے والی ایک لڑکی اتنے مہنگے اور معروف کالج میں صرف اپنے شوق' لگن اور محنت کے بل بوتے پر تعلیم حاصل کررہی تھی۔

''امی...... ابو...... بہن بھائی نہیں تھے میرے خالہ نے پالا پوسا' بڑا کیا۔'' وہ بہت ضبط کے بعد دوبارہ گویا ہوئی تو جیسے چند لفظ ادا کرکے ہی حلق میں پھندا سا لگ گیا۔ اس نے سر جھکایا اور آنسوؤں کو آنکھوں میں جمع ہونے سے روکنے لگی۔ بہزاد بہت غور سے اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کررہے تھے۔

''میرا آپ سے یہ تفصیل جاننے کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں آپ اپنے گھر واپس چلی جائیں۔'' جملہ مکمل کرتے ان کے دل کی رفتار ذرا سست پڑی اور وہ اپنے دل کی اس بے ایمانی پر خود بھی چونک سے گئے۔ اپنے تاثرات چھپانے کے لیے انہوں نے جلدی سے سر جھکایا۔

''لیکن...... لیکن میں......!'' وہ مضطرب انداز میں اپنی انگلیاں مسلنے لگی۔

''میں گھر نہیں جانا چاہتی۔'' بمشکل بات مکمل کرکے اس نے تیزی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔ بہزاد نے جھٹکے سے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا۔

''کیا میں وجہ پوچھ سکتا ہوں؟''

''وجہ......'' اس کا گلا رندھ گیا۔ ''وجہ کیا آپ نہیں جانتے۔'' وہ بری طرح سسک اٹھی۔ بہزاد گھبرا گئے۔

''پلیز پلیز خاموش ہوجائیں' میرا مقصد اس طرح آپ کو ہرٹ کرنا نہیں' میں تو بس......'' وہ تذبذب میں پڑ گئے۔ زارا کا ہچکیوں کی زد میں آیا وجود انہیں بری طرح پشیمان کرنے لگا۔

''دیکھیں اگر آپ اسی طرح روتی رہیں تو بات کیسے ہوگی' میں......'' اسے چہرہ صاف کرتے دیکھ کر وہ ذرا ٹھہرے' خود پر کنٹرول کرنے کی کوشش میں اب وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

''میں صرف آپ کے ساتھ بھلا کرنا چاہتا ہوں اور آپ کی بھلائی اسی میں ہے کہ آپ واپس اپنے گھر چلی جائیں۔''

''میرا کوئی گھر نہیں رہا اب' کوئی نہیں پہچانے گا مجھے وہاں۔'' وہ گھٹ گھٹ کر بول رہی تھی۔

''شاید آپ کو پتہ نہیں' جو لڑکی ایک رات گھر سے باہر گزار دے اسے یہ معاشرہ قبول نہیں کرتا' تو میں تو پھر......!'' اس نے بات مکمل کرنے کی کوشش کی لیکن بری طرح ناکام ہوکر چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کررودی۔

بہزاد بے بسی سے اسے دیکھتے رہے' منقش چھتوں اور قد آدم کھڑکیوں سے ہوتی ہوئی ان کی نظریں' سیاہ بالوں میں چمکتی' سیدھی مانگ پر جا ٹھہریں۔ انہیں بری طرح احساس ہوا کہ جب سے وہ کمرے میں آئے تھے اسی مانگ پر نگاہیں جمائے بیٹھے تھے اور وہ دوسری بار بھی ناکام ہوکر دوبارہ اسی صاف شفاف مانگ پر آکر ٹھہر گئے تھے۔ وہ پھر سے چہرہ صاف کررہی تھی۔

چند لمحوں کے لیے بہزاد کے آس پاس سے سارے منظر اوجھل ہوگئے' صرف سامنے موجود چہرہ باقی رہ گیا تھا۔ سیاہ بالوں میں نکلی مانگ سے ہوتی ان کی نگاہ کھلی پیشانی' جھکی پلکوں اور پھر زرد رخساروں پر ٹھہری اور آخر میں وہاں سے پھسل کر دو کانپتے ہوئے لبوں میں الجھ گئی۔ ان کے اپنے لب بالکل غیر ارادی طور پر ذرا سے وا ہوئے

اور وہ تیزی سے مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔
''میرا خیال ہے آپ کو ایک بار ضرور ان سے مل لینا چاہیے۔''
''میرے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔'' اس کی رندھی ہوئی آواز میں ایک کرلاتی تڑپ تھی۔
''کچھ نہیں بھی ہوگا تب بھی میں تو ہوں گا ناں۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولے۔ وہ سر اٹھا کر تا مجھی سے انہیں دیکھ رہی تھی' بھیگا چہرہ' سرخ آنکھیں......!
''میں آپ کی ہر ذمہ داری اٹھالوں گا۔'' وہ بات مکمل کر کے رکے نہیں تھے۔

☯□......□......□☯

صبح بہاراں اپنی خوشبوؤں سے بوجھل دھوپ بڑی سبک روی سے قد آدم کھڑکی سے اندر کمرے میں انڈیل رہی تھی' وہ اسی کھڑکی کے قریب کھڑی اپنی زندگی کے گزرے ماہ وسال کو دہراتی افسردہ سی یادوں کے موتی چن رہی تھی لیکن آج حیرت انگیز طور پر اس کے آنسو پلکوں کی حدود کے اندر ہی ٹھہرے ہوئے تھے اور وقفے وقفے سے ایک مسکراہٹ کی موہوم سی کرن لبوں پر چمک جاتی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں اس قدر گم کھڑی تھی کہ پشت پر موجود داخلی دروازے پر دھیرے سے کھٹکا ہوا اور وہ بری طرح چونک کر رہ گئی۔ تیزی سے مڑ کر دیکھا تو جو شخصیت دروازے سے اندر آ چکی تھی اُسے دیکھ کر اس کے اوپر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔
''تت...... تم......'' خوف و دہشت سے اس کی گھگی بندھ گئی۔ آنکھیں پھٹ گئیں اور وہ بے ساختہ لڑکھڑا کر شیشے کی دیوار سے ہلکے سے ٹکرائی اور وہ آن کی آن جیسے اڑ کر اس تک پہنچا۔ وہ چیخنا چاہتی تھی' چوبیس گھنٹے اپنی خدمت پر معمور ملازماؤں کو بلانا چاہتی تھی لیکن بہروز شاہ بخت اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا۔ چیل کی طرح جھپٹ کر اس نے زارا کا منہ اپنی ہتھیلی سے بری طرح دبایا' وہ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپ کر رہ گئی۔
''چپ چاپ کھڑی رہ ورنہ یہیں کام تمام کردوں گا۔'' اس کا سفاک لہجہ اس کی سماعتوں کو چیرتا ہوا دھڑ دھڑاتے ہوئے دل میں اتر گیا۔ اس کا دل یک دم سہما' مزاحمت دم توڑ گئی۔
''کیا کررہی ہے تو ادھر۔'' اب اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹا کر اس نے انتہائی نفرت سے اسے دیکھا۔ اس کا غلیظ چہرہ اس قدر قریب تھا کہ اس کی ناک سے نکلتی گرم پھنکاریں اس کا چہرہ جلا رہی تھیں۔
''تو گندی نالی کی کیڑی' تجھے میں چٹکیوں میں مسل کر ہوا میں اڑا دوں تو کسی کو پتہ نہ چلے اور تیری اتنی ہمت کہ تو میری حویلی میں بیٹھی میرے ٹکڑوں پر عیش کررہی ہے۔'' سرگوشی میں پھنکارتے ہوئے وہ یہ بات بھول گیا کہ ٹکڑوں پر لوگ پلتے ہیں' عیش نہیں کرتے۔
''تم...... مجھے چھوڑ دو ابھی اسی وقت بہروز ورنہ......!'' بے حد خوف زدہ لہجے میں اس نے سامنے موجود فرعون کو ڈرانے کی ناکام کوشش کی۔
''ورنہ...... ورنہ کیا کرے گی تو...... کر کیا سکتی ہے تو...... بول؟'' اگلے ہی پل بہروز نے اس کی گردن دبوچی اور دونوں ہاتھوں سے اس پر دباؤ ڈالنے لگا۔ زارا بری طرح تڑپنے لگی' اس کا دم گھٹ رہا تھا' سانس رکتی جارہی تھی اور آنکھیں ابل آئی تھیں۔ لیکن اس فرعون کی فرعونیت ابھی باقی تھی۔
''ابھی کے ابھی یہیں تیرا قصہ تمام کر کے اسی احاطے میں تیری قبر نہ بنائی تو میرا نام بھی بہروز شاہ بخت نہیں۔'' زارا نے اس کے مردانہ ہاتھوں کی گرفت سے نکلنے کی ناکام کوشش کی اور پھر بری طرح تڑپ کر شیشے پر ہاتھ مارا' اسی سے دھپ دھپ کی آواز پر کھڑکی سے ذرا پرے لان میں کھلے رنگ برنگے پھول چنتی بتول کی نگاہ وہاں پڑی۔ رنگ برنگے پھول اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر قدموں تلے مسل گئے۔ اس نے بمشکل خود کو چلانے سے روکا اور تیزی سے بہزاد کے کمرے کی طرف بھاگی۔

☯□......□......□☯

صبح بالکل معمول کے مطابق تھی۔ روشن' چمک دار'

چست اور پھرتیلی۔لیکن اس کی اپنی طبیعت کی تازگی اور چستی اللہ جانے کہاں جا چھپی تھی۔اس کے ہاتھوں میں واضح در آنے والی سستی کو دیکھتے ہوئے ہی امان اسے کہہ رہا تھا کہ وہ جلد ہی کسی ماسی کا بندوبست کردے گا جو دن بھر اس کے ساتھ بھی رہے گی اور کھانا' جھاڑو' برتن' کپڑے اور روزمرہ کے سارے کام نمٹا دیا کرے گی۔

فاریہ ساری باتیں سن کر بس پھیکے دل سے مسکراتی رہی ہمیشہ کی طرح اس نے امان کی بات سن کر اسے لینڈ لارڈ کا طنزیہ خطاب بھی نہیں دیا۔امان نے محسوس تو کیا لیکن اس کی طبیعت کی خرابی پر محمول کر کے استفسار نہیں کیا۔اس کے آفس کے لیے نکلنے کے بعد بھی وہ وہیں دستر خوان پر بیٹھی کتنی دیر اپنی زندگی میں چند مہینے پہلے آجانے والی تبدیلی کو سوچتی رہی۔وہ انہی سوچوں کا دھارا اپنی ذہنی' جسمانی اور قلبی آسودگی کی جانب موڑ کر خدا کا شکر ادا کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے ذہن میں ایک ہی نام گونج رہا تھا اور ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔

"زارا...... زارا...... زارا...... زارا۔" اس نے صحن میں اترتی نرم گرم سی دھوپ کو مخاطب کیا۔

"تم ہماری زندگیوں سے کب نکلو گی' آخر کب۔" وہ باآواز بلند بول کر اب بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔

☯□......□......□☯

بہزاد' بتول اور خالدہ کے ساتھ تقریباً اڑتا ہوا دروازہ دھاڑ سے کھولتا اندر داخل ہوا تھا۔اندر کے منظر نے اوسان خطا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔وہاں دو لڑکیاں پہلے ہی بہروز کی گرفت سے زارا کو چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔

"بہروز......!" اگلے ہی پل ان کی زوردار دھاڑ نے بہروز کو رکنے پر مجبور کردیا' وہ رکا ضرور لیکن پل بھر ٹھہر کر واپس زارا کی طرف مڑا۔زارا تقریباً مرنے والی ہوچکی تھی۔

بہزاد شاہ ان کے قریب گئے اور بہروز کو گریبان سے پکڑ کر ایک زوردار جھانپڑ رسید کردیا۔تھپڑ کھا کر بہروز کی گرفت زرا سی ڈھیلی پڑی۔انہوں نے بہروز کے ہاتھ جھٹک کر زارا کو چھڑایا۔وہ وہیں بے جان ہوکر زمین پر گر سی گئی۔

بہروز کو ایک اور جھانپڑ رسید کرنے کے بعد بری طرح اس پر پل پڑے۔اسے شاید بہزاد شاہ بخت سے اس قدر شدید ردعمل کی امید نہیں تھی۔وہ بری طرح ہڑبڑایا اور اسی بوکھلاہٹ میں بہزاد شاہ بخت اس پر حاوی ہوگئے۔انہوں نے لاتوں اور گھونسوں سے اس کی خوب تواضع کی یہاں تک کہ اس کی مزاحمت دم توڑ گئی اور وہ ہٹتے ہٹتے بے دم سا ہوکر کارپٹ پر ڈھے گیا۔

بہزاد کی اپنی حالت بگڑ گئی۔بال بکھر گئے' چہرہ لال بھبھوکا اور منہ سے کف بہنے لگا۔وہ شدید غصے میں پوری جان سے کانپ رہے تھے۔سانس دھونکنی بن گیا اور پورا جسم ایسے درد کر رہا تھا جیسے کسی نے انہیں بری طرح مارا پیٹا ہو۔بہزاد زمین پر گرا کینہ توز نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہونٹوں سے بہتا خون صاف کر رہا تھا۔سانس اس کی بھی پھولی ہوئی تھی لیکن حالت کہیں زیادہ دگرگوں تھی۔بہزاد نے پشت ہاپشت سے ان کی خدمت پر مامور ملازموں کی موجودگی میں کسی کمی کمین کی طرح انہیں زدوکوب کیا تھا۔دل میں جتنا بھی غصہ ابھرتا کم ہی تھا۔

"آج کے بعد اگر تو نے حویلی کیا اس گاؤں کی حدود میں بھی کوئی غیر شریفانہ حرکت یا لاقانونیت دکھائی تو ہم اپنی مرحوم ماں کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تمہاری جان لے لیں گے' بہروز شاہ بخت۔تمہاری وجہ سے ہماری ماں کی جان گئی اور تمہاری ہی وجہ سے آج ہماری بہن کے بارے میں ہمیں کچھ خبر نہیں۔خدا کی قسم......آج کے بعد......آج کے بعد تم نے ہمیں ذرا بھی تیور دکھائے تو ہم برداشت نہیں کریں گے۔ہمارے دل میں اتنا غم وغصہ ہے کہ ہم اپنی ماں کی موت کا انتقام لیتے ہوئے ایک لمحہ نہیں لگائیں گے اور آج جو یہاں زندہ پڑے ہو اس کی جگہ تمہاری لاش پڑی ہوتی۔" سرد آواز' ٹھہرا لہجہ' بے ترتیب سانسیں اور سفاک الفاظ۔

بہروز شاہ بخت کی آنکھیں جھک گئیں۔ ایک سرسراتی ہوئی لہر اسے اپنے وجود میں سرائیت کرتی محسوس ہوئی۔ زارا کے حواس واپس آچکے تھے وہ بیڈ پر آڑی ترچھی بیٹھی اپنی سانسیں درست کرتی انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ابھی اسی وقت یہاں سے اٹھ کر ہماری نگاہوں سے دور چلے جاؤ اور بہت احسان مانو ہمارا کہ ہم تمہیں اس لڑکی سے معافی مانگے بغیر یہاں سے جانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ یہ لڑکی معمولی نہیں نہ ہمارے لیے نہ اس حویلی کے لیے اور آج سے تمہارے لیے بھی نہیں ہونی چاہیے۔'' ان کی بات ختم ہوگئی لیکن کمرے میں موجود سارے نفوس ابھی تک سکتے میں تھے۔ بالآخر قالین پر گرے وجود میں حرکت ہوئی۔

بہروز شاہ بخت اٹھا اور جتاتی، تولتی، جانچتی نگاہوں سے انہیں اور زارا کو گھورتا باہر نکل گیا۔ اس کے باہر نکلتے ہی پتھر کے بتوں میں جیسے جان سی پڑ گئی۔ بہزاد شاہ بخت فکرمندی سے زارا کو دیکھتے اس کے نزدیک آئے تھے۔

◎□......□......□◎
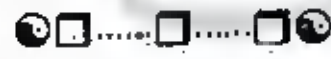
رنگ برنگے مناظر اس کے جذبات واحساسات کی پروا کیے بغیر اس کی نم آنکھوں سے اپنا دامن چھڑا کر پیچھے بھاگ رہے تھے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی نگاہیں متحرک رکھنے پر مجبور تھی۔ بھیگی ہوئی گدلی آنکھوں میں نمکین پانی یوں ٹھہرا ہوا تھا جیسے کوئی مانوس اشارہ پاتے ہی بہہ نکلے گا۔ وہی گلیاں، وہی چوراہے، چوبارے تھے، مانوس دیکھے بھالے ہمیشہ کے لیکن آج ان میں ایک نیا رنگ تھا۔ اس رنگ میں حزن بھی تھا اور شوخی بھی، کچھ انوکھا بھی اور کچھ جانا پہچانا بھی۔ کچھ عام سا بھی اور کچھ غیر معمولی بھی۔ یا شاید یہ سب اس کے اپنے احساس تھے جو دھاگہ دھاگہ دل کے دامن میں بندھے تھے۔ بخیہ بخیہ بنے ہوئے تھے، گرہ گرہ کسے ہوئے تھے۔

وہ کتنی دیر اس ڈر سے پلکیں نہیں جھپک سکی کہ کہیں کوئی خواب کا لمحہ گزر نہ جائے۔ سامنے ہی تو اس گھر کا دروازہ تھا۔ جہاں سے ایک روز وہ معمول کے مطابق باہر نکلی اور پھر اس کی زندگی تو اس کے ساتھ چلی گئی لیکن اس کا بچپن، لڑکپن اور جوانی سب اسی دروازے کی دہلیز پر پڑا رہ گیا۔ اسے اسی دہلیز پر اپنی گزری زندگی آج بھی سسکتی دکھائی دے رہی تھی۔ سسکتی ہوئی بھی اور باہیں وا کر کے بلاتی ہوئی بھی۔ وہ اس منتظر زندگی کے انتظار کو شاید عمر بھر کے لیے یونہی راستہ تکتا چھوڑ کر بہزاد شاہ بخت کی غلامی کرلیتی۔ اگر جو وہ دن پہلے بہروز نے آکر اسے اس کی اوقات یاد نہ دلائی ہوتی۔ ہاں بھلا...... وہ ہوتی ہی کون تھی، جو اس ٹھاٹ اور دھڑلے سے اس کی حویلی میں بیٹھی اس کی پشت ہاپشت سے چلی آرہی خدمت گار ملازماؤں سے اپنی خدمت کروانے والی۔

اسے تو بہروز نے مٹی میں رولا تھا۔ کسی چیونٹی کی طرح مسلا تھا۔ کسی حقیر کیڑے کی طرح اپنی غلیظ ارادوں کے جوتے تلے پیس دیا تھا۔ پھر وہ بھول کیسے گئی، اپنی اوقات......! خیالات کی بپھری ہوئی ندی کو گاڑی کے رکنے سے جھٹکا سا لگا۔ گاڑی اس کے گھر کے دروازے سے دور رکی تھی۔ پتلی سی گلی میں اتنی بڑی لینڈ کروزر کے گھسنے کی جگہ نہیں تھی، اور وہ خود بھی نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بھی محلے والا اسے اس گاڑی سے اترتا دیکھے۔ ابھی بھلا کٹھن رستے ہموار کہاں ہوئے تھے۔ ابھی تو بہت ساری زبانوں، نگاہوں اور اٹھی ہوئی معنی خیز اشاروں سے تنی ہوئی انگلیوں کے تیر تھے جو اس کی روح میں پیوستگی کے منتظر تھے۔ مگر اسے جانا ہی تھا۔ اس کو واپس آنا ہی تھا، یہی گھر اس کا اپنا تھا۔

''کچھ نہیں ہوگا تب بھی میں تو ہوں گا ناں۔'' کسی جذباتی لمحے نے بڑے بے وقت دردِ دل پر دستک دی تھی۔

اس نے سر جھٹکا، بڑی سی چادر میں چہرہ چھپایا۔ آٹومیٹک لاک کھلا لیکن ابھی وہ گاڑی سے پیر باہر بھی نکال نہیں سکی تھی کہ اپنے گھر کے دروازے کو بے تابانہ چومتی نگاہیں، وہی دروازہ کھلتا دیکھ کر ساکت سی ہوگئیں۔ اندر سے نکلنے والا شخص کوئی اور نہیں امان ہی تھا۔ ہاں وہ وہی امان تھا، جس کے سنگ اس نے زندگی گزارنے کے

سپنے دیکھے تو تھے پر انہیں کسی کے ساتھ بانٹ نہیں سکی تھی۔
لیکن وہ اکیلا نہیں تھا' اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔ اور وہ کوئی اور......! وہ اپنی جگہ بت سی رہ گئی۔ یہ وہ کیا دیکھ رہی تھی' کیا جو وہ سمجھ رہی تھی وہی سچ تھا اور کیا سچائی اتنی تلخ اس قدر کڑوی بھی ہوتی ہے کہ اس کی کڑواہٹ پورے وجود کو فالج زدہ کردے' زہر کھایا نیل و نیل کر ڈالے۔ اس کا اپنا جسم تو ایسا ہی ہو چلا تھا۔ ساکت' بے جان' بے حس' ٹھس' زندگی کے بغیر لاش کی مانند۔
ایک جانب کھڑی چھوٹی سی ایف ایکس میں امان نے فاریہ کو سہارا دے کر بٹھایا وہ کتنے استحقاق سے اس کا کندھا پکڑ کر چل رہی تھی اور امان کتنی محبت اور احتیاط سے اسے سنبھال کر گاڑی تک لایا تھا۔ کیا اب بھی کچھ باقی بچا تھا۔ اس رشتے کے سوا جو اپنی نوعیت چلا چلا کر بیان کر رہا تھا۔ کیا اب بھی کچھ رہ گیا تھا اس کی زندگی میں' اس کے ماضی میں' اس کے مستقبل میں اور اس حال میں' ارد گرد' اوپر نیچے زمین و آسمان کے درمیان' کیا رہ گیا تھا بھلا۔
گاڑی دھیرے سے ان کے برابر سے نکل کر چلی گئی۔
وہ ان دو لوگوں کو نزدیک سے دیکھ تک نہیں سکی جو کبھی اس کی زندگی کا مرکز تھے۔ جن کے بارے میں اس نے گمان کی آخری حد پر کھڑے ہو کر بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ برابر سے گزریں گے تو وہ اپنا چہرہ چھپا لے گی۔ یہ زندگی ہے' یا کوئی گھنا تاریک جنگل...... جہاں کوئی راستہ نہیں' جہاں دن کی روشنی میں بھی گھپ اندھیرا ہے' نہ رستہ سجھائی دیتا ہے نہ ہاتھ کو ہاتھ اور اگلے قدم پر کیا ہمارا منتظر ہے کوئی گڑھا' کھائی' ڈھلوان' یا قسمت کا پھندا۔ جو ہمیں ہمارے سارے ارادوں سمیت الٹا لٹکا دے گا۔ کوئی زہریلا کیڑا یا خون خوار درندہ' جو ہمیں ہمارے خوابوں سمیت سالم نگل لے گا' کچھ بھی تو نہیں پتہ یہ کوئی زندگی ہے' یہ کوئی گھنا تاریک جنگل ہی ہے۔
"واپس چلیے۔" اس کے تن مردہ سے جیسے کسی دم توڑتی خواہش نے ہوک بھری تھی۔

فضا میں گرمی کا عنصر بڑھ رہا تھا اور آج تو تپش کا احساس ہی سوا تھا۔

"بی بی سائیں چلی گئیں۔" خالدہ نے ان کے کمرے میں اطلاع پہنچائی تھی۔ ان کی جھولتی ہوئی کرسی ذرا دیر کو رکی۔

"اکیلی ہی......؟ آپ کو ان کے ساتھ جانا چاہیے تھا۔" بس یہی آخری بات ان کے لبوں سے نکلی تھی۔ اس کے بعد کتنے ہی گھنٹے گزر چکے تھے۔

وہ یونہی آرام دہ کرسی پر ایستادہ اپنے ڈرائیور کے منتظر تھے۔ نہ انہوں نے ناشتہ کیا نہ دوپہر کا کھانا' نہ چائے کافی' نہ کوئی اور سرگرمی۔ ان کا مسلسل انتظار' انتظار لاحاصل میں ڈھل کر سب ملازمین پر ان کی دلی کیفیت عیاں کررہا تھا۔ چہ میگوئیاں زور پکڑنے لگی تھیں۔

"سائیں کو بڑا صدمہ لگ گیا بی بی سائیں کے جانے سے۔" حویلی کی سب سے عمر رسیدہ اور سب سے گداز دل رکھنے والی خادمہ نے تبصرہ کیا تھا۔

"تو جانے کیوں دیا روک لیتے۔" یہ سب سے کم عمر اور لاابالی الہڑ کی تھی۔

اور وہ سب کی باتوں سے بے نیاز گزرے لمحوں میں جیتے جیسے دنیا و مافیہا سے لاتعلق ہو کر بیٹھے تھے' وہ جانتے تھے وہ جا چکی ہے' کبھی واپس نہ آنے کے لیے پھر بھلا وہ کیوں اس طرح یہاں بیٹھے تھے۔ جیسے اس کا انتظار کررہے ہوں' وہ خود کو جان کر خود فریبی میں مبتلا کیے بیٹھے تھے' اس خود فریبی میں ایک مزہ تھا ایک لطف تھا۔ وہ جس خواب کے عالم میں جی رہے تھے۔ اس سے باہر نہیں آنا چاہتے تھے۔ جھولتی ہوئی کرسی تھم گئی۔ سبک خرام سوچوں کے سیل رواں میں وقفہ آیا۔ وہ سیدھے ہو کر بیٹھے اور حیرت سے خود سے سوال کیا۔

"میں خود کو دھوکا دے رہا ہوں۔ میں جان بوجھ کر دھوکا کھا رہا ہوں' لیکن...... کیوں؟"

وقت کا پنچھی پرواز کرتا' مغرب کی جانب بڑھ رہا تھا' دھوپ ڈھل رہی تھی۔ حالانکہ یہ دنوں کی طوالت کا موسم تھا' انہوں نے بھاری پردوں کے پیچھے گہرے ہوتے اندھیرے کو محسوس کیا۔ سورج کی کرنوں میں اب شاید وہ تیزی نہیں رہی تھی۔ وہ اٹھے پھر قدم قدم چلتے قد آدم بنی کانچ کی شفاف دیوار تک آئے اور اس پر برابر ہوئے بھاری پردے ایک طرف کھینچ دیے۔

باہر کا منظر واضح ہوا اور دفعتاً ہی ان کی نگاہ بڑے پھاٹک کو پار کرکے پورچ میں آکر رکتی ہوئی سیاہ لینڈ کروزر پر پڑی۔ متحرک پہیوں کے ٹھہرتے ہی ان کا دل بھی جیسے ایک دم ٹھہر کر دھڑکا۔

"اوہ! تو وہ چلی گئی واپس...... وہیں اپنی دنیا میں' جہاں سے آئی تھی اور جہاں لوٹ کر اسے جانا ہی تھا۔" لمحے بھر میں ان کے دھیان کی رو نے کہاں سے کہاں تک کا سفر کیا' اور ان کی سوچ کا سفر ان کے اپنے الفاظ پر آرکا۔

"کوئی نہیں ہوگا تب بھی میں تو ہوں گا ناں۔" لفظ نے ان کی بجھتی ہوئی آس کے دیے پر پھونک ماری اور لو بجھنے کے بجائے بھڑک اٹھی۔ ڈرائیور پیچھے کا دروازہ کھول رہا تھا۔

وہ رکے جھٹکے' ان کا دل اور دھڑکن ہر تھرکتی جسم کی تمام رگیں' دروازہ کھلنے اور اس سے باہر قدم نکالنے والی ہستی کو دیکھنے تک کئی ادوار سے گزریں۔ گردش خون تھمی' رکی' اٹکی' چلی اور پھر بے حد تیز رفتار ہوگئی۔ بے تحاشا دھڑکتے دل کو انہوں نے اپنے کانوں میں محسوس کیا' آنکھوں میں برتا' ہاتھوں کی لرزش میں چھپایا۔ اور قدموں کی بے اختیاری کو تھامنے کے لیے جلدی سے پلٹ کر جہازی سائز بیڈ پر آبیٹھے۔ انہیں معلوم تھا ایک مانوس اجنبی معصوم صورت وجود کی واپسی کی خبر پورے جوش و خروش سے ان تک پہنچنے ہی والی ہوگی۔

☯☐......☐......☐☯

کل رات اس نے زندگی میں پہلی بار اس کمرے میں قدم رکھا تھا اور آج صبح تک اسی کمرے میں زندگی اپنی پوری خوب صورتی سمیت برس گئی تھی۔ اس نے اپنی

قسمت کے اندھیروں میں چھپے جگنو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ تو انہی اندھیروں کو حاصل زیست سمجھ بیٹھی تھی' یہ جگنو جو خوشیوں کی روشنی سے چمکتے تھے' خود ہی اس کی آنکھوں کا رستہ تلاش کرتے اس تک چلے آئے تھے۔
اس نے اپنے نم بالوں سے پھوٹتی مہک کے انوکھے پن کو پوری شدت سے محسوس کرکے ایک گہرا سانس بھرا۔ پورے کمرے میں دیسی گلابوں کی مہک رچی ہوئی تھی اور گلابوں کے سوا کمرے کو سجانے کے لیے اور کوئی چیز تھی بھی نہیں۔

اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اس کے آئینے میں اپنی آنکھیں دیکھیں۔ سرخ' متورم آنکھیں رت جگے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ اس نے بے ساختہ اپنے عکس سے نگاہیں چرا کر پشت پر موجود جہازی سائز بیڈ پر محو خواب شخص پر ایک نگاہ ڈالی اور نگاہیں جھکالیں۔
کل کی رات اس نے اپنے تمام جملہ حقوق پوری رضامندی سے بہزاد شاہ بخت کے نام کیے تھے۔ کل رات ہی اس نے ان سے ایک نئی' بھرپور اور انوکھی ملاقات کی تھی۔ بہزاد کی شخصیت کی تمام خوبیاں پوری طرح اس پر جلوہ گر ہوچکی تھیں۔ اس ملاقات میں اسے جنوں خیز محبت کے خزانے نہیں ملے تھے' ہاں مگر اپنے کھوئے ہوئے اعتماد اور عزت کی چادر کا ایک کونا ضرور مٹھی میں آگیا تھا اور اسے یقین تھا اسی ایک کونے کو پکڑ کر وہ اپنی کھوئی ہوئی عصمت کی ردا کو دوبارہ سر پر تان لے گی۔
کل رات ہی بہزاد نے اس سے استحقاق بھرے انداز میں اپنی خواہش بیان کی تھی کہ آج کے بعد وہ اس کی آنکھوں میں ایک بھی آنسو نہیں دیکھنا چاہتے۔ زارا نے اپنے شریک سفر کی پہلی خواہش کا احترام کیا تھا اور کل رات کی ملاقات ہی وہ پہلی ملاقات تھی جس میں وہ بہزاد کے روبرو رہی اور ایک بار بھی پچھلی زندگی کو یاد کرکے اس کے آنسو نہیں نکلے تھے۔ وہ اس شخص کی بات کا بھرم رکھنا چاہتی تھی اور اس نے رکھا بھی' جبھی بہزاد کے نیند میں چلے جانے کے بعد صبح دم وقت فجر واش روم کے بیسن میں اپنے باقی ماندہ سارے آنسو بہا ڈالے تھے۔ یہ وہ پانی تھا جو خوشیوں کی سنہری دھوپ سے سوکھنے والا نہ تھا۔ بلکہ دل میں اندر ہی اندر جمع ہوکر گدلی کیچڑ میں بدل جانے والا تھا۔
ایک نئی زندگی اپنی روشن آنکھیں کھولے باہیں وا کیے اس کے استقبال کو تیار کھڑی تھی اور وہ اس کی باہوں میں سونے سے پہلے اپنے دل و ذہن سے ماضی کی تمام کلفتوں کا بوجھ ڈھو ڈالنا چاہتی تھی۔ یہی اس کے لیے بہتر تھا اور یہی اس کے جیون ساتھی کے لیے بھی بہتر تھا۔
دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کی سبک خرام سوچوں کا تانا بانا الجھ گیا۔ اس نے چونک کر دروازے کو دیکھا پھر جھجک کر بہزاد شاہ بخت کے بے خبر وجود کو' پھر دھیرے سے دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ باہر کھڑی ملازمہ اس سے ناشتے کی بابت معلوم کرنے آئی تھی۔ اس نے جواب دے کر دروازہ بند کیا اور پلٹ کر ایک بار پھر بہزاد کو دیکھا۔
اسے جگانے کا مرحلہ ایک حیا آمیز دھند میں لپٹا اس کی راہ تک رہا تھا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی انہیں دیکھتی رہی' پھر دل ہی دل میں خود کو تسلی دی۔
''سامنے موجود شخص اب کوئی غیر نہیں بلکہ میرا محرم ہے۔'' ایک سکون' اطمینان اور اعتماد بھری گہری سانس بھر کر اس نے بہزاد کی طرف قدم بڑھائے۔ ہاں لیکن وہ پائنتی کے پاس پڑی ان کی قمیص اٹھانا نہیں بھولی تھی۔
''آ دیکھ محبت کے کرشمے میرے ساقی!
کوئی دل سے پلاتا ہے' ہم جان سے پیتے ہیں''

وفا ہے ذات عورت کی

زینب اصغر مشعل

وہ اکثر مجھ سے کہتی تھی
وفا ہے ذات عورت کی
مگر جو مرد ہوتے ہیں
بہت بے درد ہوتے ہیں
کسی بھنورے کی مانند گل کی خوشبو لوٹ لیتے ہیں
مگر تم کو قسم میری
روایت توڑ دینا تم
نہ تنہا چھوڑ کے جانا
نہ یہ دل توڑ کے جانا
مگر پھر یوں ہوا محسنؔ مجھے انجان رستوں پر
اکیلا چھوڑ کر اس نے
میرا دل توڑ کر اس نے
محبت چھوڑ دی اس نے
وفا ہے ذات عورت کی
روایت توڑ دی اس نے

ابھی تو میں اس ستم گر کو بھلانے میں کامیاب بھی نہ ہو پایا تھا...... ابھی تو میرے دل کے زخم مندمل بھی نہ ہونے پائے تھے کہ پھر سے انہیں وہ ہرا کرنے آ رہی تھی۔ انعمتہ نے مجھے ابھی اس کے آنے کی خبر دی تھی وہ بہت خوش اور پرجوش ہو رہی تھی۔

''دیکھیں محسن...... اسے بہت اچھے سے پروٹوکول دیجیے گا اسے یوں لگے جیسے وہ اپنے گھر میں آ رہی ہے وہ میری بہت اچھی سہیلی ہے، ہمیں ایک دوسرے پہ بہت فخر ہے۔ آپ میری بات سمجھ رہے ہیں محسن...... آپ نے اسے کبھی دیکھا نہیں ہے، میں نے اسے کئی بار اپنے گھر بلوانا چاہا لیکن وہ باوجود کوشش کے نہیں آ پائی۔ اور پھر وہ سات سمندر پار چلی گئی ویسے میں نے اسے شادی کا الزام بھیجا تھا، خیر آپ بچوں کو اسکول سے بلوا لیجیے اور خود بھی آفس سے چھٹی کر لیں، میں چاہتی ہوں ہم سب مل کر اسے ویلکم کریں۔'' میں خاموشی سے انعمتہ کی باتیں سنتا رہا۔ وہ جو ہمیشہ کے لیے میرے دل کا ایک ناسور بن گئی تھی، وہ پھر سے میرے ضبط کا امتحان لینے آ رہی تھی۔

''اور ہاں ایک بات تو میں بھول ہی گئی آپ وہ ساتھ والے وکیل انکل اور ان کے بیٹے کو بھی آج لنچ پر بلا لیں، انہیں ویسے بھی میرے ہاتھ کا کھانا پسند ہے، اس بہانے ملاقات بھی ہو جائے گی۔'' وہ پرسوچ انداز میں بولی۔

''امید ہے طحہٰ اسے ضرور پسند کرے گا۔'' میں تو اپنے غم غلط کرنے میں محو تھا۔ انعمتہ کی بات نے میرے دل پر گھونسا مارا۔

''تم تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے چکر میں ہو۔'' میں نے بیزاری سے کہا۔

''ویسے بھی طحہٰ کو لڑکیوں کی کمی تو نہیں ہوگی۔'' میں نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''تو میری سہیلی میں کیا برائی ہے۔'' وہ برا مان گئی۔

''تمہیں یقین ہے اس کی تیسری شادی بھی کامیاب ہو سکے گی کہ نہیں۔'' میں نے تمسخر اڑایا تو ایک پل کو وہ خاموش ہو گئی۔ شاید اس کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''بہرحال آپ سے جو کہا ہے وہ تو کیجیے آپ کو اور بچوں کو گھر پر ہونا ہے بس۔'' وہ روٹھے پن سے اپنی بات دھرا کے چلی گئی اور میں بیزاری سے اس کے حکم کی تعمیل میں لگ گیا۔

''محسن کھانا پکانے کے لیے کچھ اور سامان چاہیے۔ آپ پہلے وہ لے آئیے۔'' اس نے لسٹ تھمائی۔ میں نے جھپٹ کے خانساماں کے حوالے کیا۔

''میں فون کر کے اس کی فلائٹ کا پتہ کرتی ہوں۔

محسن میرا خیال ہے ائیرپورٹ سے آپ ہی اسے گھر لائیے گا' وہ پہلی بار آرہی ہے۔" میں نے غصے سے دانت کچکچائے۔ کتنے کامیاب ہوتے ہیں وہ لوگ جو اپنی ذات کے تاریک پہلوؤں کو رنگین پردوں میں چھپالیتے ہیں۔ پھر بھلا میں کیوں کمزور پڑتا' اگر وہ آ ہی رہی تھی تو ضروری تو نہیں تھا کہ اسے عملی طور پر بتایا جائے کہ اس کے بغیر زندگی کیسی گزر رہی ہے۔" ڈرائیور بچوں کو اسکول سے لے آیا تھا۔

"بابا جان ہمیں اسکول سے کیوں بلوایا..... آج کوئی خاص بات ہے کیا؟" یہ میرے آنگن کے دو جڑواں پھول تھے۔ میر امن اور میر احسن۔

"آپ کی ماما جان کی سہیلی آرہی ہیں۔"

"کون سی سہیلی؟" میر احسن نے پوچھا۔

"ایک ہی تو سہیلی ہیں مما جان کی آنٹی نمرہ عون....." میر امن نے بڑکپن سے کہا۔

"اچھا اب آپ لوگ یونیفارم چینج کرو اور مما جان کو تنگ نہ کرنا وہ کچن میں مصروف ہیں۔ میں ذرا وکیل انکل کے گھر سے ہوکر آتا ہوں۔"

آئینے میں خود پہ ایک نظر ڈال کر ہاتھوں سے بالوں کو سنوارتا ہوا گھر سے نکل آیا' سوئے اتفاق طلحہ گھر پہ ہی تھا' وہ لان میں جاگنگ کررہا تھا' مجھ پہ نظر پڑتے ہی بے ساختہ گنگنایا۔

"وہ آئیں ہمارے گھر پہ خدا کی قدرت
کبھی ہم ان کو تو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں"

"خیر سے صبح ہوگئی تمہاری۔" میں نے بھی طنز کا بدلہ فوراً چکایا وہ کھسیا کر ہنس دیا۔

"آج تمہاری اور انکل کی دعوت ہے ہمارے ہاں۔" میں نے مطلب کی بات کی۔

"خیریت ہے یوں اچانک؟" وہ حیران ہوا۔
"ہاں..... سب خیریت ہے۔ آج انعمتہ کی سہیلی آرہی ہے تو اسی کے اعزاز میں تمہیں بھی دعوت دی جارہی ہے۔ انعمتہ کو پتہ ہے ناں کہ تم کتنے چٹورے ہو" میں نے شرارت سے کہا۔
"اچھا تو پھر میں پھولوں کے ہار بنا کر لارہا ہوں' اس عظیم خاتون کے لیے جس کے صدقے میں آج ہمیں بھی اچھا کھانا کھانے کو ملنے والا ہے۔" وہ خوش ہوکر بولا۔ "اور ہاں انکل کو یاد سے کہہ دینا۔" کہہ کر میں گھر لوٹ آیا۔
کچن سے آتی بریانی' کڑاہی گوشت اور کوفتوں کی ملی جلی خوش بو نے استقبال کیا اور ایک دم سے زبردست بھوک جاگ اٹھی۔ حالانکہ ناشتہ کیے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ انعمتہ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ تھا۔ اس کی اور انعمتہ کی عادتیں بھی بہت ملتی تھیں' صرف شکل اور نام کا فرق تھا لیکن پسند ناپسند سب ایک جیسی تھیں' پھر بھی زمین وآسمان کا فرق تھا انعمتہ آسمان کا ایک ستارہ تھی اور وہ...... زمین کا ایک ذرہ کہلانے کے قابل بھی نہیں تھی۔ ان کی دوستی کی مثال یک جان دو قالب کی تھی۔ درمیان میں حائل سات سمندر بھی ان کی دوستی میں رکاوٹ نہ بن سکے۔ تحائف' خطوط' ٹیلی فونک رابطے اور انٹرنیٹ نے انہیں ہمیشہ ایک دوسرے کے قریب رکھا تھا۔
"محسن اس کی فلائٹ میں صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا ہے' آپ جلدی سے ائرپورٹ پہنچ جایئے۔" انعمتہ نے اچانک مجھے خیالوں سے چونکایا' مجھے سخت کوفت نے آن گھیرا۔
"ڈرائیور کو بھیج دو۔" میں نے بیزاری سے کہا۔
انعمتہ مجھے کیوں اس ناگہانی عذاب میں مبتلا کررہی ہو؟ تم کیا جانو انعمتہ میں کس اذیت سے گزر رہا ہوں۔ نہیں میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا کہ تمہاری سہیلی کتنی بے وفا عورت ہے' میں تم کو اپنے دل وروح پہ لگے زخم کبھی نہیں دکھاؤں گا جن سے میری روح مجروح ہے میرے ان زخموں کا کوئی چارہ گر نہیں میں نے ان کی ٹیسوں کو تن تنہا سہا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اپنی عزیز از جان دوست کو کھو دو؟ میں کبھی اتنی ہمت نہیں کرسکتا...... بس اتنا ہی کرسکتا ہوں کہ اپنے غم و درد کو اپنے دل میں چھپا کر رکھوں' میری شدید خواہش ہے کہ میں کسی طرح اپنی زندگی کے وہ چند سال اپنی یادداشت سے نوچ کر پھینک دوں...... لیکن یہ بھی ناممکن ہے تھا۔

⁂

سنا ہے اس محبت میں بہت نقصان ہوتا ہے
مہکتا جھومتا جیون غموں کے نام ہوتا ہے
سنا ہے اس محبت میں کبھی دل نہیں لگتا
بنا اس کے نگاہوں میں کوئی موسم نہیں جچتا
خفا جس سے محبت ہو وہ جیون بھر نہیں ہنستا
بہت انمول ہے یہ دل اجڑ کر پھر نہیں بستا
سنا ہے اس محبت میں بہت نقصان ہوتا ہے

لیکن میں نے یہ سب صرف سنا نہیں ہے بلکہ اپنی ذات پہ سہا ہے۔
سنونمرہ عون...... میں تمہیں بھولنا چاہتا ہوں اور تم ہو کہ میرے سامنے میرے گھر میں...... گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے آرہی ہو' اس طرح میں تمہیں کیوں کر بھلا پاؤں گا' میں سات سال کی طویل راہ پہ آبلہ پا چل کر اس منزل تک پہنچا ہوں...... اپنے غموں کو اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر اس گھر کو آباد کیا ہے اور تم آرہی ہو...... میری گھر ہستی کو اجاڑنے' میرا چین وسکون برباد کرنے...... میرے چہرے سے مصلحت کا نقاب نوچنے' سنونمرہ عون اتنی کڑی سزا مت دو' اتنا سخت امتحان مت لو' مجھے پھر سے مت بکھیرو...... میں اب کے ٹوٹا تو شاید کبھی نہ سمٹ سکوں' مت کرو مجھے ریزہ ریزہ...... میں انعمتہ کو سب بتادوں گا...... لیکن شاید میں ایسا کبھی نہ کرپاؤں گا' اس کی تم سے محبت بہنوں سے بڑھ کر ہے میں اسے کیسے بے اعتبار کردوں...... میں کیسے اس کا دل دکھاؤں' جو درد

میں نے خود سہا ہے اسے کیسے دوں؟ وہ صرف تم سے محبت نہیں کرتی بلکہ دیوی کی طرح پوجتی ہے بہتر یہی ہے کہ یہ راز پروے میں رہے اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔ میں اپنے بیڈ روم کی لان میں کھلنے والی کھڑکی میں کھڑا تھا۔

یہ میرا اپنا گھر ہے جسے میں نے اپنے خیالوں وخوابوں کے مطابق خوب سجایا وسنوارا ہے یہ گھر چاروں طرف سے سبزے اور رنگا رنگ پھولوں سے ڈھکا ہوا ہے اور یہ ہرا بھلا لان میری محنت اور توجہ کا مرہون منت ہے۔ اس کے ایک ایک پودے کی آبیاری میں انعمتہ کا برابر ہاتھ ہے یہ پر بہار گھر اس دنیا میں ہماری جنت ہے تو کیا یہ جنت اجڑ جائے گی؟ کیا یہ بہاریں خزاں میں بدل جائیں گی؟ میرا دل سوچ کر ہی کانپ اٹھا۔

''بابا جان' مما جان نے کہا ہے کہ آپ آنٹی کو ائیر پورٹ سے لے آیئے۔'' میرا من اور میر احسن کی آواز نے مجھے چونکایا۔

''بیٹا آپ دونوں' فیفو چاچا کے ساتھ ائیر پورٹ چلے جاؤ۔''

''سچ۔'' وہ خوشی سے اچھلے۔

''ہاں۔'' میں قصداً مسکرایا۔ وہ دونوں چلے گئے اور میں خود کو ہشاش بشاش کرنے میں لگ گیا۔

''جناب...... وہ عظیم خاتون کب تشریف لا رہی ہیں جن کے لیے میں پھولوں کے ہار لایا ہوں۔'' طٰحہ نے بے صبری سے پوچھا۔

''بچے گئے ہیں ڈرائیور کے ساتھ۔'' میں نے کہا۔

''اف بریانی کی جو قاتل خوش بو مابدولت کو مارے ڈال رہی ہے اس کا کیا ہوگا۔'' وہ بے قراری سے بولا۔

''مابدولت کچن میں جا کر قتل کا بدلہ لے سکتے ہیں۔''

بیتے لمحے

ماہنامہ آنچل نے آپ بہنوں کے لیے جنوری 2016ء میں سروے کا اہتمام کیا ہے سروے میں شامل ہونے کے لیے اپنے جوابات سات دسمبر تک ارسال کردیں۔

(۱) 2015ء میں آپ کی ذات میں رونما ہونے والی تبدیلی جس نے آپ کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا؟

(۲) اس سال پیش آنے والا ایسا خوشگوار واقعہ جسے یاد کرکے اکثر مسکراتی ہیں؟

(۳) 2015ء میں منائے جانے والے تہواروں میں کسی شخص کی کمی کو شدت سے محسوس کیا؟

(۴) آنچل کی رائٹرز نے 2015ء میں اپنی تحریروں سے آپ کو کس حد تک مطمئن کیا اور آپ نے ان تحریروں سے کیا سبق حاصل کیا؟

(۵) 2015ء میں کسی رائٹرز کی تحریر میں آپ کو اپنی جھلک نظر آئی۔

(۶) گزشتہ سال کون سی کتابیں آپ کے زیر مطالعہ رہیں؟

(۷) گھر والوں کی جانب سے کن باتوں پر عموماً تنقید کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور کن باتوں پر تعریفی کلمات سننے کو ملتے ہیں؟

(۸) نئے سال کے آغاز اور گزشتہ سال کے اختتام پر کیا خود احتسابی کے عمل سے خود کو گزارتی ہیں اور اپنی ذات کو کہاں دیکھتی ہیں؟

(۹) گزشتہ سال پیش آنے والا کوئی ایسا لمحہ جس نے آپ کو اپنے رب سے قریب کردیا ہو۔

آپ اپنے جوابات ہمیں ای میل بھی کرسکتے ہیں۔

info@aanchal.com.pk

میں نے کہا۔

''کیوں جی...... مہمانوں کو صرف باتوں سے ٹرخانا ہے کیا...... ہم تھوڑا سا صبر اور کرسکتے ہیں۔'' وہ دل پہ جبر کرتے ہوئے بولا اسی وقت گاڑی کے ہارن کی آواز آئی۔

''تھینک گاڈ ہمارے گناہ معاف ہوگئے۔'' طحہٰ نے دعائیہ انداز میں منہ پہ ہاتھ پھیرا۔ انعمتہ کچن سے نکل کر تیزی سے باہر بھاگی اور میں بھی بے دھڑک اٹھنے والے دل کو سنبھالتا ہوا طحہٰ کے ساتھ باہر کی طرف بڑھا۔ میر امن اور میر احسن اس کے پیچھے تھے وہ انعمتہ سے گلے مل رہی تھی خوشی اس کے چہرے سے پھوٹتی دور تک روشنی پھیلا رہی تھی۔ میری ٹانگیں کپکپا رہی تھیں لیکن مجھے خود کو ایکٹو ظاہر کرنا تھا گلابی رنگ کے شلوار قمیص دوپٹہ میں وہ آج بھی کھلتا گلاب لگ رہی تھی۔ میر امن اور میر احسن دوسالہ بچی کی انگلی تھامے چلے آرہے تھے خوشی سے ان کے چہرے تمتما رہے تھے۔ وہ پنک کلر کے بہت خوب صورت فراک میں ملبوس بالکل ننھی پری اور موم کی چابی والی گڑیا لگ رہی تھی۔ وہ اس جیتے جاگتے کھلونے کو پاکر بہت خوش تھے۔ وہ فرداً فرداً سب سے سلام کرنے لگی مجھ سے نظر ملتے ہی وہ نظر چرا گئی۔

''نمرہ یہ محسن ہیں' میرے ہسبینڈ اور محسن یہ نمرہ عون۔'' اور نمرہ یہ طحہٰ ہے محسن کا دوست' کم میرا بھائی زیادہ۔'' انعمتہ نے فخر سے طحہٰ کا تعارف کرایا۔

''اور طحہٰ تمہیں میری سہیلی سے مل کر بہت خوشی ہوگی بلکہ تم اس سے بار بار ملنا چاہو گے' میری سہیلی ہے ہی اتنی سویٹ۔'' انعمتہ نے حد درجہ مان سے کہا تو میرا خون کھولنے لگا انعمتہ بہت شدت پسند تھی مجھے انعمتہ کا اس کی تعریف میں مشرق مغرب ایک کرنا ایک آنکھ نہ بھایا۔

''کیسے ہیں آپ...... مسٹر محسن رضا؟'' نمرہ عون نے براہ راست مجھے مخاطب کیا۔

''ٹھیک ہوں۔'' میں نے خاصے سرد اور خشک انداز میں جواب دیا اور میرے اس انداز کو نمرہ کے علاوہ یقیناً کوئی نہ سمجھ پایا ہوگا۔ انعمتہ نے نمرہ کی بیٹی کو میری طرف بڑھا دیا اور میں انکار بھی نہ کرپایا۔ کیا کہتا' مجھے نمرہ یا اس کی بیٹی سے کوئی دلچسپی نہیں' اتنی خوب صورت گڑیا سے میں بھلا کیسے نفرت کرتا؟ پھر وہ تھی بھی اتنی ہنس مکھ' خوش دلی سے خود ہی اس نے میری طرف بازو وا کردیئے اور میں نہ تو بے رحم تھا' نہ ہی بے مروت' اس کی معصومیت پہ مجھے بے تحاشا پیار آیا اور میں نے بے اختیار اسے چوم لیا میری نظر نمرہ پہ پڑی تو وہ پھر نظر چرا گئی' میں اس بچی کو لیے اندر چلا گیا۔ مجھے بچے یوں بھی بہت اچھے لگتے تھے۔ نمرہ عون کو تو میں پہلی نظر میں ہی دل دے بیٹھا تھا' خوب صورتی اور وجاہت ہماری خاندانی خوبی تھی' میری اماں اور بابا جان دونوں بہت خوب صورت تھے اور مجھے بھی خوب صورتی وراثت میں ملی تھی۔ میں نمرہ سے کہا کرتا تھا' کہ مجھے یقین ہے ہماری اگلی نسل بھی بہت خوب صورت ہوگی اور وہ میری بات پہ بے تحاشا ہنستی پھر کہتی۔

یہ سب باتیں قبل از وقت ہیں' جبکہ میں ایسی بدشگونی والی باتیں کرنے کے سخت خلاف تھا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی قبل از وقت' جب یہ طے ہے کہ ہم ایک دوسرے کو چاہتے ہیں عنقریب ہماری شادی ہوجائے گی' آخر بندہ مستقبل کی پلاننگ اسی طرح تو کرتا ہے' میں نے اس کے اس چھوٹے سے فقرے کا سخت برا مانا' یہ خبر نہیں تھی کہ قسمت کو کیا منظور ہے؟

''یہ بچی مس ورلڈ کہلا سکتی تھی' اس کا باپ بھی یقیناً بہت خوب صورت ہوگا۔'' میں نے سوچا جسے تم نے نمرہ عون اپنے حسن کی بدولت اپنی محبت کے جال میں پھنسایا ہوگا اور پھر اپنی فطری بے وفائی کے ہاتھوں مجبور ہوکر اسے چھوڑ دیا ہوگا اور اپنی راہیں الگ کرلی ہوں گی کیونکہ انعمتہ نے مجھے بتایا تھا کہ تمہاری یہ شادی بھی کامیاب نہیں ہوسکی۔

''تم کیا جانو...... وفا کرنا؟ کسی کو سچے دل سے چاہنا' تمہیں صرف اپنی وقتی خوشی سے مطلب ہے محبت کا ڈراما رچا کر تم نے جانے کتنے دل توڑے ہوں

گے کتنے گھر اجاڑ ہوں گے؟ کتنے محسن بے اعتبار ہوئے ہوں گے اور کتنے عزیز قتل ہوئے ہوں گے؟ اور پھر اس سب سے دامن چھڑا کر پھر آ گئی ہو پاکستان کسی نئے شکار کی تلاش میں......"

"محسن آپ یہاں کیوں آ گئے؟ ڈائننگ روم میں آ جایئے کھانا تیار ہے۔" انعمتہ نے آ کر مجھے چونکایا۔ ثمرہ عون میری گود میں تھی اور میں خود سے الجھ رہا تھا۔

"کتنی پیاری بچی ہے ایک سال سے وہ تنہا وہاں رہ رہی تھی' جبھی تو میں نے اسے یہاں بلوالیا جب ہم ہیں تو وہ کیوں تنہا رہے' ہم اس کی بچی کو اپنی بچی سمجھ کر اپنے پاس رکھ لیں گے نمرہ کی بدنصیبیوں میں اسے حصہ دار نہیں بننے دیں گے۔" انعمتہ حسب معمول نان اسٹاپ بولے گئی اور میں اس کا منہ تکتا رہ گیا۔

"سچ کہہ رہی ہوں محسن آپ اسے اپنا نام دے دیجیے۔ اس کے باپ بن جایئے۔" وہ ملتجی ہوئی۔ "مجھے بہت دکھ ہوا اسے اس طرح دیکھ کر۔" وہ مغموم سی بیٹھی تھی۔

"تم کیا جانو انعمتہ...... تم کیا جانو ہر کوئی اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہوتا ہے یہ سزا تو اس کے لیے کچھ بھی نہیں...... میں چاہوں تو ایک ہی پل میں اسے بے نقاب کر دوں...... اور تم جو اتنا دم بھر رہی ہو' اس کی جان کی دشمن ہو جاؤ' لیکن میں ایسا کبھی نہیں کروں گا' میں نہیں چاہتا کہ تم بھی ٹوٹ کے بکھرو...... میں اس بچی کو اپنا نام دے دوں گا' میں اسے بیٹی بنالوں گا' صرف تمہاری خوشی کی خاطر۔ میں اسے ثمرہ عون نہیں بننے دوں گا' ڈال ڈال پہ بیٹھنے والی تتلی۔ لوگوں کی زندگیوں سے کھیلنے والی دلوں میں گھر کر کے انہیں برباد کرنے والی' بلکہ انعمتہ جیسی باوقار' وفادار' ہمدرد' اعلیٰ ظرف والی اور مخلص لڑکی بناؤں گا۔" میں دل ہی دل میں سوچتا رہا۔

"محسن ہم اسے نمرہ سے گود لے لیں گے' میں نے اس سے بات کر لی ہے۔ ارے...... میں بھول ہی گئی میں آپ کو لینے آئی تھی یہیں کی ہو کر رہ گئی۔" انعمتہ نے بچی کو اٹھایا اور ہم دونوں ڈائننگ روم کی طرف بڑھ آئے۔ وکیل صاحب ڈائننگ ٹیبل پر نمرہ سے اس کے متعلق مختلف سوال کر رہے تھے۔ نام' خاندان' ولدیت' تعلیم' ذات پات' غرض سب ہی سوال نمرہ کے گرد گھومے ہوئے تھے پھر انہوں نے اچانک مجھے مخاطب کیا۔

"محسن میاں...... اچھا کھانا پکانے والی بیوی خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے اور خدا نے تم پہ بڑی مہربانی کی ہے اس معاملے میں' آج بہت دن بعد مزے کا کھانا کھایا ہے۔ دعا ہے میرے طلحہ کو بھی ایسی ہی سگھڑ اور سلیقہ شعار بیوی ملے' لیکن یہ ہے کہ شادی کے نام سے ہی بدک جاتا ہے۔"

"ضرور انکل' ہم طلحہ کے لیے ایسی ہی ہیرا لڑکی ڈھونڈیں گے بالکل اپنے جیسی۔" انعمتہ نے فخر سے گردن تان کر شرارت سے کہا' انکل مسکرا دیئے۔

میں نے دیکھا نمرہ عون کے چہرے پہ کئی رنگ آ کے گزر گئے۔ انعمتہ نے یقیناً اس سے بات کی ہو گی لیکن انکل اور طلحہ یقیناً بے خبر تھے۔

"تو پھر اس نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔" انکل نے کہا۔

نمرہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی انعمتہ نے ثمرہ عون کو اپنی گود میں بٹھا رکھا تھا اور اپنی پلیٹ سے چھوٹے چھوٹے نوالے اسے کھلا رہی تھی۔ انعمتہ کے دائیں بائیں والی کرسی پہ میر احسن اور میر امن بیٹھے تھے وہ کھانے کے دوران اپنے ہاتھوں سے اس کے منہ میں لقمہ ڈال دیتے تھے۔ دوسری طرف طلحہ اور وکیل انکل تھے' سوئے اتفاق نمرہ میرے عین سامنے تھی' میں نے کئی بار کن اکھیوں سے اسے اپنی طرف دیکھتے پایا تھا لیکن میں بدستور بے نیازی اور سرد مہری کی چادر تانے بیٹھا رہا۔ مجھے بیک وقت کئی محاذوں پہ لڑنا تھا تو اس کے لیے یہ دو ہتھیار ضروری تھے۔ سب سے بڑی جنگ تو میں خود سے لڑ رہا تھا۔ کھانا کھاتے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے وقت گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا۔ لاؤنج میں بیٹھے باتیں کرتے

شام کے پانچ بج گئے۔ شام کی چائے تک وہ ہم سب میں موجود رہی، ہنستی بولتی، لیکن اس کے چہرے پہ ایک اضطرار تھا' جو صرف مجھے دکھائی دے رہا تھا مجھ سے نظر ملنے پہ وہ نجانے کیا محسوس کرتی ہو لیکن میں اپنے اندر جاگ جانے والی نفرت کو تھپک تھپک کر سلانے لگتا' مجھے لگتا تھا وہ میری پرسکون زندگی میں ناگہانی طوفان بن کر آئی ہے جو کسی بھی لمحے سب کچھ اکھیڑ سکتا تھا اس سے کچھ بعید نہیں تھا وہ ایک ہرجائی اور بے وفا عورت تھی جو کسی بھی وقت میری ذات کی دھجیاں بکھیر سکتی تھی' وہ کسی بھی لمحے میرے گھر کو نذر آتش کرسکتی تھی...... خیر...... وہ ایک عورت ہے...... اور میں مرد ہوں' میں بھلا مرد ہو کر عورت سے کیوں خوف زدہ ہوں' آخر کیا بگاڑ لے گی وہ میرا......؟ میں نے خود کو سمجھایا اگر وہ انعمتہ کو میری طرف سے بدظن کرنے گی تو میں بھی اس کے کالے کرتوت بے نقاب کردوں گا اور انعمتہ کا ووٹ میری طرف ہوگا وہ محض اپنی دوستی کی خاطر اپنی گھر ہستی کو خطرے میں بھلا کیوں ڈالے گی وہ انعمتہ کو مجھ سے اور اپنے بچوں سے گھر سے زیادہ عزیز نہیں ہوسکتی انعمتہ ثمرہ کو ساتھ لے کر بچوں کو سلانے کے لیے ان کے بیڈروم میں چلی گئی تھی' وکیل انکل اور طحہٰ نے بھی اجازت چاہی' میں انہیں سی آف کرنے گیٹ تک چلا آیا۔ واپس اپنے بیڈروم کی طرف جاتے ہوئے میں نے انعمتہ کی آواز سنی وہ کہہ رہی تھی۔

''ثمرہ...... یہ معاشرہ تنہا عورت کو جینے نہیں دیتا' آخر تم کیوں اس بے کار کی ضد پہ اڑ گئی ہو کیا ملے گا خود سے انتقام لے کر کیوں سزا دے رہی ہو خود کو؟''

''میرا مرد ذات پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے انو...... میں نے اس کے دل میں گھر کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا...... ثمرہ بھی اسے یہ انتہائی قدم اٹھانے سے روک نہیں پائی اس نے اپنی بیٹی کو ایک نظر دیکھا تک نہیں۔ جس کے دل میں میری بیٹی کے لیے جگہ نہیں ہے میرے دل میں بھی اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں اور ویسے بھی تعلق اگر بوجھ بن جائے تو اس کو توڑنا اچھا......'' وہ آخر میں گنگنائی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس کا مرد ذات پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے اور جو میرا عورت ذات سے اعتبار اٹھا تھا' اس سے تو وہ بے خبر تھی جس کی ذمہ دار وہ خود تھی۔

''تم ثمرہ کی فکر نہ کرو' میں اس کی ماں ہوں اور محسن اس کے باپ' تم بس شادی کے لیے خود کو تیار کرو طحہٰ تمہارے لیے بہت اچھا جیون ساتھی ثابت ہوگا' میں صبح ہی انکل سے بات کروں گی۔'' انعمتہ نے کہا۔

''انو پلیز یہ ٹاپک کلوز کرو۔'' وہ اکتا کر بولی۔ ''میں یہاں شادی کے لیے نہیں آئی' ماں باپ کے بعد تم ہی ہو' میری واحد سہیلی جس کے کندھوں پر سر رکھ کر میں بدبختی کا رونا رو سکتی ہوں...... اپنی عمر بھر کی تھکن اتار سکتی ہوں...... تمہارے سوا تو میرا کوئی نہیں ہے بس یہ یقین دے دو کہ تم میری اپنی ہو۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''لو بھلا اس میں کوئی شک ہے؟'' انعمتہ مسکرائی میں اپنے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔

''دوغلی عورت......'' میں نے تنفر سے کہا اور اپنے بیڈ پر بیٹھ گیا اور اپنے خون کی کھولن کو کم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

''انعمتہ' تم اس دنیا کی سب سے بھولی عورت ہو جو اس جیسی مکار عورت پہ اعتبار کررہی ہو ساتھ ہی طحہٰ جیسے سیدھے سادے لڑکے کی زندگی برباد کرنے پہ تلی ہوئی ہو لیکن میں اس غلط کام میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا' میں طحہٰ کے ساتھ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ میں اس زہریلی ناگن کی بیٹی کو اپنے گھر پر برداشت کرلوں گا صرف تمہاری خوشی کی خاطر لیکن تمہاری خوشی کی خاطر اس معصوم لڑکے کی زندگی داؤ پہ نہیں لگنے دوں گا۔''

''محسن آپ یہاں آگئے...... ہم آپ کا وہاں انتظار کررہے ہیں...... آپ ابھی سوئیے گا نہیں' بچے جاگیں گے تو پھر ہم کہیں باہر گھومنے چلیں گے' میں نے فون کرکے طحہٰ کو بھی بلالیا ہے ڈنر بھی ہم باہر کریں گے۔''

''طحہٰ کو بلانے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں برہم ہوا۔

''ضروری نہیں ہے کہ وہ تمہاری سہیلی کو کمپنی دے۔''

''محسن...... ان کے لیے اچھا ہے کہ وہ ایک دوسرے سے ملیں بات چیت کریں اور ان میں انڈر اسٹینڈنگ ہوجائے یہ ان کی آئندہ زندگی کے لیے اچھی ثابت ہوگی۔'' انعمتہ نے رسان سے کہا۔

''نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔'' میں نے سختی سے کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوئی۔

''یہ شادی نہیں ہوسکتی...... ویسے بھی طلحہ کے لیے کنواری لڑکیوں کی کمی نہیں' طلحہ اور انکل کبھی نہیں مانیں گے۔'' وہ میری بات پہ بجائے خفا ہونے کے مسکرادی۔

''اگر وہ دونوں مان گئے تب تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا ناں؟'' اس نے پوچھا تو میں بس اسے دیکھتا رہ گیا۔

''محسن آپ نمرہ سے اتنے ناراض کیوں ہیں پتہ ہے ہم کتنی پکی سہیلیاں ہیں' ایک دوسرے پہ جان چھڑکتی ہیں ایک دوسرے پہ جان نثار کرتی ہیں میں اسے بچپن سے جانتی ہوں' وہ دل کی بہت اچھی ہے۔''

''اونہہ جانتی ہو...... تمہارا یہ دعویٰ ہی عبث ہے انعمتہ تم کچھ نہیں جانتی البتہ وہ دل کی کتنی اچھی ہے' یہ بات میں ضرور جانتا ہوں...... اس جیسی خود غرض اور مطلب پرست عورت صرف اپنے مطلب تک اچھی ہے جب اس کی غرض پوری ہوجائے گی تو تمہاری اوقات اس کی نظر میں دو کوڑی کی بھی نہ رہے گی......'' میں یہ سب چیخ چیخ کر کہنا چاہتا تھا لیکن نجانے کیوں کہہ نہیں پارہا تھا۔ پھر شام کو ہم باہر چلے گئے' میں نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی فرنٹ سیٹ پہ طلحہ اور وہ دونوں بچوں سمیت پچھلی سیٹ پہ وہ دونوں ہنس رہی تھیں ان کے پاس دنیا جہان کی باتیں تھیں جو ختم ہونے میں نہیں آرہی تھیں' بیک ویو مرر سے میں نے انعمتہ کو دیکھا مجھ سے نظر ملنے پہ وہ مسکرادی اس کی مسکراہٹ نے ایک پل کے لیے میرے اندر اٹھتے بادل کو کم کیا تھا۔

''مما یہ ہماری بہنا ہے ناں۔'' میرامن اور میراحسن پوچھ رہے تھے۔

''ہاں بیٹا۔'' انعمتہ نے مسکرا کر کہا۔

''مما جان ہم اسے آنٹی سے لے لیں گے اور ہم اسے اپنے پاس رکھ لیں گے۔'' میں نے گاڑی روکی سب اترنے لگے تو میرامن اور میراحسن ثمرہ کو دائیں بائیں سے تھامے ہوئے میرے پاس لے آئے۔

''ثمو پاپا......'' اور اس نے فوراً میری طرف بازو کھڑے کرلیے تو میں نے اسے اٹھالیا' پھر وہ دونوں ثمرہ کو لے کر دوسری طرف چلے گئے۔ میں اور طلحہ ایک طرف بینچ پہ بیٹھ گئے نمرہ اور انعمتہ بچوں کو لے کر جھولوں کی طرف چلی گئیں۔ ثمرہ بہت خوش تھی جیسے اس کے لیے یہ سب بہت نیا اور انوکھا تھا یونہی گھومتے پھرتے' کھانا کھاتے رات کے گیارہ بج گئے۔ بچے بہت خوش تھے۔ ثمرہ اس وقت میری گود میں تھی اور میری گود میں ہی سوگئی تھی' میں نے اسے انعمتہ کے حوالے کیا اور طلحہ کو اس کے گھر چھوڑ کر ہم اپنے گھر آگئے' اگلے روز بچوں نے اسکول جانے سے انکار کردیا' ان کی چھٹی کی ایپلیکشن بھیجی اور انعمتہ نے وہ رات نمرہ عون کے ساتھ اس کے بیڈروم میں گزاری وہ یقیناً رات دیر تک جاگتی رہی تھیں' صبح جب میں اٹھا تو انعمتہ ابھی سورہی تھی ثمرہ میرامن اور میراحسن کے ساتھ سوئی تھی صبح اٹھی تو مجھے جاگتا پاکر میرے پاس چلی آئی۔

''پاپا......'' اس نے مجھے پکارا' میں اس کے التفات پہ حیران تھا۔ خیر وہ معصوم بچی تھی' اسے جو لفظ سکھایا گیا تھا وہ سیکھ گئی تھی میں نے اسے اٹھایا اور کچن سے اسے فیڈر بنا کر دیا حالانکہ یہ کام کبھی میں نے اپنے بچوں کے لیے بھی نہیں کیا تھا۔ انعمتہ کے تو شاید دیر تک سونے کے ارادے تھے پھر میں آفس کی تیاری کرکے بنا ناشتہ کیے چلا گیا۔ شام کو آفس سے آیا تو انعمتہ مجھ پہ ناراض ہوئی۔

''بنا ناشتہ کیے کیوں چلے گئے تھے آپ' مجھے جگا بھی تو سکتے تھے۔'' میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اپنے بیڈروم میں چلا آیا' پھر فریش ہوکر نکلا تو کھانا لگ چکا تھا۔

"انو تمہارے گھر آ کر لگتا ہے میں اپنے ہی گھر میں ہوں بالکل بھی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی..... سچ کہوں تو ایسا ہی ایک گھر میرا خواب تھا' یوں لگتا ہے جیسے کسی نے میرے خواب کو چرا کر مجسم تعبیر کا روپ دے دیا ہو۔" ہاں وہ ایسے ہی گھر کا خواب دیکھا کرتی تھی' مجھے وہ وقت یاد آیا جب میں اس کی انگلی تھام کر آنکھیں بند کر کے محبت کی تاریک راہ پہ چل نکلا تھا اور وہ مجھے اپنی رفاقت کے خواب دکھاتی تھی۔

"خواب چرائے نہیں ہیں بلکہ یہ گھر تو میں نے اپنے خوابوں میں لگنے والی آگ سے بننے والی راکھ اور چکنا چور ہوئے سپنے کی کرچیوں کو سمیٹ کر بنایا ہے۔ یہ انعمتہ ہے جس نے مجھے جینے کا حوصلہ دیا ہے ورنہ تم نے تو مجھ سے میرے جینے کی امنگ چھین لی تھی۔" مین دل ہی دل میں بولا۔

"یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے نمو..... ویسے اگر تم طحہٰ سے شادی پہ رضامند ہو جاؤ تو..... پھر ایسا ہی گھر تمہارا منتظر ہے۔"

"نہیں انو پلیز..... مجھے واپس لوٹ جانا ہے' میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔"

"ہاں تم کیوں رہو گی یہاں..... تم تو امریکہ جیسے آزاد ملک میں رہنے کی عادی ہو چکی ہو..... یہاں کی حدود وقیود اور روایات کو پھر سے اپنانا اب تمہارے بس میں کہاں بھلا.....؟ تم تو ڈال ڈال پہ بیٹھنے والی تتلی ہو..... تم یہاں کے چھوٹے گھروں کے دقیانوسی ماحول میں بھلا کیونکر رہ سکتی ہو؟"

"دیکھو نمو..... میں نے انکل سے بات کی ہے اور طحہٰ سے بھی..... طحہٰ تو خود کئی سالوں سے امریکہ جانے کے لیے پر تول رہا ہے' یوں تو انکل کو اس کے جانے پہ کوئی اعتراض نہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ پہلے اس کی شادی ہو جائے' انہیں اس رشتے پہ کوئی اعتراض نہیں ہے وہ تمہیں دیکھ چکے ہیں پرکھ چکے ہیں اور میں نے طحہٰ کی آنکھوں میں بھی تمہارے لیے پسندیدگی دیکھی ہے۔"

"نہیں انو مجھے نہیں لگتا کہ یہ رشتہ بھی کامیاب ہو سکے گا..... شاید مجھ میں ہی خامی ہے' کہ میں نہ تو کسی کو خود سے باندھ کے رکھ سکتی ہوں نہ خود کو کسی سے۔" وہ یاسیت بھرے لہجے میں بولی۔

"اوہ تو تم نے تسلیم کر لیا ناں کہ وفا اور نبھا تمہاری سرشت بلکہ فطرت ہی میں شامل نہیں....." پانی پیتے ہوئے مجھے اچھو لگ گیا' میں نے کھانے سے ہاتھ کھینچا اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے بیڈروم میں چلا آیا انعمتہ نے مجھے ادھورا کھانا چھوڑنے پر نہیں ٹوکا..... اسے نمرہ عون کے علاوہ کچھ بھی تو نہیں دکھائی دے رہا تھا' نمرہ کے آنے سے میرے اور انعمتہ کے درمیان جو دوری آ گئی تھی ایسا گزشتہ سات سالوں میں پہلی بار ہوا تھا' اس نے انعمتہ کو مجھ سے جیسے چھین ہی لیا تھا۔ وہ بالکل اسٹار پلس کی کوئی سازشی اداکارہ لگ رہی تھی جو مظلومیت کا ڈرامہ کرنے میں خاصی کامیاب رہی تھی' اس نے انعمتہ کی ساری ہمدردیاں اور تسلیاں جیت لی تھیں لیکن میں نے دل میں پختہ عزم کر لیا تھا کہ میں طحہٰ کو اس سازشی عورت کا شکار ہرگز نہیں بننے دوں گا۔" میں سوچتا رہا اور خود سے الجھتا رہا اس کی آمد ہماری زندگی کا ایک اہم واقعہ تھا اور انعمتہ تھی کہ اسی کو پیاری ہو کر رہ گئی تھی۔ اگلے روز میں آفس سے آیا تو گھر میں معمول سے ہٹ کر خاصی گہما گہمی تھی' لذیذ کھانوں کی خوشبوئیں چکرا رہی تھیں مجھے خبر ہوئی کہ طحہٰ' نمرہ عون کو انگیجمنٹ کی رنگ پہنانے والا ہے یعنی مجھ سے بالا ہی بالا سب کچھ طے ہو گیا تھا مانا کہ انعمتہ میرے سامنے ہی نمرہ سے اس بارے میں بات کرتی تھی لیکن اس نے ایک بار بھی مجھے ان باتوں میں شامل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بس اتنا کہا کہ آج منگنی کا فنکشن ہے۔

"یعنی نمرہ عون طحہٰ کو اپنے جال میں پھنسانے میں کامیاب رہی تھی' مکار عورت' میں پیچ وتاب کھا کے رہ گیا' اور یہ سارا ڈرامہ میرے ہی گھر میں میری آنکھوں کے سامنے کھیلا جا رہا تھا اور مجھے لگ رہا تھا کہ میں ایک ہارا ہوا جواری ہوں جب طحہٰ نے مسکراتے ہوئے اور نمرہ عون کو

والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی انگلی میں انگوٹھی پہنائی تو میرے دل کے زخم جیسے نئے سرے سے ادھڑنے لگے' مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری گردن میں پھندا ڈال کے مجھے کانٹوں بھری راہ پر گھسیٹا جارہا ہو اور میں اپنی اس کیفیت کو کوئی نام نہیں دے پارہا تھا' ہر طرف سے مبارک سلامت کا شور اٹھا تب میں نے خود سے سوال کیا۔

''محسن رضا...... کہیں ایسا تو نہیں کہ نمرہ عون کی محبت ابھی بھی تمہارے دل کے کسی کونے کھدرے میں چھپی بیٹھی ہو؟'' اپنے اس سوال پہ میں نے خود کو کھنگالا...... دل میں زخموں سے اٹھنے والی ٹیسوں میں صرف نفرت کا الاؤ دہک رہا تھا' جس میں گزشتہ سات سالوں سے سلگ رہا تھا اور بہت ممکن تھا کہ جل کے راکھ ہوچکا ہوتا لیکن یہ انعمتہ تھی جو میرے لیے بادوباراں کی طرح تھی' وہ اب بھی سامنے سجے ہوئے اسٹیج پہ طٰحہٰ کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھی اور دونوں بہت خوش دکھائی دے رہے تھے اس نے طٰحہٰ کی طرف سے آنے والا میرون اور گولڈن کنٹراسٹ کا خوب صورت سوٹ پہن رکھا تھا' اسے انعمتہ نے تیار کیا تھا اور وہ اس روپ میں قیامت ڈھا رہی تھی۔ اس کی بے داغ رنگت میں ایک الوہی سی چمک تھی' شاید فتح کی چمک' لیکن طٰحہٰ بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''تم کیا جانو...... طٰحہٰ میرے بھولے یار' تم کیا جانو...... جب تم اپنے پہلو میں بیٹھی اس حسین چہرے والی کی اصلیت جان جاؤ گے تو تم بھی میری طرح ٹوٹ کے بکھرو گے مجھے تو انعمتہ نے سمیٹا ہے تمہیں کون سمیٹے گا؟ خدا ہی جانتا ہے کہ اس نے انعمتہ اور طٰحہٰ پہ کیا ٹونا کیا ہے میں تو انعمتہ کو بتانا چاہتا تھا لیکن بتا نہیں پارہا تھا۔''

''محسن...... آپ یہاں کیوں چھپے بیٹھے ہیں؟ اسٹیج پہ تصویریں بن رہی ہیں آپ بھی آئیے ناں...... آخر دلہن کا میکہ ہمارے ہی دم سے ہے۔'' انعمتہ میرا ہاتھ پکڑ کر چل دی وہ نمرہ کے ساتھ بیٹھ گئی اور میں طٰحہٰ کے ساتھ...... وہاں لوگ ہنس بول رہے تھے میرے جیسی کیفیت تو کسی کی بھی نہیں تھی میں تو وہاں ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں تھا۔ رسم اور طعام کے بعد مہمانوں کی واپسی ہوئی تو گھر میں عجیب سا سناٹا چھا گیا۔ رات کافی بیت گئی تھی' رات دیر سے سونے کی وجہ سے صبح میری آنکھ دیر سے کھلی۔ میں نے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کھولی' منظر میرے سامنے تھا۔ طٰحہٰ اور نمرہ وہاں بینچ پر ساتھ ساتھ بیٹھے تھے' ان دونوں کا رخ میری طرف تھا' طٰحہٰ اس کی طرف جھکا کچھ کہہ رہا تھا اور وہ بے تحاشہ ہنس رہی تھی' میرے اندر الاؤ ایک دم سے بھڑک اٹھا' میرا دل تو چاہا کہ اس کے ہنستے ہوئے چہرے پر تیزاب چھڑک دوں' پھر میں خود پہ قابو پاتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا' شاور لے کر اندر سلگنے والی آگ کو کسی طور پہ کم کرنے کی کوشش کرنے لگا' فجر کی قضا نماز ادا کی اور بیڈ روم سے باہر آیا ناشتا تیار تھا انعمتہ مجھے ہی بلانے کے لیے آرہی تھی پھر میں ناشتہ کرکے آفس کے لیے نکلنے والا تھا جب انعمتہ نے مجھ سے کہا۔

''محسن اگر آپ آج آفس سے چھٹی کرلیں تو......''

''کیوں؟'' میں نے اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے سوال کیا۔

''نمرہ نے مارکیٹ تک جانا ہے اگر آپ اسے لے جاتے تو میں تو فارغ نہیں ہوں' مجھے ابھی گھر کا کام کرنا ہے ورنہ میں خود ساتھ چلی جاتی۔''

''میری آج ضروری میٹنگ ہے' میں پہلے ہی بہت لیٹ ہوچکا ہوں۔'' میں نے رکھائی سے جواب دیا اور آفس چلا آیا شام کو جلد گھر آیا تو انعمتہ گھر پہ نہیں تھی وہ دکیل انکل کے گھر گئی ہوئی تھی وہ اکثر ان کے گھر جاکر کھانا پکا دیتی تھی' اب بھی شاید اس لیے گئی تھی اور میرا امن اور میرا احسن بھی یقیناً اس کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔

''اگر آپ فارغ ہوں تو ابھی چلیں مارکیٹ۔'' اس نے بہت عام سے انداز میں کہا' جیسے ہمارے درمیان کچھ بھی ایسا ویسا نہیں تھا۔

''نہیں...... میں تمہارے ساتھ کہیں نہیں جارہا اور ویسے بھی تم طٰحہٰ کے ساتھ کیوں نہیں جاتیں......؟'' میں

نے طنزاً کہا۔

"وہ...... میں......" وہ کچھ کہتے کہتے جھجک کے رکی۔

"کیوں...... بہت پردہ کرنے لگی ہو تم اس سے؟" میں نے تمسخرانہ کہا گھر میں اس وقت صرف ثمرہ اور ثمرہ ہی تھیں...... ثمرہ بابا بابا پکارتی میرے پاس چلی آئی۔

"آپ سے بہت مانوس ہوگئی ہے۔" ثمرہ نے کہا میں نے کوئی جواب نہ دیا۔

"بچے پیار کے بھوکے ہوتے ہیں میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ اسے باپ کا نام دینے کے لیے تیار ہیں۔" وہ ممنون انداز میں بولی۔

"مجھے تمہارے شکریے کی ضرورت نہیں ہے محترمہ ثمرہ عون' بچے تو معصوم فرشتے ہوتے ہیں' بھلے وہ کسی گناہ کی پیداوار ہی کیوں نہ ہوں۔" میں کہتا چلا گیا' میرے دل میں پھنکارتے شک کے ناگ نے موقع ملتے ہی اسے ڈس لیا' اس کی آنکھوں میں آنے والے آنسو کم ازکم اب مجھے متاثر نہیں کر سکتے تھے' اس کا رنگ ایک دم زرد پڑا اور ہونٹ نیلے......

"بات سنو میں طحہٰ کو تمہاری اصلیت بتا کر رہوں گا۔" میں نے انگلی اٹھا کر کہا۔ "طحہٰ کے لیے شریف لڑکیوں کی کمی نہیں' مہربانی کرو اس شریف اور بھولے بھالے لڑکے کو بخش دو۔ کتنے لوگوں کو برباد کروگی...... کتنے لوگوں کے دل اجاڑوگی آخر تم؟" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہ گئی۔

"محسن...... میں تو خود یہ سب نہیں چاہتی...... انعمتہ......"

"بہت خوب انعمتہ کی سادگی کا ہی تو فائدہ اٹھا رہی ہو...... اسی کو سیڑھی بنا رہی ہو تم۔" میں نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

"قسم سے محسن...... انعمتہ نے......" اس نے پھر بھرائی ہوئی آواز میں کچھ کہنا چاہا۔

"انعمتہ کا نام مت لو...... تم چاہو تو کوئی کچھ نہیں کرسکتا' اگر تم خود اس رشتے کو نہیں توڑوگی تو میں خود انعمتہ کو بتادوں گا اگر مجھے انعمتہ کے دل سے اتر کر بھی یہ سب کرنا پڑا تو کر گزروں گا۔" وہ کھڑی ہونٹ کچلتی رہی' پھر بولی۔

"محسن...... آپ کو یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں اپنی بیٹی کو لے کر جارہی ہوں...... میں نہیں چاہتی کہ میری طرح وہ بھی آپ کی نفرت کی شکار ہو۔" اس نے خود پہ قابو پاتے ہوئے کہا۔

"ثمرہ کو تم انعمتہ سے پوچھے بغیر نہیں لے جاسکتی......" میں نے جتانے والے انداز میں کہا' میرے دل کی بھڑاس جو کچھ دن سے بڑھتی جارہی تھی' میں گویا اسے نکال کے ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔ اس نے ثمرہ کو گود میں لے کر پیار کیا اور کمرے سے نکل گئی۔

کبھی یاد آئے تو پوچھنا
ذرا اپنی خلوت شام سے
کسے عشق تھا تیری ذات سے
کسے پیار تھا تیرے نام سے
ذرا یاد کرو کہ وہ کون تھی
جو کبھی تجھے بھی عزیز تھی
جو جی اٹھی تیرے نام سے
جو مرمٹی تیرے نام سے
ہمیں بے رخی کا نہیں گلہ
کہ یہی وفاؤں کا ہے صلہ
مگر ایسا جرم تھا کون سا؟
گئے ہم دعا وسلام سے
نہ کبھی وصال کی چاہ کی
نہ کبھی فراق میں آہ کی
کہ میرا طریقہ بندگی
ہے جدا طریقہ عام سے

"محسن......" انعمتہ تقریباً پوری قوت سے چلائی تھی۔ اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا میری طرف پھینکتے ہوئے کہا۔

"پڑھیے اسے اور بتائیے مجھے کہ یہ کیا ہے؟" وہ پھر چلائی۔

انعمتہ کا یہ روپ میرے لیے نیا تھا‘ میں نے اس کاغذ کو پڑھا‘ ایک بار...... دو بار اور پھر بار بار...... میں سمجھا تھا کہ انعمتہ کو یہ جان کر شاک لگا ہے کہ میرے اور نمرہ عون کے درمیان پہلے ہی کوئی تعلق رہ چکا ہے۔ لیکن میری توقع کے خلاف وہ کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔

”آپ نے اسے پھر دربدر کردیا اور وہ یہ کاغذ کا ٹکڑا چھوڑ کر چلی گئی۔ آپ کو کس نے حق دیا ہے کہ آپ اسے اس کا ماضی یاد دلائیں۔ کتنی محنت اور کتنی مشکل سے میں اسے زندگی کی طرف لائی تھی‘ آپ نے ایک ہی پل میں میری محنت پہ پانی پھیر دیا۔ ایک ہی پل میں سب کچھ ملیا میٹ کردیا آخر یہ کہاں کا انصاف ہے؟ آخر کس جرم کی سزا دی آپ نے اسے‘ جایئے اور اسے ڈھونڈ کر لایئے ورنہ میں بھی آپ کی زندگی سے اسی طرح نکل جاؤں گی‘ آپ نے میرا سکھ چین سب برباد کردیا۔ وہ دربدر بھٹکتی رہے اور میں آرام سے گھر بیٹھی رہوں...... نہیں...... ناممکن ہے‘ محبت صرف ایک ڈرامہ تھا ناں...... تو اس ڈرامے کو رچانے میں پہل بھی آپ نے کی تھی‘ یہ معاشرہ آپ جیسے مردوں کا ہے اور اس کے اصول بھی آپ ہی جیسوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اور قصوروار صرف عورت ٹھہرتی ہے۔ مصلوب صرف عورت کو کیا جاتا ہے۔“ وہ میرے سر پر بم پھوڑ کے باہر نکل گئی۔ جس نے میری ذات کے پرخچے اڑا دیے تھے اور میں جو اس زعم میں تھا کہ نمرہ کو بے نقاب کردوں گا انعمتہ کی نظر میں آج خود ہی دو کوڑی کا ہو کر رہ گیا۔ میں اس زعم میں تھا کہ انعمتہ کو دھوکہ دینے میں کامیاب رہا ہوں کہ وہ میری زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری عورت ہے‘ لیکن وہ تو سب کچھ جانتی تھی۔

نمرہ نے یقیناً اسے سب کچھ بتا دیا تھا لیکن کب...... کس وقت؟ وہ تو اب تک مجھ پہ جان چھڑکتی تھی...... مجھ پہ مرتی تھی۔ لیکن نمرہ کے جاتے ہی اس کی زبان صرف زہر اگل رہی تھی لیکن یہ سب اس نے کب بتایا ہوگا؟ اگر جاتے وقت بتاتی تو انعمتہ اسے جانے نہیں دیتی‘ یہ سوالیہ نشان میرے اردگرد چکرا رہا تھا اور میں بے جان ٹانگوں کو گھسیٹتا اپنے بیڈ پہ آن گرا...... اور ماضی کے ریگ زاروں میں بھٹکنے لگا جس کے بارے میں سمجھ رہا تھا کہ اس سے کوئی واقف نہیں ہے۔

❁......❁......❁

میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا اور ان کی تمام تر امیدوں کا محور بھی...... بابا جان ایک کامیاب وکیل تھے گھر کے باہر ماربل کی دیوار پہ بابا جان کے نام کی پلیٹ پوری شان و شوکت سے سجی ہوئی تھی۔ ”ایڈووکیٹ قاسم مرزا“ میں نے فخر سے اس پہ ایک نظر ڈالی اور گاڑی کو یونیورسٹی کے راستے پر ڈال دیا۔ بابا جان وکیل ہونے کے باوجود بہت ایمان دار اور اصول پرست تھے۔ میں ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور مجھے ان کے دل میں خاص مقام بنانے کے لیے خاصی محنت کرنا تھی‘ بابا جان پانچ بھائی تھے اور سب ہی پڑھے لکھے اور عہدیدار تھے‘ ہمارے خاندان کے مرد بہت وجیہہ اور پڑھے لکھے تھے لیکن شادیوں کے معاملے میں اکثر مات کھا جاتے۔ خاندان ہی میں شادی کرنے کی وجہ سے اکثر شادیاں بے جوڑ ہوتیں‘ کچھ یہی حال بابا جان اور اماں کا تھا۔ اماں بابا جان سے عمر میں پانچ سال بڑی تھیں لیکن میرے لیے مقام شکر تھا کہ میرے جوڑ یا بے جوڑ کی کوئی لڑکی نہیں بچی تھی۔

یونیورسٹی کا پہلا دن میں نے گھومنے پھرنے میں گزارا یہاں میرے بہت سے کلاس فیلوز تھے لیکن سب کے ڈیپارٹمنٹ مختلف تھے‘ میری کئی لڑکوں سے سلام دعا ہوئی تھی جس کے ساتھ سلام دعا کے علاوہ کوئی بات چیت ہوئی تھی وہ وریز علی تھا‘ اس کا تعلق بھی امیر گھرانے سے تھا اور میرے بابا کی مالی حیثیت بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ میری نظر اس کی گاڑی پہ پڑی تو اس کے وڈنٹر بے جان سے معلوم ہوئے‘ میں نے وریز کی توجہ اس طرف دلائی۔ میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ دیکھ چکا تھا۔

”اوہ یہ کیا ہوا...... دیکھو یار پتہ نہیں کیا ملتا ہے لوگوں کو اس طرح کسی کو ستا کر۔“ اس نے جل کر کہا۔

''چلو میں تمہیں ڈراپ کردیتا ہوں۔تم ڈرائیور سے کہہ کر گاڑی منگوالینا۔''

''نہیں یار اسے کیا ستانا' میں خود ہی نمٹ لوں گا اس سے۔'' اس نے سہولت سے مجھے منع کردیا حالانکہ وہ اس اچانک افتاد پہ جھنجلا سا گیا تھا۔

''چلو جیسی تمہاری مرضی...... پھر میں تو چلتا ہوں۔'' میں کہتا ہوا گاڑی کا معائنہ کرتا گاڑی میں بیٹھ گیا جو بظاہر تو ٹھیک تھی سو اطمینان سے گھر کی راہ لی۔ سڑک ایک جگہ تقریباً سنسان تھی اور ایک لڑکی ہاتھ میں فائل لیے چلی جارہی تھی' میں نے اسے لفٹ دینے کے خیال سے اس کے قریب گاڑی روکنی چاہی لیکن...... بے سود...... گاڑی کے بریک فیل ہوچکے تھے۔ جب گاڑی روکنے کی کوشش کے باوجود تیزی سے اس کے پاس سے گزری تو وہ اچھل کر دور جاگری اور گاڑی بھی بے قابو ہو کر سڑک سے نیچے اتر کر درخت سے ٹکرا کر رک گئی' میرا سر زور سے اسٹیرنگ سے ٹکرایا اور میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ اٹھے۔ گاڑی کا بھی نقصان ہوا' میں نے اپنا چکراتا ہوا سر سنبھالا اور گاڑی سے نکل کر دروازہ بند کیا تو درخت کا تنا ٹوٹ کر گاڑی پہ گر گیا تھا۔ میں تیزی سے دور ہٹا' گاڑی اب درخت کے پتوں میں چھپ گئی تھی۔ میں دراصل اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے ہی گاڑی سے نکلا تھا وہ اپنی فائل سمیٹتی اور کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی' میری آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا' پھر بھی از راہ اخلاق میں نے اس کا حال پوچھنا ضروری سمجھا۔

''محترمہ...... کیا آپ زندہ ہیں؟'' سن ہوتے دماغ سے خود میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں نے یہ کیسا سوال کیا ہے۔

''جی ہاں...... بدقسمتی سے...... خدا کو شاید ابھی میری زندگی منظور ہے ورنہ آپ نے تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔'' خاصے تپے ہوئے انداز میں کہا گیا تھا۔

''اچھا جی...... جگ جگ جیو۔'' میں اپنا سر تھام کر

''ارے...... آپ کا تو بہت خون بہہ رہا ہے۔'' وہ پریشانی سے بولی۔ پھر اپنے دوپٹے کے پلو سے پٹی پھاڑ کر میرے سر پر باندھی اس کے بعد کیا ہوا مجھے کچھ خبر نہیں' جب آنکھ کھلی تو ہسپتال میں تھا۔ ایک پل کے لیے تو مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آیا' ذہن پہ زور دیا تو آہستہ آہستہ یاد آیا یہ سب کسی کی شرارت کا نتیجہ تھا۔ میری گاڑی کے بریک فیل کرنے والے نے خاصی بے رحمی کا ثبوت دیا تھا۔ اس طرح تو میں جان سے بھی گزر سکتا تھا۔ اس طرح تو کوئی بھی میری گاڑی کا نشانہ بن سکتا تھا' میرے ہوش میں آنے پہ وہ لڑکی میرے پاس آئی۔

''اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' اس نے پوچھا۔

''بہت بہتر۔'' میں نے کہا۔

''تھینک گاڈ! میں تو پریشان ہوگئی تھی۔'' اس نے گہری سانس خارج کی۔

''اچھا پھر میں چلتی ہوں۔ اب آپ کو بھی اپنے گھر والوں سے رابطہ کرنا چاہیے وہ لوگ پریشان ہورہے ہوں گے۔'' اس نے فکرمندی سے کہا۔

''جی میں کرلوں گا۔'' میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''اوکے' ٹیک کیئر اللہ حافظ۔'' مسکرا کر کہتی وہ کمرے سے نکل گئی۔

❁......⬤......❁

گھر میں قدم رکھا تو مجھے اس حال میں دیکھ کر اماں کی رنگت اڑ گئی' میں نے بمشکل انہیں یقین دلایا کہ میں ٹھیک ہوں' لیکن وہ ماں کے نہیں دیں مجھے ہتھیلی کا پھپھولا بنالیا صرف آرام کرنے اور کھانے پینے کے کچھ نہ کرنے دیا۔ موبائل تک مجھ سے چھین لیا' میں دوستوں تک سے رابطہ نہ کر پا رہا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے اماں سے موبائل لیا اور سب سے پہلے دریز علی کو کال کی۔

''کہاں ہو اتنے دن سے؟'' اس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''جہنم میں۔'' میں نے جل کر کہا' میں خفا تھا کہ اس

نے مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کیوں نہ کی لیکن وہ کیسے کرتا' موبائل اماں کے قبضے میں تھا اور گھر کا پتہ وہ ابھی جانتا نہیں تھا۔

''یار! اس دن میری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا۔'' میں نے بتایا۔

''گاڑی تو بچ گئی ناں؟'' اس نے فوراً پوچھا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' میں سیخ پا ہوا۔ ''میرا حال پوچھا نہیں اور گاڑی کی پڑگئی۔''

''ویسے گاڑی خاصی زخمی ہوئی تھی ڈرائیور ہی اسے جیسے تیسے گھسیٹ کر ورکشاپ تک لے کر گیا تھا۔''

''تم زندہ ہو تو بات کررہے ہو ناں۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

''اچھا..... بولو کس قبرستان..... میرا مطلب ہے ہسپتال میں ہو؟'' اس نے ہمہ تن گوش ہوکر پوچھا۔

''آپ کی دعا سے گھر میں ہی ہوں جناب عالی۔'' میں نے چبا چبا کر کہا۔

''اچھا ایکسیڈنٹ کس چیز سے ہوا تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''لڑکی کے ساتھ۔'' میں نے مزے سے بتایا۔

''ہاؤ رومینٹک؟'' وہ چلایا۔

''کیا اب وہ زندہ ہے؟'' پھر اس نے رازداری سے دریافت کیا۔

''ہاں بدقسمتی سے۔'' مجھے اس لڑکی کے الفاظ یاد آئے تو میں نے من وعن دہرا دیے۔

''ہائیں وہ کیسے؟'' وہ متعجب ہوا۔

''پتہ نہیں یار میں نے اس سے پوچھا تھا تو اس نے یہی جواب دیا تھا۔''

''اچھا کمال ہے تیرے جیسے ڈیشنگ بندے کو دیکھ کر تو وہ ویسے ہی مرمٹی ہوگی۔'' میں اس کی بات پہ زور سے ہنس دیا۔

''اچھا تو اگر آجائے میرے گھر تو تیری مہربانی ہوگی' اماں نے مجھ پہ پہرے بٹھائے ہوئے ہیں' آجا یار مجھے اماں کی قید سے نکال لے ایمان سے۔'' میں نے اس کی منت کی۔

''اچھا کیا یاد کرے گا تو بھی' آرہا ہوں' گھر کہاں ہے تیرا؟'' اس نے احسان جتاتے ہوئے کہا اور میں نے اسے گھر کا ایڈریس بتا کر فون بند کردیا' کچھ دیر بعد وہ مجھے اماں کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا اور ہم گھر سے نکلے۔ اس نے گاڑی ڈرائیو کی' میں نے بھی نہیں پوچھا کہ ہم کہاں جارہے ہیں' بس گھر سے نکل آیا تھا یہی کافی تھا دریز مجھے اپنے گھر لے آیا۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی ہمارے پیچھے ایک لڑکی بھی اندر داخل ہوئی۔

''ارے واہ..... آج ہماری یاد کیسے آ گئی۔'' دریز نے اسے دیکھ کر فوراً کہا تو میں نے بھی مڑ کر اسے دیکھا یہ تو وہی لڑکی تھی جس کے ساتھ اس روز ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ وہ کہیں میرے تصور میں تھی تو لیکن اسے یوں اچانک پھر سے دیکھ کر دل کو انجانی سی خوشی ہوئی۔

''بس یونہی..... اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' دریز کو جواب دے کر مجھ سے مخاطب ہوئی۔

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے چہرے پہ رونق
وہ سمجھتے ہیں بیمار کا حال اچھا ہے

میں نے دل کی خوشی چھپانے کا تکلف ضروری نہ سمجھا۔

''ارے تم لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہو؟'' دریز نے حیران ہوکر پوچھا۔

''جی ہاں ایکسیڈنٹ اس روز انہی کے ساتھ ہوا تھا۔'' میں نے یوں بتایا جیسے کوئی اپنا فخریہ کارنامہ بتاتا ہے۔

''تم ٹھیک تو ہو ناں نمو۔'' دریز ایک دم پریشان ہوکر بولا۔

''ہاں دریز بھائی میں بالکل ٹھیک ہوں' البتہ انہیں ماتھے پہ خاصی چوٹ آئی تھی۔'' اس نے کہا۔

''محسن میں نے تم لوگوں کا تعارف تو کرایا ہی نہیں' یہ نمو ہے نمرہ عون پاپا کے دوست عرفان آفریدی کی بیٹی..... اور ہماری دودھ شریک بہن' ہم سب گھر والوں کی

جان بھو اسی میں ہے۔" دریز نے اس کے نرم و ملائم گال پہ چٹکی کاٹی۔

"چلو نمو اب تم آ تو گئی ہو...... میرے دوست کے لیے مزیدار سی چائے بنا کر اس کا دل جیت لو۔" وہ اپنی ترنگ میں نجانے کیا کہہ گیا تھا' وہ حیران ہو کر دریز کو دیکھنے لگی بھلا اسے کیا ضرورت تھی میرا دل جیتنے کی۔ لیکن میں دل ہی دل میں ہنسا تھا' وہ صرف دل ہی نہیں میرے گردے پھیپھڑے سب ہی جیت چکی تھی۔

......☆☆☆......

اسی طرح چند ہفتوں میں میری اور دریز کی دوستی گہرے مراسم میں ڈھل گئی۔ ایک دن دریز خاصا پریشان تھا' میرے بار بار پوچھنے پہ بھی مجھے ٹالتا رہا تو مجھے افسوس ہوا' کہنے کو تو وہ مجھے دوست بھی کہتا تھا پھر بھی چھپا رہا تھا۔

"بس یار...... کچھ گھریلو مسئلہ تھا' لیکن کچھ نہ کچھ حل ہوگیا ہے' اصل میں عزیر بھائی تین بچوں کے باپ بن کر کسی لڑکی کے چکر میں ہیں۔ بھابی کو تو مانو چپ لگ گئی ہے' پاپا کو جب خبر ہوئی تو سمجھو ان کے سر پہ خون سوار ہوگیا۔ ان کا بس نہیں چل رہا کہ وہ عزیر بھائی کو جان سے مار ڈالیں' لیکن نمو نے بڑی مشکل سے بیچ میں آ کر بچاؤ کرایا۔ نمو ہی وہ ہستی ہے جو کسی سے بھی ٹکر لے سکتی ہے' پاپا جیسے ضدی' سخت اور اصول پسند بندے سے بھی سچ بتاؤں...... پاپا کے غصے کو دیکھ کر تو میری اب بھی جان نکلنے لگتی ہے لیکن نمو کی بہادری کو ماننا پڑے گا۔" وہ بہت فخر اور مان سے کہہ رہا تھا' میں حیرت سے اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ مرد ہو کر اپنے سے کئی سال چھوٹی لڑکی کی بہادری سے متاثر ہو رہا تھا پھر بولا۔

"یار...... آج تو گھر جانے کو بھی دل نہیں کر رہا۔" اس نے کہا تو مجھے لگا ابھی رو دے گا' تو میں نے اپنے گھر چلنے کی آفر کی بلکہ اپنے گھر لے آیا۔

کھانا تیار تھا اس نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور کھانے کی تعریف کی ساتھ ہی نمو کے ہاتھ کے بنے لذیذ کھانوں کو یاد کیا اس کی ہر بات نمو کے تڑکے کے بغیر تقریباً نامکمل ہوتی تھی پھر کچھ دیر بعد اس نے اجازت چاہی اس وقت تقریباً رات کے گیارہ بج رہے تھے' اس کے جاتے ہی گھر کے نمبر پر بیل ہوئی۔

"ہیلو...... ہیلو میں نمرہ بات کر رہی ہوں...... دریز بھائی آپ کی طرف ہیں ناں؟" اس کی مترنم آواز میرے کانوں کے رستے دل میں رس گھولنے لگی۔ میں اس کی آواز کی دلکشی اور لہجے کی خوب صورتی میں کھو گیا۔

"آپ محسن رضا ہی ہیں ناں۔ پلیز دریز بھائی سے بات کرا دیجیے' ہم ان کے لیے پریشان ہیں۔"

"وہ جا چکے ہیں۔" میں جیسے ہوش میں آیا' دوسری طرف سے کال کٹ گئی۔

"کس کا فون تھا؟" اماں نے پوچھا۔

"دریز کی بہن کا فون تھا۔" میں نے کہا۔ "وہ چلا گیا ہے۔"

"کتنا اچھا بچہ ہے دریز۔" اماں نے کہا۔

"بچہ...... وہ ۲۳' ۲۴ سال کا گھبرو جوان' آپ کو بچہ کہاں سے لگا؟"

"ارے بیٹا...... جس طرح تو میری نظر میں بچہ ہے اسی طرح وہ بھی بچہ ہے۔ اولاد بھلے بوڑھی ہی کیوں نہ ہو جائے' ماں باپ کے لیے بچہ ہی رہتی ہے' اچھا کسی دن اس کے گھر والوں کو بلاؤ امی کو' بہن کو۔" اماں نے کہا۔

"انہیں بھی بلا لیں گے' اماں بلکہ پہلے آپ کو ان کے گھر لے کر چلوں گا۔" میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"چلو یونہی سہی۔" اماں نے کہا۔

❁......⊕......❁

"محسن...... آج عزیر بھائی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔"

"اچھا مبارک ہو اور ان کے مسئلے کا کیا بنا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں یار شکر خدا کا کہ وہ بھی حل ہوگیا تجھے پتہ ہے ناں نمو جادوگرنی بڑے کمال کی چیز ہے...... بڑے بڑوں کو سیدھا کر دیتی ہے۔ خیر تمہارے لیے دعوت ہے گھر

پہنچ جاؤ جلدی سے عزیر بھائی کے ہاں تین بیٹیوں کے بعد بیٹا ہوا ہے اس لیے ایک بہت بڑا جشن ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں آرہا ہوں۔" میں نے فوراً حامی بھرلی۔

عزیر بھائی کی دعوت سرآنکھوں پر ایک بار نمرہ کو دیکھنے کی خواہش دل میں چٹکیاں لینے لگی' میں نے جھٹ پٹ تیاری کی اور اماں کو بتا کر اس کے گھر پہنچ گیا۔ میرا وہاں جانا میری زندگی میں ایک بہت خوب صورت موڑ لے کر آیا دریز اور اس کے گھر والوں نے بہت گرم جوشی سے میرا استقبال کیا۔ خود عزیر بھائی بھی خاصے خوش نظر آرہے تھے' میں تو انہیں پہلی بار دیکھ رہا تھا اور دیکھتا رہ گیا۔ کیا ڈیشنگ اور ہینڈسم بندہ تھا۔ دریز کے مقابلے میں تو بہر حال بہت شاندار شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے سابقہ معاشقے میں صرف عزیر بھائی کا ہی قصور نہیں ہوگا لڑکیاں خود ان پہ مرتی ہوں گی۔

"دریز بھائی آپ کو مما بلا رہی ہیں۔" نیلے شیفون کے کامدار سوٹ میں ملبوس دوپٹہ سلیقے سے کندھوں پہ پھیلائے لائٹ سے میک اپ میں ریشم گھٹاؤں کو آزاد چھوڑے ہوئے وہ نیلم پری میرے سامنے تھی اور میں پلکیں جھپکنا ہی بھول گیا۔ دریز جاچکا تھا۔ میں نے اسے پکارا۔

"سنو۔" تو وہ رک گئی۔ "جنہیں دیکھنے کی شدید چاہ ہو انہیں دیدار سے محروم رکھنا ٹھیک نہیں۔" میری جذبات سے مغلوب آواز نے جیسے اسے زنجیر کرلیا تھا' لب بستہ نگاہیں جھکائے کھڑی رہی۔ میں نے مزید جسارت یہ کی کہ اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"سنو..... زندگی کی شاہراہ پہ میں تمہیں اپنے ہم قدم دیکھنا چاہتا ہوں۔" اور وہ جیسے ششدر رہ گئی پھر ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی' اس کے پلٹنے پہ اس کی ریشم گھٹاؤں نے میرے چہرے کو چھوا تھا اور کتنی ہی دیر اس کی مہک میرے اردگرد چکراتی رہی۔

واپسی پہ مجھے ذرا دیر ہوگئی۔ لہٰذا بابا جان کی عدالت میں پیش ہوکر میں نے شرافت سے سچ بتادیا کہ منیر قریشی کے ہاں پہلے پوتے کی پیدائش کی خوشی میں تقریب تھی' اسی تقریب میں مدعو تھا۔

"ہاں..... منیر قریشی میرے پرانے دوستوں میں تھے۔" بابا جان کے انکشاف نے مجھے پرجوش کردیا۔

"سچ بابا جان؟"

"ہوں۔" وہ مبہم سا بولے۔

"پھر تو انہوں نے آپ کو بھی دعوت دی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" بابا نے فوراً کہا۔

"کیوں؟" میں نے الجھ کر پوچھا۔

"تم نے شاید میری بات کو غور سے نہیں سنا' میں نے کہا کہ منیر قریشی میرے پرانے دوستوں میں تھے۔" انہوں نے اپنے الفاظ دہرائے۔

"تھے کیوں..... بابا جان کیا اب وہ آپ کے دوست نہیں ہیں۔" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"لیکن کیوں؟" میں نے پھر سابقہ سوال دہرایا لیکن وہ میری بات کا جواب دیے بغیر اٹھ گئے اور میں الجھتا رہ گیا۔

"محسن اپنے بابا جان کے ساتھ زیادہ سوال جواب نہ کیا کر۔" اماں نے رازداری سے سمجھایا۔

"کمال ہے اماں وہ خود تو وکیل ہیں....."

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" اماں نے میری بات مکمل ہونے سے پہلے کاٹ دی۔ "بس تو منیر قریشی کے بارے میں زیادہ سوال جواب نہ کیا کر..... وہ سخت برا مانتے ہیں۔"

"کیوں اماں آخر ایسی کیا بات ہوگئی؟" میں نے چڑ کر پوچھا۔

"زیادہ تو مجھے بھی نہیں پتہ پر..... یونہی کسی بات میں ٹھن گئی..... دونوں ٹھہرے ضدی..... اور اصول پرست' اپنی ضد پر اڑ گئے اور صدیوں کا رشتہ سرد مہری بلکہ پتھر دلی کی نذر ہوگیا۔" اماں کے مبہم اور غیر واضح جواب نے مجھے

بے چین کردیا' میں جس راہ پہ چل نکلا تھا اس سے واپسی کی کوئی گنجائش نہیں تھی لیکن خیر بابا جان نے میری اور دریز کی دوستی پہ کون سا کوئی اعتراض کیا تھا۔

ایک چہرہ تھا جو میری آنکھوں کے رستے دل میں اتر کر بس گیا تھا بھلا ہو دریز کا جس نے مجھے زندگی کی نوید سنائی تھی کہ میری محبت نے نمرہ عون کو بھی میرا اسیر کردیا ہے اور یہ بات دریز نے اپنے اندازے کے مطابق کی تھی۔ لیکن اس میں شک نہیں تھا کہ میرے اور نمرہ عون کے اندر محبت کی سرنگیں دریز علی قریشی نے ہی کھودی تھیں پھر ہم دونوں یعنی محسن رضا اور نمرہ عون ہر روز ملنے لگے...... میں اس کے چہرے کے خدوخال میں اور گالوں پہ اترنے والی سرخی کو دیکھ کر مبہوت رہ جاتا' اور جب وہ لرزتی ہوئی اٹھتی گرتی پلکوں اور لرزتے ہونٹوں سے سوال کرتی۔

''محسن آپ مجھے چھوڑ تو نہیں دیں گے؟'' تو میں جی جان سے اس پہ نثار ہو جاتا۔

''جان...... تمہیں چھوڑ دوں گا تو زندگی نہ ہار جاؤں گا۔'' اور پھر یہی سوال میں اس سے کرتا تو وہ ہنس پڑتی پھر کہتی۔

دل میں تو قید ہے اب تجھے رہا کیا کرتا
جسم کو روح سے دانستہ جدا کیا کرتا
میری ہر سانس تیرے نام سے منسوب ہوئی
تجھے چاہتے رہنے کے سوا کیا کرتا!!

پھر کہتی ''محسن مرد تو بھنورا ہوتا ہے ڈال ڈال پہ بیٹھنے والا' ایک پھول کی خوش بو چوس کر دوسرے کی طرف بڑھ جاتا ہے' لیکن عورت سراپا وفا ہے جس سے ایک بار محبت کرتی ہے پھر وہ شخص لہو بن کر اس کی رگوں میں گردش کرنے لگتا ہے۔ عورت محبت کرتی ہے تو اپنا آپ داؤ پہ لگا دیتی ہے پھر اسے کسی صلے یا انعام کی خواہش نہیں ہوتی اگر بدلے میں پھول جائے تو خوش ہو جاتی ہے سمجھتی ہے کہ قسمت میں نہ ملے تو بھی کچھ نہیں کہتی لیکن مرد بہت بے درد ہوتا ہے' وہ محبت نہیں کرتا سودا کرتا ہے' جو لگاتا ہے اس سے زیادہ وصول کرنے کی خواہش کرتا ہے' سنو! محبت تو عبادت ہے آپ سودا مت کرنا صرف محبت کرنا...... صرف محبت!''

میں نے اماں سے نمرہ کے بارے میں بات کرلی تھی بلکہ نمرہ کو اماں سے ملوا بھی دیا تھا اور اماں نے اسے پسند بھی کرلیا تھا اماں نے یہ بات بابا جان کے کانوں میں بھی ڈال دی تھی مگر انہیں یوں بتایا تھا کہ میں نے محسن کے لیے لڑکی پسند کرلی ہے۔'' بابا جان نے کوئی اعتراض نہیں کیا اماں بھی بس تیار تھیں کہ کب میں انہیں لے کر جاؤں۔

دوطرف آمادگی لیے ہوئے یہ ملاقاتیں خوب رنگ لارہی تھیں ہم دونوں ایک دوسرے کی ذات میں کھو گئے تھے' محبت کے اندھیرے رستے میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بہت دور نکل گئے تھے' روز بروز کی ملاقاتوں کے سبب ہماری دیوانگی کا گراف بڑھتا جارہا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ اماں کو تمہارے گھر کب لاؤں تو بولی جب چاہو لے آنا۔ جب میں نے دریز سے بات کی کہ میں اماں کو نمرہ عون کے گھر لے جانا چاہتا ہوں تو اس نے سختی سے منع کردیا۔

''لیکن کیوں؟'' میں نے بے چینی سے پوچھا۔

''بس ابھی نہیں...... چند روز میں' میں خود تمہیں لے کر جاؤں گا۔'' اس نے کہا۔

''آخر کوئی وجہ بھی تو ہو۔'' میں چڑ گیا۔ ''آخر کیوں منع کررہے ہو؟''

''یار میں نے تیرے اور نمرہ کے رشتے کی بات انکل عرفان سے کی ہے۔ وہ آنکھیں بند کرکے مجھ پہ اعتبار کرتے ہیں' بس تم تھوڑا سا صبر کرلو...... میں دوستی کے پاکیزہ بندھن کی قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں اور نمرہ عون کو ایک کرنے کے لیے اگر مجھے جان کی بازی بھی لگانی پڑی تو لگادوں گا۔'' اس نے آخری بات جس عزم سے کی تھی

میں کانپ کررہ گیا۔ ''جان کی بازی''
''نہیں یار! اب ایسی بھی ضروری نہیں ہے وہ میرے لیے۔ وہ مجھے تجھ سے زیادہ عزیز نہیں ہے۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔
''چل جھوٹا کہیں کا...... اچھی طرح جانتا ہوں کون تجھے زیادہ عزیز ہے۔'' اس نے مجھے ڈانٹا اور شاید میں واقعی جھوٹا تھا بلکہ خود پہ حیران بھی کہ اپنے دل کے خلاف جاکر اتنی بڑی بات کیسے کہہ دی۔
''تم بیٹھو میں چائے لے کر آتا ہوں۔'' عزیر بھائی جو ڈرائنگ روم میں ایک طرف بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے اس کے نکلتے ہی اخبار پھینک کر تیزی سے میرے پاس آئے۔
''محسن...... تم بادشاہوں کے بھی شہنشاہ ہو تمہیں دریز جیسا دوست ملا...... تم اس کی دوستی پہ جتنا فخر کرو کم ہے۔'' انہوں نے میرے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر بڑی حسرت و رشک سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔
''لیکن عزیر بھائی دریز آپ کا بھائی ہے' دوست تو ہیرا ہوتا ہے ٹوٹ جائے تو پھر نہیں جڑتا اور بھائی سونا ہوتا ہے' جتنے ٹکڑے کرلو پھر سے جڑ سکتا ہے آپ کو تو مجھ سے زیادہ فخر ہونا چاہیے دریز کے بھائی ہونے پہ۔''
''ہاں مجھے اپنے بھائی پہ فخر بلکہ غرور ہے لیکن جو جذبات وہ تمہارے لیے رکھتا ہے اور جو الفاظ اس نے تم سے کہے وہ کبھی مجھ سے نہیں کہے۔'' ان کے لہجے میں حسرت کے کئی جہاں آباد تھے اور میں ہواؤں میں اڑنے لگا۔ ''یہ آرہی سوہنی۔'' انہوں نے کہا اور دریز کے اندر آنے پہ وہ باہر نکل گئے۔

❁......⊕......❁

یونیورسٹی کے دو سال پر لگا کر اڑ گئے تھے مجھے جاب مل گئی تو اماں کو میرے ہاتھ پیلے کرنے...... میرا مطلب ہے سر پر سہرے کے پھول کھلانے کا شوق ہوا۔ میں تو اماں کو نمرہ کے گھر لے جانے کے لیے تیار تھا' لیکن دریز کی باتیں مجھے بدگمان بھی کررہی تھیں اور پریشان بھی اور نمرہ کو نجانے کیا ہوا تھا ہم کئی روز مل نہیں پائے تھے۔ میں نے دریز سے وجہ جاننی چاہی۔
''اسے اب تم سے ملنے کی ضرورت نہیں رہی۔'' دریز نے معنی خیز انداز میں کہا۔
''کیا مطلب؟'' میں بری طرح سے الجھا۔
''یار تو تو اس کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرنے لگا ہے اسے اب تجھ سے ملنے کی یا تجھے دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی...... یہ عورت بھی کیا کمال کی چیز ہے مرد کی محبت میں اپنی ہستی مٹا دیتی ہے وفا کے میدان میں اتر کر اپنا آپ ہار دیتی ہے۔'' اس نے کہہ کر سر جھٹکا' میں ساتویں آسمان پہ پہنچ گیا تھا۔ اگر یہ سچ تھا تو اس میں میری ہی فتح تھی کہ کوئی لڑکی مجھے اتنی شدت سے چاہتی ہے' اگلے روز مجھے آفس کی طرف سے اسلام آباد جانا پڑا تقریباً پانچ چھ روز کا کام تھا لیکن میں جتنے روز اسلام آباد رہا میں نے بارہا دریز سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا نمبر پاور آف کی ٹون سناتا رہا اس لیے واپسی پہ میں نے پہلے دریز کے گھر جا کر اس کی خیریت معلوم کرنی چاہی' ان کے گھر کے ساتھ خالی پلاٹ میں لگے ٹینٹ دیکھ کر میں پریشان ہوگیا...... لیکن پھر سوچا ہوسکتا ہے کوئی فنکشن ہو لیکن میں نے ان کے ہاں کا فنکشن بھی دیکھا ہوا تھا فنکشن پہ گھر کو بہت اچھے سے ڈیکوریٹ کیا جاتا تھا۔
''اللہ خیر کرے۔'' دل ہی دل میں خیر کا کلمہ پڑھتا میں مردانے کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں مردوں کا ایک جم غفیر تھا' اور سب ہی لوگ حزن و ملال میں گھرے اشک بار تھے میں گھبرایا ہوا اطراف میں دیکھ رہا تھا' اتنے میں عزیر بھائی روتے ہوئے میرے پاس آئے اور میرے گلے لگ گئے۔
''کک...... کیا ہوا عزیر بھائی؟'' میں نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔
''تم سے تمہاری شہنشاہی چھن گئی محسن...... ہیرا بھی ٹوٹ گیا' اور سونا بھی۔'' وہ بدستور میرے کندھے سے لگے روتے ہوئے بولے۔

''عزیر بھائی کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔'' میری آواز بھرا گئی۔
''محسن وہ ہمیں چھوڑ کر چلا گیا۔'' انہوں نے میرے کندھے سے سر اٹھایا۔ ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا اور آنکھیں سرخ انگارہ۔
''محسن...... اس نے جان کی بازی لگائی اور وہ ہار گیا۔'' انہوں نے سسکتے ہوئے کہا۔ میں جو انہیں سنبھال رہا تھا پورے قد سے غش کھا کے گرا۔
اس کے جنازے کو کندھا دیا میں نے اور اپنے ہاتھوں سے اسے سپردِ خاک کیا۔ سانولے رنگ اور عام سی شکل وصورت والے دریز کا چہرہ اتنا روشن تھا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جاتے' میری آنکھوں میں بس گیا تھا اس کا چہرہ' کیا نور تھا اس کے چہرے پہ' مجھے یقین ہو چلا تھا کہ اس کا سبب صرف اس کی مجھ سے محبت ہے' اس کی مجھ سے محبت تھی ہی اتنی بے لوث اور بے غرض...... لیکن اس کے جاتے ہی میں تو خالی گھونسلہ ہو گیا تھا میرے اندر زندگی کا پنچھی جیسے مرنے لگا تھا لیکن وہ اس طرح کیوں چلا گیا بنا بتائے لیکن وہ اس طرح کہ مجھے جواب ڈھونڈنا بھی مشکل تھا۔ عزیر بھائی کی اور میری حالت ایک جیسی تھی اور اس وقت ہمیں ایک دوسرے کے سہارے کی ضرورت تھی جنازے کو دفنانے کے بعد میں عزیر بھائی کے ساتھ ان کے گھر چلا آیا تھا۔
''محسن مجھے لگتا ہے جیسے میرا بازو ٹوٹ گیا ہے۔'' وہ آنکھوں میں اشک لیے کہہ رہے تھے اور سچ کہہ رہے تھے۔
''تم اتنے دن کہاں رہے' تم نے اس کی خبر نہیں لی وہ پانچ دن زندگی اور موت کی جنگ لڑتا رہا۔''
''میں آفس کی طرف سے اسلام آباد گیا ہوا تھا لیکن دریز کو کیا ہوا تھا؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا۔
''غلطی کی دریز نے...... اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔'' وہ بڑبڑائے۔
''کیا کیا تھا؟'' میں نے پھر پوچھا۔

''اس نے تم سے کہا تھا ناں...... کہ وہ تمہیں اور نمرہ کو ایک کرنے کے لیے جان کی بازی لگا دے گا...... اور اس نے لگا دی۔''
''لیکن کیسے؟'' میں حیران ہوا۔
''اس نے عین وقت پہ نمرہ کی شادی رکوانے کی کوشش کی تھی جب نمرہ وہاں شادی کے لیے راضی تھی تو اسے بیچ میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ نمرہ کے سسر اور ہونے والے شوہر سے اس کی لڑائی ہو گئی تھی' نمرہ کے شوہر نے اس کے سر پر لوہے کا راڈ مارا تھا وہ پانچ دن کوما میں رہا اور آخر موت کو گلے لگا کر کوچ عدم سدھار گیا۔''
''نمرہ کی شادی۔'' میرے سر پہ دھماکا ہوا۔ وہ مجھے محبت کا درس دینے والی اور وفا کے سبق سنانے والی' مجھ سے وفا کے وعدے لینے والی' مجھ سے وفا کے وعدے کرنے والی' مجھ سے محبت کا دعویٰ کرنے والی' کہیں اور شادی پر راضی تھی۔ میں صرف اس کے لیے ایک کھلونا تھا' وہ مجھ سے میرے جذبات سے اور میری زندگی سے کھیلتی رہی اور اپنی محبت اور وفا کی قسمیں کھانے والی اتنی خاموشی سے رستہ بدل گئی۔
اتنا بڑا دھوکہ...... اتنی بے وفائی میں بے خبر رہا اور وہ مجھ سے دل بہلاتی رہی وہ مجھ سے دل لگی کرتی رہی' اور میں بے خبر رہا' دریز نے اس کی بے وفائی پہ کتنی خوب صورتی سے پردہ ڈالا تھا۔ اس محبت کا گواہ تنہا میری محبت کی جنگ لڑتا رہا' اور میں بے خبر رہا' میری محبت جس پہ مجھے اعتبار تھا۔
اور میرا دوست جس سے میں بدگمان ہوتا رہا' دونوں کی سچائی نہ جان پایا' ان دونوں نے ہجر کے انجان رستوں پہ مجھے اکیلا چھوڑ دیا۔ دریز تو چلو شہید ہو گیا میری محبت کی جنگ میں لیکن نمرہ عون' اس نے مجھے جیتے جی مار ڈالا...... میں غموں کے پہاڑ اپنے کندھوں پہ لادے شکستہ پا گھر لوٹا تو ایک اور طوفان میری راہ دیکھ رہا تھا۔ اماں بھی مجھے چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ صبح اچھا بھلا اماں کو چھوڑ کر گیا تھا' میری تو دنیا اندھیر ہو گئی' میرے پاس اب جینے کا کوئی مقصد نہیں

تھا مجھ سے میری کائنات چھن گئی تھی لیکن میں فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ میرا کون سا دکھ سب سے بڑا ہے اماں کی موت دریز کی شہادت یا نمرہ عون کی بے وفائی آخر کون سا دکھ سب سے زیادہ سنگین تھا لیکن ان تینوں دکھوں نے مل کر میرے وجود کو اندھیروں کے حوالے کردیا اور میرا وجود دیمک لگی لکڑی کی طرح بھربھرا ہوتا جارہا تھا اتنے دکھ اٹھانے کے بعد میرے اندر جینے کی آس دم توڑنے لگی اب میں اور بابا جان ہی رہ گئے تھے۔ اپنے جذبات کے رائیگاں جانے کا رنج ہی اتنا جان لیوا تھا زندگی اپنے معنی کھونے لگی تھی وقت کا کام گزرنا ہے سو ایک سال پر لگا کر اڑ گیا میری شادی کے لیے بابا جان کا اصرار بڑھنے لگا لیکن نمرہ کی بے وفائی کے بعد میں کسی عورت پہ اعتبار کا متحمل نہیں رہا تھا اور نہ ہی بابا جان کو بتا سکتا تھا کہ میں کیا کچھ گنوا چکا ہوں...... پھر انہوں نے اپنے کسی دوست کی بیٹی سے میرا رشتہ طے کردیا اور سادگی سے شادی انجام پائی اور انعمتہ نے آکر ہمارے سونے گھر کو آباد کردیا۔

لیکن یہ کیا...... وہ ستم گر جو میرے دل کا ناسور بن گئی تھی انعمتہ کی ہر بات اسی کے نام سے شروع ہوکر اسی کے نام پر ختم ہوتی تھی۔ نمرہ عون کی یاد کے بنا تو انعمتہ کا سانس لینا بھی محال تھا۔ اس طرح نمرہ عون میری زندگی سے نکل جانے کے باوجود موجود تھی۔ نمرہ عون...... نمرہ عون...... نمرہ عون کے الفاظ میرے اعصاب پہ ہتھوڑے برساتے...... آج سات سال گزرنے کے بعد بظاہر میری پرسکون اور خوش حال زندگی کی جھیل میں...... نمرہ عون نام کے پتھر نے پھر ہلچل پیدا کردی تھی۔

"محبت صرف ایک ڈرامہ تھا ناں...... تو اس ڈرامے کو رجانے میں پہل بھی آپ نے ہی کی تھی۔" انعمتہ کے الفاظ کی بازگشت نے مجھے آنکھ کھولنے پہ مجبور کیا اور میں ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھا...... میرا سارا جسم پسینے سے شرابور تھا۔

"تھینکس گاڈ...... آپ کو ہوش آگیا...... پتہ ہے پورے چھتیس گھنٹے آپ بے ہوش رہے ہیں۔ آخر آپ کو ہوا کیا ہے؟" طلحہ میرے پاس بیٹھا تھا۔ اب فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔

"کچھ نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھ سے چھپا رہے ہیں آپ...... ایک دوست ہے۔" اس نے شکوہ کیا۔ "دوستوں سے دل کا حال کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔" طلحہ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا تو میری آنکھوں میں دریز کا وہ روشن چہرہ گھومنے لگا...... اسی طرح وہ مجھ سے میرے دل کی باتیں

گل احمر

مابدولت کو کہتے ہیں یاسمین تبسم...... نادیہ خان......

ارے نہیں بابا میرا نام گل احمر ہے لاہور کی فضاؤں میں جنم لیا یہاں کا چپہ چپہ میری خوشبو پہچانتا ہے۔ ہم چار بہن بھائی ہیں دیا ماسٹر کررہی ہے میں انٹر کی اسٹوڈنٹ ہوں۔ میمونہ آٹھویں میں پڑھ رہی ہے ارمان پریپ میں ہے۔ گھر کا کام ہم دونوں بہنیں مل کر کرتی ہیں سلائی کا بہت شوق ہے اس لیے سلائی بھی سیکھ لی ہے۔ میرے خیال میں مجھے غصہ بہت کم آتا ہے مگر سب کہتے ہیں کہ غصے میں بچوں پر چلاتی رہتی ہے۔ دوستی نبھانا جانتی ہوں فارغ وقت میں ٹی وی ہوتا ہے اور میں کوئی کچھ بھی کرے میں اس وقت ریموٹ نہیں دیتی۔ دیا کو کوکنگ شو دیکھنے ہوتے ہیں ارمان کو کارٹون پسند ہیں۔ میرے ڈرامے ہی نہیں ختم ہوتے وہ کہتی ہے "تم یا تو کامیڈی ڈرامے دیکھتی ہو یا رونے دھونے والے"۔ کھانے میں سب کچھ کھالیتی ہوں ساگ اور کڑھی پسند نہیں۔ لباس میں شلوار قمیص پسند ہے جینز اور ٹی شرٹس بالکل بھی اچھی نہیں لگتیں۔ سردیوں کا موسم پسند ہے اور گھومنے کا بھی بہت شوق ہے۔ سادہ رہنا پسند کرتی ہوں ویسے میں دیا سے بالکل الٹ ہوں عالمہ بننا چاہتی تھی یہ خواہش پوری نہیں ہوسکی۔ اسکول لائف کو بہت انجوائے کیا کومل سے ابھی تک رابطہ ہے۔ ثناء کنول سحر حنا صبا اور قرۃ العین کو بہت یاد کرتی ہوں خواہش ہے آنچل کے ذریعے کوئی دوست بن جائے۔

انگلوایا کرتا تھا بلکہ اکثر میرے دل کی بات کہہ دیا کرتا تھا' میری نگاہوں میں لحظہ اور دریز کا چہرہ گڈمڈ ہونے لگا۔

''اچھا...... میں انعمتہ بھابی کو بلاتا ہوں' وہی آپ کی ٹھیک سے خبر لیں گی۔''

''اچھا۔'' وہ دھمکی دینے والے انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کر چلا گیا۔

''محسن...... کیا ہوگیا تھا آپ کو؟'' وہ میرا ہاتھ تھام کر رو پڑی۔

''پتہ ہے کتنا پریشان کیا ہے آپ نے...... بھلا کوئی یوں بھی کرتا ہے...... یہ کون سا طریقہ ہے ناراض ہونے کا...... آپ کو پتہ ہے میرا سب کچھ آپ ہی ہیں میری متاع...... میرا سرمایہ میرا سب کچھ۔'' وہ میرے کندھے پہ سر رکھے روتی رہی۔

''انعمتہ...... تم...... تم مجھے چھوڑ کر تو نہ جاؤ گی۔'' میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''کیا ایسا ممکن ہے میرے لیے؟'' اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''انعمتہ میں تمہیں یہ سب کچھ بتانا چاہتا ہوں' لیکن تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا۔''

''تم مجھے معاف کردو...... پلیز۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر التجا کی تو وہ مسکرانے لگی۔

''لیکن یہ بات آپ کو ماننی پڑے گی کہ بے وفا آپ ہی ہیں۔'' اس نے معافی کی شرط رکھی۔

''محسن...... ایک عورت صرف اسی سے وفادار نہیں ہوتی جسے وہ محبت کرتی ہے' کچھ حق اس پہ اس کے ماں باپ کا بھی ہوتا ہی' آج میں آپ کو بتاتی ہوں' کہ بے قصور کون تھا اور قصوروار کون...... بے وفا کون تھا؟ اور وفادار کون؟ انکل عرفان پہ کسی کا قرض تھا' قرض خواہوں نے معینہ مدت گزرنے کے بعد انکل عرفان کے سامنے شرط رکھی تھی کہ یا تو دو دن کے اندر اندر قرض ادا کردیں یا پھر نمرہ کا رشتہ ان کے بیٹے سے کردیں۔ انکل نے کہا کہ وہ ان کا قرض چکا دیں گے کیونکہ وہ دریز کے لائے ہوئے پروپوزل کو قبول کرچکے تھے لیکن ارجنٹ دو لاکھ روپے ادا کرنا ان کے بس سے باہر تھا اور وہ لوگ مہلت دینے کے لیے تیار نہ تھے لہٰذا اپنے ماں باپ کو اس قرض سے سبکدوش کرنے کے لیے نمرہ نے اس شادی کے لیے حامی بھرلی اور اسے اس بات کا یقین تھا کہ آپ اسے کسی اور کا نہیں ہونے دیں گے اور یہ نمرہ کی نہیں آپ کی آزمائش تھی آپ کو تو خبر بھی نہیں ہوئی البتہ عین نکاح کے وقت دریز وہاں پہنچ گیا' اس نے بہت آرام سے انہیں سمجھایا اور یہ بھی کہا کہ وہ ان کا قرض لوٹا دے گا' اور اس نکاح کو ابھی اسی وقت روک دیا جائے کیونکہ نمرہ کا رشتہ کہیں اور طے ہے ان لوگوں نے اس بات کا سخت برا مانا اور بات بڑھتی چلی گئی لڑائی حد سے بڑھ گئی ان باپ بیٹے نے دریز کو بری طرح پیٹا دریز کے سر پہ گہری چوٹ آئی وہ چند روز کوما میں رہ کر اس دار فانی سے کوچ کرگیا اور ان باپ بیٹے کو پولیس نے اریسٹ کرلیا۔ اس کے بعد نمرہ نے آپ کا انتظار کیا اور بے تحاشا کیا لیکن آپ نے پلٹ کر خبر ہی نہ لی۔ وہ آپ کی محبت میں اتنی دور نکل گئی تھی جہاں نہ وصال کی چاہ رہتی ہے نہ فراق کی آہ' وہ آپ کی محبت میں ولی ہوگئی تھی' اگر بظاہر اس کے جسم و جان کا مالک کوئی بن بھی جاتا لیکن وہ پھر بھی آپ کی رہتی' جب آپ کو اس کی یاد نہ آئی تو وہ کسی سے کیا کہتی...... اس کو تو آپ کی ضرورت ہی نہیں رہی تھی آپ تو اس کی رگوں میں خون کی جگہ گردش کرنے لگے تھے۔ پھر بھی اس نے آپ کا انتظار کیا اور لاحاصل انتظار...... انکل عرفان نے اس کی شادی اپنے کسی امریکہ پلٹ دوست کے بیٹے سے کردی اور وہ شادی کے بعد اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ نمرہ عون تین سال اس کے ساتھ رہی...... تین سال تک وہ نمرہ عون میں نمرہ عون کو ڈھونڈتا رہا اور نمرہ عون تین سال تک اپنے شوہر میں محسن رضا کو ڈھونڈتی رہی' لیکن دونوں کی یہ تلاش آخر اس تعلق کو ختم کرنے پہ اختتام کو پہنچی...... کیا اب بھی آپ کہتے ہیں کہ وہ بے وفا ہے؟ کیا اب بھی آپ اسے ہی قصوروار سمجھتے ہیں' جس طرح دریز

آپ کی محبت کا گواہ تھا اسی طرح نمرہ کی محبت کی گواہ میں تھی لیکن جب میری شادی آپ سے ہوئی تھی تو میں نہیں جانتی تھی کہ وہ محسن رضا آپ ہی ہیں مجھے یہ شادی کے بعد پتہ چلا تھا......اس وقت جب میں نے نمرہ کو ہماری شادی کی تصویریں دکھائی اس وقت اس نے مجھے بتایا تھا لیکن مجھ سے بے حساب وعدے لیے اور بے شمار قسمیں دیں کہ میں کبھی بھی آپ پر ظاہر نہ کروں کہ میں آپ کے بارے میں سب جانتی ہوں کہ میں آپ کو اتنی محبت اتنی چاہت اور اتنا سکھ دوں کہ آپ اپنے دل پہ لیے سارے رنج بھول جائیں اور آپ کہتے ہیں کہ وہ بے وفا ہے۔''

انعمتہ نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا اور میں بس اسے دیکھتا رہ گیا' میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

اس کے بعد کے دشوار گزار مراحل مجھے طے کرنے تھے' نمرہ کو ڈھونڈنا اور پھر اسے شادی کے لیے تیار کرنا۔ اور یہ دونوں مرحلے میرے لیے جان لیوا تھے کہ میں اسے ڈھونڈ بھی لیتا تو نظر کیسے ملا پاتا اور کیسے اسے کسی اور سے شادی کے لیے راضی کرتا......بہرحال جہاں میں نے اتنا کچھ سہا تھا تو نمرہ عون کے لیے ازالے کے طور پر بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا تھا' اور میں نے کیا۔

''طحہٰ! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' میں نے طحہٰ سے کہا۔

کبھی نمرہ نے انعمتہ سے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ مجھے اتنی چاہت دے کہ میں اپنے دل پہ لیے سارے رنج بھول جاؤں' آج میں اپنی محبت کو تمہارے حوالے کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ اس نے ایک طویل بن باس کاٹا ہے' تم اسے اتنی محبت و چاہت دینا کہ وہ مجھے بھول جائے۔'' اپنے سسکتے ہوئے دل کو سنبھالتے ہوئے میں نے طحہٰ سے التجا کی۔

''میں سب جانتا ہوں محسن بھائی...... میں اسے اتنی محبت دوں گا کہ وہ آپ کو تو کیا خود کو بھی بھول جائے گی۔'' طحہٰ نے دعوی سے کہا پھر میں نے اسے اپنے گھر سے طحہٰ کے ہمراہ رخصت کیا اور اس کے بعد جی بھر کے رویا بھلا کسی نے کبھی اپنی محبت کو یوں بھی اپنے آنگن سے رخصت کیا ہوگا۔

طحہٰ کی شادی انکل کا خواب تھا انکل بہت روشن خیال تھے' انہوں نے طحہٰ سے کہا کہ وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے رہے' اس لیے آج وہ امریکہ جانے کے لیے پر تول رہا تھا۔

''ثمرہ تیار ہے۔'' طحہٰ نے اندر آتے ہوئے پوچھا۔

''کیوں؟'' انعمتہ نے پوچھا۔

''ظاہر ہے ہم لوگ جا رہے ہیں۔'' طحہٰ نے کہا۔

''نہیں طحہٰ......ثمرہ ہمارے ساتھ نہیں جا رہی۔'' نمرہ نے کہا۔

''کیوں؟'' طحہٰ حیران ہوا۔

''ثمرہ اب ہمارے پاس رہے گی۔'' میں نے کہا۔

''یہ دھاندلی ہے یار...... جب نمرہ عون ہماری ہے تو نمرہ کا سب کچھ ہمارا ہے۔'' طحہٰ نے ٹھنک کر کہا۔

''اس کا کچھ حصہ ہمارے پاس رہنے دو۔'' میں نے التجا کی۔

نمرہ عون ہنس دی اور میں اس کی ہنسی دیکھتا رہ گیا۔ وہ دونوں چلے گئے ہیں اور ہم اپنی زندگی میں مگن۔

گھر...... بچے کاروبار' سب روٹین لائف کی طرح چل رہا ہے لیکن اس کی ہنسی مجھے جب جب یاد آتی ہے چھنا کے سے میرے اندر کچھ ٹوٹ جاتا ہے' سوچتا ہوں زندگی تو صرف وہی تھی جو نمرہ عون کے سنگ گزری تھی یہ تو صرف ایک آزمائش ہے۔

ایک باوفا عورت کے سنگ ایک باوفا عورت کی یاد میں گیلی لکڑی کی طرح سلگتے رہنا۔ کاش کوئی مجھے بتائے کہ میرا سب سے بڑا المیہ کیا ہے؟ دریز کا میری محبت کی جنگ لڑنا' جان کی بازی لگانا اور ہار جانا......

میرا نمرہ عون کو بے وفا سمجھتے رہنا...... یا پھر...... اپنی محبت کو اپنے ہی آنگن سے کسی اور کے سنگ وداع کرنا؟

اماوس کی گھن گھور تاریکی کے ساتھ ساتھ اذیت انگیز گھٹن بڑھ رہی تھی، سرد تیز ہواؤں اور درختوں کی شاخوں کے تال میل سے اٹھتی، سرسراہٹ نے خان ہاؤس کے در و بام سے ٹکرا کر فضاء کو مزید غمگین بنادیا تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے اداسی نے یہاں کے پرسکون ماحول کو بدل کر رکھ دیا ہو۔ کم از کم ان سب کے احساسات تو ایک ہی نہج تک جا پہنچے تھے۔ ابرار خان، سفینہ ریحانہ اور فائز اپنے اپنے کمروں میں جاگ رہے تھے۔ ایک عجیب سی دحشت نے انہیں اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

اسی گھر کے ایک کمرے میں سائرہ بھی تھیں، جو سب کا چین اڑانے کے بعد خود بڑے سکون سے خراٹے لیتے ہوئے محو خواب تھیں۔ جانے کیوں نفرت نے دل پر ایسا پنجہ گاڑا کہ ان کی ساری سوجھ بوجھ عقل مندی اور انسانیت مٹی کا ڈھیر بن کر بکھر گئی۔ وہ توانا کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنی دلوں کو اجاڑنے کا کام بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہی تھیں۔ دوسروں کی آنکھوں کو آنسو بخشنے والے، اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ کسی کو اشکوں کے سیلاب کی طرف دھکیلنا بہت آسان کام سہی تب بھی مشکل اس وقت آن پڑتی ہے، جب وہ آنسو، پلٹ کر خود اپنی آنکھوں میں آسماتے ہیں، کیوں کہ یہ تو ایک قرض ہے، جو لوٹ کر ضرور آتا ہے۔ آنکھ سے بہنے والے آنسوؤں کی قدر بھلے دن بہ دن کم ہوتی جارہی ہو، یا وقت کے میزان میں چاہے آج سائرہ جلال کا پلڑا بھاری ہو مگر کل ان سے بھی حساب کتاب لیا جاسکتا ہے، کیوں کہ یہی قدرت کا انصاف ہے۔

❁......❁......❁

فائز گھنٹوں ذہنی طور پر غیر موجود اور غائب ہوجانے اور بے مقصد ادھر اُدھر گھومنے کے بعد جب گھر لوٹا تو دفعتاً ساری دنیا سے بڑی اکتاہٹ اور بیزاری محسوس کرنے لگا، شرٹ پسینے سے تر بتر ہو کر جسم سے چپک گئی۔ پھر سمجھ میں نہ آنے والی کیفیت اور جھنجلاہٹ، اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں دبائیں۔ وہ سفینہ کی راہ میں بچھائے گئے سارے کانٹے چن لینے کی سعی میں مبتلا رہنے کے باوجود ہر بار ناکام رہ جاتا ہمیشہ اس کے سکون کی وجہ بننے کا خواہش مند دکھ دینے کا سبب بن جاتا، اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔ اپنی سفینہ کو خوش رکھنے کی کوششوں میں ہلکان اس پر جان لٹادینے کی خواہش رکھنے والا محبوب ماں کی چلتی ہوئی زبان کو روک نہ سکا۔ اگر کوئی دوسرا ایسی بات کرتا تو شاید وہ مرنے مارنے پر تل جاتا مگر سامنے ماں کھڑی تھی، انہیں سمجھا ہی سکتا تھا۔ جب وہ نہ مانی تو اسے بھی مصلحتاً خاموشی اختیار کرنی پڑی۔

"ہماری محبت ایک دوسرے کی خوشی کا ساماں بننے کی جگہ اذیت بنتی جارہی ہے۔ ڈرتا ہوں کبھی بات اس حد تک نہ چلی جائے کہ ساتھ رہنے والوں کے دلوں اور گھر کے بیچ بھی دیوار کھڑی ہوجائے"۔ ایک نئے اندیشے نے سر اٹھایا۔ اس نے اپنے گھنے بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا۔

غم اور بے بسی کی کیفیت اس سے ایسی جڑی کہ وہ شدید سر درد میں مبتلا ہو کر تڑپنے لگا۔ کچھ اور نہ سوجھا تو واش روم میں جاکر چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے تولیہ سے منہ پونچھتے ہوئے تنے اعصاب کو پرسکون کرنے کی کوشش بھی کی مگر بے کار گئیں۔ کسی پل چین میسر نہیں آیا۔

''ممانے سفینہ اور میرے بارے میں ایسا سوچا بھی کیسے؟'' وہ جتنا سوچ رہا تھا اتنا ہی الجھتا چلا جارہا تھا۔ جن ہاتھوں نے اسے دنیا میں سر اٹھا کر جینا سکھایا وہ ہی اسے دکھوں کی گہرائیوں میں دھکیلنے کی وجہ بنے ہوئے تھے۔

''یہ کیسی مشکل پیش آئی کہ میں ایک بھنور میں پھنس کر رہ گیا۔ ایسا نہ ہو کہ سفینہ مجھ سے بہت دور چلی جائے۔'' اندیشوں نے فائز کے دل کو ٹٹولا۔

وقت بھی کبھی کبھی کیسے کھیل دکھاتا ہے بچپن سے فائز کی آنکھوں میں ایک آنسو برداشت نہ کرنے والی ماں آج اس کے دکھوں کی وجہ بن گئی۔

❁......❁......❁

ہر وقت ہنسنے مسکرانے والی زیست کے جھمیلوں سے آزاد سفینہ بہزاد جس کی چہکار سے خان ہاؤس میں زندگی دوڑتی تھی گھٹنوں میں منہ دیے اداس بیٹھی تھی، اس کی سنہری گہری آنکھوں سے نیند بری طرح سے روٹھ گئی تھی شہابی رنگت میں زردیاں سی گھل گئیں اور بھولے بھالے چہرے پر نا کردہ گناہ اور ندامت کی پرچھائیاں منڈلانے لگیں۔

''میں نے اتنی بڑی غلطی تو نہیں کی جس کی مجھے ایسی کڑی سزا دی گئی۔'' سفینہ نے ایک بار پھر ٹوٹے دل کی کرچیاں سمیٹتے ہوئے خود کو تسلی دی۔

وہ پہلے سے زیادہ ناخوش اور مضطرب ہوگئی تھی۔ اس بار تو ویسے بھی سائرہ نے حد کردی تھی لفظوں کے وہ تیر چلائے کہ جس سے سفینہ کے ساتھ ساتھ ریحانہ کا دل بھی چھلنی ہوگیا۔

''فائز آپ کا ساتھ ہونے کے باوجود میں دن بہ دن تنہا اور تنہا ہوتی چلی جارہی ہوں۔'' سفینہ نے پہلو بدل کر آنسوؤں کی باڑ کو ہتھیلی سے روکنے کی کوشش کی جو آنکھوں سے اُمڈی پڑ رہی تھی۔

وہ کمرے میں بے مقصد ٹہلتی رہی۔ آخر تھک ہار کر بستر پر سیدھی لیٹ گئی خیالات کی ایک بوچھاڑ سی تھی جو نیند کی راہ میں حائل ہونے لگی۔ سوچتے سوچتے سر میں دھمک سی اٹھنے لگی وجود میں بے چینی بڑھتی چلی گئی مگر کوئی ایک حل بھی نہ سوجھا۔

''یہ آنسو اس وقت زیادہ تکلیف دیتے ہیں جب کوئی اپنا دکھ پہنچائے۔'' اسے تو یہ سوچ سوچ کر رونا آرہا تھا کہ تائی اماں نے تو جو کہا سو کہا اور پہنچ کر ماں نے بھی اسے وہ سنا ئیں کہ اس کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ ریحانہ کو جٹھانی کی باتوں سے زیادہ سفینہ کی بے پروائی نے دکھ پہنچایا جوان کا مزاج پہچاننے کے باوجود فائز کی گاڑی میں جا بیٹھی اگر منع کردیتی تو کم از کم ماں کا سر تو اونچا ہوجاتا۔

سفینہ کا حلق خشک ہونے لگا تو اٹھ کر پاس رکھے جگ سے ایک گلاس بھر کر پانی پیا مگر پیاس ایسی کہ بجھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ڈھلتی رات کے ساتھ طبیعت مزید بوجھل ہوتی چلی گئی۔ ایک عجیب سی بیزاریت تھی جو پورے وجود کو اپنے لپیٹے میں لیے ہوئے تھی۔ اپنے آپ سے پیار کرنے والا فائز اب جھوٹا لگنے لگا سفینہ اس کی سچی محبت کو ایک مصنوعی عمل سے تعبیر کر بیٹھی۔

''ٹپ......ٹپ......ٹپ'' کی آواز پر کھڑکی سے جھانکا تو باہر برسات ہوتی دکھائی دی اور اندر اس کا تکیہ پوری رات نم ہوتا رہا۔

❁......❁......❁

ابرار خان کی کرسی پر بیٹھے بیٹھے کب آنکھ لگ گئی انہیں پتا بھی نہ چلا خواب میں سکینہ کا مسکراتا چہرہ نگاہوں کے سامنے آگیا دل کو ڈھارس ہوئی۔ اچانک وہ چونک اٹھے یوں لگا جیسے بیوی کے ہونٹ ہل رہے ہوں وہ کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

کان لگا کر بغور سنا تو دل کو کچھ ہوا۔

"بدنامی، جگ ہنسائی، بربادی...... ہمارے گھر کی راہ دیکھ رہی ہے۔" سکینہ کا پیغام ان تک پہنچ گیا سینے پر دباؤ سا محسوس ہوا اور وہ ایک دم اٹھ بیٹھے۔

"یا اللہ اس گھر میں یہ دن بھی آنا تھا میری بچی پر کیسا بے ہودہ الزام لگایا گیا اور میں کچھ نہ کر سکا۔" ابرار خان بے چین ہو کر کھڑے ہو گئے اور اسٹک تھام کر ٹہلنے لگے۔

کافی دیر ٹہلنے کے باوجود کچھ سجھائی نہیں دیا البتہ ٹھنڈ بوڑھی ہڈیوں میں سماتی چلی گئی اور پیروں میں درد شروع ہو گیا۔ برسوں سے روٹین بنی ہوئی تھی کہ سونے سے قبل نیم گرم دودھ پیتے آج سائیڈ ٹیبل پر رکھا گرم دودھ ٹھنڈا ہو گیا تھا مگر انہوں نے ایک گھونٹ نہیں بھرا۔ بس ذہن پر ایک ہی بات سوار تھی کہ اس فتنے کو کیسے دبائیں؟ جانتے تھے کہ بڑی بہو کی زبان کھل چکی ہے اگر اس پر روک نہ لگائی گئی تو دوبارہ ایسے واقعات ہو سکتے ہیں۔

"میں دوبارہ ایسا موقع آنے نہیں دوں گا اس گھر سے بدنامی جگ ہنسائی اور بربادی کو دور رکھوں گا...... بہت دور۔" وہ زور زور سے اس بات کو دہراتے چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی سے بستر پر لیٹ گئے۔ دیر تک نیند نہیں آئی تھک ہار کر چہرے پر تکیہ رکھ لیا۔

❁......❁......❁

گھور گھٹا کی مہتاب کے ساتھ آنکھ مچولی جاری تھی حبس کا خاتمہ ہوا اور بارش نے جمود کو توڑ دیا ہر سو تازگی اور ہریالی پھیل گئی تھی۔ بوندا باندی بند ہوئی تو انہوں نے لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پٹ کھول دیے پھولوں کی مہک گیلی مٹی کے ساتھ مل کر ان کے نتھنوں میں داخل ہوئی تو من کی یاسیت ایک دم دور ہو گئی وجود پر انوکھی سی تازگی چھا گئی وہ جو پوری رات سو نہیں پائے تھے موسم کی عنایت پر خود کو تازہ دم محسوس کرتے ہوئے کسی کو بتائے بغیر چھڑی لے کر باہر نکل گئے ان کے قدم خود بخود نزدیکی پارک کی جانب اٹھ گئے جہاں یوکلپٹس کے اونچے درختوں سے آتی خوش بو آنکھیں خیرہ کرتی سورج کی روشنی گیلی مٹی اور سبز گھاس کی رسیلی باس سے انہیں بڑی اپنائیت سی محسوس ہوتی تھی۔ ماضی کے دریچوں سے یادوں کی دھند نے ان کے گرد اپنا حصار باندھ لیا۔ وہ سرد آہ بھرتے ہوئے قریب رکھی سنگ مرمر کی بنچ پر جا بیٹھے۔

گزشتہ کئی سالوں سے اس پارک میں آنا ان کے معمول کا حصہ تھا وہ اور سکینہ چہل قدمی کرنے کے ساتھ خاندان کے کئی مسائل یہاں بیٹھ کر سلجھاتے اور خوش باش واپس لوٹ جاتے۔ سکینہ بہو بیٹوں کے سامنے شوہر سے کبھی کوئی گھر کی بات ڈسکس نہیں کرتیں جانتی تھیں کہ ابرار خان کا مزاج گرم ہے بلاوجہ طیش میں آ کر کسی کو کچھ کہہ سن دیا تو ماحول خراب ہو جائے گا اسی لیے جو دکھ سکھ کرنے ہوتے یہاں آ کر تنہائی میں کرتیں۔ کسی بات پر اگر ابرار خان کی تیوریوں پر بل پڑ جاتے، انہیں ٹھنڈا کرنے کے ساتھ ہی، ایک بہترین حل یا درمیانی راستہ بھی پیش کر دیتیں۔ ان کی یہ ہی عقل مندی کئی سالوں تک گھر کے سکون کی ضمانت بنی رہی مگر وہ دنیا سے کیا گئیں سب کچھ جیسے بدل کر یا شاید بکھر کر رہ گیا تھا۔

انہوں نے سبز گھاس پر پھیلے اوس کے قطروں پر ہتھیلی رکھی گدگدی سی ہوئی مسکراہٹ نے کتنے دنوں بعد ان کے لبوں کو چھوا تھا، ابرار خان کو یہاں بیٹھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ موسم کی تبدیلی اور سردی کی وجہ سے پارک میں اس وقت اکا دکا افراد واک کرتے دکھائی دیے ایسی تنہائی میں انہوں نے بہت دیر تک گھر کے بگڑتے حالات پر غور کیا۔ انہیں سائرہ کے شک اور کل کے جھگڑے نے بے چین کیا ہوا تھا۔ کافی غور و خوض کے بعد بالآخر وہ ایک فیصلہ پر پہنچے اور مسکراتے ہوئے اٹھ کر واپسی کے راستے پر چل دیے۔

"اماں وہ کچھ پیسے دے دیں کل بکرے کی سری پہنچانا ہے ویسے بھی یہ آخری جمعرات ہے۔" رانی نے دانت نکال کر دلشاد بانو سے پیسے مانگے۔
"ارے دفع دور کلموہی۔" وہ نوکرانی کی دیدہ دلیری پر پہلے تو حیران ہوئیں اس کے بعد چیخ پڑیں۔ رانی ڈر کے مارے صحن کی طرف چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد چائے بنا کر دوبارہ ان کے بستر کے نزدیک بیٹھ کر چاپلوسی میں لگ گئی۔
"اماں تم تو سمجھتی ہی نہیں ہو بھائی شکیل چلے بھی گئے تو کیا ہوا عمل ادھورا نہیں چھوڑتے۔ دیکھنا بابا جی کی پڑھائی کی برکت سے ان کا دل وہاں اتنا گھبرائے گا کہ چند مہینوں میں ہی لوٹ کر تمہارے قدموں میں پڑے ہوں گے۔" رانی نے امید کی ایک نئی کرن ان کو تھما کر اپنا الو سیدھا کیا۔
"چل جھوٹی ایسے ہی مجھے بے وقوف بناتی ہے۔" دلشاد بانو نے چائے کی چسکی بھرتے ہوئے لتاڑا مگر اس نے بالکل برا نہیں مانا مان کر بھی کیا کر لیتی۔
"لے جھوٹ بولوں تو دوسرا دن دیکھنا نصیب نہ ہو اب تمہارے بہو بیٹے کے جانے میں بابا جی کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ میں کتنے دنوں سے تمہارے پیچھے پڑی رہی کہ ایک بار روحانی علاج گاہ کا چکر لگا لو مگر تم نے ایک نہ سنی اتنے دنوں بعد عمل شروع کروایا تو ایک دم سے کام کیسے بن جاتا۔" رانی نے پاؤں دباتے ہوئے کہا۔
"چھوڑ...... مجھے اب نہیں کروانا کوئی عمل۔" دلشاد بانو کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو کر نفی میں سر ہلا بیٹھیں۔
"دیکھ لو ویسے بھی بھاء شکیل تو جمعراتیں پوری ہونے سے پہلے ہی چلے گئے اگر عمل پورا ہو جاتا تو میں دیکھتی کہ کیسے یہاں سے باہر قدم بھی نکالتے۔" رانی نے مالکن کے چہرے کا بدلتا رنگ دیکھا تو جم کر بات کی۔ دلشاد بانو اس کی باتوں پر غور کرنے پر مجبور ہو گئیں۔
"ہاں یہ بات تو ٹھیک ہے۔" دلشاد بانو نے بچوں کی طرح سر جھکا کر اعتراف کیا۔
"ویسے بھی تمہاری بہو نے شادی کے بعد سے ہی بھاء شکیل کو تعویز گنڈے کرا کر اپنے بس میں کر لیا تھا۔ یہ تو بابا جی کی مہربانی ہے جو میری وجہ سے ایسے اوکھے کام میں ہاتھ ڈالا کوئی اور ہوتا تو وہ صاف انکار کر دیتے۔" رانی نے منڈی ہلاتے ہوئے احسان جتایا۔
"کیا تو سچ کہہ رہی ہے؟" ان کے بوڑھے جھریوں زدہ چہرے پر دکھ پھیل گیا۔
"ہاں تو کیا غلط بول رہی ہوں اور تم یہ بات کیسے بھول گئی کہ بھاء شکیل پر بابا جی کے تعویز کا کیسا اثر ہوا تھا جیسے ہی تم نے انہیں گھول کر پلایا وہ بیوی کو چھوڑ چھاڑ تمہارے کمرے کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔" رانی نے چرب زبانی سے دلشاد کو پوری طرح شیشے میں اتارا۔
"یہ بات تو تیری ٹھیک ہے جانے سے پہلے شکیل صرف میرے پاس ہی رہا اس نرما کی طرف تو دیکھتا بھی نہیں تھا پتا نہیں کیا مجبوریاں ہوں گی جو میرے بچے کو جانا پڑا ورنہ وہ تو ایک گھنٹہ بھی میرے بغیر نہیں گزارتا تھا۔" انہوں نے منہ پر دوپٹہ ڈال کر رونا شروع کر دیا رانی دوڑ کر پانی لائی اور انہیں تسلی دیتے ہوئے پلایا۔
"اچھا تو پھر پیسے دے رہی ہو یا میں جاؤں ویسے بھی بابا کہہ رہے تھے عمل کو بیچ میں ادھورا چھوڑنے سے معاملہ الٹا بھی پڑ سکتا ہے یہ نہ ہو کہ تم ہمیشہ کے لیے بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھو۔" رانی نے جانے کے لیے کھڑے ہو کر پوچھا۔
"اللہ نہ کرے خبردار جو اپنی منحوس زبان سے یہ الفاظ دوبارہ نکالے۔" دلشاد بانو نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اٹھ کر اندر گئیں اور الماری میں سے پرس نکال کر واپس لوٹیں۔

شگفتہ الطاف

ڈیئر قارئین اور آنچل اسٹاف کو میرا پیار بھرا سلام قبول ہو ایسے آنکھیں پھاڑے کیا دیکھ رہی ہیں یہ میں ہوں شگفتہ الطاف۔ جی تو چلیں آپ سے اپنی ہستی کو متعارف کرواتی ہوں میرا نام تو جیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں میں 10 اپریل 1999ء کو اس جہان فانی میں تشریف لا کر اس کی رنگینیوں میں اضافے کا باعث بنی۔ پچھلے کئی سالوں سے میں آنچل کی خاموش قاری ہوں اور اب باقاعدہ شرکت کرنے کا شرف حاصل کررہی ہوں۔ ہم آٹھ فیملی ممبرز ہیں تین بہنیں اور تین ہی بھائی ہیں اور میرا نمبر چوتھا ہے میٹرک کے امتحانات سے فارغ ہوں اور اب راوی چین ہی چین لکھ رہا ہے۔ سرخ گلاب بہت پسند ہے بارش بھی پسند ہے لیکن کیچڑ نہ ہو بس۔ سبھی رنگ پسند ہیں لیکن پنک اور اسکائی بلیو فیورٹ ہیں۔ کھانے میں بریانی بہت پسند ہے رائٹرز میں نازی کنول نازی عشنا کوثر سمیرا شریف طور ام مریم نزہت جبیں ضیاء بہت پسند ہیں۔ بہت زیادہ فرینڈز بنانی ہوں (ارے.....) آپ ابھی سے بور ہو رہے ہیں ابھی تو میں نے انٹری دی ہے۔ بیسٹ فرینڈز میں شائستہ جمیل ثریا جمیل اور اقراء کریم بخش شامل ہیں آخر میں دعا ہے کہ آنچل دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے اور اس مشکل آزمائش کے دور میں ہمیں صبر جمیل عطا فرمائے آمین اب اجازت چاہوں گی اللہ حافظ۔

"یہ لو ہزار روپے اس میں سے پانچ سو واپس کردینا۔" ایک کڑکتا ہوا نوٹ رانی کو تھماتے ہوئے تاکید کی۔

"ہائے ہائے اب تو تمہارا بیٹا باہر چلا گیا ہے روپوں کی بارش ہوگی تم کیا ہزار پانچ سو کا حساب کرنے بیٹھ گئی ہو۔" رانی نے دانت نکال کر چھیڑتے ہوئے روپے اپنے میلے پلو سے باندھے۔

"ٹھہر جا ناس پیٹی۔" دلشاد بانو نے بستر کے نیچے سے جوتی نکال کر اسے کھینچ ماری جو ٹھیک نشانے پر لگی۔

"دودھ دینے والی گائے کی لات بھی بھلی۔" رانی نے کمر سہلاتے ہوئے دلشاد بانو کو دیکھ کر سوچا اور قہقہے مارتی ہوئی رفو چکر ہوگئی۔

ملنگی والے بابا نے پورے عمل کا ٹوٹل دو ہزار کا خرچہ بتایا تھا مگر دو تین ہفتوں کے اندر رانی نے ان سے بہانے سے تقریباً پانچ ہزار گھسیٹ لیے۔ وہ اس امید پر دیتی چلی گئیں کہ شاید معاملات اب سدھر جائیں مگر اس کے باوجود کچھ نہ ہوا اور ایک شام شکیل انہیں روتا چھوڑ کر اپنی بیوی کے ساتھ ملک سے چلا گیا، وہ پیچھے ماہی بے آب کی طرح تڑپتی رہ گئیں۔

اس کے بعد سے دلشاد بانو نے تہیہ کرلیا کہ اب تو کرانی کو ایک ٹکا نہیں دیں گی مگر وہ اس کی چلتی زبان کہ آگے ایک بار پھر ہار گئیں اور رانی باتیں بنا کر ہزار کا نوٹ لے کر چلتی بنی۔ دلشاد بانو نے ڈھلتی شام کے ساتھ گھر میں پھیلتے اندھیروں اور اپنی تنہائی کو دیکھا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

❁......❁......❁

تیز ہواؤں کے ساتھ دھول مٹی کے ایسے جھکڑ چلے کہ ہر چیز پر مٹی کی موٹی تہہ جم گئی سفینہ نے پریشان ہوکر باہر کی جانب کھلنے والی کھڑکی زور سے بند کی نفاست پسند طبیعت پر یہ گرد و غبار گراں گزرنے لگا تو اس نے فوراً ہر چیز پر سے مٹی جھاڑنے کے ساتھ صفائی کا کام شروع کردیا۔ وہ مسلسل جھاڑ پونچھ کرنے کے بعد تھک گئی تو ستانے کے لیے ٹیرس میں آکر کھڑی ہوگئی آج اس نے کالج کی چھٹی کی تھی رات بھر جاگنے کی وجہ سے سر اتنا بھاری ہورہا تھا کہ اس سے جایا ہی نہیں گیا، اس پر ماں کی ناراضگی الگ ستم ڈھا رہی تھی۔

"میں ذرا سبزی لینے جارہی ہوں۔" ریحانہ نے موسم کے تیور پرسکون ہوتے دیکھے تو پرس بغل میں دبا کر بیٹی کو

اطلاع دی۔
"کیا بازار جانا ضروری ہے۔ ابو آفس سے آ کر سودا لا دیتے۔" سفینہ نے دبے لفظوں میں روکنا چاہا۔
"ہاں جانا ہی پڑے گا کیوں کہ آج تمہارے ابو نے قیمہ کریلا کھانے کی فرمائش کی ہے اگر ان کے انتظار میں بیٹھ گئی تو بہت دیر ہو جائے گی اس لیے ہمت کر کے خود ہی نکل جاتی ہوں ویسے بھی بازار کون سا دور ہے دو قدم پر تو ہے۔" ریحانہ نے سودا سلف لانے والا تھیلا اٹھاتے ہوئے بیٹی کی تشفی کرائی۔
"رات بھر بارش ہوئی ہے اور صبح سے آندھی چلنا شروع ہوگئی، دیکھ بھال کر جایئے گا راستے میں دھول مٹی اور کیچڑ ملے گی۔" سفینہ نے فکرمندی سے ماں کو تاکید کی۔
"ہاں تو اب کیا کیا جائے گھر میں کھانا پکنا بھی تو ضروری ہے۔" وہ تلخی سے گویا ہوئیں۔
سفینہ نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر خاموش ہوگئی۔ وہ ریحانہ کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ کبھی کبھی ان کو بیٹے کی کمی کا شدت سے احساس ہوتا پھر ان پر یاسیت سی طاری ہو جاتی وہ بات بے بات سب کو کاٹ کھانے کو دوڑتی۔ ابھی تو ویسے بھی سائرہ کی زبان کے گھاؤ تازہ تھے۔ یوں تو فائز اپنی چچی جان کا بہت خیال رکھتا جب بھی گھر کا سامان خریدنے جاتا ان سے بھی پوچھ لیتا ریحانہ بھی عالم مجبوری میں اس سے مدد مانگ لیتی مگر آج تو انہیں یہ بات بالکل گوارا نہیں تھی۔ سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے جٹھانی کی بیٹھک کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

❁......❁......❁

ماسی ٹیرس دھونے کے بعد جھاڑو سے سیڑھیوں کی دھلائی کر رہی تھی۔ سفینہ اس کو ہدایت دینے میں مشغول تھی اچانک فائز دندناتا ہوا سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ ساز کھائی دیا۔ وہ بلیک جینز اور گرے شرٹ میں بالوں میں ہاتھ پھیرتا رف سے حلیے میں بہت ہینڈسم لگ رہا تھا مگر سفینہ اس کو نظر انداز کر کے تیزی سے گرل پار کر کے اپنے پورشن کی جانب بڑھ گئی۔
"صاحب! یہ کیا...... کیا؟ ابھی تو میں صاف کی تھی۔" ماسی نے سلیپر کے نشان دیکھ کر فائز کو ٹوکا۔
"کوئی بات نہیں دوبارہ صاف کر دو۔" فائز نے دھپ دھپ کرتے پاؤں جھاڑے اور ہنستا ہوا اوپر چلا گیا۔
"سفی پلیز میری بات تو سنو۔" فائز نے بڑے پیار سے پکارا مگر وہ انجان بنی کمرے کی جھاڑ پونچھ میں لگی رہی۔
"میں صبح سے تمہارے نیچے اترنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ تو چچی کو تھیلا اٹھائے باہر جاتے دیکھا تو، اپنی خدمات پیش کرنے کی جگہ موقع کا فائدہ اٹھا کر اوپر آ گیا مگر تم ہو کہ لفٹ ہی نہیں کرا رہی۔" اس نے ساتھ گھوم گھوم کر پوری کہانی سنائی مگر سفینہ پر ذرا جو اثر ہوا ہو وہ منہ سوجائے اپنے کاموں میں الجھی رہی۔
"اف اتنے نخرے تو میں نے کبھی کسی حسین و جمیل لڑکی کے بھی برداشت نہیں کیے پھر تم کیا چیز ہو؟" فائز سے اس کی خاموشی برداشت نہیں ہوئی تو ڈسٹر چھین کر چڑایا۔
"جناب فائز صاحب آپ یہاں سے چلے جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تائی اماں جاسوسی کرنے اوپر آجائیں اور مجھ پر الزامات کی نئی سیریز چلا دیں۔" اس نے بڑی سنجیدگی سے طنز کیا اور منہ موڑ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ سر جھٹک کر مسکرایا۔
"اتنی عزت کہ آپ جناب پر اتر آئیں۔ واہ صاحب۔" فائز نے اس کا بازو پکڑ کر رخ اپنی جانب پھیرنا چاہا مگر وہ ہاتھ چھڑا کر دور جا کھڑی ہوئی۔
"شاید میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آ رہی امی آتی ہی ہوں گی...... آپ کو یہاں دیکھ لیا تو بلاوجہ مجھ سے خفا ہوں گی۔" سفینہ نے بڑے احترام سے طنز کیا تو فائز کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''لڑکی اصولاً تو تمہیں اپنے ہونے والے شوہر کو ہمیشہ ایسے ہی مخاطب کرنا چاہیے مگر یہ جو تم کبھی کبھار ہماری عزت افزائی کرتی ہو چلو اسی پر خوش ہو جاتے ہیں۔'' فائز نے سر جھٹک کر شرارت سے ایک آنکھ بند کر کے کہا۔
''فائز صاحب میں ایسے شخص سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی جو میری عزت کروانا نہیں جانتا ہو۔'' وہ جل بھن کر چلائی۔

وہ قہقہہ لگاتا چلا گیا چاہتا تھا کہ سفینہ اندر ہی اندر گھٹنے کی جگہ اسے چار باتیں سنائے' خوب لڑے تاکہ اس کے اندر کا سارا غبار ایک جھٹکے میں باہر آ جائے اور ان دونوں کے تعلقات دوبارہ نارمل ہو جائیں مگر وہ تو پروں پر پانی پڑنے نہیں دے رہی تھی۔

''چلو دوستی۔'' وہ اس کے کمرے سے ٹیڈی اٹھا کر لے آیا اور اس کا ہاتھ بڑھا کر سفینہ سے دوستی کرنے کے لیے کہا۔
''نہیں آپ سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا۔'' سفینہ کی برداشت جواب دے گئی اور وہ یہ کہتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''سفینہ ایسے تو نہ رو میں تمہیں کیا سمجھتا ہوں یہ بات میرے دل سے پوچھو۔'' اس کے وجود پر پشیمانی کا بوجھ بڑھتا چلا گیا۔

''یہ بات تو مجھے اسی دن پتا چل گئی تھی جس دن آپ کے سامنے تائی اماں نے مجھ پر ایسے گھٹیا الزام لگائے۔'' وہ مسلسل روتے ہوئے بولی۔

''یار! سمجھنے کی کوشش کرو اگر تم مجھے جان سے زیادہ عزیز ہو تو وہ بھی میری ماں ہیں انہیں سمجھا سکتا ہوں۔ ان پر ہاتھ تھوڑی اٹھا سکتا۔'' فائز بھی ایک دم پھٹ پڑا۔
''صحیح کہہ رہے ہیں تو پھر میرا ایک کام کریں گے؟'' سفینہ نے اپنی بھیگی پلکیں اٹھا کر ایسے کٹیلے انداز میں دیکھا کہ فائز کا دل ڈول گیا۔

''ہاں کہو ضرور مانوں گا۔'' اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سفینہ کے ہاتھوں کو تھپتھپا کر تسلی دی۔
''یوں کریں کہ میری زندگی سے ہمیشہ کے لیے کہیں دور چلے جائیں۔'' سفینہ نے اپنا ہاتھ چھڑایا اور بڑی بے رحمی سے منہ موڑ کر فیصلہ سنایا۔

''ٹھیک ہے اب ایسا ہی کروں گا۔'' فائز اس کی بات پر پہلے تو ششدر رہا پھر اس کا چہرہ اٹھا کر آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا، سفینہ اپنے گلابی ہونٹ بے دردی سے کاٹتے ہوئے بے خوفی سے اس کو دیکھتی رہی۔

❁......❁......❁

جلال اور بہزاد باپ کے بلانے پر جب تک ان کے کمرے میں پہنچے۔ وہ اپنی آرام دہ کرسی پر دراز آنکھیں موندیں باقاعدہ خراٹے لے کر سو چکے تھے۔ دونوں بھائیوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر کے، کارنر پر رکھے ہوئے صوفے پر آواز پیدا کیے بغیر بیٹھ گئے حالانکہ ابرار خان نے دونوں بیٹوں کو ضروری بات کرنے کے لیے خود ہی بلایا تھا، مگر رات کو نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے اچانک ان پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ دونوں بھائی باپ کو ڈسٹرب کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے، یہ سکینہ کی ہی تربیت تھی، وہ باپ کا بے حد احترام کرنے کے ساتھ ان سے بہت زیادہ محبت بھی کرتے تھے، ان لوگوں کی حد سے بڑھی ہوئی فرماں برداری پر اکثر بیویاں بھی چڑ جاتیں۔ خوب طعنے دیتیں مگر انہوں نے کسی کے دباؤ میں آ کر بھی اپنی روش نہ بدلی۔
''ارے تم دونوں کب سے آئے بیٹھے ہو' ہمیں جگایا کیوں نہیں؟'' تھوڑی دیر بعد وہ کسی خیال کے تحت چونک کر

جاگے تو بیٹوں کو یوں خاموشی سے بیٹھے دیکھا تو شفقت سے گویا ہوئے۔

''بس آپ اتنے سکون سے سو رہے تھے تو ہم نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' جلال نے پیار سے بوڑھے باپ کے پیروں پر گرم شال ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

''تمہاری جنت مکانی ماں کی بھی یہ ہی عادت تھی، کتنا بھی ضروری کام کیوں نہ ہو، وہ ہمیں سوتے سے کبھی نہ جگاتیں۔'' ابرار خان کی نگاہوں میں یاد گم گشتہ کے سائے چھاگئے، دکھ کی لہریں سی پھوٹ پڑیں اور ان تینوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

''ہا......ہا۔'' ان دونوں ایک دم ٹھنڈی آہ بھری۔ ماں کی یاد نے بے چین کر ڈالا۔ کمرے میں لمحے بھر کو سکوت طاری ہوا۔ گھڑی کی ٹک ٹک کے سوا کوئی دوسری آواز نہ تھی۔ سب اپنی اپنی سوچوں میں گم ہوگئے۔

''ابا جی! آپ کو کوئی کام تھا۔'' بہزاد نے گھڑی کی طرف دیکھ کر پوچھا مغرب کی نماز کا وقت ہونے والا تھا، ابرار خان مسجد چلے جاتے تو بات ادھوری رہ جاتی۔

''ہاں ایک، بہت اہم بات ہے جو ہم اکیلے میں تم دونوں سے کرنا چاہتے تھے۔ امید ہے کہ تم لوگ ہماری بات سے اتفاق کرو گے۔'' وہ ماضی سے پیچھے چھڑا کر حال میں لوٹے اور اپنی چھڑی کو مضبوطی سے تھام کر بڑے مان سے بولے۔

''ابا جی! آپ کو اس تمہید کی ضرورت نہیں بس حکم کریں۔'' جلال خان کی بات سے باپ کو کافی حوصلہ ملا۔

''میرے بچوں گھر کا ماحول دن بہ دن خراب ہوتا جارہا ہے۔'' ابرار خان نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

''ابا جی! اگر آپ کل والے واقعے کا ذکر کررہے ہیں تو میں بہت شرمندہ ہوں، مجھے فائز نے سب بتایا ہے، سائرہ کو بہت سمجھاتا ہوں مگر آپ جانتے ہیں وہ کیسے دماغ کی عورت ہے، اپنے آگے کسی کی سنتی ہی نہیں۔'' جلال نے ایک دم نگاہیں جھکا کر شرمندگی سے کہا۔

بہزاد نے بھائی کی بات پر پہلو بدلا مگر منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا، ریحانہ نے انہیں بھی ساری بات بتائی تھی اور جیٹھ سے بات کرنے کے لیے اکسایا بھی مگر وہ ٹال گئے تھے۔

''ہم تو اس وقت سے ڈرتے ہیں جب تفرقے کی یہ دیوار تم دونوں کو جدا کردے۔'' یہ بات کہتے ہوئے ان کے کاندھے جھک گئے اور وہ پہلے سے بھی زیادہ بوڑھے دکھائی دینے لگے۔

''آپ فکر نہ کریں ایسا کبھی نہیں ہوگا۔'' دونوں بیٹوں نے بیک وقت جا کر باپ کو تھاما اور تسلی دی۔ بہزاد نے باپ کو ایک گلاس پانی پلایا تھوڑی دیر بعد انہوں نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔

''ساری باتوں پر غور کرنے کے بعد ہم نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولے۔ دونوں بھائی خاموشی سے ہمہ تن گوش تھے۔

''ہم نے سفینہ سے فائز کی شادی کرنے کا سوچا ہے ویسے بھی یہ فیصلہ تو تمہاری ماں نے اپنی زندگی میں ہی کردیا تھا۔ اب جب کہ فائز باہر جانے کی کوششوں میں مصروف ہے۔ یہ بروقت اقدام ہوگا۔ نکاح کے بعد بھلے ہی وہ چلا جائے، ہمیں اطمینان رہے گا۔ ہاں رخصتی اس کی واپسی پر ہوگی۔ اس طرح سب کی زبانیں بند کردی جائیں گی اور گھر کا سکون بحال رہے گا۔'' انہوں نے بیٹوں کو دیکھتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔ وہ دونوں خوش دکھائی دینے لگے مگر دروازے سے کان لگائے سن گن لیتی سائرہ کی روح فنا ہوگئی۔

سسر کا فیصلہ سنتے ہی ان کی دونوں آنکھیں پھٹ گئیں، ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے ہکا بکا ایک ہی جگہ پر جم کر کھڑی رہ گئیں۔

"سائرہ بیگم! میں نے تمہیں کتنا سمجھایا کہ ریحانہ سے مل جل کر رہو، بچوں سے بلاوجہ کی ناراضی چھوڑ دو...... ورنہ تم تنہا رہ جاؤ گی مگر تم نے ایک نہ مانی۔ اب وہ وقت آ ہی گیا اس لیے برداشت کرو یا ہر وقت ہائے وائے کرتی پھرو۔" جلال خان نے بیوی کی ساری لن ترانیاں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتے ہوئے الٹا انہیں ہی قصوروار ٹھہرایا۔

"ہاں میں ہی بری ہوں ورنہ اس خاندان میں باقی سب تو دودھ کے دھلے ہیں۔" سائرہ نے جل کر ماتھا پیٹا۔

"دودھ کے دھلے ہو یا پانی سے اب کچھ ہو نہیں سکتا۔ اباجی تو فیصلہ کر چکے ہیں۔ اس لیے سفینہ کے علاوہ کوئی دوسری لڑکی تمہاری بہو نہیں بن سکتی۔" جلال خان نے بیوی کو مزید چڑا کر مزہ لیا۔

"اس بھول میں مت رہیے گا۔ کم از کم۔ میری زندگی میں تو ایسا نہیں ہوگا۔" وہ بلبلائیں۔

"اچھا چلو کوئی بات نہیں، بیٹے کے ساتھ ساتھ میں بھی سہرہ باندھنے کی تیاری کر لیتا ہوں۔" ان کا شرارتی انداز سائرہ کے دل پر جا لگا۔

"خدانخواستہ آپ کیوں سہرہ باندھیں گے؟" انہوں جل کر پوچھا۔

"کیوں جب آپ ایسی دھمکیاں دیں گی تو مجھے بھی ہری ہری ہی سوجھے گی نا۔" جلال خان کا قہقہہ کمرے میں گونجا۔

"آپ تو یہی چاہتے ہیں کہ میں مر جاؤں اور آپ کو کھل کر کھیلنے کا موقع مل جائے۔" وہ بستر پر گر کر بھوں بھوں روتے ہوئے بولیں۔

"کیوں بھئی اس سے بھلا میرا کیا فائدہ ہوگا؟" جلال نے معصومیت سے اپنے گنجے سر پر ہاتھ پھیرا اور جھک کر پوچھا۔

"آپ کو اپنی برسوں پرانی دوسری شادی کی خواہش پوری کرنے کا موقع جو مل جائے گا۔" سائرہ فائز کا مسئلہ بھول بھال، شوہر سے دوسرے محاذ پر لڑنے لگ گئیں۔

"ہا...... ہا...... اچھا ہے نا بیٹے کے ساتھ مجھے بھی برانڈ نیو بیوی مل جائے گی تمہیں دیکھ دیکھ کر تو اب آنکھیں دھندلانے لگی ہیں۔" جلال خان نے چندھی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے انہیں ستایا۔ وہ زوردار انداز میں آنسو بہانے بیٹھ گئیں۔ جلال خان گنگناتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔

گہری کالی گھٹا اٹھی اور ایک دم سے تیز ہوا چلنے لگی۔ موٹی موٹی بوندیں اس کے چہرے پر پڑیں اور وہ مسحور ہوگئی آنکھیں موندیں اور بانہیں پھیلا کر بارش کا لطف اٹھانے لگی چوڑیوں پر بارش کے گرتے ہوئے قطروں نے انوکھی راگنی چھیڑ دی۔ وہ موسم کا بھرپور لطف اٹھانے تیسری منزل پر واقع چھت کی طرف بھاگی یکا یک بارش رک گئی مگر موسم ایک دم سے خوش گوار ہوگیا، وہ جھک کر سڑک پر جمع ہونے والی پانی میں بنتے پھوٹتے بلبلوں کو تکنے لگی۔ فائز جو ابھی اپنے دوست سے مل کر بائیک پر تیزی سے گھر کی طرف چلا آ رہا تھا سر اٹھا کر دیکھا تو اسے چھت پر دشمن جاں کھڑی دکھائی دی۔

اس نے جلدی سے بائیک گیٹ کے باہر روکی اور چپکے سے سیڑھیاں چڑھتا اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ وہ گلابی اونچے کرتے اور سفید پٹیالہ شلوار میں اپنے کھلے بالوں کی آبشار کو ایک سائیڈ پر ڈالے بہت پیاری لگ رہی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے برابر کھڑا ہوا۔ اس کے مخصوص پرفیوم کی مہک فضاؤں میں پھیلی اور سفینہ کو اس کے

ہونے کا پتا دے گئی۔ اس نے سرعت سے گردن گھمائی فائز کو دیکھا اور دیکھتی رہ گئی وہ بلیو کرتا شلوار میں اپنی صاف رنگت اور لمبے قد کی وجہ سے بہت جچ رہا تھا ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو اس کی وجاہت میں بے پناہ اضافہ کررہی تھی۔ سفینہ کو اپنی طرف یوں متوجہ دیکھ کر وہ بڑے انداز میں مسکرایا۔

''ہائے......'' فائز کی بھاری مردانہ آواز سفینہ کی سماعتوں میں اتر کر من کو شانت کرتی چلی گئی چہرے پر الوہی روشنی پھوٹ پڑی۔

''جناب' آج کہاں غائب تھے؟'' خود پر اس کی نگاہیں محسوس کرکے سفینہ نے ایسے ہی پوچھا۔ مگر فائز چپ چپ اسے دیکھے گیا' وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

اچانک تیز ہوا چلی اور اس کا سفید آنچل لہراتا ہوا فائز سے لپٹ گیا۔ سفینہ ہوا کی اس شرارت پر گھبرا گئی۔ ایک کونا پکڑ کر اپنی جانب کھینچا۔ فائز نے مسکرا کر اس کی حالت سے لطف اٹھایا۔ شیفون کے دوپٹے میں بسی خوش بو اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی، دوسرا کونا تھام کر نرمی ہتھیلیوں میں جذب کرنے لگا۔

''کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' سفینہ نے فوراً دوپٹے کو کھینچ کر اس کے ہاتھوں سے چھڑایا اور کس کر اپنے گرد لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

''اونہہ ہوں۔'' وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا ایک دم اس کے مقابل اکھڑا ہوا جذبے لٹاتی نگاہیں اس پر جمادیں۔

''میں قدرت کی صناعی کو دیکھ رہا ہوں۔ سچ کہوں تو تمہاری خوب صورتی میں اس رنگ کا کوئی کمال نہیں بلکہ تم نے اپنے لیے منتخب کرکے اسے موسم کا رنگ بنادیا' یہ مشک بار بال......شہابی رنگت......سنہری آنکھیں......گلابی ہونٹ میری دنیا ان سے کتنی سج گئی ہے۔'' وہ سفینہ کی تعریف کرتا چلا گیا۔ وہ انوکھی تسکین محسوس کرنے لگی۔

''فائز بس۔'' اس نے شرما کر روکنا چاہا۔

''پلیز آج صرف مجھے بولنے دو۔'' فائز نے اپنی انگلی اس کے نرم ہونٹوں پر رکھ کر خاموش رہنے کا اشارا کیا۔

''پگلی......ایک بات بتاؤ گر میں تم سے جدا ہوجاؤں گا تو بھلا جی سکوں گا، کوئی اپنی روح کے بغیر بھی زندہ رہ سکتا ہے۔'' وہ جذباتی انداز میں اس کا ہاتھ تھام کر بولتا چلا گیا۔

''کوئی تو ہے جو مجھے بھی اتنی چاہت سے دیکھتا ہے' میری ذات کو خود سے بھی زیادہ اہمیت دیتا ہے۔'' اپنی ذات میں فائز کے انہماک کو دیکھ کر اس کا غصہ اور ناراضگی دور ہونے لگی، وہ ایسی پرسکون ہوگئی جیسے سیلاب گزر جانے کے بعد دریا کا پانی......

''اب تو مان جاؤ آج رات کو میں تمہاری پسند کی آئس کریم کا فلیور بھی لا کردوں گا۔ یار تم ناراض ہوتی ہوتو' مجھے کھانا بھی اچھی نہیں لگتا۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگاتا اتنی معصومیت سے بولا کہ سفینہ کھلکھلا اٹھی اور مسکرا کر سر ہلادیا۔

کافی دیر بعد نیچے آئی تو اپنے کمرے میں بند ہوکر آئینے میں خود کو ہر زاویے سے دیکھ کر زیر لب مسکراتی رہی۔ صرف فائز کی محبت نے اپنی اہمیت اس کے نزدیک کئی گنا بڑھادی۔ وہ خود کو ایک قیمتی شے کی طرح محسوس کرنے لگی۔

❁......❁......❁

''اماں بتاؤ اب میں کیا کروں یہ لوگ مجھے چین سے جینے نہیں دیں گے۔'' سائرہ نے میکے پہنچ کر چادر اتارتے ہی ماں کے سامنے دکھڑا رونا شروع کیا۔

''ہائے کیا ہوگیا میرا بچہ؟'' دلشاد بانو ہاتھ ملتی ہوئی بیٹی کے پاس پہنچیں۔

''تو چل پہلے یہاں آرام سے بیٹھ جا۔'' انہیں جلدی سے صوفے پر بٹھایا اور رانی کو پانی لانے کا اشارہ کیا۔

"اب میں کیا کیا بتاؤں؟ ایک طرف تو بیٹا ہاتھ سے نکلا جارہا ہے اور دوسری طرف آپ کے داماد کو نئی بیوی کا شوق چرایا ہے۔" سائرہ نے چھکوں پھکوں روتے ہوئے کہا۔
"اے اللہ اب اس عمر میں یہ ہی سننا باقی رہ گیا تھا۔ ایک بیٹا تھا وہ پرایا ہوگیا۔ اب بے چاری بیٹی بھی رنج والم کی تصویر بنی ہوئی ہے۔" دلشاد بانو نے سینے پر دوہتڑ مار کر بین شروع کردیا۔
"توبہ ہمیشہ سے جانتی ہوں کہ اماں کتنی جلدی ہول جاتی ہیں پھر بھی آتے ہی ان کے سامنے شروع ہوگئی۔" سائرہ نے پانی پینے کی جگہ گلاس ماں کے منہ سے لگایا اور اپنی جلد بازی پر خود کو جھاڑا۔
"اماں پلیز روئیں نہیں وہ تو میرا دل بھر آیا تو ایسے ہی شکوہ کر بیٹھی ورنہ جلال ایسے نہیں ہیں۔ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔" سائرہ نے ماں کو دلاسہ دیا اور شوہر کی صفائی پیش کی۔ رانی جو کام چھوڑ چھاڑ ان دونوں کی باتیں سننے میں محو تھی سائرہ کے پینترا بدلنے پر مسکرائی۔
"سائرہ تو سچ بول رہی ہے نا۔" دلشاد بانو نے کئی بار بیٹی سے اس بات کی تصدیق چاہی۔
"جی...... سچ کہہ رہی ہوں۔ جلال تو بس مجھے تنگ کرنے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔" سائرہ نے زبردستی مسکرا کر سر ہلایا۔
"اچھا اور فائز کا کیا مسئلہ ہے آنے دو اسے دیکھنا کیسے کان کھینچتی ہوں۔" دلشاد بانو نے دبنگ لہجے میں بیٹی کو تسلی دی۔
"آ...... ہا...... اماں! اس کی کہاں ایسی مجال جو مجھے تنگ کرے مگر وہ جو میرے سسر ہیں نا ایک پل کو بھی چین لینے نہیں دیتے۔" سائرہ کی ناراضگی کا رخ اب ابرار خان کی جانب موڑ گیا۔
"ہائیں اب بڑے میاں کو کیا تکلیف ہوئی۔" انہوں نے ہاتھ نچا کر پوچھا۔
"بس ضد باندھ کر بیٹھ گئے کہ فائز کی شادی ان کی پوتی سفینہ سے ہی ہوگی اور وہ بھی ایک دو مہینے میں آپ تو جانتی ہیں میری دیورانی ریحانہ نے ساری عمر میرے سینے پر مونگ دلا ہے اب میں اس کی بیٹی کو بہو بنا کر ساری عمر کا عذاب کیسے مول لوں۔" سائرہ نے روتے ہوئے ماں کو ساری کتھا سنائی۔
"اے اولاد تمہاری ہے اور حکم بڑے میاں چلا رہے ہیں۔ ظلم کی بھی حد ہے۔" دلشاد بانو نے ناک پر انگلی ٹکا کر بیٹی کو دکھ سے دیکھا۔
"یہ بات کوئی سمجھ ہی نہیں رہا۔ میرے کون سے چار چھ بچے ہیں۔ اکلوتا بیٹا ہے اس کے لیے میرے بھی تو کچھ ارمان ہوں گے یا نہیں؟" سائرہ نے پاؤں پھیلاتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر کر پوچھا۔
"حق...... ہا...... جانے لوگ بہو کو بیٹی کیوں نہیں سمجھتے؟" دلشاد بانو نے بے چارگی سے کہا تو رانی نے بے ساختہ اپنی ہنسی پر قابو پایا۔
"آج ماں...... بن کر سوچا تو دل میں اپنی بیٹی کے لیے کیسی ہوک اٹھی، کل یہ ہی دلشاد بانو بہو کے لیے کڑی کمان بنی ہوئی تھیں۔" رانی نے تلخ سچائی پر سر ہلاتے ہوئے سرد آہ بھری۔
"انہوں نے بھی کس قدر چھان پھٹک اور ناپ تول کر بہو کے لیے نرما کا انتخاب کیا بڑی محبت سے بیاہ کر لائیں اور گھر لاتے ہی اس کو مشکوک نظروں سے دیکھنے لگیں نہ بیٹے بہو کا ہنسنا بولنا اچھا لگتا نہ ہی گھومنا پھرنا یہاں تک کہ نرما کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی زہر سے بدتر لگتا تھا اتنے برے حالات میں کوئی کیسے رہ سکتا تھا اب جب کہ تنگ آ کر وہ دونوں یہاں سے چلے گئے تو ان کی یاد میں آنسو بہاتی پھرتی ہیں۔" حقیقت کھلی کتاب کی طرح سامنے تھی۔

"اے تو کیا یہاں کھڑی بری بری شکلیں بنارہی ہے جا جا کر میری بیٹی کے لیے چائے بنا کر لا۔" دلشاد بانو نے کوفت بھرے انداز میں رانی کو دیکھا۔

"اماں...... چائے کی کیا ضرورت ہے، بس روٹی پکانے جارہی ہوں۔ کھانے کا وقت ہونے والا ہے باجی کو کھانا کھلا دیتے ہیں نا۔" رانی نے کام چوری سے باتیں بناتے ہوئے جان چھڑانا چاہی۔

"ارے کم بخت' باتیں کم بنا بس تو جا کر پہلے چائے بنا اس کے بعد روٹی پکانا۔" دلشاد بانو نے آنکھیں نکال کر گھورا۔

اچھا ٹھیک ہے۔" وہ منہ بنا کر کھڑی ہوگئی۔ سائرہ ماں سے باتوں میں محو ہوگئی۔

"باجی جی! ایک بات کہوں آپ کے اس مسئلے کا ایک حل ہے۔" رانی نے مڑ کر ایک دم سے ان دونوں کی باتوں میں لقمہ دیا۔

"تمہارے پاس...... وہ کیا حل ہے؟" سائرہ نے حیرت سے منہ کھولا دلشاد بھی نوکرانی کو گھورنے لگی۔

"ملنگی بابا وہ ہی ہیں جو آپ کو اس مشکل سے نکال سکتے ہیں۔" رانی نے دھیرے سے کہا تو ان دونوں ماں بیٹی کی آنکھیں حیرت سے اس پر جم گئیں۔

❁......❁......❁

"سفینہ چلو میرے ساتھ کہیں دور بھاگ چلو۔" اس کی گوری گوری کلائیاں تھام کر جھک کر کانوں میں سرگوشی کی۔

وہ چھٹی کے وقت کالج گیٹ سے باہر نکلی تھی اس کو سامنے پا کر حیران رہ گئی۔ گاڑی میں بیٹھنے سے فوراً انکار کیا، پچھلا تلخ تجربہ ذہن سے وقتی طور پر اوجھل ہوگیا تھا مگر وہ اسے بھولی نہ تھی۔ فائز کی بڑی منت سماجت کے بعد قریبی پارک میں تھوڑی دیر بیٹھ کر بات کرنے پر راضی ہوئی، اب اس نے ایسا دھماکا کیا کہ وہ اچھل پڑی۔

"کیا آپ کا دماغ چل گیا ہے؟" چیخ مار کر اسے دھکا دیا اور خود سے دور کیا۔ ابھی دو دن قبل ہی تو بہت ساری آئس کریم کھلا کر فائز نے اسے بڑی مشکل سے منایا تھا، آج پھر الٹی سیدھی ہانکنے لگا۔ سفینہ نے مشکوک ہو کر اس کے چہرے کی جانب دیکھا، جہاں بظاہر سنجیدگی کی بڑی گہری چھاپ تھی۔

"میں سب کو بھلا کر صرف تمہیں اپنا بنانا چاہتا ہوں اسی لیے تمہارے پیار میں تھوڑا خود غرض ہوگیا ہوں، وہاں چلتے ہیں جہاں صرف میں اور تم ہوں، کوئی تیسرا نہ ہو، شاید اس طرح سے تمہیں ذہنی سکون حاصل ہو جائے۔" وہ جذباتی ہونے کی ایکٹنگ کرتا ہوا کھسک کر بنچ پر اس کے نزدیک ہوا۔

"کیا......! میں ایسا کچھ نہیں چاہتی۔ چلیں دور ہٹ کر تمیز سے بیٹھیں۔ یہ ایک پبلک پلیس ہے آپ کا بیڈ روم نہیں۔" وہ مکا لہرا کر اسے ڈراتے ہوئے چیخی شکر ہے دوپہر ہونے کی وجہ سے پارک تقریباً سنسان ہی تھا۔

"او آئی سی یعنی بیڈ روم میں مجھے پاس بیٹھنے کی اجازت ہوگی۔" فائز نے شرارت سے آنکھ ماری تو وہ دانت کچکچا کر اسے گھورنے لگی۔

"ویسے تم میں اور اونٹ میں کافی مشابہت ہے اس کی بھی تمہاری طرح کوئی کل سیدھی نہیں' کل تک مجھ سے لڑ رہی تھی کہ پیار نہیں کرتے...... پیار نہیں کرتے۔ آج جب تمہارے لیے سب کچھ چھوڑنے کو تیار ہوں تو خود ہی انکار کر رہی ہو۔" فائز نے اسے چڑایا اور لمبے بالوں کی چوٹی پکڑ کر کھینچی وہ جو کسی اور خیال میں گم تھی اچانک اس کے چوڑے سینے ٹکرائی شرم سے چہرہ گلابی ہوگیا، بدک کر دور ہوئی۔ فائز کی دلچسپ نگاہوں کا سامنا کرنا مشکل لگا تو خود کو سنبھالا۔

"اور آپ کسی پاگل سے مشابہ لگ رہے ہیں جو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔" سفینہ نے اپنی کنپٹی پر مخروطی انگلی گھمایا۔

''مشکل یہی ہے کہ جو کچھ مجھے نظر آتا ہے وہ تم نہیں دیکھ پاتی۔ پہلے مجھ سے اس بات کے لیے لڑ رہی تھی کہ تمہارے حق کے لیے نہیں بولتا۔ آج جب اچھے مستقبل کی تصویر دکھانا چاہتا ہوں تو اپنی نظریں پھیر رہی ہو۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''ہر بات کو وقت پر ہونے دیں۔ کون جانے آگے قسمت میں کیا لکھا ہو اتنی دور تک سوچنے کا کیا فائدہ۔ سب کچھ حالات پر چھوڑ دیں۔'' سفینہ نے اس سے دور ہٹتے ہوئے خلاؤں میں گھورا اور ایک فلسفہ جھاڑا۔

''ہا...... ہا...... ہا بس غبارے میں سے ساری ہوا نکل گئی۔'' فائز کا قہقہہ بلند ہوا، وہ برے برے منہ بنانے لگی۔

''کیا مطلب، آپ مذاق کررہے ہیں۔'' سفینہ ایک دم اچھل پڑی اور مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں تو کیا تم مجھے ایسا لفنگا سمجھتی ہو جو اپنے خاندان کی عزت کی دھجیاں بکھیر دوں؟'' وہ تھوڑی سنجیدگی سے بولا۔

''او مائی گاڈ میری جان نکال کر رکھ دی۔'' سفینہ نے سینے پر ہاتھ رکھ کر سکھ کا سانس لیا۔

''پاگل تم میری عزت ہو اور اپنی عزت کو کون مٹی میں ملاتا ہے۔'' فائز نے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم شرما گئی۔

''اچھا ہوا یہ ناٹک جلدی ختم ہو گیا ورنہ میں گھر پہنچتے ہی میں آپ کی شکایت لے کر دادا ابا کے پاس جاتی۔'' سفینہ نے تھوڑی دیر بعد اسے زبان چڑا کر دھمکی دی۔

''اچھا تو ٹھیک ہے۔ ان ہی سے پوچھ لینا ویسے بھی وہ خود ایک مہینے بعد تمہیں میرے ساتھ بھاگنے کی اجازت دینے والے ہیں۔'' فائز کو کچھ یاد آیا تو وہ چہک اٹھا، اس کی آنکھوں سے محبت کا خمار چھلکنے لگا۔

''فائز...... پلیز دادا ابا کا نام لے کر ایسا فضول مذاق بالکل نہیں کرنا چاہیے۔'' سفینہ کافی ناراض دکھائی دینے لگی، وہ دونوں ابرار خان کے معاملے میں بہت پکّے تھے۔

''میں جھوٹ نہیں بول رہا، تمہیں شاید خبر نہیں دادا ابا نے ہم دونوں کی شادی کا فیصلہ کرلیا ہے اب بھلا بتاؤ کیا مجھے اپنی بیوی کو بھگا لے جانے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔'' فائز نے محبت لٹاتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور خوش خبری سنائی۔ اس کے منہ سے لفظ ''بیوی'' سنتے ہی سفینہ کا دل ایک نئی لے پر جھوم اٹھا۔

''سچ بتائیں کیا واقعی گھر میں ایسی کوئی بات ہوئی ہے؟'' وہ پہلے تو اسے حیران کن نگاہوں سے دیکھے گئی پھر اس کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے جوش سے پوچھا۔

''لڑکی میں اپنی اور تمہاری شادی کی بات کررہا ہوں کسی پڑوسن کی نہیں جو اتنا خوش ہورہی ہو کچھ شرم، تھوڑی حیا کرلو۔'' فائز نے اس کا جوش وخروش دیکھ کر طنز کا تیر چلایا۔

''ویسے پڑوسن کی شادی پر کون خوش ہوتا ہے؟ سب اپنی ہی...... خیر صرف یہ بتائیں کہ یہ بات سچ ہے یا پھر مذاق کا کوئی نیا سیشن چل رہا ہے؟'' سفینہ نے مسکرا کر بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''ہاں بابا، میں بالکل سچ بول رہا ہوں تمہاری قسم۔'' فائز نے بڑے اسٹائل سے سر ہلایا۔ وہ پھر بھی اسے مشکوک انداز میں گھورتی رہی۔

''ایک منٹ چلو اٹھو گھر چلتے ہیں دادا ابا سے کنفرمیشن کرواتا ہوں۔'' فائز نے سفینہ کا نرم ونازک ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

''اس کا مطلب ہے میری بیڈ لک چل رہی ہے جب ہی تو آپ سے شادی کا فیصلہ کیا گیا۔'' وہ ہاتھ چھڑا کر گھاس پر تیز تیز چلنے لگی۔

''ایک منٹ سفینہ رکو تو پھر اچھی طرح سے سمجھاتا ہوں کہ تمہاری بیڈ لک چل رہی ہے یا گڈ لک۔'' فائز نے پیچھے

سے آواز دی مگر وہ پارک کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

سورج سرمئی بادلوں کی اوٹ سے دھیرے دھیرے مغرب کی گود میں چھپا جارہا تھا۔ فائز ہاتھ میں کافی کا کپ تھامے اس نظارے کو دیکھ کر مسرور ہورہا تھا۔ اسے شروع سے ڈوبتے سورج کا منظر اپنی جانب بلاتا تھا اور وہ سحر زدہ سے اسے دیکھے رہتا یوں لگتا جیسے سورج کے ساتھ ساتھ پوری کائنات بھی ڈوبتی جارہی ہو اور اس کا دل بھی ڈوبنے لگا ہو مگر یہ کیفیت کچھ دیر قائم رہتی پھر وہ نارمل ہوجاتا۔ اندھیرا بڑھنے لگا تو وہ جھاگ دار کافی ختم کرکے مڑا۔ اس کی نگاہ سفینہ پر پڑی جو ابرار خان کو یخنی پلانے کے بعد برتن سمیٹ کر اپنے پورشن کی طرف جارہی تھی۔

''یہ لڑکی سب کا کتنا خیال رکھتی ہے۔'' وہ پیار بھری نظروں سے اسے دیکھ کر مسکرادیا۔

ایک خاص احساس کے تحت سفینہ نے اس طرف دیکھا فائز کو اپنی طرف دیکھتا پاکر اس کے چہرے پر ایک شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ زندگی ان دونوں پر ایک دم سے مہربان ہوگئی تھی شاید ان کے احساسات بدل گئے تھے یا بہت دنوں سے کوئی نیا ہنگامہ کھڑا نہیں ہوا تھا کچھ بھی تھا۔ ابرار خان کا فیصلہ ان دونوں کو مزید قریب لے آیا ہر وقت بچھڑنے کا جو دھڑکا لگا رہتا تھا اس سے جان چھوٹ گئی اور وہ بہت پرسکون رہنے لگے۔

اب سفینہ بھی بلاں چوں و چراں فائز کی بات سہولت سے مان جاتی اسی لیے جب فائز کی نانی بیمار ہوئیں تو سائرہ میکے جانے کے لیے بے چین ہواٹھیں۔ خلال خان نے بھی ساس کی طبیعت خرابی کا سن کر بیوی کو فوراً وہاں جانے کی ہدایت کی ویسے تو رانی چوبیس گھنٹے ان کے پاس موجود رہتی دوسرے دلشاد بانو نے آمدنی میں اضافے کے لیے اوپر والا پورشن ایک بیوہ خاتون بتول آراء کو کرائے پر دے دیا تھا۔ صد شکر کہ شکیل نے اوپر والا پورشن بنواتے وقت ایک سیڑھی والا راستہ باہر سے بھی رکھوا دیا تھا یوں اندر کا دروازہ بند ہونے کے بعد اوپر والا پورشن علیحدہ ہوجاتا۔ وہ ہی اب کام آیا اس طرح دونوں کی پرائیوسی قائم رہی۔ بتول جو ایک اسکول ٹیچر تھیں کافی سمجھدار عورت تھی وہ بھی آتے جاتے دلشاد بانو کی خبر گیری کرلیتی مگر بیٹی کا بدل تو کوئی نہیں ہوسکتا۔

بخار کی شدت بڑھتے ہی دلشاد بانو نے بلبلاتے ہوئے بیٹی کو فون کردیا۔ ماں کی نحیف آواز سن کر سائرہ کا بی پی ہائی ہونے لگا پہلے تو جی بھر کر بھائی بھاوج کو کوسنے دیئے اس کے بعد بھی دل ہلکا نہیں ہوا تو فائز کا ہاتھ پکڑ کر رونے بیٹھ گئیں۔ فائز نے ماں کو خود سے لپٹا کر تسلی دی اور فوراً ہی گاڑی نکال کر یاں کو نانی کے پاس پہنچانے کے لیے تیار ہوگیا۔ سائرہ کو شوہر اور بیٹے کے کھانے پینے کی فکر وہاں جانے سے روک رہی تھی۔ پہلے تو فائز کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا پھر اس نے سفینہ کو چپکے سے کال کرکے ساری بات سمجھادی اور نیچے بلوالیا۔ سفینہ بڑی مستعدی سے نیچے والے پورشن میں چلی آئی اور کچن میں گھس کر دلشاد بانو کے لیے دو تین طرح کے پرہیزی کھانا پکا کر گاڑی میں رکھوائے اس کے بعد کمرے میں منہ سر لپیٹ کر لیٹ جانے والی سائرہ کو اٹھا کر گرم گرم چائے کے ساتھ دلاسے دیئے اور گھر کے سارے کام خوش اسلوبی سے سنبھالنے کے بعد انہیں بے فکری سے جانے کا مشورہ دیا۔ گو کہ سائرہ کو یہ بات قطعی پسند نہیں تھی کہ ان کی راج دھانی پر کسی اور خاص طور پر سفینہ کا قبضہ ہو مگر وقت پڑنے پر گدھے کو باپ بنانے والی مثل کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ کچھ نہ بولیں اور سرہلاتی ہوئی میکے جانے کو تیار ہوگئیں۔ یہ الگ بات ہے کہ راستے بھر انہوں نے فائز کو سفینہ سے دور رہنے کی قسمیں دیں۔ اگر دلشاد بانو کی بیماری کا مسئلہ نہ ہوتا تو وہ ان حالات میں گھر کا محاذ چھوڑ کر کبھی نہ جاتیں۔

سائرہ کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ غصے اور بے بسی سے ان کے لب سختی سے ایک دوسرے میں

پیوست تھے۔
''جلال خان مجھے یوں دودھ کی مکھی کی طرح نکال کر باہر نہیں پھینک سکتے۔'' وہ زیر لب بڑبڑائیں۔
وہ دلشاد بانو کی طبیعت کا خیال کرتے ہوئے، اس بات کو پینا چاہ رہی تھیں مگر ناکام ثابت ہوئیں۔
''میں بھی دیکھتی ہوں یہ لوگ کب تک مجھے نظر انداز کریں گے۔'' اس وقت خود کو کمپوز کرنا ان کے لیے ایک مشکل امر تھا۔ وہ سب کچھ سہہ سکتی تھی مگر جلال خان کی بھتیجی کے لیے اتنی محبت اور بے جا حمایت۔ شدت کرب سے آنکھیں میچ لیں۔
''کس طرح سے اس مسئلے سے کو حل کروں کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' سائرہ نے نیم کے درخت پر بیٹھے پرندے کو دیکھ کر سوچا جو اپنی چونچ سے تنے کو کرید رہا تھا۔
''کیا ہوا بیٹا! کس سوچ میں ہو؟'' دلشاد بانو کو آج اپنی طبیعت بہتر محسوس ہوئی تو وہ صحن میں چارپائی پر آکر لیٹ گئیں سامنے ہی کرسی پر سائرہ بیٹھی تھی۔
''اماں گھر کے حالات ایک دم میرے خلاف ہو گئے ہیں۔'' وہ جو ماں سے ساری بات چھپانے کا سوچ رہی تھیں، ایک دم پھٹ پڑیں۔
''ہائے رے اب کیا ہو گیا؟'' انہوں نے اپنے دکھتے سر کو تھاما۔
''ابھی تھوڑی دیر پہلے فائز کے بابا کا فون آیا تھا۔ وہ سفینہ کے لیے سونے کا سیٹ بنوانا چاہ رہے تھے۔ مجھے جیولر کے پاس چلنے کا کہا ہے۔'' سائرہ نے رونے والی شکل بنا کر ماں کے سامنے حال دل بیان کیا۔
''اچھا وہ کیوں؟'' دلشاد بانو نے کمر کے نیچے گاؤ تکیہ لگا کر پوچھا۔
''اسے نکاح پر سونے کا سیٹ چڑھانے کا ارمان جاگا ہے میں نے ٹالنے کے لیے کہہ دیا اتنی جلدی کیا ہے آج تو میں اماں کے ساتھ اپنی خالہ کی طرف جا رہی ہوں۔'' سائرہ نے ماتھے پر انگلی رکھی۔
''بہت اچھا کیا ایسے ہی ٹالتی رہو وہ تمہاری مرضی کے بغیر کیا کرلیں گے۔'' دلشاد بانو نے بیٹی کی پیٹھ تھپکی۔
''یہ ہی تو رونا ہے فوراً بولے چلو تم رہنے دو میں اپنی ہونے والی بہو کو ساتھ لے جاؤں گا ویسے بھی پہننا اسے ہی ہے اچھا ہے اپنی پسند سے خرید لے گی۔'' سائرہ نے دوپٹہ کس کر سر پر باندھتے ہوئے جلے بھنے انداز میں شوہر کی نقل اتاری۔
''تو یہ داماد میاں کو ہو کیا گیا ہے۔ بھتیجی کے معاملے میں ایک دم ہی دیوانہ ہو گئے ہیں۔'' دلشاد نے برے برے منہ بنا کر کہا۔
''وہ ہی تو ابھی وہ لڑکی بہو بن کر آئی نہیں اور میری اہمیت ختم کر کے رکھ دی بعد میں بھلا کیا ہوگا۔ میں اسی لیے تو اس رشتے کے خلاف ہوں۔'' سائرہ نے رونا شروع کر دیا۔
''میرے بچے پریشان نہ ہو میں کچھ سوچتی ہوں۔'' سائرہ کے رونے پر دلشاد بانو کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، فوراً ذہن دوڑایا۔
''کیوں نہ تم رانی کی بات مان کر ایک بار ملنگی بابا کے پاس چلی چلو دیکھنا ان کی کرامت سے یہ مسئلہ باآسانی حل ہو جائے گا۔'' دلشاد بانو نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد بیٹی کو مشورہ دیا۔
''وہ تو ہے مگر اماں مجھے ان باباؤں پر یقین نہیں۔'' سائرہ تھوڑا ہچکچائی۔
''پہلے مجھے بھی نہیں تھا مگر دیکھو ان کے عمل کی برکت سے شکیل وہاں جا کر بھی مجھ سے روزانہ فون پر بات

کرتا ہے کہتا ہے اماں میرا بس چلے تو اڑ کر واپس آجاؤں۔ بہت جلد آپ کو اپنے پاس بلوا لوں گا۔'' دلشاد بانو نے جھک کر بیٹی کو بتایا۔

''واقعی شکیل ایسا بول رہا تھا۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' سائرہ بھی خوش ہوگئی۔

''پتا ہے تھوڑے دن پہلے اس نے اپنے ایک دوست کے ہاتھوں مجھے خرچے کے پچاس ہزار روپے بھیجے ہیں۔'' دلشاد بانو نے سرگوشی میں بتایا۔

''اماں وہ تو ٹھیک ہے مگر میں ڈرتی ہوں کہ اگر جلال کو یا فائز کو اس بات کی خبر بھی ہوگئی تو دونوں میرا جینا حرام کردیں گے۔ جلال سے تو کچھ بعید نہیں ہاتھ پکڑ کر گھر سے چلتا کردیں۔'' سائرہ کے چہرے پر خوف کے سائے لرزا ٹھے۔

''اے انہیں کون بتائے گا اس بات کی خبر تو صرف مجھے یا رانی کو ہوگی تو ایک بار چلی چل بعد میں میری طرح رانی کو وہاں بھیج دیا کرنا۔'' دلشاد بانو نے بیٹی کے نزدیک ہوکر مشورہ دیا۔ سائرہ ماں کی باتوں پر ایک نئی سوچ میں پڑ گئیں۔

⁂

ریحانہ کو بیٹی کی یہ روش قطعی پسند نہیں آرہی تھی کہ وہ دوڑ دوڑ کر نیچے جائے مگر ایسے موقع پر کچھ بولنا مناسب نہیں تھا اسی لیے شوہر کے سمجھانے پر خاموشی اختیار کرنی پڑی۔ آج کل سفینہ کی کوشش ہوتی کہ وہ فائز اور تایا ابا کے ہر کام خود کرے۔ ان کی پسند کا ناشتہ، کھانا پکانی، کمروں کی صفائی کروانی۔ دادا ابا کے کھانے کی ذمہ داری تو اس نے پہلے ہی اٹھائی ہوئی تھی۔

''تم میری ماں کو رام کرنے کے لیے آج کل کتنی محنت کررہی ہو؟'' فائز ہنستے ہوئے کچن میں رکھے اسٹول پر بیٹھ گیا۔

''بات سنیں وہ صرف آپ کی مما نہیں، ان سے میرا بھی کچھ رشتہ ہے۔'' سفینہ کو اس کی بات بری لگی تو منہ بنا کر بولی۔

''ہا......ہا......ہا...... اچھا سچ بولنا جب سے ہمارے رشتے کی بات طے پائی ہے تمہیں وہ تائی سے زیادہ ہونے والی ساس نہیں لگنے لگی؟'' فائز کی چھیڑ چھاڑ جاری تھی۔

وہ اسے یہاں استحقاق سے چلتا پھرتا دیکھتا تو من میں سکون چھا جاتا، کتنے دنوں بعد خان ہاؤس کا ماحول تھوڑا بہتر ہونا شروع ہوا تھا۔

''ایک منٹ فائز تایا ابا اور تائی اماں کو خوش دیکھنا میری شدید خواہش ہے اسے دکھاوے جیسے جذبے سے جوڑ کر آلودہ نہ کریں۔'' سفینہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مضبوط لہجہ اختیار کیا۔ وہ دل ہی دل میں اس پر نثار ہونے لگا۔

''اچھا اور میرے لیے کیا سوچتی ہے میری سفو؟'' اس کے کان کے نزدیک آکر دھیرے سے پوچھا۔

''یہی کہ آپ جاکر فضلو سے تازہ سبزیاں لے آئیں تاکہ میں رات کا کھانا پکا سکوں۔'' سفینہ نے ہنستے ہوئے اسے تھیلا پکڑا دیا۔

''اف دادا ابا یہ کیا غضب کیا کوئی تو مجھے بچائے۔'' فائز نے چہرے پر بیچارگی طاری کرتے ہوئے دہائی دی۔

''آپ کو کیا ہوا جو درد بھرے انداز میں دادا ابا کو ڈسٹرب کررہے ہیں۔'' اب کی بار سفینہ شرارتی ہوئی۔

''ایسی بدذوق لڑکی میرے پلے باندھی جارہی ہے جو ایک منٹ میں رومانس کا خاتمہ کرکے سبزیوں پر لے آتی ہے۔'' فائز نے اس کی گوری بانہہ پکڑ کر موڑی۔

"ای! اف اللہ میرا ہاتھ درد کر رہا ہے۔" سفینہ نے چہرہ جھکا کر ایک دم رونے کی ایکٹنگ کی تو فائز گھبرا گیا۔
"کیا ہوا پلیز دکھاؤ تو۔" فائز نے جھک کر اس کے ہاتھ کا معائنہ کیا۔ سفینہ اس کی ابتر سی شکل دیکھ کر پیٹ پکڑ کر ہنستی چلی گئی۔
"شکر تم ٹھیک ہو میں تو ڈر ہی گیا تھا۔" اس کی جان میں جان آئی تو مسکرا کر بولا۔ سفینہ کو فائز کی پریشانی پر ایک دم پیار آیا اس کے بال بگاڑتی ہوئی کچن سے باہر نکل گئی۔

❁......❁......❁

"اندر چلی آئیں بی بی۔" سائرہ نے رانی کی معیت میں جیسے ہی کمرے میں قدم رکھنا چاہا ایک عجیب سا بھبکا ناک سے ٹکرایا وہ جھجک کر پیچھے ہوئیں۔ ایک کھرکھراتی ہوئی گونج دار آواز نے ان دونوں کا استقبال کیا۔ رانی چوکنا ہوگئی۔ رانی کے ساتھ گھسٹتے ہوئے زبردستی اندر قدم رکھا تھوڑی دیر بعد نیم اندھیرے ماحول میں دیکھنے کے قابل ہوسکیں۔ وہاں میلی سی چادر بچھا کر فرشی نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ رانی سائرہ کا ہاتھ تھام کر اس کونے میں جا کر بیٹھ گئی جہاں بابا کی چوکی بچھی ہوئی تھی۔ وہ سر جھکائے ایک کاغذ پر کچھ لکھنے میں مصروف دکھائی دیے۔ سائرہ نے بیٹھنے کے بعد نگاہیں گھما پھرا کر ماحول کا جائزہ لیا تو اس کا دل گھبرانے لگا۔
"بابا! یہ باجی۔" بابا اپنا کام ختم کرنے کے بعد ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے تو رانی نے فوراً تعارف کرانا چاہا۔
"کچھ نہ بتاؤ ہم سب جانتے ہیں۔" بابا نے اپنے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔
"آج کل بیٹے کی وجہ سے پریشان ہو؟" انہوں نے آنکھیں بند کی اور دوسرے لمحے کبوتر جیسی سرخ آنکھوں سے سائرہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔
"آپ کو کیسے پتا چلا؟" سائرہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ رانی نے ان کا ہاتھ دبایا۔
بابا نے کوئی جواب نہیں دیا مگر ان کے سیاہ ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ چھا گئی۔ مٹکی میں ہاتھ ڈال کر گلاب کا پھول نکالا اس کا پانی ان دونوں پر چھڑکا رانی کے تو خوشی کے مارے دانت نکل گئے مگر وہ تھوڑا بدک کر پیچھے ہٹیں۔
"باجی ان کے کرم سے فیض یاب ہوں ایسا نہ کریں۔ کہیں بابا کو برا لگ گیا تو ہم سے بات بھی نہیں کریں گے۔" رانی تھوڑا ناراض ہو کر بولی اور پھول اٹھا کر آنکھوں سے لگانے لگی۔
"او...... اچھا...... اچھا۔" سائرہ اس ماحول میں خود کو مس فٹ محسوس کر رہی تھیں گڑبڑا کر سر ہلایا۔
"پتا ہے یہاں تک پہنچنے کے لیے لوگوں کو کئی دنوں تک انتظار کرنا پڑتا ہے یہ تو میری سفارش کام آ گئی جو ہماری اتنی جلدی ملاقات ہو رہی ہے۔" رانی نے سرگوشی کرتے ہوئے سمجھایا تو وہ تھوڑا ایزی ہو کر بابا کی جانب متوجہ ہوئیں۔
وہ تھوڑی دیر بعد اپنے دکھڑے رونے میں ایسی مگن ہوئیں کہ یہاں کا عجیب و غریب ماحول بھی ذہن سے محو ہو گیا۔ بابا کائیاں پن سے ان کے کانوں میں جھولتے ہوئے سونے کے جھمکے دیکھنے لگے۔ ویسے بھی ساری باتیں تو انہیں ازبر تھیں ہمیشہ کی طرح رانی کیس ہسٹری پہلے ہی دے کر جا چکی تھی۔

❁......❁......❁

جب سے فائز نے اسے نکاح کی خوش خبری سنائی تھی سفینہ کے انداز ہی بدل گئے تھے۔ وہ نکھری نکھری سی لگنے لگی کالج کی ساری فرینڈ جب اس کی خوب صورتی کا راز پوچھتے تو جواب میں وہ سب کو فائز کا نام تو نہیں بتا سکتی تھی۔ گلابی لبوں کے نرم گوشوں سے ایک شرمیلی مسکان جھانکنے لگتی۔ دوسری طرف ریحانہ کی راتوں کی نیندیں جیسے اڑن چھو ہو گئیں تھیں اس مسئلے پر تنہائی میں بیٹھ کر بہت سوچا کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو وہ ایک دن بیٹی سے بات کرنے کے ارادہ سے اس

کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ سفینہ کالج سے واپس آ کر یونیفارم پہنے پہنے ہی پشت کے بل بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے برابر میں ٹیڈی بیر رکھا ہوا تھا جسے وہ تھپکیاں دے رہی تھی۔ یہ سب دیکھ کر ریحانہ کی آنکھیں جلنے لگیں پچھلی سال گرہ پر فائز نے اسے یہ نرم سا سفید بالوں والا بھالو گفٹ کیا تھا جسے اب سفینہ جان سے بڑھ کر عزیز رکھتی۔

''امی نے آپ مجھے بلا لیا ہوتا۔'' ماں کو دیکھ کر وہ سیدھی ہوگئی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو ریحانہ بیٹی کی اس حرکت پر جی بھر کر سناتیں مگر اس وقت ان کا ذہن دوسرے مسئلے میں الجھا ہوا تھا اس لیے ناگواری سے گھورتے ہوئے وہیں بیٹھ گئیں۔

''سوری امی بس ابھی چینج کر کے آتی ہوں۔'' وہ ڈر کے مارے کھڑی ہوگئی۔

''کوئی بات نہیں بیٹھ جاؤ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ماں کی سنجیدہ صورت دیکھ کر وہ سمجھ گئی کوئی خاص بات ہے۔ وہ چپ چاپ بیٹی کو دیکھتی رہیں کچھ کہنے کے لیے لب نہیں کھولے سفینہ تھوڑا سا پریشان ہوئی۔

''جی بولیں۔'' سفینہ سے برداشت نہ ہوا تو انہیں ٹوکا۔ ریحانہ کافی دیر سے الفاظ کے چناؤ میں الجھی ہوئی تھیں۔

''سفینہ تم اب بچی نہیں ہو کہ ہر بات کھول کر بتائی جائے۔ بہت ساری باتیں تمہیں بنا کہے بھی سمجھ لینا چاہیے۔'' انہوں نے ایک آہ بھری اور دھیرے سے کہنا شروع کیا۔

''افوہ امی آپ پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہیں؟ جو بات بھی کہنا ہے صاف صاف کہہ دیں۔'' سفینہ نے جھنجھلا کر ماں کو دیکھا۔

''میں تمہارے اور فائز کے رشتے کی بات کر رہی ہوں۔ تم جانتی ہو میں ایسا نہیں چاہتی۔'' انہوں نے زچ ہوتی نگاہوں سے بیٹی کو گھورا۔

''او آئی سی اچھا آخر آپ کو اس رشتے پر اعتراض کیا ہے؟'' اس نے پریشان کن نگاہوں سے ماں کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''تمہاری تائی اماں وہ تمہیں ایک دن بھی بسنے نہیں دیں گی۔'' ریحانہ نے بیٹی کے کاندھے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالا۔

''امی جہاں تک تائی اماں کی بات ہے بھلے ہی وہ زبان کی تیز ہوں مگر دل کی بہت اچھی ہیں۔'' اس نے ماں کے گلے میں اپنی بانہیں ڈال کر سائرہ کی صفائی دی۔

ویسے بھی وہ دن میں کئی بار فائز کے منہ سے اسی قسم کے جملے سن رہی تھی۔ جو وہ سفینہ کا دل صاف کرنے اور ماں کی حمایت میں بولتا تھا۔

''سفی انسان دل میں جھانک کر تھوڑی دیکھتا ہے، زبان جو کہہ رہی ہوتی ہے، دل توڑنے کے لیے وہ ہی الفاظ کافی ہوتے ہیں۔ تم ابھی بھابی کو اچھی طرح سے جانتی نہیں ہو۔'' ریحانہ نے انگلیاں چٹخا کر کہا۔

''امی تائی اماں اتنی بھی بری نہیں جتنا آپ انہیں سمجھتی ہیں۔'' اس نے ماں سے لپٹ کر انہیں قائل کرنا چاہا۔

''تم مجھے اس معاملے میں چیلنج نہ ہی کرو تو اچھا ہوگا۔ ویسے بھی تم بہت ساری باتوں سے لاعلم ہو۔ بظاہر تو دلہن دلہن کہتے ان کی زبان نہیں سوکھتی مگر وہ اندر سے کیسی دشمنی پالے رکھتی ہیں۔ یہ مجھے ہی پتا ہے سچ میں بڑی گھنی عورت ہیں۔'' انہوں نے نخوت سے بیٹی کو دور کرتے ہوئے کہا۔

''امی! چھوڑیں نا ان کا عمل ان کے ساتھ ہم کیوں یہاں بیٹھ کر انہیں برا بھلا کہہ رہے ہیں۔'' سفینہ نے دھیرے سے کہا مگر وہ ان سنی کیے ماضی کی باتیں دہراتی چلی گئی، کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو ہمیشہ ہرے رہتے ہیں، وقت بھی

انہیں بھرنے سے قاصر رہتا ہے۔

''میری شادی کے بعد ان کا دہرا رویہ مجھے ہمیشہ لوگوں کی نگاہوں میں حقیر بنادیتا۔ وہ بظاہر تو سب کے سامنے بڑے اچھے طریقے سے بات کرتی تھیں، اتنا خلوص دکھاتی کہ کوئی غیر دیکھتا تو فوراً متاثر ہو کر ان کی تعریفیں کرنے لگتا مگر اندر کی کہانی تو مجھے پتا تھی نا جب تک تمہاری دادی جان زندہ رہیں یہ بلاوجہ کے باتیں نکال کر مجھے ان کی نظروں میں گرانے کی کوشش میں مصروف رہیں، وہ تو اماں خود بہت سمجھدار خاتون تھیں کسی کی باتوں میں آنے سے پہلے وہ مجھ سے ہر بات کی تصدیق کرلیتی اسی لیے ان کی سازشوں کا پردہ فاش ہوجاتا تھا۔'' ریحانہ نے خلاؤں میں گھورتے ہوئے دکھی لہجے میں گزری باتوں پر سے پردہ اٹھایا۔

''تمہارے ابو جلال بھائی کے مقابلے میں تھوڑے شوخ مزاج کے تھے آفس سے واپسی پر میرے لیے گجرے لاتے اکثر مجھے گھمانے لے جاتے بس اسی وقت ان کے سر میں درد شروع ہوجاتا۔ میں اور تمہارے ابو تیار ہو کر کسی پارٹی میں جاتے تو بلاوجہ کے اعتراض اٹھاتیں، حسد ان کے لہجے اور نظروں سے صاف ظاہر ہوتا تھا، ویسے بھی جانے کیوں یہ تو شروع ہی سے مجھ سے جلتی تھیں۔ جب بھی میرے کمرے میں آتیں۔'' ہر چیز پر نگاہ رکھتیں۔

''اس پر قدرت نے انہیں موقع فراہم کردیا جلال بھائی کا کاروبار ترقی کرتا چلا گیا شروع سے ہی ان کی آمدنی زیادہ تھی جبکہ تمہارے ابو ایک نوکری پیشہ آدمی، ان کی کم تنخواہ پر مجھے بھابی سے کتنی باتیں سننے کو ملتی تم سوچ بھی نہیں سکتی۔'' ریحانہ کا لہجہ گلوگیر ہوا تو سفینہ نے ہمدردی سے ماں کو دیکھا۔

''اماں جان کو میں جب بھی ماہانہ خرچ کی رقم دینے جاتی تو یہ فوراً ٹوکتی۔ 'بھئی تمہارا کیا ہے ایک مخصوص رقم لاکر اماں کو پکڑا کر اپنی جان چھڑا لیتی ہو ساری ذمہ داری تو ہماری ہے۔ اتنا بڑے گھر کا خرچہ آسان نہیں۔ دلہن اللہ تم جیسی بے فکری کی زندگی سب کو دے۔'' ریحانہ نے ان کے لہجے کی ہو بہو نقل اتاری تو سفینہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

''توبہ ہے امی اچھا تو پھر کیا دادی جان کچھ بولتیں؟'' سفینہ نے تجسس سے پوچھا۔

''وہ بے چاری ان کی ناانصافی پر بہت سمجھاتیں مگر کیا فائدہ سدا پلہ تو بھائی کا ہی بھاری رہا، بات بہ بات طعنے دینا ان کا وطیرہ بن گیا تھا، اصل میں وہ اس بات کو مانتی ہی نہیں تھی کہ میں اگر پیسے کم دیتی ہوں تو دوسری طرح سے گھر کے کاموں کا زیادہ بوجھ اٹھا کر ازالہ کی کوشش بھی تو کرتی تھی...... ان کے ظلم کی انتہا تو دیکھو کہ میری شادی کے بعد خرچہ بڑھنے کا شور مچا کر انہوں نے کام والی ماسی کو نکال دیا اتنے بڑے گھر کی صفائی، برتنوں کی دھلائی اور ڈسٹنگ سب میں اکیلے کرتی، ان کے پاس آپریشن کا اچھا بہانہ تھا پھر فائز بھی چھوٹا تھا۔ یوں کم پیسوں کا خمیازہ میں نے کئی سالوں تک بھگتا۔'' ریحانہ نے ایک دم بیٹھ کر رونا شروع کردیا۔

سفینہ نے سر تھام لیا اگر وہ فائز کو اتنی شدت سے چاہتی نہ ہوتی تو ماں کا مان رکھتے ہوئے اس رشتے سے انکار کرنے میں لمحہ نہ لگاتی مگر ''اب کیا کروں؟'' ماں کی حالت نے اس پر سوچ کے نئے دروازے کھول دیئے تھے۔

❁ ❁ ❁

''آپ کے اوپر کسی نے سفلی علم کروایا ہے اس کا اتار کروانا پڑے گا۔'' دوسری ملاقات میں بابا نے مٹکی میں لمحے بھر جھانکنے کے بعد یہ عقدہ کھولا۔

''سفلی علم......؟ مگر بابا مجھ پر کون سفلی کروائے گا؟'' سائرہ نے پریشان ہوکر برابر میں بیٹھی ماں کو دیکھا پھر مٹکی بابا سے پوچھا۔

''بی بی! روحانی علاج گاہ پر آنے سے پہلے شک کو باہر چھوڑ کر آنا تھا، ہم جو بھی بتاتے ہیں، اپنی طرف سے نہیں

بتاتے بلکہ موکلوں سے پوچھ کر بتاتے ہیں۔انہوں نے تو یہی بتایا کہ تمہارے اوپر بہت ہی خطرناک قسم کا سفلی علم کروایا گیا ہے۔ جس کا اگر توڑ نہ کروایا گیا تو جان بھی جانے کا خدشہ ہے۔'' ملنگی بابا کی کھرکھراتی آواز کمرے میں گونجی۔ وہ دونوں ایک دم گھبرا گئیں۔ سبز لمبے چوغے میں ملبوس ایک چیلی نے ان کے سر پر مور چھل مارا یہ ایک طرح سے ان کے لیے تنبیہ تھی۔

''دیکھو بی بی! ہمیں کسی چیز کا لالچ نہیں ہم تو دنیا میں دکھی انسانیت کی خدمت کرنے کے لیے ہی آئے ہیں یہ سب باتیں بھی پتا چلی ہیں کہ تم آج کل جو پریشان ہو تمہارے کاموں میں بلاوجہ کی رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے' گھر میں بے برکتی سی چھائی ہوئی ہے شوہر سے اَن بن رہنے لگی ہے اور سب سے بڑھ کر اکلوتا بیٹا ہاتھوں سے نکلا جارہا ہے...... ان سب کے پیچھے یہی وجہ ہے۔'' بابا ہاتھ اٹھا کر بولتے چلے گئے۔ یہ سن کر وہ ایک دم گھبرا ئیں۔ واقعی اُن کے ساتھ ایسا ہی تو ہو رہا تھا۔

''اچھا بابا آپ یہ بتا سکتے ہیں کہ میری معصوم بچی کے پیچھے کون کمبخت پڑا ہے۔'' دلشاد بانو سے بیٹی کی اتری صورت دیکھی نہیں گئی، ادب سے پوچھا۔

''بس بی بی! اس میں برائی کا خدشہ ہے۔ اسی لیے ہم کسی کا نام نہیں بتاتے مگر اتنا اشارا دے سکتے ہیں کہ کوئی بہت قریبی کوئی رشتے دار ایسا کروا رہا ہے۔'' ملنگی بابا نے آنکھیں بند کر کے جھومتے ہوئے جواب دیا۔

پلیز بابا نام تو بتادیں۔'' سائرہ نے لجاحت سے کہا۔

''نام کو چھوڑو اپنی جان بچانے کی فکر کرو، اب ملاقات کا ٹائم ختم ہو گیا ہے، اگلی دفعہ آنا تو کال کر کے ٹائم لے لینا، ہم سات دن کا چلہ کاٹنے جارہے ہیں۔'' انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے جانے کے لیے کہا خود چوکی سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔

''بابا کس نمبر پر کال کروں اور وہ میرے مسئلے کا حل؟'' سائرہ ایک دم گھبرا کر کھڑی ہوئی، دلشاد نے بھی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے کی کوشش کی۔

''اچھا ہوا یاد دلا دیا۔ چلے کے بعد ہمارے موکلوں کی حاضری ہو گی۔ بس ان سے پوچھ کر بتا ئیں گے، اس سفلی کا توڑ کیسے کیا جائے گا۔'' بابا نے بے رخی اختیار کی اور مڑ گئے۔

''بابا......'' وہ دونوں پکارتی رہ گئیں، وہ اپنی ملنگی بغل میں دبائے اندر والے حجرے میں غائب ہو گئے۔

''چلو بی بی آپ کا وقت ختم ہو گیا۔'' چیلی نے انہیں باہر جانے کا اشارہ دیا اور چندے کا بکس آگے بڑھا دیا ماں بیٹی کے چہرے پر مایوسی کے بادل چھا گئے۔ دلشاد بانو نے ہزار کا کڑکتا نوٹ دان کیا اور بیٹی کا ہاتھ تھام کر باہر جانے کے لیے قدم بڑھائے۔

''یہ رکھ لو سات دن سے پہلے نمبر نہ ملانا۔'' اچانک چیلی نے پیچھے سے سائرہ کا بازو پکڑا اور جھومتے ہوئے ہدایت دینے کے ساتھ ایک پرچی پکڑائی۔

سائرہ نے باہر نکلتے ہی پرچی کھولی، اس پر ایک موبائل نمبر لکھا تھا۔ وہ خوش ہو گئی۔ دونوں ماں بیٹی سڑک پر آ کر رکشہ تلاش کرنے لگیں۔

''سفلی علم مجھ پر کون کروا سکتا ہے؟'' رکشے میں بیٹھتے ہی سائرہ کا ذہن بڑی تیزی سے چلنے لگا' شک کا بیج جوان کے دماغ میں بو دیا گیا تھا' وہ لمحوں میں تناور درخت بن گیا تھا۔

سفینہ اس پوری شام بند کمرے میں بیٹھی خود کو تسلیاں دیتی رہی تھی، مگر اضطراب کم ہونے کی جگہ بڑھتا چلا گیا۔ اس نے تھک ہار کر آنکھیں بند کرلیں۔ وہ سدا سے اپنی فیملی کے لیے بے حد حساس اور کسی حد تک پاگل واقع ہوئی تھی، مگر جب سے ماں نے پہلی بار اس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھا ایک نئی فکر میں مبتلا کردیا، ایسا نہیں تھا کہ وہ سائرہ جلال کے مزاج سے آشنا نہیں تھی تاہم ریحانہ نے اس سے قبل ان کے بارے میں بیٹی سے اس طرح سے بات نہیں کی تھی۔
ماں کی آنکھ سے نکلنے والا آنسو، اس کے دل پر جا گرا یوں لگا، جیسے ریحانہ کا دکھ درد اس کے اندر سماتا چلا گیا ہو۔ گلابی ہوتی آنکھوں میں دھواں سا پھیلنے لگا اور وہ افسردہ سی اپنی روم میں داخل ہوئی کارنس پر اس کا ٹیڈی بیئر رکھا ہوا تھا۔ بے اختیار اسے اٹھایا، وہ اس کی تنہائی کا ساتھ بنا رہتا۔ سائیڈ میں رکھی راکنگ چیئر پر بیٹھ گئی، ٹیڈی بیر کو گود میں رکھا اور اپنی سوچوں میں گم ہوگئی۔
''اوپر والے نے بھی میرا کیسا نصیب بنایا، ایک طرف فائز کی محبت اور دوسری طرف کس قدر کٹھنائیوں اور دشوار گزار راستوں کا سامنا...... یہ کیسی بے بسی ہے نہ میں اس کی بے تحاشہ محبت کو قبول کرنے سے انکار کرسکتی ہوں نہ ہی ماں کے خلاف جا کر اس کا ہاتھ تھام سکتی ہوں۔'' اس نے کرسی کے دستے کو اتنی زور سے پکڑا کہ سفید انگلیاں سرخ پڑ گئیں۔
''کبھی کبھی ہمارے اپنے بھی کتنے سنگ دل ہوجاتے ہیں؟ ان کی آنکھوں پر نفسا نفسی اور خود غرضی کا ایسا پردہ پڑ جاتا ہے کہ سچائی دکھائی نہیں دیتی۔ بھلا ان حالات میں ہمارا پیار کیسے پنپ پائے گا، اس گھٹن زدہ ماحول میں تو محبت کا سانس لینا بھی دشوار ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ محبت کا نوخیز وجود مرجھا جائے اور ہمارے ہاتھ خالی رہ جائیں۔'' وہ عالم وحشت میں ایک دم کھڑی ہوگئی ٹیڈی بیر گود سے گر گیا اور شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھنے لگا۔
''محبت کی بقاء صرف ملن میں ہی تو پوشیدہ نہیں اگر امی دل سے راضی نہیں تو انکار بھی کیا جاسکتا ہے۔'' سفینہ نے ہاتھ ملتے ہوئے سوچا اور جھک کر ٹیڈی کو اٹھا کر کاندھے سے چپکایا۔
''کون سا طوفان آجائے گا اگر میں فائز کی نہ بن سکوں گی، بس اتنا ہی ہوگا کہ عمر بھر کسی دوسرے سے شادی نہیں کروں گی۔'' اس کے دماغ میں ایک اور خیال جاگا وہ اس وقت جذبات کی زد میں آکر الٹا سیدھا سوچے جارہی تھی۔
''اور اگر فائز سچ مچ مجھ سے جدا ہوگیا تو کیا میں جی سکوں گی؟'' اس کی سوچ نے ایک اور پینترا بدلا۔ فائز سے جدائی کا سوچ کر ہی سانس بند ہونے لگی، سینے میں گھٹن کا احساس بڑھتا چلا گیا، وہ بے اختیار کھانسنے لگی۔
''دادا جان ہیں نا وہ ہم دونوں کا برا ہونے نہیں دیں گے۔'' پانی پیتے ہوئے ایک نئی تاویل سے اس نے خود کو تسلی دی۔ پوری شام وہ خود کو بہلانے میں لگی رہی مگر کوئی فیصلہ نہ کرپائی۔ اتنے میں ریحانہ نے اسے کھانا کھانے کے لیے پکارا۔

✿......✿......✿

پچھلے کئی دنوں سے موسم بے انتہا خوش گوار ہوگیا تھا شام ہوتے ہی بادل آسمان پہ آنکھ مچولی کھیلنے لگتے جس کی وجہ سے ٹھنڈی ہوائیں چلتی، کبھی ہلکی ہلکی بارش بھی ہوجاتی، جس سے درختوں کے دھول سے اٹے پتے نہا کر سبز و تر و تازہ ہوجاتے۔ فضاء کی گرد و غبار بھی ڈھل جاتا تو ہر چیز کی چمک بڑھ جاتی۔
فائز سو کر اٹھا تو واش روم میں فریش ہونے چلا گیا، تازہ دم ہو کر باہر نکلا بڑے کمرے کے دریچے سے جھانکا کالی گھٹا نے ایک دم سے آسمان پر قبضہ جمالیا۔ پہلے بوندا باندی شروع ہوئی پھر دیکھتے ہی دیکھتے تیز موسلا دھار بارش میں ڈھل گئی، فائز نے شفاف گلاس وال کے پار سے برستی بارش کو دیکھتے ہوئے سفینہ کو یاد کیا۔ یہ ساون کی ایک بہت خوب صورت بارش تھی۔ وہ چھاجوں چھاج برستی بارش کا مزہ لوٹنے ٹیرس پر چلا آیا۔ خان ہاؤس کا پہلی منزل پر بنا ہوا یہ ٹیرس

دونوں فیملیز کے مشترکہ استعمال میں رہتا۔ وہ ریلنگ تھام کر کھڑا ہوا تو سرد ہواؤں نے ہاتھ پھیلا کر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ٹپ ٹپ گرتی بوندوں کی جل ترنگ پر دل ایک نئی لے پر جھومنے لگا سفینہ کی ایک جھلک دیکھنے کی خواہش من میں جاگی۔

''نہ تو آئے گی نہ ہی چین آئے گا۔'' وہ گنگناتے ہوئے مسلسل گرل کے پار دیکھ رہا تھا جہاں بہزاد خان کا پورشن واقع تھا، مگر وہاں سناٹا پڑا ہوا تھا۔ فضاء میں ٹھنڈ بڑھ گئی۔ وہ جو صرف بلیک ٹی شرٹ پہنے ہوا تھا، ایک دم کپکپایا سردی سے بچنے کے لیے اپنے ورزشی بازوؤں کو سینے کے گرد لپیٹے مگر کچھ خاص فرق نہیں پڑا۔ اتنی دقت اٹھانے کے باوجود سفینہ کی ایک جھلک بھی نہ نظر آئی کہ دل کو افاقہ ہوتا، اتنے پیارے موسم میں وہ جانے کہاں مصروف تھی، اس نے باہر جھانک کر دیکھا، سڑک پر کچھ بچے بارش کے پانی میں کھیل رہے تھے، کاغذ کی کشتیاں بنا کر مقابلہ کرایا جا رہا تھا، تیز چلنے والی ہوا کے دوش پر مچلتی ہوئی کشتیاں تھوڑی دور جا کر پانی میں ڈوب جاتیں تو بچے نئی کشتی بنانے میں جت جاتے۔ فائز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، اسے اپنا اور سفینہ کا بچپن یاد آ گیا، جب آسمان بھی طلسماتی دنیا کا حصہ دکھائی دیتا تھا، سرمئی بادلوں کے ساتھ تصورات میں کئی اشکال آ جاتیں، کوئی ہاتھی لگتا تو کوئی پرندہ، وہ دونوں سبز گھاس پر لیٹ کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کو انگلی سے اشارہ کر کر کے دکھاتے اور خوش ہوتے اس وقت زندگی کا مقصد ہی کھیل کود تھا۔ بارش کے پانی میں بھیگنے کے بعد جب سنہری مٹی کا رنگ سیاہ پڑ جاتا تو وہ دونوں جیم کی خالی ہونے والی شفاف بوتل ہاتھ میں تھامے محلے کے سارے بچوں کے ساتھ مل کر ایک نئی مہم پر نکل پڑتے کسی باغ میں جا کر مٹی میں ہونے والے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے مخملیں سرخ رنگ کی بیر بوٹی کو بڑی جدوجہد کے بعد تلاش کرتے جمع کر کے بوتل میں سنبھال کر بند کیا جاتا، جو سب سے زیادہ تعداد میں اس مخملیں کیڑے کو جمع کر لیتا، وہی اس مہم کا ونر قرار پاتا، واپسی میں اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ سر اٹھا کر چلتا، جو بیچارہ ایک بھی نہیں ڈھونڈ پاتا، سب مل کر اس کا جی بھر کر مذاق اڑاتے۔

بارش بند ہونے کے بعد درختوں کے پتوں پر جب پانی ٹھہر سا جاتا تو کوئی بھی لڑکا درخت کو زور زور سے ہلا کر پانی برساتا، باقی سب مل کر اس مصنوعی بارش کا لطف اٹھاتے خوب قہقہے لگائے جاتے بلاوجہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوشیاں منائی جاتیں۔ جوانی میں قدم رکھتے ہی جیسے ان کی معصوم سی دنیا کہیں کھو گئی، تلخ حقائق نے زندگی کے معنی و مقصد ہی بدل دیے، بارش اب بھی ہوتی ہے مگر وہ فطری خوشی جیسے کھو سی گئی تھی۔ فائز ایک جگہ کھڑے سوچتے ہوئے سردی سے جم سا گیا، ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تو اس نے بچنے کے لیے ٹہلنا شروع کر دیا۔ اچانک سائرہ فائز کو ڈھونڈتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی آئیں۔

''مما خیریت ہے آپ یہاں کیوں آ گئیں؟ کافی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔'' وہ ماں کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر پہلے تو حیران ہوا اس کے بعد نرمی سے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''ہاں تم تو چاہ رہے ہو گے۔ میں یہاں نہ آؤں تاکہ تمہیں کھل کر کھیلنے کا موقع مل سکے۔'' سائرہ نے چبا چبا کر کہا، وہ بہت دنوں سے بیٹے کی حرکتوں کو برداشت کرتے ہوئے من میں پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، میں سمجھا نہیں۔'' فائز نے ریلنگ سے جھک کر باہر کا نظارہ کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

''ادھر دیکھو میری طرف آج کل تم سفینہ کے اردگرد جو پروانے بنے پھر رہے ہو، مجھے یہ بات قطعی پسند نہیں۔'' ان کا لہجہ ناگوار ہوتا چلا گیا۔

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"
"اس گھر میں کیا ہو رہا ہے میں ان سب سے بے خبر نہیں۔ اندھی نہیں ہوں۔ اپنی آنکھوں سے سب دیکھ رہی ہوں۔" وہ بیٹے پر چنگھاڑیں۔ فائز نے افسوس سے سر ہلایا اور ماں کے مقابل آ کر کھڑا ہوا۔
"مما......! پلیز۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں سمجھانا چاہا مگر سائرہ الٹا اس کی بات کاٹ کر بولیں۔
"میری ایک بات کان کھول کر سن لو تم دادا پوتا مل کر جو پلان بنا رہے ہو میرے جیتے جی تو وہ پورا ہو نہیں سکتا۔ میرے مرنے کے بعد البتہ اپنا یہ شوق پورا کر لینا۔" سائرہ جلال کا اشتعال اور غصہ دیکھنے کے لائق تھا، فائز ماں کی بات پر ہکا بکا رہ گیا۔
"مما! آپ یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ اللہ پاک آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر قائم رکھے۔" فائز نے افسوس بھری نظروں سے ماں کو دیکھا۔
"بیٹا! میرا ذہن اسے کبھی بہو کے روپ میں قبول نہیں کرے گا۔ تم ہم دونوں میں سے ایک کو چن لو۔" سائرہ کا لہجہ طنز کے زہر سے نیلا ہوا۔
"یا اللہ! اب یہ کون سی نئی آزمائش شروع ہو گئی؟" فائز نے آسمان کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھری۔
"سفینہ اچھی لڑکی ہے وہ آپ لوگوں کو خوش رکھے گی۔ اس بارے میں ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچ کر تو دیکھیں۔" فائز نے ماں کا ہاتھ تھام کر پیار سے کہا۔
"خاموش ہو جاؤ۔ مجھے اب مزید کوئی بات نہیں کرنی اور نہ ہی کچھ سوچنا ہے۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" سائرہ تن فن کرتیں وہاں سے اٹھ گئیں۔ فائز نے غصے سے اپنا ہاتھ دیوار پر دے مارا۔ وہ بے بسی کی کیفیت میں الجھتا چلا گیا۔

❁......❁......❁

"بی بی یہ کام تھوڑا مشکل ہے۔" بابا نے مٹکی میں تیرتے گلاب کے پھول کو چھو کر کہا۔ چھوٹے سے کمرے میں پھیلی اگربتی اور پھولوں کی مہک بھی اس عجیب سی دل گھبرانے والی بو پر حاوی نہیں ہو پا رہی تھی، جس نے روحانی علاج گاہ کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔
"بابا! کوئی تو حل ہوگا۔" سائرہ نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا، ان کے چہرے پر مایوسی چھا گئی۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو وہ لمحہ بھر کے لیے بھی یہاں نہ ٹھہرتیں۔
"ہونہہ...... ایک کام ہو سکتا ہے مگر اس میں کچھ خرچہ کرنا پڑے گا۔" بابا نے کچھ دیر سوچنے کے بعد خوش خبری سنائی۔
"ٹھیک ہے آپ کام شروع کریں۔" سائرہ کے چہرے پر اطمینان کی لہر چھائی۔
"سوچ لو ہمیں اس کے لیے اپنے موکلوں کی حاضری کروانی ہوگی۔ یہ ایک بہت خاص عمل ہے۔" مٹکی بابا نے اپنے سامنے بیٹھی سائرہ کو دیکھ کر جھومتے ہوئے کہا۔
"آپ کی بڑی مہربانی ہوگی۔ بس کسی طرح سے میرے بیٹے کا پیچھا اس لڑکی سے چھڑوا دیں۔" سائرہ نے ہاتھ ملتے ہوئے دانت کچکچا کر کہا، وہ آج پکا تہیہ کر کے آئی تھی یہاں سے اپنے مسئلے کا حل لے کر اٹھیں گی۔
"سوچ لو بی بی! اس کام میں زیادہ رقم بھی خرچ ہو سکتی ہے۔" بابا نے اپنی سرخ آنکھوں سے سائرہ کو جانچا۔
"کتنے پیسے خرچ ہوں گے؟" سائرہ نے تھوڑا جھجک کر پوچھا۔
"سب جانتے ہیں کہ ہم سارے عمل اللہ واسطے کرتے ہیں، کام کرنے کا ایک پیسہ بھی نہیں لیتے مگر اب کیوں کہ موکلوں کی حاضری کروانی ہے تو زعفران سے لکھے تعویز جلانے ہوں گے، اصلی مشک و عنبر خریدنا ہوگا اور بھی دیگر لوازمات

سجانے پڑتے ہیں جب جا کر موکلوں کی حاضری ہوتی ہے۔" بابا نے آنکھیں بند کر کے کچھ دیر تک سوچنے کے بعد کہا۔

"اچھا اس میں کتنا خرچہ ہوگا؟" سائرہ نے اب کی بار مرے دل سے پوچھا، وہ جانتی تھی کہ ان چیزوں کی قیمتیں آسمان سے باتیں کررہی ہیں۔

"ویسے تو جتنا گڑ ڈالو نتیجہ اتنا ہی اچھا ہوتا ہے مگر تم کیوں کہ رانی بہن کے ساتھ آئی ہو تو ایسا کرو دس ہزار دے جانا، باقی ہمارے پاس جو پرانا سامان پڑا ہے اسے ہی استعمال میں لے آئیں گے۔" ملکی بابا نے مکاری سے سائرہ کو گھیرا۔

"بابا! یہ پیسے تو بہت زیادہ ہیں۔" سائرہ کے لیے وجہ بتائے بغیر اتنے پیسے جلال خان سے نکلوانا ایک مشکل امر ہوجاتا، اسی لیے وہ تھوڑا الجاحت سے بولی۔

"ایسا کرو ایک اور عمل ہے جس میں ہمیں پوری رات کھڑے ہوکر ایک پڑھائی کرنی ہوگی وہ کروالو ہم اس کے لیے تم سے ایک پیسہ نہیں مانگیں گے۔" بابا نے مکی ہلاتے ہوئے مکاری سے مشورہ دیا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے آپ وہ ہی عمل پڑھ دیں۔" سائرہ یہ سن کر خوش ہوگئی، فوراً ہی رضامندی دے دی۔

"ٹھیک ہے مگر ایک بات کا دھیان رکھنا اگر تمہارا بیٹا ہاتھ سے نکل گیا تو ہم سے آ کر نہ کہنا کیوں کہ اس عمل کی ہم کوئی ذمہ واری نہیں اٹھاتے۔" بابا کی کائیاں پن اور بدفطرتی چہرے سے عیاں ہورہی تھی مگر سائرہ کی آنکھوں پر تو نفرت کی پٹی بندھ چکی تھی کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"ایسا نہ بولیں بابا ٹھیک ہے آپ جیسا چاہیں عمل کریں میں پیسے ادا کردوں گی۔" سائرہ کے دل میں ہول اٹھنے لگے انہوں نے نیم رضامندی سے سر ہلایا۔

"اس وقت تو میرے پاس اتنے ہی روپے ہیں۔" سائرہ نے پرس میں ہاتھ ڈال کر تین ہزار گن کر بابا کے سامنے رکھ دیئے۔ انہوں نے ایک نظر ڈال کر منہ پھیر لیا۔

"دیکھو ہم کسی کو جان بوجھ کر پریشانی میں نہیں ڈالتے۔ یہ پیسے ہمیں نہیں چاہیے کیوں کہ اتنے پیسوں سے کام نہیں چلے گا اٹھالو۔" بابا نے بڑی انکساری سے انکار کیا اور نوٹ ان کے سامنے پھینک دیئے۔

"ٹھیک ہے آپ عمل شروع کریں میں باقی پیسے رانی کے ہاتھ جلد ہی بھجوادوں گی۔" سائرہ نے اٹھتے ہوئے انہیں تسلی دی۔

❁ ❁ ❁

موسم سرما کی اس یخ بستہ رات میں نیند ریحانہ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، انہوں نے سر اٹھا کر شوہر کو دیکھا جو کمپیوٹر ٹیبل کے پاس کرسی بچھائے، آفس کے کسی کام میں مشغول تھے، ریحانہ کا موڈ آف ہوگیا بہزاد نے پروانہ کی اور کی بورڈ پر مہارت سے انگلی چلاتے رہے۔ وہ تھوڑی دیر تک انہیں دیکھتی رہیں مگر جب کوئی رسپونس نہیں ملا تو تکیہ پر سر رکھ کر دوبارہ سونے کی کوششوں میں مصروف ہوگئیں، نیند تو کیا خاک آتی پرانی باتیں ان کے دماغ پر دستک دینے لگیں۔

آہستہ سے پٹ کھولے یادوں کا ایک ہجوم سا بنا کسی روک ٹوک کے اندر داخل ہوتا چلا گیا اپنے بچپن کی معصوم شرارتیں یاد آئیں تو ہنسی آگئی، جوانی کی کھٹی میٹھی سی باتیں پھر بہزاد سے شادی کا ہونا، شرمیلی سی مسکراہٹ لبوں پر چمک گئی۔ جٹھانی کے زیر تسلط گزارے ہوئے دن کیا یاد آئے منہ میں کونین کی گولی گھل گئی پورا وجود کڑوا ہوگیا۔

"میں اپنی بیٹی کو ایسی زندگی بسر نہیں کرنے دوں گی۔" ریحانہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئیں، سانس تیز تیز چلنے لگا۔ کچھ اور نیل ... اٹھ کر شوہر کے پاس گئیں اور ماؤس پر ہاتھ رکھ دیا۔ بہزاد چونکے چشمے کی اوٹ سے بیوی کو گھورا۔

''سب مل کر بلاوجہ ایک بات کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔'' وہ ہمت کر کے بولیں۔
''آپ کا مقصد کیا ہے ذرا کھل کر بیان کریں؟'' بہزاد نے بھنویں اچکا کر بیوی کو تنبیہی نظروں سے گھورا اور سامنے کھلی فائل سیو کرنے کے بعد پوچھا۔
''میں صرف ایک بات کہنا چاہتی ہوں کہ ہماری بیٹی خدانخواستہ لولی لنگڑی یا عیب دار نہیں اور نہ ہی دنیا میں اس کی شادی کے لیے صرف ایک لڑکا فائز ہی بچا ہے۔'' اس بار انہوں نے شوہر کے برابر میں رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے دھیما انداز اختیار کیا اور ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔
''آپ کی بات ٹھیک ہے اس کے باوجود میں سفینہ کی شادی فائز سے ہی کروں گا۔'' بہزاد نے چڑ کر فیصلہ سنایا۔
''کیسے باپ ہیں آپ؟ اپنی بڑی بھابی کے مزاج کو اچھی طرح سے پہچانتے ہیں، انہوں نے ساری عمر میری ناک میں کوڑی پہنا کر رکھی اب سفینہ کو بہو بنا کر اس کی زندگی عذاب کر دیں گی۔ اس کے باوجود اس رشتے پر خوشی منا رہے ہیں۔'' ریحانہ نے شوہر کو گھورتے ہوئے احتجاج کیا۔
''اونہہ آپ کی بات بھابی کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر میری نظر دوسری اہم باتوں پر ہے۔'' بہزاد کی پُرسوچ نگاہیں ان پر اٹھیں۔
''وہ کیا؟'' ریحانہ نے طنز سے پوچھا۔
''آپ یہ کیوں نہیں سوچتی کہ اس گھر میں صرف بھابی ہی نہیں بھائی جان بھی رہتے ہیں جو شروع سے ہم دونوں سے زیادہ سفینہ کو چاہتے آئے ہیں، دوسری بات فائز گھر کا دیکھا بھالا لڑکا ہے۔ ہمیں اس کے لیے کسی قسم کی ضمانت کی ضرورت نہیں ہوگی تیسری اور سب سے اہم بات۔ ہمارے کون سے چھ سات بچے ہیں ایک ہی بیٹی ہے وہ شادی کے بعد ہماری نظروں کے سامنے رہے گی، میں نہیں سمجھتا کہ سفینہ کے لیے کوئی ایسا آئیڈیل گھرانہ آپ ڈھونڈ سکتی ہیں۔'' بہزاد نے ریحانہ کو مثبت پہلو دکھانا چاہا مگر وہ اس معاملے میں کچھ سننے کو تیار نہ تھیں۔
''آپ کچھ بھی کہیں مگر میں سفینہ کی شادی یہاں ہونے نہیں دوں گی یہ ساری خوبیاں بھابی کی بدمزاجی پر بھاری ہیں۔'' ریحانہ نے نروٹھے پن سے ہاتھ اٹھا کر کہا تو بہزاد خان کا غصہ بھی عود آیا۔
''مجھے آپ عورتوں کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے جو ہمیشہ منفی باتوں کو سینے سے چمٹائے مثبت چیزوں کو زندگی سے دور کر دیتی ہیں۔ خیر اس بارے میں ابا جان فیصلہ کر چکے ہیں اس لیے ہمارے کہنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں بچی ہے۔ اب تو آپ بھی نکاح کی تیاریاں شروع کر دیں۔'' بہزاد خان نے فیصلہ سنایا اور پاس رکھا ہوا اخبار اٹھا کر مطالعہ میں مصروف ہو گئے، یہ ایک طرح سے ریحانہ کے لیے اشارہ تھا کہ اب وہ مزید کچھ اور سننا نہیں چاہتے۔
''میں بھی دیکھتی ہوں۔ سفینہ کی شادی میری مرضی کے بغیر کیسے ہوتی ہے؟ یہ لوگ ابھی بھابی کو ٹھیک سے سمجھتے نہیں مگر میں ان کو اچھی طرح سے پہچان گئی ہوں، وہ ایک دن بھی میری بیٹی کو چین سے بسنے نہیں دیں گی۔'' ریحانہ نے ٹیبل پر رکھا ہوا چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پریشانی سے سوچا اور دل میں ایک عزم کیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

سفینہ نے یک ٹک سورج کے ڈوبنے کا منظر دیکھا ایک وہم سا دل میں اٹھا یوں لگا اس کے ساتھ ساتھ ان کی خوشیاں ان کی چاہت بھی ڈوب جائے گی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے تنہائی میں وقت گزارنے کا سوچ کر چھت پر چلی آئی، بادلوں کی اوٹ سے مہتاب نکل آیا جس کی روشنی ہمیشہ اس کے دل کو سکون بخشتی تھی۔ لیکن آج دل اس کی ہر دھڑکن نوحہ الیہ گیت بن کر بکھر رہی تھی۔ وہ ساری باتیں بھول نہیں پا رہی تھی۔ شام کو کتنی خوش خوش تایا ابا کے لیے ان

کی پسند کا گاجر کا حلوہ بنا کر نیچے لے کر گئی مگر وہاں سے حلق تک کڑوی ہو کر لوٹی۔ سفینہ دس بار اس منظر کو اپنے خیالوں کے پردے پر لہرا چکی تھی، گیارھویں دفعہ پھر ان درد بھرے لمحوں کو سوچا اور نئی اذیت کا شکار ہوئی۔

"بس مجھے کچھ اور نہیں سننا تم خود سے اس شادی سے انکار کرو گے ورنہ میرا مرا ہوا چہرہ دیکھنے کے لیے تیار رہنا۔" سائرہ کا لہجہ حد سے زیادہ سرد اور چٹانوں کی سختی لیے ہوئے تھا۔

ٹیرس میں آتی ہوئی سفینہ کے کانوں میں یہ بات پڑی تو وہ اپنی جگہ پہ تھم سی گئی۔ سائرہ کی باتیں اس کے لیے شدید حیرت اور اچنبھے کا باعث بن گئیں۔

"مما! پلیز آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں اگر سفینہ سے میری شادی نہیں ہوئی تو میں مر جاؤں گا۔" فائز ماں کی باتوں پر زچ ہو کر بولا۔

"کوئی کسی کے پیچھے نہیں مرتا ویسے بھی تم اس لڑکی کے لیے اپنی ماں کو جھٹلا رہے ہو۔" سائرہ کے انداز میں حقارت تھی۔

"مما! وہ لڑکی میری کزن بھی ہے۔ اس خاندان کی عزت پلیز اس کا ذکر یوں نہ کریں۔" فائز نے ماں کا ہاتھ تھام کر سمجھانا چاہا مگر انہوں نے جھڑک دیا۔ کشیدگی اب ان دونوں کے چہروں سے عیاں تھی۔ سفینہ کا دل لرزنے لگا۔ ڈرتے ڈرتے ایک نظر تائی اماں کے چہرے پہ ڈالی۔ ان کے چہرے کے پتھریلے تاثرات دیکھ کر وہ ہلدی کی طرح زرد پڑ گئی۔

"اچھا ہوا تم نے ہماری باتیں سن لیں۔" سائرہ اندر جانے کے لیے مڑیں تو سفینہ کو سامنے کھڑا دیکھ کر ان کے چہرے پر ناگواری کے گہرے تاثرات ابھر آئے۔

"وہ...... یہ...... حلوہ......" اس نے گھبرا کر پیالہ آگے کیا۔

"ایک بار کان کھول کر سن لو تم جو میری بہو بننے کے خواب دیکھ رہی ہو یہ بات خواب ہی رہے گی میں اسے کبھی بھی حقیقت بننے نہیں دوں گی، کم از کم اپنی زندگی میں تو نہیں۔" سائرہ نے ہاتھ اٹھا کر اسے وارننگ دی اور دھڑ دھڑ کرتی اندر چلی گئیں۔ ایسی غیر متوقع بات سن کر وہ دونوں چپ ہی رہ گئے۔

"سفینہ! وہ۔" اسے یوں دم سادھے کھڑا دیکھ کر فائز کا وجود شرمندگی کی عمیق کھائی میں گرتا چلا گیا۔

"فائز صاحب! آپ نے تائی اماں کا فیصلہ سن لیا، امید ہے کہ اس معاملے پر مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔" اس نے فائز کی بات کاٹتے ہوئے دھیمے لیکن سرد لہجے میں باور کرایا۔

فائز کا ندامت سے جھکا ہوا سر دیکھ کر اگرچہ سفینہ کو افسوس ہوا لیکن اس نے اپنے رویے میں کسی قسم کی لچک ظاہر نہ ہونے دی۔ سائرہ جلال کی باتوں سے اس کے دل پر جو چرکے لگے تھے، ان سے اٹھنے والی ٹیسوں نے اس کے وجود کو بے حال کر دیا وہ اس سے کتراتی اوپر جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ یہی وجہ تھی جو سفینہ نے اپنی محبت کو دل کے نہاں خانوں میں مقید کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ اس فیصلے پہ زخم زخم ہوئی پر اس نے گلابی لبوں کو سختی سے بھینچ کر اپنے جذبوں کو اندر ہی اندر کہیں کچل دیا۔

⁂ ⁂ ⁂

"تم جا کر بابا کو یہ پیسے دے دینا اور بتانا میرے حالات دن بہ دن بگڑتے جا رہے ہیں، بیٹا مجھ سے دو دن سے بات نہیں کر رہا اس لیے ان کو جو عمل بھی کرنا ہے وہ ذرا جلدی کر لیں۔" سائرہ لشتم پشتم ماں کے گھر پہنچی اور فوراً رانی کو کمرے میں بلا کر ہدایت دی۔ رانی نے ہزار ہزار کے سات نئے نوٹوں کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

"باجی آپ فکر ہی نہ کرو میں آج ہی جا کر دے آؤں گی۔" رانی نے دانت نکالتے ہوئے پیسے اپنی مٹھی میں دبائے۔

”رانی ایک بات تو بتاؤ یہ بابا قابل اعتبار تو ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ پیسے بھی رکھ لیں اور میرا کوئی کام بھی نہ ہو۔“ ان کے خدشے زبان تک آہی گئے۔

”باجی توبہ کرو جلدی سے اللہ والے لوگ ہیں۔ ان پر شک کرنا گناہ ہے کیوں اپنی شامت کو آواز دیتی ہو۔ دیکھا نہیں انہوں نے اپنے آستانہ کا نام ”روحانی علاج گاہ“ رکھا ہے۔ وہ دکھی لوگوں کے زخموں کا علاج کرتے ہیں۔“ رانی نے جلدی سے گال پیٹتے ہوئے سائرہ کو تنبیہ کرتے ہوئے بات بنائی۔

”میرا مطلب وہ نہیں تھا مگر پھر بھی اتنے پیسے؟“ سائرہ ایک دم گڑبڑا ئیں۔

”باجی......وہ تو بڑے نیک ہیں ہزاروں لوگ ان کے در کے مرید ہیں کوئی تم ایک نہیں ہو ویسے بھی وہ کسی سے کوئی ہدیہ نہیں مانگتے۔“ اس نے منہ بگاڑ کر اپنے بابا کی حمایت میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

”اصل میں بڑی مشکلوں سے اتنے پیسوں کا انتظام کیا ہے اس لیے پوچھ رہی ہوں۔“ سائرہ نے اب کی دفعہ صاف گوئی اپنائی۔

”آپ کو کیا کمی ہے۔ ماشاءاللہ بھائی صاحب کے پاس اتنا پیسہ ہے پھر کاہے کی پریشانی؟“ رانی نے سائرہ کا موڈ خراب ہوتے دیکھا تو چاپلوسی سے کام لیا۔

”تیرا دماغ تو خراب نہیں داماد جی سے تو یہ ساری بات چھپانی ہے اسی لیے تو بیچاری ان کے علم میں لائے بغیر یہاں سے چھپ کر بابا کے پاس جاتی ہے۔ ان حالات میں بھلا پیسے کیسے مانگ سکتی ہے؟“ دلشاد بانو جو ابھی نہا کر باہر نکلی تھیں' بالوں کو تولیہ سے جھاڑنے کے ساتھ نوکرانی کو بھی جھاڑ پلائی۔

”اب یہ باتیں میں کیا جانوں مجھے تو صرف اتنا پتا ہے کہ بابا آپ کے کام کے لیے مؤکل کو بلانے کا خرچہ لے رہے ہیں بس آپ کو اعتماد نہیں تو کام رکوا دیں۔“ رانی نے بظاہر بے اعتنائی سے کہا۔

”اگر اتنی مجبوری نہ ہوتی تو میں ان عاملوں کے چکر میں پڑتی ہی نہیں۔ خیر تم جا کر ان سے کہنا وہ کام تو شروع کریں اور اپنے عمل سے میرے بچے کا پیچھا اس سفینہ سے چھڑوا دیں۔“ سائرہ نے بیزار ہو کر کہا تو رانی سر ہلاتی ہوئی وہاں سے رفو چکر ہوگئی، اس کے دل میں ڈر پیدا ہوا کہ کہیں باجی اپنا ارادہ نہ بدل ڈالیں اور اس کا کمیشن مارا جائے۔

❁......✹......❁

کتنے دن گزر گئے مگر فائز کا غصہ کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا، بے چینی حد سے بڑھنے لگی تو وہ بائیک کی چابی اٹھا کر باہر نکل گیا۔ بہت دیر تک وہ یونہی سڑکوں پہ بے مقصد آوارہ گردی کرتا رہا۔ اس کے انگلینڈ جانے والا معاملہ بھی فی الحال التواء میں پڑا ہوا تھا، اگر دوست کے پاس سے کوئی جواب آ جاتا تو وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر باہر ہی نکل جاتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو بائیک روکی اور اپنا سیل فون نکال کر سفینہ کا نمبر ملایا۔

”سفینہ! پلیز فون پک کرو۔“ وہ بڑبڑایا مسلسل بیل جا رہی تھی مگر کال پک نہیں کی گئی۔

”اگر چچی جان نے فون اٹھا لیا تو کیا بہانہ بناؤں گا۔“ یہ سوچتے ہوئے فائز کے دل کی دھڑکنوں میں تیزی آ گئی۔

”ہیلو......!“ سفینہ کا دکھی لہجہ اور بھیگی آواز اس کے دل کو چیر گئی۔ اس نے ضبط کی حدوں تک جاتے ہوئے اپنے لب بھینچے۔

”کیسی ہو؟ دو دن سے کہاں غائب ہو بات کرنا تو دور کی بات یار تمہاری صورت دیکھنے کو بھی ترس گیا ہوں۔“ اس کا لہجہ محبت سے چور تھا۔

”سمجھنے کی کوشش کریں اس طرح سے فون کر کے میری مشکلوں کو مزید مت بڑھائیں۔“ وہ ایک دم

اکھڑی ہوئی تھی۔
''تمہاری ناراضگی برداشت نہیں ہورہی سفی مان جاؤ یار۔'' وہ بے بس ہوکر درخواست کرنے لگا۔
''پلیز...... میں نے بڑی ہمت جمع کرتے ہوئے خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے ہیں۔'' اس بار وہ بے بس ہوکر رو دی۔
''سفینہ! اپنا فیصلہ بدل دو مجھ سے جدائی سہی نہیں جارہی۔ میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتا۔'' فائز نے تڑپ کر التجا کی لہجے میں بے بسی کی کیفیت نمایاں تھی۔
''نہیں اب کچھ نہیں ہوسکتا' میں نے اٹل فیصلہ کرلیا ہے۔ تائی اماں کی باتوں سے مجھے اندازہ ہوگیا کہ ہم کبھی ایک نہیں ہوسکتے۔ ہمارا ساتھ ممکن نہیں ہے آپ سمجھتے کیوں نہیں؟ ایک کی محبت کے پیچھے اتنے لوگوں کی ناراضگی سہنا مشکل امر ہے۔'' سفینہ نے خود پر مضبوط کرتے ہوئے جواب دیا۔
''اگر مما نے کچھ برا بھلا بول دیا ہے تو اس میں میرا کیا قصور؟ تم ان کی عادت کو اچھی طرح سے جانتی ہو۔ تم اگر اس ایک بات کو جواز بنا کر مجھے رد کروگی تو یہ میرے ساتھ زیادتی ہوگی۔'' اب وہ تھوڑا مشتعل ہوکر اس پہ برس پڑا۔
''مجھے اس بارے میں مزید کچھ نہیں سننا۔'' سفینہ اس کے یوں طیش میں آنے پہ ایک پل کو خائف ہوئی پھر دل کڑا کرکے نروٹھے لہجے میں بات کرنا چاہی۔
''سفی یہ فیصلہ کرکے تم میرے ساتھ ساتھ خود پہ بھی ظلم کروگی۔ یہ مخالفت میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی کیوں یہ سارے ہمارے اپنے ہیں اور ہم دونوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ زیادہ دن تک ناراض نہیں رہ سکتے۔ ابھی حالات بھلے ہمارے خلاف ہوں مگر ایک نہ ایک دن سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔ مجھے بھی صحیح وقت کا انتظار ہے۔ تم بس مجھ پہ اعتبار کرو۔'' وہ دھیرے دھیرے اسے سمجھانے کی کوشش کرتا رہا۔
''میں فون رکھ رہی ہوں۔'' سفینہ نے قطعیت سے کہا اس بار نہ جانے کیوں وہ اتنی ضدی ہوگئی اس کی نہ ہاں میں نہیں بدلی۔
وہ اسے سمجھا سمجھا کر تھک گیا تھا لیکن سفینہ کچھ سننے اور سمجھنے کو تیار نہ ہوئی۔ اس کے انکار اور ضد نے فائز کو اس حد تک زچ کردیا کہ وہ ایک دم سے مشتعل ہوگیا۔
''سفینہ...... جسٹ شٹ اپ تم فون رکھ کر دیکھو۔'' فائز بائیک کو ٹھوکر مار کر چلایا، غصے سے اس کی آواز پھٹ گئی۔ غم و غصے کی شدید لہر نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔
''اگر میں نے فون رکھ دیا تو؟'' سفینہ نے چڑ کر پوچھا۔
''تو......'' وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک دم سوچ میں پڑ گیا۔
''کیا کریں گے بولیں۔'' سفینہ کا انداز چڑانے والا ہوا۔
''میں پوری رات اس کڑکتی سردی کے باوجود لان میں دھرنا دوں گا۔'' وہ ایک دم بچوں کی طرح بولا، سفینہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
اس نے سیل فون کو دیکھا اور لائن کاٹ دی۔ دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔ اب ایک دوسرے سے مخاطب نہ ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے حال سے باخبر تھے۔ علیحدگی اختیار کرنا کوئی کار آسان نہیں۔

❁......❁......❁

وہ پردے برابر کرنے کے ارادے سے کھڑکی کی جانب بڑھی اسے لان میں کوئی ہیولا سا محسوس ہوا جھانک کر دیکھا

تو فائز گھاس پر لیٹا دکھائی دیا۔ اس کے دل پر جیسے گھونسا پڑا، منہ سے ایک آہ سی نکلی۔ اس کا نازک اندام وجود اضطراب میں مبتلا ہوگیا۔

"فائز مجھے اذیت دینے کے لیے جان بوجھ کر ایسا کررہے ہیں۔ وہ جانتے ہیں میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی......" سفینہ نے اپنی کنپٹیاں دونوں ہاتھوں سے دبائیں۔

"میں کیا کروں فائز کو چھوڑنا آسان کام نہیں۔" اس نے دوبارہ کھڑکی سے نیچے جھانکا وہ لان میں ایک ہی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔

"میری باتوں کے جواب میں انہوں نے خاموش احتجاج کا ایک نیا طریقہ ڈھونڈ نکالا ہے۔" سفینہ نے بے چین ہوکر اسے دیکھ کر سوچا۔

فائز بلو جینز اور فان ہاف سلیوز کی ٹی شرٹ پہنے ہوا تھا۔ اس کا سردی سے بری طرح سے ٹھٹھرنا سفینہ نے اپنے گرم کمرے میں بھی محسوس کیا اور ایک جھرجھری سی لی۔

"نرمی، پھولوں اور خوش بو کے بغیر تو جینا آسان ہے مگر فائز کے بناء جینا ہرگز نہیں۔" سفینہ کے بے رونق چہرے پر محبت کا نور پھیلتا چلا گیا۔ وہ ایک دم اتنی خوب صورت لگنے لگی کہ فائز نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اتنی دور سے بھی اس کی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔

"اتنی ٹھنڈ میں تو صبح تک آپ کی قلفی جم جائے گی۔" ایک بار پھر اس نے بڑی یاس سے نیچے دیکھا اور قدرے جھک کر فائز سے کہا مگر آواز اس تک نہ پہنچ سکی ہوا کے دوش پر کہیں کھوگئی۔ لان کی سرسبز گھاس پر وہ چت لیٹا ہوا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ سفینہ نے وہاں سے اٹھنے کا اشارہ بھی کیا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا اور ضدی بنا پڑا رہا۔

"کیا ہماری زندگی یونہی روٹھنے منانے میں گزر جائے گی۔" سفینہ نے اپنی ہچکیاں سینے میں گھونٹتے ہوئے سوچا اس کا ضبط جواب دینے لگا اور پھر وہ مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر پہلے سے بھی زیادہ آہستگی اور احتیاط کے ساتھ اپنا ٹیڈی اٹھا کر باہر نکل آئی۔ سیڑھیاں اتر کر لان کی جانب بڑھی۔ ہر سو خاموشی چھائی ہوئی تھی سب اپنے اپنے کمروں میں خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔ اس نے شکر ادا کیا۔ فائز نے نگاہ اٹھا کر دیکھا، وہ سرخ اور سیاہ امتزاج کے لباس میں اپنا لمبا سیاہ دوپٹہ گھسیٹتی ہوئی اس کے قریب پہنچ کر بے ساختہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔

"یہ کیا حرکت ہے ہاں۔" اس نے اپنی پھولی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے ٹیڈی سے اس کی پٹائی شروع کردی۔ وہ ایک دم ہنسا تو سفینہ بھی اپنے سیاہ بالوں کو چہرے سے ایک طرف ہٹاتے ہوئے مسکرادی۔ فائز کی محبت اس کی ناراضگی پر بھاری پڑی جب ہی وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر یہاں چلی آئی۔

"شاید بدلی سے چاند نکلنا اسی کو کہتے ہیں۔" وہ کھوسا گیا اونچے درختوں سے چھن کر آتی ہوئی چاندنی نے سفینہ کے وجود کو جیسے بقعہ نور بنادیا تھا بل کھاتی لٹیں سنہری آنکھوں کا جادو، گلابی لبوں کا کپکپانا فائز نے خود پر قابو پانے کے لیے اس کا شیفون کا دوپٹا اپنے چہرے پر اوڑھ لیا۔

"چلیں اٹھ جائیں کیا رات بھر ایسے ہی پڑے رہنے کا ارادہ ہے؟" سفینہ نے تھوڑی دیر بعد اپنا دوپٹہ کھینچا۔

جانے کیا ہوا سفینہ کا دل فائز کا ہاتھ تھام کر جی بھر کے رونے کو بے قرار ہوگیا مگر وہ ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتی چلی گئی۔ اس بار لگتا تھا آنسوؤں نے بھی بہنے سے انکار کردینا ہے ایک وحشت سی تھی جو پورے وجود پر چھائی چلی گئی۔

"اف کہیں بیمار نہ ہوجائیں۔" اب منانے کی باری سفینہ کی تھی، وہ جان کر منہ بنا کر لیٹا رہا۔

"تم اس وقت یہاں کیوں آئی ہو؟ جاکر آرام سے سوجاتی۔" فائز نے تھوڑی سی ناراضگی دکھائی۔ اس کا زندگی دینے

والا، ہاتھوں کا لمس، دل کے زخموں پر مرہم لگا۔

”ہا.....ہا.....“ سفینہ کی خوش بو کا احساس فائز کے اردگرد پھیلتا چلا گیا، اس کا منتشر ہوتا ذہن پرسکون ہونے لگا۔

”فائز اگر کسی نے ہم دونوں کو اتنی رات کو ایسے لان میں بیٹھا دیکھ لیا تو صبح تک ایک نیا طوفان خان ہاؤس کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔“ سفینہ نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا اور پیار سے سمجھانا چاہا۔

”او کے میں جارہی ہوں۔“ وہ کھڑی ہوگئی اور اس کے مضبوط شانے پر نزاکت سے انگلی چھو کر دھمکی دی۔

”سنو! ایک بات مانو گی۔“ فائز نے سرخ ہوتی آنکھوں سے کچھ لمحے اپنی محبت کو دیکھا پھر مزے سے سوال کیا۔

”ہاں بولیں۔“ سفینہ نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔

”یہاں میرے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاؤ نا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ رات کی خوب صورت تنہائی صرف تم اور میں۔“ فائز نے بڑی لگاوٹ سے اس کا مرمریں ہاتھ تھام کر بچوں کی طرح فرمائش کی۔ وہ منع کرنا چاہ رہی تھی پھر اس کے خوبرو چہرے پر نگاہ ڈالی جہاں اشتیاق کا ایک جہاں آباد نظر آیا اب دل توڑنا مشکل ہوگیا۔

”صرف دس منٹ او کے۔“ سفینہ نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے لہراتے ہوئے وارننگ دی اور بنا ناز نخرے دکھائے، وہیں گیلی گھاس پر بیٹھ گئی۔

کتنے دنوں بعد انہوں نے اتنے سکون سے ایک ساتھ ہوا کی تازگی اپنے اندر اترتی محسوس کی۔ سر اونچا کر کے خنک دھندلے آسمان کو مسکراتی نگاہوں سے دیکھا۔ فضاؤں پر اندھیرے اجالے کی ملی جلی کیفیت طاری تھی، آسمان پر کہیں کہیں اکا دکا ٹمٹماتے تاروں کو دونوں نے ایک ساتھ گردن اٹھا کر دیکھا۔ مسرت اور آسودگی کا احساس ان دونوں کے وجود پر حاوی ہوگیا۔ کچھ دیر کے لیے ہی سہی مگر ان کا وجود بھی سکون کا گہوارہ بن گیا۔

❀......❀......❀

چائے کا پانی لینے لگا تو سائرہ نے اس میں ناپ کر چمچی سے پتی کی مخصوص مقدار ڈالی اور ابال آنے پر ڈھک کر تاب بند کردی۔ اب وہ دوسری طرف متوجہ تھیں، ہنڈیا سے چھن چھن کی آواز آنے لگی مسالہ بھننے پر آگیا تھا انہوں نے تھوڑا پانی ڈال کر آنچ ہلکی کی۔ چائے کی خوش بو اور مسالے کی تیز مہک ایک ساتھ کچن کی فضاؤں میں پھیل اٹھی۔ سائرہ نے چائے پینے کے بعد قیمہ کی بالز بنانے کا ارادہ کیا اسی لیے کوفتہ کا قیمہ فریج سے نکال کر باہر رکھا۔ دراصل آج وہ بیٹے کا موڈ ٹھیک کرنے کے لیے نرگسی کوفتوں کا سالن اور مٹر پلاؤ پکا رہی تھی، کل رات ہی ماں بیٹے کی ایک بار پھر جھڑپ ہوئی تھی۔ فائز ماں کو اس شادی کے لیے منانا چاہ رہا تھا مگر انہوں نے اس کی ایک بن کر نہیں دی، آخر وہ ناراض ہو کر گھر سے باہر چلا گیا۔

سائرہ اس کے انتظار میں جاگتی رہیں، جناب کی رات گئے واپسی ہوئی تب بھی منہ پھولا رہا رات کا کھانا بھی نہیں کھایا اور صبح ان کے اٹھنے سے پہلے ہی گھر سے نکل گیا۔ وہ اس کی خاموشی کے آگے جیسے ہارنے سی لگیں کچھ بھی سہی سائرہ تھی تو ایک ماں ہی نا۔ بیٹے کی اس حالت پر دل دکھنے لگا مگر دوسری طرف سوچتی تو غصہ عود آتا وہ خود اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھیں۔

”میں سفینہ کا نام سننے کو تیار نہیں ہوں اور صاحب زادے کو دنیا میں اس کے سوا کوئی دوسرا نام بھاتا ہی نہیں۔“ انہوں نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بے خیالی میں بڑے والے مگ کو گرما گرم چائے سے لبالب بھر لیا۔

”اگر واقعی ابا جان اپنی کہی ہوئی بات کو سچ کر دکھانے کے لیے اس شادی پر اڑ گئے اور ان دونوں کا جلد ہی نکاح پڑھوا دیا تو پھر کیا بنے گا؟ ریحانہ تو پوری برادری میں ناک اونچی کر کے فخر سے ناچتی پھرے گی اور یہ فائز جو پہلے ہی اس لڑکی

نور الھدیٰ مغل

تمام ریڈرز رائٹرز اینڈ آنچل اسٹاف کو نہایت ادب واحترام سے پیار بھرا السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! ہاں جی میرا نام تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں 14 نومبر 2000ء فجر کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتیں برکتیں اترتے وقت ہم بھی اپنے والدین اہل وعیال کے لیے رحمت بن کر اس دنیا میں تشریف فرما ہوئے۔ اس لحاظ سے ہمارا اسٹار عقرب ہے اس اسٹار کی تمام خوبیاں اور خامیاں مجھ میں موجود ہیں۔ ہم اللہ کے فضل وکرم سے چھ بھائی اور چار بہنیں ہیں اور میرا نمبر سب سے لاسٹ میں آتا ہے سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے گھر بھر کی لاڈلی ہوں سب سے ناز نخرے اٹھوانا اور سب سے اپنی فرمائشیں پوری کروانا بہت اچھا لگتا ہے۔ کھانے میں چائنیز اور چکن کڑھائی بہت پسند ہے لباس میں فراک چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا آنچل بے حد پسند ہے۔ موسم بہار کا پھول موتیا اور گلاب پسند ہے بقول بہنوں کے خوبیاں ڈھونڈنے سے نہیں ملتیں مجھ میں ہاں خامیاں بہت ہیں جس میں سرفہرست نماز پابندی سے نہ پڑھنا اور اسکول کی چھٹیاں کرنا بے وقت کا سونا شامل ہیں۔ جلد خفا ہوجانا پھر جلدی مان جانا خفا ہو کر کمبل منہ پر تانے گھنٹوں لیٹے رہنا خاص طور پر غصہ اس وقت آتا ہے جب ڈائجسٹ آئے اور بڑی بہنوں کے پڑھنے کے بعد مجھے لاسٹ میں پڑھنے کو ملے۔ میری خواہش ہے کہ میں اردو ادب میں ماسٹرز کروں اور ایک اچھی اور بہترین لکھاریوں کی فہرست میں شامل ہوجاؤں میرا تعارف کیسا لگا اپنی رائے سے ضرور آگاہ کیجیے گا۔ ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اجازت دیجیے فی امان اللہ۔

کے دام میں گرفتار ہے ماں کو بھول بھال جورو کا غلام بن جائے گا؟'' سوالات کا ایک بہاؤ سا تھا جس میں وہ بہتی چلی گئی مگر جواب کون دیتا پھر ایک حل سوجھا۔

''میں ایک بار ابا جان سے بات تو کر کے دیکھوں گی شاید وہ مان جائیں۔'' سائرہ نے خود کو تسلی دی۔ دل کو تھوڑا اطمینان ہوا تو کیبنٹ سے اپنے پسند کا بسکٹ کا پیکٹ نکالا۔ وہ بھی صبح ڈھنگ سے ناشتہ نہیں کر پائیں تھیں ہر نوالے پر بیٹے کا خیال آتا رہا۔ پیکٹ کھول کر ابھی پہلا بسکٹ منہ میں رکھا ہی تھا کہ بیل بڑی زور سے بجی۔ انہوں نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر گیٹ کی طرف دیکھا تھا جو سامنے سے باآسانی دکھائی دیتا تھا۔

''اس وقت کون آگیا؟'' سائرہ نے خود کلامی کی بیل اب بھی بج رہی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی اطلاعی گھنٹی پر ہاتھ رکھ کر بھول گیا ہو۔

''کہیں ابا جان تو مرزا صاحب کے گھر سے نہیں لوٹ آئے؟'' سائرہ نے گھبرا کر چائے کا مگ سائیڈ میں رکھ کر سوچا۔

''نہیں وہ بھلا اتنی جلدی کہاں آنے والے ہیں جب بھی اپنے دوست کی طرف جاتے ہیں دو تین گھنٹے گزار کر آتے ہیں۔ ویسے بھی سب کی طرح ان کے پاس بھی تو مین ڈور کے آٹو میٹک لاک کی چابی ہے۔ اگر آگئے ہوتے تو چابی سے گیٹ کھول کر اندر آجاتے۔'' ایسی بدتہذیبی سے بیل نہیں بجاتے رہتے یہ تو کوئی ریحانہ کا میکے والا لگ رہا ہے، ان لوگوں کو ہی تمیز نہیں۔'' وہ جو سسر کا سوچ کر تھوڑا تشویش میں مبتلا ہوئی، کاندھے اچکا کر دوبارہ اپنی چائے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ بیل ایک بار پھر زور سے بجنے لگی ان کا منہ بن گیا۔

''ہم کوئی سب کے نوکر ہیں جو دوڑ دوڑ کر دروازہ کھولتے رہیں، ان مہارانی کے تو مزے ہیں خود تو اوپر شفٹ ہوگئی، ہمیں نیچے ہر چیز کا نگراں بنادیا، پانی کی موٹر چلاؤ، میٹر چیک کراؤ، چندہ مانگنے والوں کو بھگتو، فقیروں سے نمٹو اونہہ۔'' سائرہ نے نخوت سے اوپر والی منزل کو گھورا اور کاندھے اچکا کر بسکٹ کترنے لگیں۔ اتنے میں ریحانہ تیز تیز سیڑھیاں اتر

کر دروازے کی جانب بڑھیں۔

سفینہ نے ماں کی طرف عجیب انداز میں دیکھا ریحانہ نے سہارا دے کر اس کو بیڈ پر لٹایا، وہ چپ چاپ بستر پر چت لیٹ گئی۔ ریحانہ کے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک سفینہ کو ہوا کیا ہے۔

"سفینہ! آنکھیں کھولو بیٹا! کچھ تو بولو۔" ریحانہ بیٹی پر جھکی اسے بار بار پکار رہی تھی۔ ریحانہ نے بیٹی کی بند آنکھیں' کانپتے ہوئے ہونٹوں اور پھڑکتی ہوئی کنپٹیوں کو بڑی اچنتی نظر سے دیکھا اور پریشانی سے اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر رکھ دیا۔ سفینہ کا ماتھا جل رہا تھا' اس کا سارا جسم بخار کی تیز حدت سے آگ بنا ہوا تھا۔ صبح وہ اچھی بھلی کالج گئی مگر دوپہر میں واپس آئی تو اس کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔

"امی...... امی...... وہ...... میرے پیچھے لگ گیا تھا۔" سفینہ سر ادھر ادھر پٹختے ہوئے بڑبڑائی۔

"بیٹا! ذرا حوصلہ پکڑو' مجھے بتاؤ تو کیا ہوا ہے' کون پیچھے پڑ گیا تھا؟" ریحانہ نے اس کی آگ ہوتی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا اور جھک کر دلاسہ دینا چاہا۔

ماں کی آواز پر اس نے سر ہلایا کوشش کے باوجود آنکھیں نہیں کھول پائی۔ اسے محسوس ہوا جیسے' پلکیں ایک دم بھاری بوجھ تلے دب گئی ہوں سر میں الگ ٹیسیں اٹھ رہی تھی۔

"سفینہ بیٹا! یہ ایک گھونٹ پانی کا پی لو۔" ریحانہ نے اس کا سر اونچا کر کے پانی پلانے کی کوشش کی مگر وہ باچھوں سے بہتا ہوا اس کی قمیص کو تر کر گیا۔ ریحانہ بیٹی کی حالت پر ایک دم زور زور سے رونے لگی۔

سفینہ کا اپنے اوپر سے جیسے اختیار ختم ہو گیا تھا، نہ خود کا ہوش تھا نہ ماں کے رونے دھونے کا۔ ایسی حالت میں وہی خوف ناک منظر آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ جب وہ اپنے گھر کی سنسان گلی میں داخل ہوئی۔ ایک کتا سامنے سے نمودار ہوا، اس کی سرخ لٹکتی زبان اور زرد چمکتی آنکھیں، وہ تیزی سے سفینہ کی جانب لپکا، اس کا دل ایک دم سکڑا، یوں لگا جیسے وہ اپنے بڑے بڑے دانتوں سے اسے بھنبھوڑ ڈالے گا۔

"یا اللہ مدد یہ کیسی بلا میرے پیچھے پڑ گئی۔" وہ زیر لب دعا پڑھتی ہوئی خوف زدہ ہو کر وہاں سے سرپٹ بھاگی، ایسا لگا جیسے وہ جانور بھی اس کے پیچھے بھاگا ہو، اس نے اپنے پیچھے باقاعدہ بھونکنے کی کریہہ آواز سنی۔

"میرے مالک! مجھے بچا لے۔" اس نے دل ہی دل میں اپنے رب کو پکارا۔ بھاگتے ہوئے تو ایک لمحہ تو ایسا آیا جب اسے محسوس ہوا کہ اب وہ اس کتے کے نوکیلے دانتوں کی زد پر ہو مگر شکر ہے وہ گھر کے دروازے تک جا پہنچی۔ اس کی سانس بری طرح سے پھول رہی تھی، ایک منٹ ٹھہر کر اسے بحال کیا اور دوسرے ہی لمحے بیل پر انگلی رکھ دی اس وقت تک نہ ہٹائی جب تک ماں نے دروازہ نہیں کھولا۔ اندر قدم رکھتے ہوئے ڈرتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا مگر کوئی نہ تھا، گلی معمول کے مطابق سنسان اور پرسکون دکھائی دی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)

حریم الیاس

''جنت کی حوریں اور سارے فرشتے
پلکیں بچھائے راہ تکتے ہوں گے
جنت میں آج رونق ہوگی
میرے وطن کے پھول وہاں پہنچتے ہوں گے

15 دسمبر 2014......8:30 pm

''کیپٹن بلال ہیئر' حملہ کروں سر؟'' دس سالہ بلال نے کشن کو جہاز کے ہینڈل کی طرح گھماتے ہوئے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

''نہیں ابھی نہیں......'' بلال کے چھوٹے بھائی ابدال نے اس ہی کی طرح تقریباً چیختے ہوئے کہا تھا۔

''لیکن دشمن ہم پر حملہ کرنے والا ہے' میں ان کو چھوڑوں گا نہیں۔'' بلال نے جیسے ابدال کو اکسایا تھا تاکہ وہ حملے کا حکم دے۔

''لیکن میں منع کررہا ہوں نا۔'' ابدال نے اس بار جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''تم میرے ساتھ یہ ہی کرتے ہو۔'' بلال نے کان سے کمپیوٹر میں استعمال ہونے والا ہیڈ فون اتار کر پھینکا جسے وہ پائلٹ کے ہیڈ فون کے طور پر استعمال کررہا تھا۔

''اس لیے میں کہتا ہوں مجھے یہ پائلٹ والا نہیں کھیلنا۔'' ابدال نے ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

''مجھے ڈاکٹر والا کھیل اچھا لگتا ہے۔'' اس نے مزید کہا۔

''ڈاکٹر والا کھیل کل کھیلا تو تھا نا۔'' بلال نے اپنے سے ایک سال چھوٹے بھائی کو مناتے ہوئے کہا۔

''پر بھائی! مجھے آج بھی وہ ہی کھیلنا تھا۔'' ابدال نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''اچھا آؤ وہ ہی کھیلتے ہیں۔'' بلال نے دوستانہ انداز میں کہا۔

''کیا بدمعاشیاں ہورہی ہیں؟'' کیپٹن شہریار نے کمرے کے دروازے سے داخل ہوتے ہوئے پوچھا اور ساتھ ہی طائرانہ نظر کمرے کی ابتر حالت پر ڈالی جو اُن دونوں کی دھینگا مشتی کے بعد واقعتاً میدان جنگ کا منظر پیش کررہا تھا۔

''بابا! بھائی ہمیشہ مجھے کمانڈو بنا دیتا ہے اور خود پائلٹ بن کر جہاز پر بیٹھ جاتا ہے۔'' ابدال نے بلال کو بولنے کا موقع دیئے بغیر ہی شکایت لگائی۔

شہریار کئی باران دونوں کے درمیان ہونے والی اس لڑائی کو حل کرواچکا تھا لیکن آج بھی موضوع لڑائی یہ ہی تھا۔ وہ ہنستے ہوئے دونوں کو ساتھ لے کر صوفہ پر بیٹھ گیا۔

''اچھا تو کیا آپ کو پائلٹ بننا ہوتا ہے؟'' شہریار نے ابدال کو اپنے اور قریب کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں مجھے تو ڈاکٹر بننا ہے۔'' ابدال نے اس بار اطمینان سے جواب دیا۔

''اور میں فوجی بنوں گا آپ کی طرح لیکن آرمی میں نہیں ایئر فورس میں جاؤں گا۔'' بلال نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''اچھا ٹھیک ہے آپ فلائیر بننا۔'' شہریار نے بلال کے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''اور آپ ڈاکٹر بن کر زخمی فوجیوں کی دیکھ بھال کرنا۔'' اب اس نے ابدال کے سینے پر شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے کہا۔

''بابا کیا فوجی کو بھی چوٹ لگتی ہے؟ کیا وہ بھی زخمی ہوجاتے ہیں؟'' بلال نے بے یقینی سے سوال کیا۔

''جی بیٹا! کبھی کبھی دشمن اس طرح وار کرتا ہے کہ فوجی بھی زخمی ہوجاتا ہے' اسے بھی چوٹ لگ جاتی ہے

پھر اسے درد بھی ہوتا ہے اور تکلیف بھی لیکن وہ ہار نہیں مانتا' سنبھلتا ہے اور کھڑے ہوکر دشمن کا مقابلہ کرتا ہے۔'' شہریار نے آہستگی سے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں غور سے اپنے بابا کو سنتے رہے۔

''اچھا آپ لوگوں کو معلوم ہے نا بابا کل ملتان جارہے ہیں' آپ لوگ ماما کو تنگ نہیں کرنا۔'' شہریار نے اچانک یاد آنے پر موضوع کو تبدیل کیا۔

وہ پاکستان آرمی میں کیپٹن تھا' کام کی نوعیت کی وجہ سے اس کا تبادلہ مختلف شہروں میں ہوتا رہتا آج کل وہ اپنے شہر پشاور میں ہی تھا لیکن اسے اچانک ملتان ٹرانسفر کردیا گیا تھا۔

''نہیں تنگ کریں گے۔'' دونوں نے یک زبان ہوکر کہا۔

''گڈ بوائز......'' شہریار نے دونوں کو چمکارتے ہوئے کہا۔

''سارہ بھئی اب کھانا لگادو۔'' شہریار نے اپنی بیوی کو آواز لگائی۔

''جی لگارہی ہوں۔'' کچن کی طرف سے سارہ کی آواز آئی۔
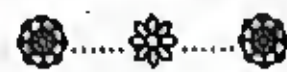
15 دسمبر 2014......9:40 pm

''تم دونوں نے اپنا ہوم ورک مکمل کرلیا؟'' منزہ نے اپنی چھوٹی بیٹی ماہم کو گود میں لیا اور دونوں بیٹوں سے استفسار کیا' جو ٹی وی دیکھنے میں مشغول تھے۔

''جی میں نے کرلیا۔'' چھوٹے علی نے جواب دیا' بڑا ولی ہنوز ٹی وی پر نظریں جمائے کارٹون دیکھنے میں غرق تھا۔

''ولی تم نے؟'' منزہ نے اب بلاواسطہ ولی سے پوچھا۔

''جی۔'' اس نے مختصر جواب دیا' نظریں اب بھی ٹی وی پر تھیں۔

''چودہ سال کے ہوگئے ہو پھر بھی چھوٹے بچوں کی طرح کارٹون دیکھتے ہو۔'' منزہ نے بیٹے کی محویت توڑنے کی کوشش کی تھی۔

علی اب منزہ کی گود میں بیٹھی ماہم سے کھیلنے کی کوشش کرنے لگا' اپنی تین سال کی بہن اسے گڑیا لگتی تھی جس سے کھیلنے کو وہ ہر وقت تیار رہتا۔

''امی آپ نے کہا تھا مجھے نیا یونیفارم دلائیں گی' کب دلائیں گی؟'' پھر اچانک یاد آنے پر اس نے ماہم کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے ماں سے پوچھا۔

''اُف...... میرے ذہن سے بالکل نکل گیا۔'' منزہ نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے خودکلامی کی۔

''بیٹا میں بھول گئی' آپ کو پتا ہے نہ اسکول میں بہت کام ہیں اس لیے یاد ہی نہیں رہا۔'' انہوں نے اب علی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

منزہ ایک نجی اسکول میں بائیولوجی کی ٹیچر تھیں' اس

ہی اسکول میں ان کے دونوں بیٹے پڑھتے تھے اسکول میں ایگزامز ہونے کے ساتھ نویں اور دسویں جماعت کی الوداعی تقریب کی تیاریاں بھی چل رہی تھیں ان مصروفیات کی وجہ سے اکثر اوقات وہ اہم کام بھول جاتی تھیں' سینئر ٹیچر تھیں تو ذمہ داریاں بھی زیادہ تھیں۔ ان کے شوہر مصروف بزنس مین تھے اس لیے زیادہ کام خود منزہ ہی انجام دیتی تھیں۔

''امی کل دلا دیں نا۔'' علی نے اپنی ضد نہ چھوڑتے ہوئے کہا۔

''کل تو ظہیر ویل پارٹی' ہے نا' اچھا دیکھتی ہوں کل چھٹی کے بعد مارکیٹ لے چلوں گی۔'' منزہ نے ماہم کو کاندھے سے لگاتے ہوئے کھڑے ہوتے ہوئے کہا' اس کی نیند کا وقت ہو گیا تھا۔

''اوکے مام!'' علی نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔ منزہ جانتی تھیں کل مارکیٹ جانا ممکن نہیں ہے' یہ کام پرسوں ہی ممکن تھا وہ ماہم کو سلانے لگیں۔

❁......❁......❁
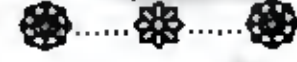
15 دسمبر 2014ء......10:30pm

''مما میں کل اسکول نہیں جاؤں گا۔'' حذیفہ نے آنکھیں بند کرنے کے ساتھ ہی اپنی امی سے کہا۔

''کیوں بیٹا؟'' نازیہ کے ہاتھ حذیفہ کو تھپکتے ہوئے رکے تھے۔

''مجھے سردی لگتی ہے۔'' حذیفہ نے اپنی طرف سے بہت ٹھوس وجہ دی تھی' اسکول نہ جانے کی۔ نازیہ بیٹے کی معصومیت پر مسکرادی۔

حذیفہ اس کا اکلوتا بیٹا تھا' شادی کے دس سال بعد بہت دعاؤں اور مرادوں سے پیدا ہوا تھا۔ اس کی زندگی کا محور تھا حذیفہ! وہ جو کہتا وہ ضرور مان لیتی تھی' کوئی اور خواہش ہوتی تو پوری کردیتی لیکن بے وجہ چھٹی سے وہ حذیفہ کو اس کا عادی نہیں بنانا چاہتی تھی۔

''اچھا میں اپنے بیٹے کو دو سوئٹر پہناؤں گی' مفلر بھی اوڑھاؤں گی...... پھر تو سردی نہیں لگے گی نا۔'' اس نے حذیفہ کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی لگتی ہے مما!'' حذیفہ نے فوراً جواب دیا۔

''حذیفہ تو بہادر بچہ ہے نہ سردی سے کیوں ڈرتا ہے؟'' اس نے اب اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

''حذیفہ بہت بہادر ہے۔'' اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی کہا۔

''چلو اب سو جاؤ' سونے سے پہلے کی دعا پڑھو۔'' وہ اپنے پانچ سالہ بیٹے کا ماتھا چومتے ہوئے سونے کی دعا پڑھانے لگی۔

❁......❁......❁

16 دسمبر 2014ء......7:15am

''بابا! جب میں اسکول سے آجاؤں گا تو مجھے پلے اسٹیشن دلانے لے جائیے گا۔'' بلال نے ناشتے کی ٹیبل پر سلائس کھاتے ہوئے کہا۔

''بلال جب آپ اسکول سے واپس آؤ گے' بابا جاچکے ہوں گے۔'' شہریار کے بجائے اس کی بیوی سارہ نے اپنے بیٹے کو جواب دیا۔

''اوہ اچھا...... پھر جب آپ واپس آجائیں تو دلا دیجیے گا۔'' بلال نے سوچتے ہوئے کہا۔

''بابا آپ واپس کب آئیں گے؟'' ابدال نے دودھ کے گلاس کو ناپسندیدگی سے پرے ہٹایا اور کہا۔

''یہ میں آپ کو تب بتاؤں گا جب آپ یہ دودھ کا گلاس ختم کرلو گے۔'' شہریار نے اسے دودھ کا گلاس پرے کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ ابدال نے منہ بناتے ہوئے گلاس منہ سے لگالیا۔

''میں پندرہ یا بیس دن بعد آجاؤں گا۔'' شہریار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو مس کروں گا۔'' ابدال کے بجائے بلال نے کہا۔

''میں بھی آپ سب کو مس کروں گا۔'' شہریار نے تینوں کو دیکھتے ہوئے کہا اور ساتھ ابدال کا گال کھینچا جو گلاس ختم کرنے میں مصروف تھا۔

❁.....❁.....❁

16 دسمبر 2014.....7:30am

''مما.....'' حذیفہ نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے نازیہ کے دوپٹے کا پلو کھینچتے ہوئے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

''جی مما کی جان۔'' نازیہ نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا' وہ ابلے ہوئے انڈوں کے چھلکے اتار رہی تھی۔

''مما میں چھٹی کرلوں آج کی؟'' حذیفہ نے رات والی بات دہرائی۔

''حذیفہ! چھٹی کرنا اچھی بات نہیں ہوتی۔''

''مما بس آج کی۔'' حذیفہ نے وہی بات کی۔

''نہیں۔'' نازیہ پھر انڈے چھیلنے لگی۔

''مما.....'' اس نے پھر اس کا دوپٹہ کھینچا۔''مما پلیز۔''وہ منت سماجت پر اتر آیا۔

''کروادے نہ چھٹی پتر کو۔'' حذیفہ کی دادی نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے کہا' وہ کافی دیر سے ماں بیٹے کی گفتگو سن رہی تھیں۔

''اماں جان! ضد پوری کروں گی تو روز ضد کرے گا ویسے بھی اس کے پاپا نے کہا تھا چھٹی نہ کرواؤں۔'' اس نے اپنے شوہر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔اماں جان کوئی جواب نہ دے سکیں۔

''چل آ میرا پتر' میں تجھ کو یونیفارم پہنادوں۔'' اماں جان نے پوتے کو پیار سے کہا۔حذیفہ اپنے ننھے ہاتھ کو دادی کے ہاتھ میں تھماتا ہوا کچن سے باہر جانے لگا۔

''حذیفہ.....'' نازیہ نے اسے پکارا۔اس نے رخ موڑ کر ماں کو دیکھا' روٹھے روٹھے سے بیٹے پر اسے بہت پیار آیا۔

''آپ انڈا کھاؤ گے تو آپ کی طاقت بڑھ جائے گی پھر آپ کو سردی بھی نہیں لگے گی۔'' اس نے کہا۔وہ کچھ بولا نہیں بس ہلکے سے مسکرادیا۔

''کل چھٹی کروادوں گی۔'' نازیہ نے سوچا۔
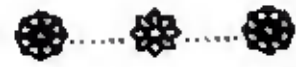
16 دسمبر 2014ء

اسکول وین ورسک روڈ پشاور کے مشہور اسکول ''آرمی پبلک اسکول (اے پی ایس) کے سامنے رکی تھی' وین سے بچے شور مچاتے اپنے بیگ' لنچ باکس اور تھرماس سنبھالتے اتر رہے تھے۔ منزہ بھی ان کے درمیان سے سنبھلتی ہوئی نکلیں۔

''احتیاط سے۔'' انہوں نے علی کو جلد بازی میں اترتے دیکھا تو تنبیہہ کی۔

وہ پہلے ہی دو اسٹیپ سے چھلانگ لگا چکا تھا' وہ اس حرکت پر بس اسے گھور کے رہ گئیں۔ اس کی شرارتوں پر اس وقت وہ اس سے زیادہ کچھ کر بھی نہیں سکتی تھیں۔

''ولی اگر مجھے دیر ہوجائے تو آپ چھوٹے بھائی کے ساتھ وین میں ہی گھر آجانا۔'' انہوں نے علی کے کاندھوں پر بیگ لٹکاتے ہوئے ولی کو آرام سے سمجھایا۔

''اور عذرا بوا سے کہنا ماہم کا خیال رکھیں' جب تک میں نہ آجاؤں وہ گھر پر ہی رہیں۔'' انہوں نے ماہم کے لیے رکھی جز وقتی آیا کا نام لیا۔

''اوکے امی! آپ کو بہت دیر ہوجائے گی کیا؟'' اس نے جواباً سوال کیا۔

''کچھ کہہ نہیں سکتی' آپ کے ساتھ آؤں گی یا بعد میں لیکن آپ گھر چلے جانا۔'' انہوں نے مختصر لفظوں میں بات سمیٹی۔

''بابا میں بھائی سے بھی بہت زیادہ اچھا بچہ ہوں نا؟'' کوئی بچہ بولا تھا۔ منزہ نے دائیں جانب دیکھا تو دو بچے اے پی ایس کے یونیفارم میں ملبوس اپنے والد کے ساتھ اندر داخل ہورہے تھے۔ ان کے والد آرمی کے یونیفارم میں تھے وہ دلچسپی سے بچوں کو دیکھنے لگی۔

''ہاں بھائی سے بھی زیادہ اچھا ہے میرا شیر۔'' آرمی کا لباس پہنے اس شخص نے اپنے چھوٹے بیٹے کے بال بکھیرتے ہوئے کہا۔

بڑا ابھی تک چپ چاپ ان کے ساتھ چل رہا تھا۔ انہیں وہ ولی جیسا لگا' خاموش طبع' کوئی ڈیمانڈ نہ کرنے والا فرماں بردار بچہ جبکہ چھوٹا بچہ علی جیسا شوخ چنچل چہکتا ہوا ہر بات میں بھائی سے آگے نکلنے کی جستجو کرنے والا۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ مسکرادیں پھر تیز تیز قدموں سے اسکول کی عمارت میں داخل ہوگئیں۔ علی' ولی پہلے ہی اندر جاچکے تھے۔

❁.....❁.....❁
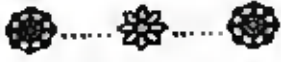
اے پی ایس کا آڈیٹوریم سبز اور سفید یونیفارم میں ملبوس بچوں' بچیوں اور لڑکے لڑکیوں سے بھرا تھا۔ کوئی ایک بھی سیٹ خالی نہ تھی۔ بچوں کا یونیفارم خاص طور پر پاکستانی پرچم کے ہم رنگ تھا' اجلا سفید اور گہرا سبز' یوں لگتا تھا بہت سارے جھنڈے ایک دوسرے میں مدغم ہوگئے ہوں۔ مختلف رنگ کے گاؤن پہنے ٹیچرز اپنی پوزیشن پر کھڑی ڈیوٹی انجام دے رہی تھیں۔ بچوں کو چپ کرواتی جگہوں پر بٹھاتی اور مختلف ہدایت دیتی مصروف دکھائی دے رہی تھیں۔

آڈیٹوریم کے سرے پر بچے اسٹیج کے وسط پر رکھے روسٹرم پر آکر اب ٹیچرز باری باری اپنے خیالات کا اظہار کررہی تھیں۔ اس کے بعد بچوں کو اپنے ٹیبلو' تقریریں اور دیگر پروگرامز جو انہوں نے ترتیب دیئے تھے پیش کرنے تھے۔

''مائی ڈیئر اسٹوڈنٹس......'' روسٹرم پر کھڑی شستہ انگریزی بولتی ہوئی مس منزہ گل کی آواز ابھری تھی۔

''ٹوڈے وی آر گیدر ڈ فار......'' ابھی وہ اپنا جملہ پورا بھی نہ کرپائی تھیں کہ ہال کا داخلی دروازہ ایک دھمکے سے کھلا تھا' اور چار مسلح افراد پاک آرمی کا لباس پہنے دروازے سے داخل ہوئے تھے' منزہ فیصلہ ہی کررہی تھیں کہ کچھ بولیں یا کچھ پوچھیں جب ہی انہوں نے اپنی گنوں کا رخ طالب علموں کی طرف کردیا۔

دھاڑ...... دھاڑ...... دھاڑ...... فضا میں گولیوں کی آواز گونجنے لگی' بچے بچیاں چیخیں مارتے ادھر اُدھر جان بچانے کے لیے بھاگنے لگے۔ ساری

ٹیچرز خوف زدہ سی بچوں کو اور خود کو بچانے کی کوشش کرنے لگیں۔

منزہ حیرت وغم سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھنے لگیں، ان کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ اچانک ایک گرم لوہے جیسی گولی ان کی بائیں پسلی کو آ لگی، درد سے ان کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے، حیرت کی جگہ تکلیف نے لے لی تھی۔ وہ اپنی پسلی کو تھامے وہیں اسٹیج کے فرش پر گر گئیں، ان کی نظریں گرنے کے بعد بھی ہال پر ٹکی ہوئی تھیں۔ کچھ لمحے پہلے کا منظر موجودہ منظر سے یکسر مختلف تھا، پہلے ہال میں پرسکون خاموشی تھی اب انسانی چیخ و پکار تھی۔ پہلے پورا ہال صاف ستھرا تھا اس میں ایک خاص نظم وضبط تھا، اب اس نظم وضبط کی جگہ...... جگہ جگہ بکھری تڑپتی معصوم بچوں کی لاشوں نے لے لی تھی۔ ماحول کی پھیلی خوش بو کا تبادلہ اب بارود کی ناگوار بو سے ہو گیا تھا۔

"دہشت گرد......" ان کے ذہن میں ایک لفظ گونجا۔ ان میں سے تین آدمی ہال سے باہر جاچکے تھے جبکہ ایک وہیں رہ گیا تھا، دفعتاً اس کا ہاتھ اپنی شرٹ کی اندرونی سمت حرکت کرنے لگا اور ایک زوردار دھماکہ ہوا ہر جگہ دھواں دھواں ہو گیا اس نے اپنے سینے پر نصب بارود کو ایکٹو کر دیا تھا۔ چیخوں کا سلسلہ مزید شدت اختیار کر گیا اور پھر ایک دم خاموشی چھا گئی، منزہ کو سوائے کالے دھوئیں کے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، ان کا ذہن ماؤف ہونے لگا۔

انہیں علی، ولی اور ماہم یاد آنے لگے...... وہ کیسے ہوں گے...... میرے بغیر ان کا کیا ہوگا؟ مجھے علی کو یونیفارم دلانا تھا...... ولی تو باہر کا کھانا بھی نہیں کھاتا...... ماہم میرے بغیر کیسے رہے گی...... سوچیں گڈمڈ ہونے لگیں، انہوں نے کلمہ یاد کرنے کی کوشش کی۔ ان کی سانسیں اکھڑنے لگیں اور آنکھیں دھیرے دھیرے بند ہونے لگیں۔

سانحہ پشاور پر ایک پرسوز نظم

میرے مولا!
تیری ارض پاک پہ یہ ماجرا کیا ہے؟
تیری کائنات میں فتنہ وفساد کا سلسلہ کیا ہے؟
کہیں پر ہے ظلمتوں کی قید میں تڑپتی بنت حوا
کہیں پر ہیں اڑتی لاشوں کی ریزہ ریزہ بوٹیاں
کہیں پر ہیں درندے نوخیز پھولوں کو مسلتے ہوئے
رنگ حیاتی کو بدرنگ کرتے ہوئے
گلشن حیات کو غم کی آگ لگاتے ہوئے
خون کی بہتیں بہاندیاں بہاتے ہوئے
باپ کے بازو کاٹتے ہوئے
میرے مولا!
حالات دہر پہ غمزدہ ہے ہر آنکھ
بے چین پدر مادر کا دل شکستہ بین کرتا ہے
بچھڑے ہوئے پھولوں سے ملنے کو تڑپتا ہے
امیر سلطنت سے قوت گویائی سے محروم زبان پر فریاد کرتی ہے
اور بار بار کرتی ہے
ہمارے گلشن حیات کے نوخیز گلوں کی کلکاریاں واپس لادو
ہماری اجڑی بجھی آنکھوں میں امید کی لو جلادو
ہمارے بچے ہمیں واپس لادو
آہ! ہمارے بچے ہمیں واپس لادو
میرے مولا! میری اس دھرتی کو پھر سے گہوارہ امن بنادے
خوشیوں دمسکراہٹوں کا چمن بنادے، آمین

سامعہ ملک پرویز...... خان پور، ہزارہ

16 دسمبر 2014...... 10:10am

4th کلاس کے تمام بچے اپنی اپنی کاپیوں پر جھکے میتھ کا ٹیسٹ دے رہے تھے۔ بلال بھی تیز رفتاری سے میتھ کے سوال حل کرنے میں لگا ہوا تھا، اس کا پسندیدہ سبجیکٹ ہی میتھ تھا۔ اچانک گراؤنڈ سے شور کی آوازیں
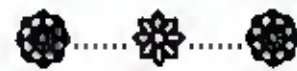
آنے لگیں، بچے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے سب کی آنکھوں میں سوال تھا، اچانک دھماکے کی زوردار آواز آئی اور شور بڑھ گیا۔ بچے بے چینی سے اپنی جگہوں سے اٹھ گئے ان کی مس انہیں ڈیسک کے نیچے چھپنے کا کہنے لگیں، وہ خود بھی ہراساں تھیں۔ اچانک کلاس میں دو تین افراد داخل ہوئے اور ان پر اندھا دھند گولیاں چلانے لگے۔ پتا نہیں وہ کیا کیا بول رہے تھے بلال کو سمجھ نہیں آیا شاید عربی بول رہے تھے انہوں نے ایک ایک کرکے ہر بچے کے سینے میں گولی اتارنا شروع کردی، بلال خوف سے ان کو دیکھنے لگا۔

''انہوں نے تو بابا جیسا یونیفارم پہن رکھا ہے پھر یہ ہمیں کیوں مار رہے ہیں؟'' ایک گولی اس کے سینے میں بھی لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ اس کے تمام دوستوں کی لاشیں وہیں آس پاس بکھری پڑی تھیں، خون سے فرش سرخ ہوگیا تھا۔

وہ تینوں آدمی اب لاشوں کو چیک کررہے تھے گویا کوئی زندہ تو نہیں بچا جو بچہ ذرا بھی حرکت کرتا اس کو یا تو بندوق کے دستے سے مارتے یا مزید گولیوں سے اس کی آخری سانسیں تک چھین لیتے۔ بلال کی سانسیں بھی اکھڑنے لگی تھیں، آخری چند سانسیں...... ان میں سے ایک نے اس کے بھی سینے میں دو گولیاں ماریں، اس کی دل کی حرکت بند ہوگئی، آنکھیں کھلی تھیں...... ان آنکھوں کے خواب مرنے لگے تھے۔ خالی آنکھوں کے سامنے فرش پر اس کی میتھ کی کاپی جو اس کے ہی خون سے تر ہوگئی تھی۔

کاپی کے کھلے صفحے پر وہ سوال جو وہ حل کررہا تھا وہ غیر حل شدہ ہی تھا...... نامکمل...... اب اس سوال کو غیر حل شدہ ہی رہنا تھا، اسے کوئی حل نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اٹکے سوالوں کی طرح غیر حل شدہ ہی رہنا تھا۔

❁......❁......❁

16 [illegible] 201[illegible]......10:20

''کلمہ پڑھو......'' اس آدمی نے تمام بچوں کو چیخ کر کہا۔ ''میں کہتا ہوں کلمہ پڑھو...... ورنہ ایک ایک کو بھون کر رکھ دوں گا۔'' وہ آدمی دہاڑا۔

حذیفہ سہم گیا، اس نے کبھی کسی کو اس طرح چیختے نہیں سنا تھا، پاپا تو بہت پیار سے بات کرتے تھے۔

''کلمہ پڑھو......'' اب دوسرا آدمی بولا تھا۔ بچے خوف زدہ سے انہیں تک رہے تھے۔

''کون سا کلمہ......'' حذیفہ نے دل میں سوچا۔

''مجھے تین کلمے آتے ہیں، مس نے یاد کروائے تھے لیکن مس تو کہتی ہیں......''

''پہلا کلمہ سناؤ...... دوسرا کلمہ سناؤ۔'' اب وہ آدمی بچوں کو ڈانٹنے لگے پھر آپس میں کچھ دیر اپنی ہی زبان میں بات کرکے اپنی بندوقوں کو ان کی طرف کرنے لگے۔ حذیفہ اور دوسرے بچے رونے لگے اور چیخنے لگے۔ حذیفہ کی آواز کو اس کے ماتھے پر لگنے والی گولی نے ہمیشہ کی لیے بند کردیا تھا۔

وہ جب آتے ہوئے مجھ کو گلے تم نے لگایا تھا
امان اللہ کہا مجھ کو، میرا بیٹا بلایا تھا
خدا کی امن کی راہ میں کہاں سے آگیا تھا وہ
جہاں تم چومتی تھیں ماں وہاں تک آگیا تھا وہ

❁......❁......❁

16 دسمبر 2014......11:00am

''ہیلو سمیرا...... تم نے ہادیہ کا ایڈمیشن کس اسکول میں کروایا ہے؟'' سمیرا کی دوست نے فون اٹھاتے ہی اس کی بیٹی کے بابت سوال کیا تھا۔

''ابھی داخلہ نہیں ہوا، آج ٹیسٹ دینے گئی ہے آرمی پبلک اسکول میں، ابھی تو اسے ڈراپ کیا ہے تھوڑی دیر میں پک کروں گی۔ کیوں خیریت؟'' اس نے اپنی دوست کو تفصیل بتاتے ہوئے آخر میں سوال کیا۔

''سمیرا تم نے ٹی وی نہیں دیکھا...... تمہیں کچھ نہیں پتا کیا؟'' دوست کی پریشان کن آواز فون سے ابھری

تھی۔

''کیا نہیں پتا؟'' اسے تشویش ہوئی۔

''ابھی آرمی پبلک اسکول میں دھماکہ ہوا ہے......''

دوست نے ٹھہر ٹھہر کر اسے بتایا۔ سمیرا کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ گیا۔ اس کو یقین ہی نہیں آرہا تھا ایسا کیسے ہوسکتا ہے ابھی تو وہ ہادیہ کو اسکول چھوڑ کر آئی تھی۔ اس کی اکلوتی بیٹی...... آنسوؤں کا گولہ اس کے حلق میں اترنے لگا۔ مردہ ہاتھوں سے اس نے ٹی وی آن کیا تھا۔ اس کی دوست کی دی گئی خبر سچ تھی۔

''دھماکہ...... اسکول...... بریکنگ نیوز...... دہشت گرد...... انتہا پسند...... مسلح افراد...... پاک فوج...... پتا نہیں نیوز اینکر کیا کچھ کہہ رہا تھا؟ سب الفاظ آپس میں گڈمڈ ہورہے تھے۔

❁......❁......❁
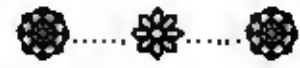
16 دسمبر 2014......11:50

فلیٹ سے نکل کر روڈ سے بمشکل اس نے رکشہ پکڑا تھا' نہ چادر کا ہوش تھا نہ کپڑوں کا۔ رکشہ والا بھی اسے اس حادثے کے بارے میں بتا رہا تھا لیکن اسے ہوش کہاں تھا جو وہ سنتی۔ اسے ہادیہ بہت یاد آرہی تھی اس کی معصوم بچی اس کی باتیں یاد آرہی تھیں' اس کا دل چاہ رہا تھا بس ابھی کوئی ہادیہ کو لاکر اس کی گود میں ڈال دے اور وہ ہنستی مسکراتی اس کے گلے لگ جائے' اس کا دل تڑپنے لگا۔

''ہادیہ......'' اس کے ہونٹوں سے نکلا تھا۔

کل ہی تو وہ ضد کرکے اس کے ساتھ اسٹیشنری شاپ گئی تھی' مختلف چیزیں لینے میں آئے تھی۔ کلر پنسل' ربر اسکیل ایک پیارا سا پنک کلر کا اسکول بیگ جس پر اس کی فیورٹ کارٹون کریکٹر ''ڈورا'' کی تصویر بنی تھی اس پر ''ہیلو اسکول...... بائے ہوم'' لکھا تھا اور نئے شوز بھی لیے تھے حالانکہ آج بس ایڈمیشن ٹیسٹ تھا لیکن بہت ایکسائٹڈ تھی۔

اس کی سوچیں ایمبولینس کی آواز سے منتشر ہوئی تھیں اسکول کی داخلی حدود شروع ہوچکی تھیں۔ بہت ساری ایمبولینس' فوجی گاڑیاں' سول گاڑیاں' میڈیا کی دینز...... ایک رش سا لگا ہوا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا' آنسوؤں کی روانی مزید بڑھ گئی۔ رکشہ اسکول کی عمارت کے سامنے تھا' سامنے کے مناظر دل دہلا دینے والے تھے' ماں باپ روتے پیٹتے ہلکان ہورہے تھے۔ درد و کرب میں مبتلا بچے چیختے چلاتے اسٹریچرز پر آڑے ترچھے ایمبولینس میں ڈالے جارہے تھے۔ بچوں کے لواحقین اور دوسرے ماں باپ اپنے لاپتہ بچوں کے لیے ادھر اُدھر پریشان حال گھوم رہے تھے۔ پاکستان آرمی کے نوجوان بچوں کو دین میں بٹھا رہے تھے اور باقی مرنے والے بچوں کے لواحقین کو ہسپتال لے جانے کی تیاری کررہے تھے اور باقی فوجی میڈیا کو اور دیگر کو اسکول کے اندر جانے سے روک رہے تھے۔

''اندازے کے مطابق شہید ہونے والے بچوں کی تعداد تقریباً 130 ہے' اس تعداد میں زیادتی کا بھی امکان ہے اور......'' کسی صحافی کو اس نے کہتے سنا تھا۔

وہ پھٹی پھٹی دہشت زدہ آنکھوں سے ان بکھرے مناظر کو دیکھ رہی تھی' صحافی کی آواز پر وہ ہوش میں آئی۔ سامنے اے پی ایس کی پرشکوہ عمارت اپنی بے آبرو پر ماتم کناں تھی وہ شدید بے چینی کے عالم میں عمارت کی طرف بڑھی یہیں اس کی شہزادی کی قید میں تھی لیکن اسے سیکیورٹی اہلکاروں نے اندر جانے سے روک دیا تھا۔

''میری بچی...... ہادیہ میری بیٹی......'' بے ربط سی آواز اور جملے اس کے منہ سے نکلنے لگے لیکن کسی کو بھی اندر نہیں جانے دیا جاسکتا اس لیے اسے بھی روک کے رکھا گیا۔

''پلیز میری بیٹی اندر ہوگی......'' وہ پھر بولی اور گیٹ کی طرف دیکھنے لگی جہاں سے اسٹریچرز پر زخمی اور شہید بچوں کو لایا جارہا تھا۔ وہ ہر بچے کو اس امید پر دیکھتی کہ یہ ہادیہ ہوگی پھر اس کی متلاشی نگاہوں کو اس کا ہدف

مل گیا تھا لیکن ہادیہ جس حالت میں تھی...... کاش وہ اسے نہ دیکھتی۔

اسٹریچر پر مردہ حالت میں پڑی اس کی بچی خون میں نہائی ہوئی تھی' اس کا دل پھٹنے لگا اپنی ننھی پری کو اس حال میں دیکھ کر اس کی روح آہستہ جسم میں مرنے لگی تھی۔ اس کا معصوم چہرہ آنکھیں موندے ہوئے کتنا پرسکون لگ رہا تھا۔ ظالموں نے اس کے چھوٹے سے بدن کو گولیاں سے چھلنی کر دیا تھا۔

دیوانہ وار اس کی طرف بھاگ کر وہ اس کے اسٹریچر تک پہنچی تھی' اس نے اس کے شوز سے پہچانا تھا جو اس کے ایک پیر میں تھا دوسرا پتا نہیں کہاں تھا۔ اس کے لیے چیخیں روکنا محال ہو گیا تھا' وہ دھاڑے مار کر رونے لگی اور وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھتی گئی۔ وہ وہاں اکیلے ہی ماتم کناں نہ تھی' نہ ہی اکیلے اس کی ہی گود اجڑی تھی۔ وہاں موجود ہر شخص ماتم کناں تھا' ہر آنکھ اشک بار تھی' ہر ماں کی گود اجڑی تھی' ہر طرف لاشیں تھیں سسکیاں تھیں اور بے بسی تھی۔

❁......❁......❁

16 دسمبر 2014......5:30

"حذیفہ......" نازیہ نے دھیرے سے پکارا' حذیفہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

"حذیفہ......" اس بار وہ زور سے بولی تھی' جواب ندارد......

"حذیفہ اٹھو...... حذیفہ...... میرے بچے...... ایک بار اٹھ جاؤ میری جان! اٹھو حذیفہ......" نازیہ سامنے پڑے حذیفہ کے بے جان وجود کو جھنجھوڑنے لگی' آس پاس بیٹھی عورتوں نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"حذیفہ...... مما تمہاری ہر ضد مانیں گی بیٹا...... ایک بار مما کو دیکھو حذیفہ......" وہ ہذیانی انداز میں چلانے لگی۔

"میرا قصور ہے...... میرا قصور ہے...... یہ تو منع کر رہا تھا' اسکول کی چھٹی کروں گا میں نے منع کیا تھا چھٹی سے......" وہ اب آس پاس بیٹھی عورتوں کو بتانے لگی۔ سب کی نگاہوں میں اس کے لیے دکھ اور ترس کی ملی جلی کیفیت تھی۔

نازیہ اب حذیفہ کا ماتھا چومنے لگی جو پٹیوں سے لپٹا ہوا تھا اور خون کی وجہ سے اب بھی وہاں سرخی موجود تھی' یہی حال اس کے بدن کا تھا جگہ جگہ زخم...... خون آلود پٹیاں......

"حذیفہ! مما تم سے بہت پیار کرتی ہیں بیٹا! اٹھو نہ...... مما کا کوئی اور بچہ نہیں ہے تم ہو بس......" وہ اب حذیفہ سے باتیں کرنے لگی۔ اپنی متاع حیات سے باتیں کرنے لگی جس میں زندگی کی کوئی رمق موجود نہ تھی۔ دس سال کی منتوں' دعاؤں' سجدوں اور روزوں کے نتیجے میں ملنے والے اس انعام کو اللہ نے واپس لے لیا تھا۔

"حذیفہ جواب دو نا بیٹا......" وہ بے بسی سے پھر رونے لگی' عورتیں جانتی تھیں اسے سمجھانا بے کار ہے وہ ابھی حواسوں میں نہیں تھی۔

"حذیفہ...... حذیفہ......" وہ پھر پکارنے لگی۔

ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے حذیفہ کو پکارا ہو اور اس نے جواب نہ دیا ہو وہ جہاں بھی ہوتا اس کے پکارنے پر دوڑا چلا آتا۔ پلٹ کر دیکھتا یا مسکراتا تھا اس نے جواباً کچھ نہ کہا' ایسا پہلی بار ہوا تھا۔ نازیہ آج اس کے اسکول گئی تھی اسے لینے' چھٹی میں وہ اسے لینے جاتی تھی لیکن آج پہلی بار وہ خالی ہاتھ واپس آ گئی تھی' ایسا بھی پہلی بار ہوا تھا۔

میں ایسی قوم سے ہوں جس کے وہ بچوں سے ڈرتا ہے
بڑا دشمن بنا پھرتا ہے جو بچوں سے لڑتا ہے

❁......❁......❁

ولی نے زندگی میں پہلی بار کسی مردے کو دیکھا تھا' سفید کفن میں لپٹا اس کی ماں کا مردہ وجود...... وہ چودہ سال کا تھا اپنی چودہ سالہ زندگی میں اسے کبھی یہ تجربہ نہ

ہوا تھا کہ کوئی مرتا کیسے ہے۔ مرنے کے بعد' مرنے والوں کے گھر والے کیا کرتے ہیں' کیسے رہتے ہیں' کیسے جیتے ہیں۔

ہاں لیکن اپنی چودہ سالہ زندگی میں یہ تجربہ ضرور ہوا تھا کہ قیامت کا ٹوٹنا کسے کہتے ہیں۔ وہ قیامت جو آج اس نے اسکول میں دیکھی' اس کے کلاس فیلوز اس کے آگے دم توڑ رہے تھے اور وہ بے بسی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ بے بسی کا احساس بھی چودہ سالہ زندگی میں اسے پہلی بار ہوا تھا۔ جب وہ نامعلوم درندہ صفت انسان اس کی کلاس میں داخل ہوئے تو وہ ڈیسک کے نیچے چھپ کے بیٹھ گیا تھا پھر گولیاں چلنا شروع ہوئیں' چیخ وپکار کی آوازیں آئیں پھر سب کچھ ساکت ہوگیا۔ اس نے ڈیسک کے نیچے سے کچھ بوٹوں کو گردش کرتے دیکھا تھا جو بچوں کی لاشوں کو ٹٹول رہے تھے' کہیں کوئی زندہ نہ رہ جائے۔ اس کے کلاس میں اس وقت کم بچے تھے' آدھی کلاس سائنس لیب میں گئی ہوئی تھی جب ایک آدمی اس کے قریب آیا تو وہ دم سادھے پڑا رہا' اس نے اسے بندوق کے دستے سے دو تین بار ضربیں لگائیں' بمشکل اس نے اپنی چیخ قابو میں کی پھر وہ آدمی اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ گیا۔ پھر لوگوں کے بھاگنے دوڑنے کی آوازیں آئیں' کوئی چیختا رہا کوئی چلاتا رہا۔ گولیوں کا تبادلہ ہوا' بم دھماکہ ہوا اور کئی ساعتیں گزر گئیں وہ ایسے ہی خاموشی سے اپنے دوستوں کے بیچ لیٹا رہا۔ دو مہربان ہاتھوں نے اسے ریسکیو کیا۔

وہ ہی دو مہربان ہاتھ اس کو اس کی وین تک لائے' وہ گم صم و پریشانی میں کبھی اردگرد دیکھتا اور کبھی آنکھیں بند کرلیتا۔ وین میں علی پہلے سے لیٹا ہوا تھا' وہ ''بھائی...... بھائی......'' کہتا اس کے سینے سے لپٹ گیا تھا' پہلی بار اس کی بھی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور اب وہ اپنی ماں کی میت کے آگے سراپا سوال بنا بیٹھا تھا۔ کبھی اپنے بابا کو دیکھتا کبھی علی کو اور کبھی گھر میں جمع رشتہ داروں کو اور سوچتا۔

"اگر وہ دہشت گرد ہم بچوں کو مارنے آئے تھے تو امی کو کیوں مار گئے؟ اگر امی زندہ ہوتیں تو میں انہیں بتاتا کہ میں ان آدمیوں سے ڈرا نہیں' کیسے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آیا ہوں لیکن اب کسے بتاؤں گا؟" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

پتا کیا پوچھتا ہے وہ' کتابوں میں ملوں گا میں
کیے ماں سے ہیں جو میں نے' کہ وعدوں میں ملوں گا میں

میں آنے والے کل ہوں وہ مجھے کیوں آج مارے گا
یہ اس کا وہم ہوگا کہ وہ ایسے خواب مارے گا
تمہارا خون ہوں نہ اس لیے اچھا لڑا ہوں میں
بتا آیا ہوں دشمن کو کہ اس سے تو بڑا ہوں میں

❁......❁......❁

28 دسمبر 2014...... 9:10 am

"آرمی پبلک اسکول پشاور میں ہونے والے دھماکے کے نتیجے شہدا کی تعداد 153 ہوگئی ہے۔ یاد رہے کہ 16 دسمبر کے دن صبح 10 بجے صوبائی دارالحکومت پشاور میں شدت پسندوں نے ایک بار پھر خون کی ہولی کھیلی کہ ہر گلی کوچے سے جنازے اٹھائے گئے۔ عسکریت پسندوں نے اسکول میں گھس کر خودکش دھماکے کیے اور فائرنگ اور بلاسٹ کرکے 153 جانوں کو موت کا شکار بنایا جن میں 85 فی صد تعداد طالب علموں کی ہے۔ پاک آرمی کمانڈوز نے چار شدت پسندوں کو موقع پر مار دیا تھا جبکہ دو نے موقع پر ہی خود کو اڑا لیا تھا جس سے وسیع پیمانے پر تباہی پھیلی' زخمی بچوں کی حالت ابھی بھی نازک ہے۔

دہشت گردوں کا تم دہم کے امتحانوں کے دوران مختلف چیک پوسٹوں سے گزر کر اسکول میں داخل ہونا سیکیورٹی ایجنسیوں اور انتظامیہ پر سوالیہ نشان ہے۔ شہر میں 12 دن گزر جانے کے باوجود بھی خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے۔" ٹی وی پر نیوز اینکر پیشہ ورانہ لہجے میں خبر سنا رہا تھا۔

اس نے جھلاتے ہوئے چینل تبدیل کیا تھا' آج ہفتہ دس دن سے زیادہ ہوگیا تھا' سانحہ پشاور کو لیکن ٹی وی پر ہر وقت اس ہی واقعے کو کوریج ملتی ہے جو اسے سخت کوفت میں مبتلا کر دیتی تھی۔ اس واقعے کے بعد دو تین دن تک وہ بھی گم صم رہا' رہ رہ کر خیال آتا کہ اگر میرا بچہ بھی ان میں شامل ہوتا تو...... اس کے آگے وہ سوچ نہیں پاتا لیکن وہ مطمئن تھا کہ اس کے بچے اس کے گھر میں اس کے پاس اور محفوظ ہیں۔ ٹی وی پر اب کسی مشہور سیاستدان کی شادی کی افواہوں کی خبر چل رہی تھی' وہ دلچسپی سے اس خبر کو دیکھنے لگا۔

"سنیں' میرا ڈرامہ لگا دیں نا......" اس کی بیوی دوپٹے سے ہاتھ پونچھتی ہوئی ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔ وہ ڈرامہ کے بجائے کوئی غیر ملکی فلم لگا کر دیکھنے لگا۔

"سنیں لگا دیں نا...... پھر کچن میں جانا ہے مجھے۔" اس کی بیوی بولی' وہ آج اپنے بچوں کی فرمائش پر پزا بنا رہی تھی جو کہ ابھی ابھی اپنے والد کے ساتھ پورے دن کی آؤٹنگ پکنک کے بعد گھر آئے تھے' چھٹیاں تھیں تو گھومنا پھرنا لگا رہتا تھا۔

اس کے شوہر نے چینل چینج کرکے اپنی بیوی کا مطلوبہ چینل لگا دیا تھا' وہ دونوں انہماک سے ٹی وی دیکھنے لگے۔ وہ شاید نہیں جانتے تھے کہ کچھ زخم ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا نہ بھرنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ زخم بھر جائے تو تکلیف کا احساس کم ہوتے ہوتے ختم ہوجاتا ہے' جیسے ان کا ہوگیا تھا۔

❁......❁......❁

7 جنوری 2015...... 6:30pm

"ماما! میرا اسکول کب کھلے گا؟" ابدال نے سارہ سے سوال کیا۔

"بابا مجھے اپنا نیا بیگ' نئی کتابیں لینی پڑیں گی۔ اس دن سب مس پلیس ہوگیا تھا۔" ابدال نے تاسف سے کہا۔

''ہم سب کچھ نیا لے لیں گے۔'' شہریار نے اسے تسلی دی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' سارہ جو بہت دیر سے بلال کی تصویر لیے محویت سے دیکھ رہی تھی' ان کی باتیں سن کر چلا کر بولی۔

''اب میں ابدال کو اسکول نہیں بھیجوں گی' میرا ایک بیٹا تو مجھ سے بچھڑ گیا دوسرا بھی کھودوں کیا؟'' نہ چاہتے بھی سارہ جذباتی ہو کر رونے لگی۔

''سارہ! حوصلہ کرو۔'' شہریار نے اس کے کندھے کو سہلاتے ہوئے کہا' ابدال حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

''نہیں شہریار! میں کیسے سکون سے بیٹھوں' میرا بیٹا چلا گیا' مجھے سکون کیسے آئے گا۔'' اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی۔

''ابدال سنا تم نے' تم اسکول نہیں جاؤ گے۔'' وہ روتے ہوئے بیٹے کو مخاطب کر کے بولی۔

''ماما میں اسکول جاؤں گا۔'' ابدال سختی سے بولا۔

''مجھے دشمنوں سے بدلہ لینا ہے۔'' وہ دوبارہ بولا۔

''ابدال بیٹا! ماما پریشان ہیں۔'' شہریار نے اسے سمجھایا۔

''بابا! ماما بھائی کے لیے رو رہی ہیں نا' میں ان گندے لوگوں سے بھائی کا بدلا لوں گا۔'' وہ بولا۔ شہریار خاموش رہا' سارہ رونا بھول کر اسے دیکھنے گی۔

''انہوں نے بندوق سے ہمیں مارا نا ہم قلم سے انہیں ماریں گے۔'' وہ اپنی رو میں بولنے لگا۔

''بابا بھائی ٹھیک کہتا تھا دشمن پیچھے سے حملہ کرتا ہے' بتاتا بھی نہیں اور مار دیتا ہے۔ وہ مجھ سے پوچھتا تھا حملہ کروں اور میں کہتا تھا ابھی نہیں کرو۔ وہ اس وقت دشمن کو مار دیتے تو سب بچ جاتے نا؟'' ابدال نے کچھ دن پہلے کھیل کھیل میں ہونے والی لڑائی کا حوالہ بتاتے ہوئے کہا۔

''اب میں دشمن کو ماروں گا۔'' شہریار اور سارہ دم سادھے اسے دیکھ رہے تھے وہ کتنی بڑی باتیں کر رہا تھا۔

''میں بھائی کی طرح پائلٹ بنوں گا اور فائٹر جہاز سے فائٹ کروں گا۔'' ابدال نے سارہ کے بازو کو ہاتھ سے ہلاتے ہوئے کہا۔

''ابدال! تمہیں تو ڈاکٹر بننا تھا نہ......'' سارہ حیرت سے اپنے 9 سالہ بیٹے کو تکنے لگی۔

''اب نہیں بننا......'' اس نے دائیں سے بائیں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''میں اور بابا مل کر دشمنوں کو ماریں گے تاکہ وہ پھر سے اسکول میں آ کر ہمیں گولیاں نہ ماریں۔'' سارہ یک دم اس کے ہاتھوں کو چومنے لگی پھر اسے گلے لگا کر دوبارہ رو دی۔

شہریار سوچنے لگا وہ ملک دشمن کیونکر اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے' وہ ہماری ایک نسل کو ختم کرنے آئے تھے لیکن اس نسل کو ایک نیا عزم دے کر چلے گئے۔ اس کا ایک بیٹا شہید ہوا تھا اور دوسرا موت سے بے خوف ملک وقوم کے دشمنوں سے لڑنے کے لیے تیار تھا۔ یہ ان کی سب سے بڑی شکست تھی وہ بلال کو مار تو گئے لیکن اس کے خوابوں کو نہ مار سکے۔ شہریار کو بلال یاد آنے لگا اور نمی اس کی بھی آنکھوں میں اترنے لگی۔

''مجھے جانا پڑا ہے پر میرا بھائی کرے گا اب
میں جتنا نہ پڑھا وہ سب میرا بھائی پڑھے گا اب
ابھی بابا بھی باقی ہے کہاں تک جاسکو گے تم
ابھی وعدہ رہا تم سے یہاں نہ آسکو گے تم''

تیز بارش سے بچنے کے لیے اس نے ہاتھ میں پکڑی بکس کو سر پر تان لیا پھر بھی اس کا کوئی خاطر خواہ اثر نہ ہوا کہ تواتر سے برستی بارش کی تیز بوچھاڑ کے سامنے اس کی تین ننھی منی بکس کیا حیثیت رکھتی تھیں۔ دوپہر کے دو بجے گویا شام کا سماں تھا اسٹاپ سے گھر تک کا سفر جو وہ روز بمشکل پانچ منٹ میں طے کرتی تھی آج پندرہ منٹ پر محیط ہو گیا تھا اور بارش سے بچنے کی کوشش میں بھی وہ بری طرح بھیگ گئی تھی۔ کاٹن کی سفید چادر اس سے چپک گئی تھی' گھر کا گیٹ کراس کرتے ہی اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور بھاگ کر اپنے کمرے میں آ کر کپڑے تبدیل کرنے کے بعد کچن کی طرف آ گئی کہ بھوک سے پیٹ دہائیاں دے رہا تھا۔ اسے یاد آیا کہ گھر والوں کو کسی کی شادی میں جانا تھا اور صبح بھی وہ ناشتا کر کے نہیں نکلی تھی۔ خالی کچن منہ چڑاتے ہوئے صاف بتا رہا تھا کہ کھانا پکنا تو ایک طرف چولہا بھی نہیں جلا ہوگا۔ مارے بے بسی کے اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اس نے فریج کھولا' پیکٹ میں ڈبل روٹی کا ایک پیس تھا۔ انڈے' دودھ ندارد چچی کا یہی وطیرہ تھا کہیں آنے جانے کی صورت میں فریج سے کھانے پینے کی تمام اشیاء اپنے روم ریفریجریٹر میں رکھ کر روم لاک کر جاتی' کچن کے کیبنٹ بھی لاکڈ تھے۔ پتہ نہیں یہ ایک ڈبل روٹی کا پیس کیسے ان کی نظروں سے بچ گیا تھا۔ کونے میں اچار کا ڈبہ رکھا دیکھ کر ایک پھانک پلیٹ میں نکال کر توے پر وہی اکلوتا پیس گرم کر کے اچار کے ساتھ کھا کر دودھ کے بغیر صرف خالی قہوہ ہی بنا کے پیا اور اپنے کمرے کی جانب آ گئی۔ دوپٹہ بیڈ پر اچھال کر وہ وہیں لیٹ گئی کہ تھوڑی دیر آرام کے بعد آج کے اسائنمنٹ پر دلجمعی سے کام کا ارادہ تھا۔ کمرے میں آنے سے پہلے بیرونی دروازے کو بند کیا [illegible] ویسے ہی لاکڈ تھے پھر بھی چیک کر کے دیکھ لیے۔ ابھی سوئے ہوئے اسے بمشکل پندرہ منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ عجیب سے احساس سے اس کے حواس بیدار ہوئے اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں' شاہ نواز اس کے بیڈ پر اس کے بے حد قریب بیٹھا تھا' اور جس احساس نے اس کو آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا تھا وہ اپنے چہرے پر اس کے ہاتھوں کا لمس تھا۔ زینب کرنٹ کھا کر بیڈ سے نیچے اتری اور اپنا دوپٹہ اس کے ہاتھ کے نیچے سے کھینچ کر نکال کر جیسے خود کو چھپانے کی کوشش کی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میرے کمرے میں آنے کی؟" اندر سے وہ جتنی خوف زدہ تھی پر اس خوف کو اس نے چہرے سے ظاہر نہ ہونے دیا اور بظاہر بہادری سے بولی۔

"ارے جان من کسی ایسے موقع کی تلاش میں تو تھا میں' ابا سے پتہ چلا کہ آج سارے گھر والے انکل سرمد کی بیٹی کی شادی پر مدعو ہیں' مجھے پتہ تھا کہ نہ تو تم نے جانے میں دلچسپی ظاہر کی ہوگی نہ لے جانے والوں نے' سو فوراً ہی برستی بارش کا خیال کیے بغیر دو گھنٹے کی ڈرائیو کر کے تمہارے سامنے ہوں۔" شاطرانہ مسکراہٹ چہرے پر سجائے وہ بھی اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ بجلی کی زوردار کڑک بھی اس پل سدا کی ڈرپوک زینب کو خوف زدہ نہ کر سکی کہ ایک عورت کے لیے عزت جانے کا خوف ہی سب سے بڑا خوف ہوتا ہے۔ اس شیطان کی خواہش پوری کرنے سے پہلے مجھے اس آسمانی بجلی میں ہی جلا کر خاکستر کر دینا میرے مولا' دل ہی دل میں شہ رگ سے بھی نزدیک اپنے رب کو پکارتے وہ غیر محسوس انداز میں پیچھے ہٹی پر شاہ نواز بھی چوکنا تھا۔

"ارے خدا نے ایسا موقع دیا ہے قسمت سے تو تم کہاں بھاگ رہی ہو۔" اس کو بازو سے پکڑ کر قریب کرتے ہوئے اس نے کہا تو زینب چیخ اٹھی۔

"شرم کرو شاہ نواز تمہاری بہن نہ سہی' چچازاد بہن تو ہوں ناں۔ اپنے مرے ہوئے چچا کی عزت کا ہی خیال کرلو۔" اس نے خود کو بمشکل اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

"تو لیکچر زینب حیات...... تمہارے لیکچر سننے کو تو ایک عمر پڑی ہے جان من۔" پر اس کی کسی بھی پیش قدمی سے قبل ہی زینب نے اس کے ہاتھ پر اتنی سختی سے دانت گاڑے کہ شاہ نواز بلبلا اٹھا' گرفت ڈھیلی پڑتے ہی زینب بچاؤ بچاؤ' کوئی ہے' زور زور سے چلاتی اپنے کمرے سے باہر کی طرف بھاگی۔ شاہ نواز نے ہاتھ کی پشت پر گڑے اس کے دانتوں کے نشان اور ابھرتی ننھی منی خون کی بوند کو دیکھا۔ زیر لب ایک گالی دی اور کسی ترنگ میں کمرے سے باہر نکل آیا' اسے یقین تھا کہ جس پوش ایریے میں ان کا گھر تھا وہاں دن دہاڑے کوئی قتل بھی ہوجاتا تب بھی کسی کے کان پر جوں نہیں رینگتی جبکہ یہاں تو موسم بھی اتنا شدید تھا کسی کو کیا پڑی تھی کہ یہاں وہاں تانکا جھانکی کرتا پھرتا سو وہ انتقامانہ جذبات لیے تیزی سے ادھر ہی بڑھا جہاں سے زینب کی چلانے کی آوازیں آرہی تھیں' وہ یقیناً باہر تھی۔ زینب اب ہال کراس کرکے گیراج کی جانب آگئی تھی۔ دفعتاً بھاگتے ہوئے اسے ٹھوکر لگی وہ بے ساختہ سامنے کے ستون سے ٹکرا کر نیچے گری چوٹ اتنی شدید تھی کہ آنکھوں کے آگے رنگ برنگے دائرے ناچنے لگے' ذرا سا حواس بحال ہوئے پر وہ ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اٹھی ہی تھی کہ سامنے نظر آتے بہت سے پاؤں سے ہوتی ہوئی اس کی نظر اوپر کی جانب گئی۔ چچی' ساتھ میں ان کی دو بیٹیاں' وہ بھاگ کر بے ساختہ چچی سے جا لپٹی۔

"چچی...... وہ...... وہ شاہ نواز......"

"کیا ہے بھئی' زینب شہر آکر بھی وہی گنوار کی گنوار ہو۔ اندر تو آنے دو' لے کر بھگو ہی دیا سارا۔ تم دونوں چلو اپنے کمرے میں۔" چچی اگرچہ کچھ کچھ صورت حال

بھانپ گئی تھیں پھر بھی لہجے میں قصداً بے پروائی سموتی تھرتھر کانپتی' ہاتھ پر گو مڑ اور آنکھوں میں سراسیمگی لیے زینب کو ہٹاتی بیٹیوں کے ہمراہ اندر چلی گئیں۔ زینب نے چور نظروں سے یہاں وہاں دیکھا' وہ یہاں نہیں تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر شاید اندر چلا گیا تھا۔ "یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے اس درندے کی ہوس کا نشانہ بننے سے مجھے بچالیا۔" سست قدموں سے اندر آتی زینب نے دل ہی دل میں خدا کا لاکھ شکر ادا کیا۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا شاہ' اتنے اتاولے پن کی ضرورت ہی کیا ہے' کتنی بار سمجھایا ہے کہ جب آسانی سے ٹھنڈا کھانے کو مل جائے تو گرم کھا کے منہ کو جلانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ زینب کو ہی تمہاری بیوی بننا ہے۔ بس تھوڑا سا صبر کرلو۔" اس کے اتنے ذلیل اور گھٹیا قدم پر بجائے غصہ ہو کے ڈانٹنے کے وہ کیا کہہ رہی تھیں اپنے لاڈلے سے گویا وہ جیتی جاگتی لڑکی نہیں کسی بے جان گڑیا کے بارے میں بات کررہی تھیں۔

"او اماں! آپ نے اس کی اکڑ نہیں دیکھی بات ایسے کرتی ہے جیسے کسی جاگیر کی شہزادی ہو۔ اس کا یہ انداز میرے اندر آگ لگا دیتا ہے' بس ایک بار اس کی یہ اٹھی گردن جھکی دیکھنے کی خواہش ہے ورنہ میرے لیے کوئی لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔" اس کا تذلیل سے بھرا لہجہ اور مخاطب بھی کون تھا اس کی اپنی ماں۔ یا خدا یہ انسانیت کی کون سی سطح تھی۔ زینب نے اپنے روئیں روئیں میں اذیت کی لہروں کو سر پٹختے محسوس کیا۔

"افوہ شاہ' دفع کر کیا اس منحوس کو لے کر بیٹھ گیا ہے۔ یہ بتا کہ کھانا کھایا تو نے کہ نہیں۔ شریفاں بھی آج چھٹی پر ہے' اور تم نے آنے کی اطلاع بھی تو نہیں کی۔" چچی نے اپنا موضوع بدلا۔ زینب پیچھے والی گیلری سے ہوتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ زندگی اس کے لیے کبھی بھی آسان نہیں رہی تھی پر اب کی بار جو آزمائش پڑی تھی وہ بہت ہی مشکل تھی۔

......☆☆☆......

ابا اور چچا دو ہی بھائی تھے۔ دادا نے دونوں کے لیے اچھی خاصی جاگیر چھوڑی تھی۔ دادی کا انتقال بہت پہلے ہوگیا تھا۔ دادا نے دوسری شادی کی بجائے اپنی زندگی دونوں بیٹوں کی پرورش میں ہی تیاگ دی۔ ابا بڑے تھے۔ ان کو تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ دادا بھی ان کے شوق سے خوش تھے۔ ان کو اپنی ایک کلاس فیلو پسند آ گئیں' سو کسی بھی رکاوٹ کے بغیر ان کو بیاہ کرلے آئے۔ چھ سال تک ان کو کوئی اولاد نہ ہوسکی۔ اس دوران چچا جو کہ زمین داری سنبھالتے تھے' ابا کو زمین داری سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ چچا جو کہ دادا کی نظر سے چوری کبھی کبھار شہر میں اپنی رنگین طبیعت کی تسکین کے لیے جایا کرتے تھے' فردوس بیگم جو کہ ایک گائیکہ تھیں کی زلف کے اسیر ہوگئے۔ انہیں ڈر تھا کہ شاید دادا ایک گانے والی کو خاندان کی بہو بنانا پسند نہ کریں سو شہر ہی میں ان سے نکاح پڑھالیا اور جب دادا نے ان کی شادی اپنی برشتے کی ایک بھانجی سے طے کردی تو انہوں نے واویلا کھڑا کردیا کہ جب بڑے بھائی کو ان کی پسند کی شادی کرنے کی اجازت مل سکتی ہے تو انہیں کیوں نہیں۔ ابا اس وقت ایک سرکاری ادارے سے منسلک تھے۔ دادا کے بلانے پر بھائی کو سمجھانے چلے آئے۔ چچا نے باپ بھائی دونوں سے خاصی گستاخی سے بات کی' یوں دادا ان سے خفا ہوگئے۔ ابا بھی چھوٹے بھائی کے رویے سے دل برداشتہ ہوکر واپس شہر چلے گئے' لیکن دادا کو اپنی ناراضگی ختم کرنا پڑی جب چچا ایک ماہ کے شاہ نواز کو فردوس بیگم سمیت گاؤں لے آئے اور دادا کے سامنے لا کھڑا کیا۔ یوں دادا کی فطری محبت نے جوش مارا اور انہوں نے بہو اور پوتے کو گلے سے لگالیا۔ شاہانہ بیگم اب اولاد کی کمی محسوس کرنے لگی تھیں خصوصاً ننھے شاہ نواز کے آنے کے بعد۔ شاہ نواز کے بعد چچی فردوس کے ہاں اریبہ نے جنم لیا تب سات سال کے طویل عرصے کے بعد شاہانہ بیگم کے ہاں خوش خبری آئی اور زینب نے جنم لیا لیکن زینب اپنے ماں باپ کی شفقتوں کو صرف چار سال کی عمر تک ہی محسوس کرسکی اور ایک دن جب وہ اس کے ماں باپ شہر سے

واپس گاؤں آرہے تھے تو گاڑی کے حادثہ میں زینب معجزانہ طور پر بچ گئی لیکن وہ دونوں جانبر نہ ہوسکے۔ فردوس بیگم کے ہاں اب ایک اور بیٹی بھی آچکی تھی انہیں اپنے بچوں سے فرصت نہیں تھی نہ زینب سے دلچسپی سو بوڑھے دادا ہی اس کے لیے ماں اور باپ بن گئے۔ وقت کچھ اور آگے سرکا' شاہ نواز بالکل اپنے باپ کا پرتو تھا ویسا ہی رنگین مزاج' عیاش اور بگڑا ہوا جاگیردار جس نے مشکل سے میٹرک کیا۔ زینب اور اریبہ بھی اب گاؤں کے ہائی اسکول سے میٹرک کررہی تھیں جب دادا کی طبیعت خراب رہنے لگی' میٹرک میں اریبہ بری طرح سے فیل ہوگئی تو اس نے بھی پڑھائی کو خیرباد کہا جبکہ زینب نے حسب معمول امتیازی نمبروں سے میٹرک پاس کیا اور دادا سے ضد منوا کر روزانہ شہر کے کالج میں آنے جانے لگی۔ چچی اور شاہ نواز کو البتہ بہت اعتراض تھا کہ لڑکیوں کو بھلا اتنی آزادی دینے کی ضرورت ہی کیا ہے لیکن دادا کے آگے کسی کی مجال نہیں تھی کہ کچھ بول سکے۔ زینب جب تھرڈ ایئر میں تھی' دادا جو کسی مہربان شجر کی مانند تھے اسے چھوڑ کر راہ عدم سدھار لیے پھر تو حالات نے تیزی سے پلٹا کھایا' چچی فردوس جو شروع سے دیہاتی زندگی سے نالاں تھیں' سب کچھ سمیٹ سماٹ کر شہر آن بسیں۔ چچا البتہ وہیں گاؤں میں ہوتے' شاہ نواز کا کچھ پتہ نہیں تھا' چچا چاہتے تھے کہ تعلیم میں تو دلچسپی نہیں لی اس نے اب زمینوں کا کام سنبھالے پر وہ غیر ذمہ دار تھا' دو دن ان کے ساتھ رہتا پھر اکتا کر شہر نکل آتا اور کچھ دنوں سے جب سے اسے زینب کے دلکش سراپے اور معصوم صورت کا ادراک ہوا تھا اس کی جرائیں بھی بڑھ گئی تھیں۔ کبھی کوئی بے ہودہ بات کہہ دیتا تو کبھی ہاتھ پکڑ لیتا' ایک بار تو اپنی جسارت پر اس نے زینب سے ایک زوردار تھپڑ بھی کھایا' اس دن سے اس سے بدلہ لینے کی ٹھان لی تھی اور جلد ہی اسے موقع بھی مل گیا تھا اگر جو گھر والے جلدی نہ آجاتے۔ چچی چاہتی تھیں زینب پڑھائی چھوڑ دے کیونکہ ان کی دونوں بیٹیاں میٹرک بھی نہ کرسکی تھیں' یہاں چچی کے بہن بھائیوں کے گھر تھے ان کے بہن بھائیوں

کے بچے بھی کم و بیش ان کی اولاد جیسے ہی تھے۔ فیشن کے دلدادہ' اونچی سوسائٹی کے پروردہ کہلانے کے شوق نے ان کو بے راہ روی کی اس راہ پر ڈال دیا تھا جو آج کے ماڈرن دور کی سمبل سمجھی جاتی ہے۔ دادا کے جانے کے بعد زینب کو لگتا زندگی اس کے لیے بہت مشکل ہوگئی ہو اب جب سے شاہ نواز نے اسے تنگ کرنا شروع کیا تھا وہ چاہتی تھی کسی ہوسٹل میں شفٹ ہوجائے پر چچی اس کی یہ خواہش کبھی بھی پوری نہیں ہونے دیتیں اور اب بیٹے کو ہمت دیتے اس نے خود سن لیا تھا۔ سوچ سوچ کر دماغ تھک گیا تھا' چچا بے شک سگے چچا تھے لیکن اپنی اولاد کی محبت میں چچی سے دو قدم آگے تھے۔ ان کے نزدیک اولاد سے محبت کا تقاضا یہی تھا کہ ان کے آگے دولت کے ڈھیر لگا دیئے جائیں پھر بھلے وہ سیاہ کریں یا سفید' ان کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ ہر ہفتے وہ شہر چکر لگاتے چچی سب ٹھیک ہے کی رپورٹ دے کر بھیجتیں۔ بس یہ شکر کا مقام تھا کہ چچی کے بارہا اصرار پر بھی انہوں نے کہا تھا کہ جب تک زینب کا کوئی رشتہ نہیں آجاتا تب تک اسے اس کی مرضی کے مطابق پڑھنے دیا جائے۔ چچا زینب کے خرچ کے حوالے سے بھی ایک معقول رقم چچی کے حوالے کیا کرتے تھے۔ یہ جانے اور پوچھے بغیر کہ وہ اسے زینب پر خرچ بھی کرتی ہیں یا نہیں' ہمیشہ اریبہ کی اترن پہننے کو ملتی اسے' اگرچہ اریبہ ایک دو دفعہ پہن کر ہی اوب جاتی اور وہ کپڑا زینب کا نصیب بن جاتا پر ہوتی تو اترن ہی تھی ناں۔ سالوں اپنی گاڑی پر آنے جانے والی زینب کو اب کالج بس ایک مخصوص اسٹاپ تک چھوڑتی وہاں سے گھر تک اسے لوکل وین میں آنا پڑتا جس کے لیے اسے کرایہ چاہیے ہوتا جو کہ ہر روز ماتھے پر تیوریاں سجائے چچی ہزار خرچے سنانے کے بعد دیتیں۔ زینب کے ابا کے فنڈز اور پینشن کی رقم بقول چچی کے اس کی شادی کے خرچ کی مد میں رکھ دی گئی تھی اسی طرح نوٹس اور بکس وغیرہ کے لیے بار بار اپنی عزت نفس داؤ پر لگانے کی بجائے اس نے ایک کلاس فیلو کے ذکر کرنے پر کہ ان کی آنٹی کے بچوں کو میتھ' سائنس کی فیسیل

ٹیوٹر کی ضرورت ہے کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں شکر ہے وہ خاتون اس سے مطمئن ہوگئی تھیں۔ کالج سے سیدھا وہ وہیں جاتی پھر تین بجے کے بعد ہی گھر پہنچتی۔ چچی اور ان کی بیٹیاں اول تو گھر میں موجود ہی بہت کم ہوتیں ان کا زیادہ وقت خالہ اور ماموؤں کے گھر گزرتا' ہوتیں بھی تو ان کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ زینب کے اوقات کار کی تبدیلی کا پتہ کرنے کھڑی ہوجاتیں۔ اب زینب بی ایس سی کے فائنل ایئر میں تھی۔ کچھ ہی دنوں میں امتحان ہونے والے تھے اور زینب جو چچی اور ان کے گھر والوں کے رویوں سے بہت مایوس ہوچکی تھی' ڈگری ہاتھ آنے پر سنجیدگی سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے بارے میں سوچنے لگی تھی۔

...... ♥ ......

''سکینہ...... بہری ہوگئی ہو کیا ایک گھنٹے سے بلائے جارہی ہوں' کان پر جوں بھی نہیں رینگ رہی۔'' رشیدہ بیگم اپنا بھاری بھرکم وجود گھسیٹتی دہیں پرآ گئیں۔ سکینہ جلدی سے گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔

''جی تائی' میں بس آ ہی رہی تھی۔'' وہ منمناتے ہوئے بولی۔

''آ نہیں رہی تھی بیٹھی ڈھیٹوں کی طرح سن رہی تھی۔ تم جو اس کا بہانہ بنا کر سارا دن یہاں گھسی رہتی ہو اس مردے نے اب کبھی نہیں اٹھنا' لکھ کر رکھ لو میری بات۔'' ایسی سنگ دلانہ بات پر سکینہ کے آنسو رواں ہوگئے۔ ''اب نحوست پھیلانے کے بجائے کچن میں جاؤ' خرم خان نے دس بندوں کی روٹی پانی کا بندوبست کرنے کو کہا ہے' ایک گھنٹے کے اندر اندر۔ شہری مہمان آئے ہیں۔ گھنٹے کا مطلب گھنٹہ ہی ہونا چاہیے۔'' رشیدہ بیگم اپنا حکم سنا کر چلتی بنیں' سکینہ نے ایک نظر اپنی ماں پر ڈالی جن کی آنکھوں سے نکلتے خاموش آنسو یہ بتا رہے تھے کہ رشیدہ بیگم کی بات ان کا دل بھی ویسے ہی دکھا گئی ہے جیسے سکینہ کا۔ وہ آہستہ سے ان کے پاس آئی' ان کے ماتھے پر پیار کرکے ان کا ہاتھ تھپتھپا کر ان پر چادر ٹھیک کی اور دروازہ بند کرتی جلدی سے کچن میں آگئی...... بھائی کو آئے کتنے دن ہوگئے' اس نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔ وہ پڑھائی سے بمشکل فارغ ہی ہوئے تھے کہ تایا نے انہیں اپنی شہر والی فیکٹری میں کام سنبھالنے پر لگا دیا تھا۔

اگلے مہینے ہی شہزادی جو کہ تایا کی بیٹی تھی سے اس کی شادی متوقع تھی اور خود سکینہ کی شادی خرم خان سے ہونا قرار پائی تھی۔ پتہ نہیں کیا بات تھی کہ سکینہ کو خرم خان کبھی اس حوالے سے بھایا ہی نہیں تھا۔ ماں کی طرح اکھڑ مزاج اور غصہ ور خرم خان جو بات بات پر ملازموں کو جانوروں کی طرح پیٹ ڈالتا' وہ صرف اپنی بات کو اہمیت دینے والا شخص تھا۔ عیاش اور بگڑا ہوا خرم خان جو تایا کا دایاں بازو تھا اس کے ظلم اور جبر کی داستانیں گاؤں میں مشہور تھیں۔ اڑتی پڑتی ان تک بھی پہنچ ہی جاتیں۔ تائی تو یہ سب سن کر اوڑا کر جاتیں کہ ارے یہ تو اس عمر کی خصوصیات ہوتی ہیں' مرد یہ شغل میلہ نہ کرے تو مرد ہی کیا کہلائے۔ ابا بہت پہلے ایک موذی مرض کا شکار ہوکر ان سے بچھڑ گئے' اماں بھی دو سال پہلے فالج کا شکار ہوکر بستر کی ہو رہیں۔ مومن اس سے تین سال بڑا تھا' شروع سے ہی ابا نے اسے زمینوں اور اس کے سبب پیدا ہونے والی دشمنیوں اور نسل در نسل چلنے والی عداوتوں سے دور رکھنے کے لیے ہاسٹل میں رکھا تھا' وہ کبھی کبھار ہی گاؤں آتا۔ اسے سجاد یاد آیا اس کے ماموں کا بیٹا' اماں نے ایک بار ذکر کیا تھا کہ ماموں مرحوم کی بڑی خواہش تھی سکینہ کو بہو بنانے کی پر ماموں کے ساتھ ہی سب خواہشیں' خوابوں کے سلسلے تمام ہوئے تھے پر نہیں ایک بار جب مامی کے ساتھ وہ اماں کو دیکھنے کے لیے آیا تھا جس نظر سے اس نے بار بار سکینہ کو دیکھا اس سے لگتا تھا کہ یہ صرف ماموں کی خواہش نہیں تھی اس کی بھی تھی۔ وہ نظریں جھکا کے رہ گئی تھی۔ مامی نے شاید تائی سے بات کی تھی ایک رات جب وہ تایا کو دودھ دینے کے لیے آرہی تھی تو اس نے سنا تھا وہ تائی رشیدہ پر خفا ہو رہے تھے کہ اس نے مامی کو اسی وقت جواب کیوں نہیں دیا' اور میں کوئی پاگل ہوں جو گھر کی جائیداد اٹھا کے غیروں کے حوالے کردوں' سکینہ کو خرم سے اور مومن کو شہزادی سے بیاہوں گا' کان کھول کر سن

لو تم اور سب کو بھی بتاؤ۔ تب تائی نے منمناتے ہوئے کہا تھا کہ سکینہ کی ماں نے اپنے بھرا کو زبان دی ہوئی تھی۔ تب کیسے تایا دھاڑ کے بولے تھے اور گھپ گئے سب زبانیں دینے والے۔ میں ہی اب سب کا بڑا ہوں۔ سب کے فیصلے بھی میں ہی کروں گا۔ سکینہ میں آگے کچھ سننے کی ہمت نہیں تھی وہ دودھ کا گلاس واپس لیے پلٹ گئی تھی۔

❁ ...... ♥ ...... ❁

بچوں کا کام اختتامی مراحل میں تھا۔ مسز صادق جن کے بچوں کو وہ پڑھاتی تھی خاصی مہربان خاتون تھیں۔ اس کی مجبوری کا احساس تھا انہیں کہ آخر کوئی تو ایسی وجہ تھی جو اسے دوران تعلیم یہ مشقت کرنے پر مجبور کر رہی تھی وہ اس کے کالج سے سیدھے یہاں آنے کا اتنا خیال کرتیں کہ فوراً اس کو پہلے کچھ کھانے کو دیتیں کہ بھوکے پیٹ وہ کہاں پڑھا سکتی تھی۔ زینب نے ایک دو دن تو انکار کیا پھر ان کے مسلسل اصرار پر کھانا کھانے کے بعد بچوں کو پڑھانا شروع کرتی۔ نازک اندام سی زینب آپی جس کے پڑھانے کا انداز بھی خود اسی کی طرح دل موہ لینے والا تھا سو وہ بچے بھی جلد ہی اس سے مانوس ہو گئے تھے آخر میں ان کا کام جلدی سے چیک کر کے اس نے بچوں کو چھٹی دی خود بیگ اور چادر سنبھالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ مسز صادق کا گھر مین روڈ پر تھا جہاں سے اسے اپنے اسٹاپ کی بس نہیں ملتی تھی۔ کرایے میں زیادہ رقم خرچ نہ ہو یہ سوچ کر وہ سات آٹھ منٹ کا فاصلہ اکثر پیدل ہی طے کرتی تھی پر آج بادلوں کے ساتھ ساتھ بوندیں تواتر سے پڑنے لگیں تو وہ از حد گھبرا گئی۔ مسز صادق سے اپنی پریشانی کا ذکر کرنا نہیں چاہتی تھی کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ وہ پک اینڈ ڈراپ جیسی کوئی فیور چاہ رہی ہے۔ لیکن تھوڑی دیر میں وہ خود ہی وہیں آ موجود ہوئیں۔

''زینب آپ ایسا کریں مومن کے ساتھ چلی جائیں، تمہارے بھائی کے آفس میں ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے بہت شریف لڑکا ہے، اسی طرف جا رہا ہے، کوئی ضروری فائل حسن گھر بھول گئے تھے وہی لینے آیا ہے، تمہاری پریشانی کا ذکر کیا تو ٹھہر گیا۔ اٹھو شاباش تمہیں چھوڑتا ہوا جائے گا۔'' انہوں نے اگر مگر کی گنجائش چھوڑی ہی نہیں۔

زینب کو باہر آنے پر پتہ چلا کہ بارش تیز ہو رہی تھی۔ وہ چادر اور بیگ سنبھالتی تیز قدموں سے گاڑی کے پاس آ گئی، وہ بندہ جس کا نام مسز صادق نے مومن بتایا تھا فرنٹ سیٹ پر موجود تھا۔ زینب نے پچھلا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر سلام کیا۔ آگے بیٹھے مومن نے ایک نظر بیک مرر میں اس پر ڈال کر سلام کا جواب سنجیدگی سے دیا اور ڈرائیونگ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ویسے بھی خاموش طبع اور خواتین سے لیے دیئے رہنے والا رویہ رکھتا تھا۔ فیکٹری کے ایم ڈی جو اس کے بہترین دوست بھی بن چکے تھے اس مختصر عرصے میں ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ مستقبل میں تایا کا ارادہ فیکٹری کا تمام کام اس کی سپردگی میں دینے کا تھا تاہم ابھی وہ صرف سیکھنے کے مراحل سے گزر رہا تھا۔ حسن بھائی کے ساتھ ان کے گھر وہ پہلے بھی کئی مرتبہ آ چکا تھا اب بھی جلدی میں وہ فائل لے کر نکلنے کو تھا جب بھابی نے اسے روک کر ریکویسٹ کی کہ بچوں کی ٹیوٹر کو بارش کی وجہ سے کنوینس کا مسئلہ نہ ہو اس لیے اسے اسٹاپ تک چھوڑتا جائے لیکن مومن کا تعلق جس علاقے سے تھا وہاں ان کی عورتیں ایسے تن تنہا سفر نہیں کیا کرتی تھیں۔ سو اسے بھی اس لڑکی کو اسٹاپ تک چھوڑنا گوارا نہ ہوا تو اس نے شائستگی سے اس کے گھر کا ایڈریس معلوم کیا، اپنے خیالوں میں بیٹھی وہ لڑکی چونکی، سڑک پر آتے ہی اس نے چادر سے منہ بھی ڈھانپ لیا تھا۔ اس کے ایڈریس پوچھنے پر اس نے ایک نظر باہر تیز برستی بارش کو دیکھا اور آہستگی سے اپنے گھر والی مین روڈ کا بتا دیا۔ شکر ہے وہ علاقہ بھی نزدیک ہی تھا۔ مومن نے ایکسلیٹر پر اپنے پاؤں کا دباؤ بڑھا کر گاڑی کی اسپیڈ کو اور بڑھایا کہ جلدی سے اسے چھوڑ کر آفس بھی پہنچ جائے۔ مطلوبہ روڈ تک آ کر اس کے مزید پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ زینب نے اپنی لین اور اس میں موجود اپنے گھر کا نمبر بھی بتا دیا۔ جواب میں اس نے اس کے گھر کے سامنے ہی بریک لگائی تھی۔ تیز بارش کے باعث دور دور تک کسی ذی

روح کا نام ونشان تک نہیں تھا وہ اس کا بہت شکریہ ادا کرتی اپنی فائل کو سر پر چھتری کی صورت تانے بھاگ کر نیم وا چھوٹے گیٹ سے گزر کر اندر چلی گئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس بھرتے گاڑی کو پھر سے آگے بڑھا دیا۔

زینب نے اپنے کمرے میں آ کر کپڑے تبدیل کیے کھانا چونکہ کھا کے آئی تھی سو ظہر کی نماز پڑھ کر سونے کے لیے لیٹ گئی پھر اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب عصر سے اوپر کا وقت ہو گیا تھا۔ لیکن لاؤنج کی طرف سے آتا آوازوں کا شور اسے اندر بڑھنے پر مجبور کر گیا۔ عموماً اس وقت لاؤنج میں رونق برپا ہوتی تھی کبھی اریبہ وغیرہ کی کزنز آئی ہوئی ہوتیں کبھی وہ بہنیں خود ہی ٹی وی' میوزک سے دل بہلاتیں۔ چچی بھی اکثر بیٹیوں کے ساتھ ہی ہوتیں اور رات کو آٹھ بجے وہ سب کھانے کی ٹیبل پر آ موجود ہوتے۔ اس وقت اسے چونکانے کا سبب وہ تیز تیز آوازیں تھیں جو وہاں سے آ رہی تھیں' نمایاں آوازوں میں چچا اور ان کے سالوں کی آوازیں بھی تھیں۔ مگر چچی کا رونا اس کا دل دھڑکا گیا چچا ہر ہفتے چکر لگاتے تھے' صبح آ جاتے اور رات گئے واپسی ہوتی تھی پر ابھی پرسوں ہی ان کی واپسی ہوئی تھی' دروازے پر آ کر وہ رک گئی۔ چچی کا پورا خاندان ہی وہاں جمع تھا۔ چچی زور زور سے رو رہی تھیں۔ ان کی دونوں بیٹیاں ان کے دائیں بائیں موجود تھیں' ان کے نم چہرے اور سرخ آنکھیں بھی کسی انہونی کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ چچا فون پر کسی کا نمبر ملانے میں مصروف نظر آئے' اس کی طرف کسی نے نہ نگاہ کی نہ توجہ اب وہ کسی کو ہدایت دے رہے تھے کہ جب تک وہ کہیں گے نہیں شاہ نواز کو روپوش رکھا جائے۔ پھر دوسری طرف کوئی بات سن کر انہوں نے فون بند کر کے روئے سخن چچی کی طرف موڑا۔

"تمہاری دی ہوئی بیجا آزادی نے آج یہ دن دکھایا ہے۔ معمولی سی بات پر گولی ہی چلا ڈالی الو کے پٹھے نے۔ اب دعا کرو وہ خان بچ جائے' ورنہ تمہارے بیٹے کو پھانسی کے پھندے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ ہمارے گاؤں میں چہ مگوئیاں ہو رہی ہیں کہ بازاری عورت کے لیے دونوں کے درمیان تکرار بڑھ گئی اسی لیے نہیں تھا میرے پاس گاؤں میں یہاں عیاشی کے سارے سامان میسر تھے اسے نہ کوئی روک ٹوک نہ پوچھ گچھ ماں کی طرف سے۔" وہ غصے سے دھاڑ رہے تھے۔ اب معاملہ کچھ کچھ زینب کی سمجھ میں آیا تھا کہ شاہ نواز نے کسی پر گولی چلائی تھی اور دوسرا فریق سخت تشویش ناک حالت میں تھا۔ چچا کے سالے بڑھ چڑھ کر ایک سے ایک مشورہ دے رہے تھے جبکہ چچا کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ پیشانی پر تفکرات کا جال بنا ہوا تھا' اس کا مطلب تھا کہ معاملہ واقعی سیریس تھا ورنہ ایک دو بار شاہ نواز چھوٹی موٹی وارداتوں میں تھانے کا چکر بھی لگا چکا تھا' لیکن چچا کا روپیہ اس کا بال بیکا کیے بغیر اسے وہاں سے نکلوا لایا تھا۔ چچا نے معمولی سی باز پرس کی تھی۔ چچی نے تو یہ بھی گوارا نہیں کیا جواباً اس کی عیاشیاں اور حرکتیں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھیں۔ زینب آہستہ سے قدم اٹھاتی پھر واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

❁ ...... ♥ ...... ❁
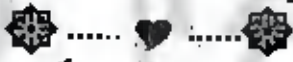
ابھی کل شام ہی تو خرم خان اور سکینہ کے نکاح کی تقریب منعقد ہوئی تھی جبکہ شہزادی اور مومن کی نکاح کی تقریب دو دن بعد رکھی گئی تھی۔ مومن سکینہ کو دعا دے کر کچھ دیر لاچار پڑی اماں کے پاس بیٹھا اماں کو اس حال میں دیکھنا اسے ہمیشہ شدید کرب میں مبتلا کر دیا کرتا تھا۔ خرم خان نے اپنی طرز سے اپنے نکاح کی خوشی منائی تھی' شراب وشباب جس کی روزمرہ کے ساتھی ہوں' ایسے اہم موقع پر کیسے وہ ان کو بھول سکتا تھا تاہم مومن کو ایسی کسی محفل سے دلچسپی نہیں تھی' اس نے کچھ دیر ہی اس محفل میں شرکت کی پھر بازاری عورتوں کے بازاری انداز' ام الخبائث کا کھلے عام استعمال' اس ماحول کا پروردہ ہونے کے باوجود اسے ایسی محفلیں ہمیشہ اپنے اعصاب کا امتحان معلوم ہوتی تھیں۔ صبح ناشتا کر کے وہ اماں سے مل کے وہاں سے نکل آیا تھا۔

"سکینہ! تم خوش تو ہو ناں؟" بہن کی سوجی آنکھوں کو غور سے دیکھتا وہ گویا ہوا جب وہ اس کے سامنے لسی کا جگ رکھ رہی تھی' تیزی سے اثبات میں سر ہلاتی سکینہ وہاں سے

دور ہٹ گئی تھی۔ مبادا آنکھوں میں تیزی سے جمع ہوتے آنسو باہر نکل کر اس کا بھرم کھودیں جبکہ مومن نے اس کے اس عمل کو اس کی شرم پر معمول کیا تھا۔ شہر آ کر وہ فیکٹری کے کاموں میں بری طرح مصروف رہا۔ اور دوپہر کو ہی اسے یہ روح فرسا خبر ملی کہ شہر سے بلائی جانے والی ایک شمع محفل پر خرم خان اور اس کے دوست کا جھگڑا بڑھ گیا اور دونوں نے ایک دوسرے پر ریوالور تان لیے تھے۔ ہاتھا پائی میں شاہ نواز کے پستول کی گولی خرم خان کے پیٹ میں لگی تھی۔ جس سے وہ شدید زخمی ہو کر ہسپتال لایا گیا تھا' جبکہ شاہ نواز وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔ تایا فی الحال باقی سب کچھ بھلائے بیٹے کے ساتھ تھے۔ مومن بھی موقع پر ہسپتال پہنچ گیا تھا۔ ڈاکٹرز کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھے۔ اگرچہ آپریشن کے بعد پیٹ سے گولی تو نکال لی گئی تھی پر خون زیادہ بہہ جانے کے باعث خرم خان کی حالت خطرے میں تھی۔ تایا بیٹے کی جان بچانے کو اپنی ساری دولت لٹانے کو تیار تھے پر موت اٹل ہے۔ جس کو دنیا کی کوئی دولت' منصوبہ یا تدبیر بھی وقت مقرر پر آنے سے نہیں روک سکتی۔ چوبیس گھنٹے موت وزندگی کی کشمکش میں رہنے کے بعد بالآخر خرم خان نے دم توڑ دیا تھا۔ تایا کے اثر ورسوخ کے باعث پوسٹ مارٹم جلد ہی ہوگیا اور میت کو گاؤں لے جایا گیا۔ اس قدر جوان اور حادثاتی موت سے گاؤں میں طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ تدفین اور دیگر رسومات سے فارغ ہونے کے بعد تایا کو دوسری پارٹی کی طرف سے پنچائیت بلا کر فیصلہ کرنے پر زور دیا گیا تھا۔ نیز درخواست کی گئی تھی کہ معاملہ پولیس کے ہاتھ سے لے کر آپس میں افہام وتفہیم سے حل کیا جائے' تایا نے گاؤں کے سرکردہ اور برادری کے کچھ لوگوں کو بلایا تھا' مختلف لوگوں کی مختلف آراء تھی۔ تاہم ایک دو تجربہ کار بزرگوں کی بات میں وزن تھا کہ جھگڑا چونکہ برابر کا تھا سو یہ فعل مرحوم خرم خان سے بھی ہوسکتا تھا پھر جانے والا تو چلا گیا' زیادہ بہتر یہی ہے کہ بیٹھ کر کچھ لے دے کر معاملہ کو سلجھا لیا جائے' تایا نے البتہ اپنی کوئی بھی رائے دینے سے گریز کیا تھا۔ عموماً اس قسم کے فیصلے زمین دارانہ نظام کا حصہ ہوتے ہیں۔ تایا خود بھی پنچائیت کا ایک اہم رکن تھے دوسروں کی زندگیوں کے فیصلے بڑی آسانی سے کر لینے والے کو آج بخوبی ان لوگوں کے درد کا اندازہ ہو رہا تھا جو اولاد جیسی نعمت کو کسی کی غلطی کی وجہ سے کھو بیٹھتے تھے۔

اگلے چند دن اسی طرح سے گزرے ایک ماہ میں تین دفعہ پنچائیت بلائی گئی تھی۔ کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکا تھا۔ مومن خان اس دوران شہر بھی چکر لگا آیا اور گاؤں بھی آنا جانا لگا رہتا۔ خصوصاً جس دن پنچائیت بیٹھتی۔ آخری پنچائیت میں شاہ نواز کا باپ بھی موجود تھا۔ اگلی پنچائیت میں حتمی فیصلہ ہونے کے امکانات تھے کہ تایا اب کچھ مفاہمتی انداز میں تھے اور ٹھیک ایک ہفتہ بعد معاملہ ایک مربع زمین اور ایک بازو (رشتہ) کے بدلے طے ہوا۔ چچی تو فیصلے کا سن کر بے ہوش ہو کر گر پڑیں۔ ان کی بیٹیاں تو اس فیصلے کا سن کر ہی فوراً ماموؤں کے گھر چلی گئیں یہ کہہ کر کہ بھائی کی زندگی ان کو پیاری ہے لیکن اتنی پیاری ہرگز نہیں کہ اس کے کیے کی سزا بھگتنے کو اپنی زندگی برباد کر ڈالیں۔ بہت دنوں سے وہ لوگ شہر میں رہائش پذیر تھے لیکن اپنے علاقے کی رسوم ورواج سے ناواقفیت بھی نہیں تھی۔ خون بہا کے بدلے جانے والی لڑکی کے ساتھ جو سلوک ہوتا تھا وہ انہوں نے دیکھا نہیں تو سنا تو ضرور تھا۔

"ساری دنیا کی بے وقوف ترین عورت میرے ہی پلے پڑی ہے۔ ارے ہوش کرو اور اپنی بے وقوف بیٹیوں کو بھی واپس بلاؤ۔ ایسا کچھ نہیں ہوگا جیسا وہ یا تم سوچ رہی ہو۔" چچا نے چچی کے واویلا کرنے سے پہلے ہی ہوش میں لا کر ان کو تسلی دی۔ "پھر...... پھر کیسے میرا شاہ نواز گھر آئے گا۔" انہوں نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

"ارے آجائے گا' تمہارا لاڈلا اور تمہاری بیٹیاں بھی تمہارے پاس ہی رہیں گی۔" چچی کے آنکھوں کے سوالیہ تاثر کو انہوں نے کچھ دیر دیکھ کر ڈرامائی وقفہ دیا اور جو کچھ راز داری سے جھک کر ان کے کان میں کہا وہ سن کر پر سکون مسکراہٹ آگئی آنکھوں میں روشنی اتر آئی۔

"ارے...... ارے ایسی سامنے کی بات مجھے نظر ہی نہ

آئی۔" زندگی کے اس رنگ کا تو اس نے خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ اس کے تو جب سے دادا مرے تھے یہ خواہش ہی خواب بن گئی تھی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو کر جلد از جلد یہاں سے چلی جائے گی اور اپنے خواب میں من پسند رنگ بھرنے کو بہت محنت کر رہی تھی۔ ابھی کل ہی تو اس کا آخری وائیوا ہوا تھا۔ اس کی تھکن میں بھی ایک آسودگی تھی۔ منزل کی طرف اس نے پہلی سیڑھی پر قدم بڑھایا تھا۔ گھر میں شاہ نواز والے معاملے پر روز ہی نیا کچھ سننے کو ملتا۔ چچی نے کوئی وظیفہ کوئی تدبیر نہیں چھوڑی۔ چچا کا ایک پاؤں گاؤں میں ایک شہر میں ہوتا تھا۔ پرسوں شام کو ہی اس نے خبر سنی کہ خانوں نے ایف آئی آر واپس لینے اور شاہ نواز کو معاف کر دینے کی شرط زمین اور شاہ نواز کی بہن خون بہا میں مانگی ہے۔ اسے اپنی دونوں چچازاد پر بے حد رحم آیا پتہ نہیں کس کے نصیب میں ایسی بدنصیبی لکھی گئی ہے۔ اسے اندر ہی اندر پکنے والی اس کھچڑی کی بابت کچھ معلوم نہیں تھا کہ اپنے اوپر اتری آزمائش کا رخ وہ لوگ اس کی طرف منتقل کرنے کا سوچ رہے تھے۔ چچا مسلسل یہاں تھے اور ہر ہفتے اپنے آنے پر سرسری سہی اس کا حال پوچھنے والے چچا بیٹے کی سزا کے خوف میں ایسے پڑے کہ بھول ہی گئے کہ اس گھر میں ایک یتیم بھتیجی جس کی ذمہ داری اور کفالت کا ذمہ اللہ نے انہیں سونپا ہے وہ کفالت اور ذمہ داری تو ایک طرف اس کا وجود بھی بھول بیٹھے ہیں۔ کل رات کو بھی چچی ہی اس کے پاس آئی تھیں اور نارمل انداز میں بتایا تھا کہ انہوں نے خون بہا میں دینے جانے کے سلسلے میں اس کا انتخاب کیا ہے۔ کل اس کا نکاح ہے وہ تیار رہے۔

صدمے سے زینب کی آواز گنگ ہو گئی اور آج سہ پہر کو مومن خان اپنے تایا اور کچھ بزرگوں کے ہمراہ آیا تھا۔ ان کا نکاح ہوا تھا اور وہ لوگ عازم سفر تھے۔ زندگی کی عبارت اس کے لیے پہلے بھی نفرت، حقارت اور ذلت تھی اب بھی یہی تھی بس ان لفظوں کے رنگ جدا ہونے والے تھے۔ اس نے اپنے احساسات کو برف ہوتے محسوس کیا۔ جب جیپ نے باہر تک گاڑی نے اسے چھوڑا وہاں سے

ایک ملازمہ کی معیت میں وہ اندر آئی برادری کی عورتوں کا ہجوم رونے پیٹنے اور کچھ چہ میگوئیاں کرنے میں مصروف تھا۔ خرم خان کی ماں، بہن اور کچھ دوسری عورتوں نے بین ڈالتے ہوئے اسے اس طرح سے مارا کہ احساسات پر جمی برف پگھلنے لگی، جسم درد سے بے حال ہونے لگا۔ مار مار کر جب وہ نڈھال ہو جاتیں تب کوسنوں اور بددعاؤں سے اس کی روح کو زخمی کرتی رہیں۔ اس نے اپنا ہلکا گلابی کام والا دوپٹہ عورتوں کے پیروں کے نیچے دیکھا۔ رشیدہ بیگم نے بے دردی سے اس کے کانوں میں پہنے والی بالیاں نوچ ڈالیں۔ شام گئے تک وہ سلسلہ رہا وہ اور اس کا چھوٹا سا بیگ جس میں اسے نہیں معلوم تھا کہ چچی کی بیٹیوں نے کیا کچھ ڈالا تھا وہیں رلتا رہا۔ اندھیرا بڑھنے پر ایک ملازمہ نے حقارت سے اسے اٹھنے کو کہا، ساتھ ہی ایک ٹھوکر رسید کی۔ پھر ایک کوٹھڑی نما کمرے میں اسے پہنچا کر وہی ملازمہ نمکین چاولوں سے بھری پلیٹ اس کے پاس ڈال کر چلتی بنی۔ زندگی نے اپنا چلن اس طریقے سے بدلا تھا کہ کوئی ایک سوچ ذہن پر مرکوز نہ ہو پا رہی تھی۔ دکھتے جسم کی دہائیوں پر دھیان دیتی کہ ٹیسیں دیتی روح پر جس نے ذلت کا نیا ذائقہ چکھا تھا۔ سیدھی ہو کر بیٹھنے کی کوشش میں چوٹیں چیخ اٹھیں۔ کراہیں نکلتی رہیں، درد کے باعث نیند آ کر واپس لوٹ جانے پر مجبور ہوتی رہی۔ ذرا غور کرنے پر جب آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہوئیں ایک نواڑی ٹوٹا پھوٹا پلنگ دکھائی دیا۔ ایک لوہے کی زنگ آلود الماری، نیچی چھت والا کمرہ اپنی وضع قطع اور گرد آلود کاٹھ کباڑ سے سجا اسٹور لگ رہا تھا۔ بائیں طرف کھڑکی کا ایک پٹ کھلا اور ایک بند تھا۔ جس میں سے آتے ناگوار بدبو کے بھبکے یہ بتا رہے تھے کہ جانوروں کا باڑہ یہیں پاس ہی تھا۔ چکراتے سر اور دکھتے جسم کو سنبھالے وہ نواڑی پلنگ پر بیٹھی اپنے نصیب کے رازوں کو کھوجتی رہی، تھکن اور گریہ سے تھکی آنکھیں بند ہونے کو تھیں کہ بند دروازہ ایک چرچراہٹ سے کھلا ساتھ ہی چاند کی روپہلی چاندنی شرارت کرتے ہوئے نو وارد کے ساتھ اندر چلی آئی۔

زینب کی آپس میں باہم جڑتی پلکیں پٹ سے کھل گئیں۔ آنے والے نے دروازہ آہستہ سے بند کیا اور اپنے کوٹ کی جیب سے موبائل نکال کر اس کی ٹارچ روشن کرکے لوہے کی کھلی الماری کے اوپر اس طریقے سے رکھ دیا کہ چھوٹا سا تاریک کمرہ اس طرح سے روشن ہوگیا کہ ہر چیز کے خدوخال واضح ہوگئے۔ وہ پہلے تو بیٹھنے کے لیے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اسی نواڑی پلنگ کی سائیڈ پر ہی ٹک گیا۔ کچھ دیر ایک معنی خیز سی خاموشی وہاں طاری رہی' وہ دونوں سر جھکائے اپنی اپنی قسمت پر ماتم کناں تھے۔ روپے کی قیمت کتنی ہی کیوں نہ گر جائے اتنی کبھی نہیں گرتی روپے کے لیے انسان گر جاتا ہے' مومن خان نے سوچتے ہوئے اپنا جھکا سر اٹھا کر اس بدنصیب لڑکی کی جانب دیکھا جو اس کے نصیب کی شراکت دار بن کر آئی تھی۔ دفعتاً اس کے بے حال اور سوجے ہوئے چہرے پر کچھ مانوس سا تاثر دکھائی دیا۔ اس بت بنی لڑکی میں اور اس لڑکی میں زمین آسمان کا فرق تھا جس کو کئی دن پہلے اس نے حسن بھائی کی سنز کے کہنے سے اس کے گھر ڈراپ کیا تھا اور آج قسمت ایک نہایت عجیب موڑ پر اسے لے کر اس کے سامنے کھڑی تھی۔ شادی انسان کی زندگی کا ایک حسین موڑ ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ قسمت اسے سنگین بنا کر سامنے لاتی ہے۔

"میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں آپ کو دوسری بار یہاں اپنے حوالے سے اس انداز میں دیکھوں گا اور قسمت کی ستم ظریفی کچھ کر بھی نہیں پاؤں گا۔" زمین کو کھرچتے اس نے کہا تو زینب نے چونک کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی بہت دن پہلے کے روشن پل آنکھوں کے سامنے گزر گئے۔ ایک طویل سانس لے کر وہ دوبارہ سے اپنے ہاتھ کی لکیروں میں الجھ گئی۔

"کیوں کیا آپ کے والدین نے ایسا؟ اگر شاہ نواز ان کی اولاد تھا تو آپ نے بھی تو ان کے گھر میں جنم لیا تھا۔" وہ الجھتے ہوئے بولا۔

"دنیا کے کوئی والدین اپنی بیٹیوں کا نصیب ایسے نہیں لکھا چاہتے جیسے کہ میرا لکھا گیا اور جو ایسا کرتے ہیں' سمجھ

جانا چاہیے کہ وہ والدین نہیں ہوتے۔" ہاتھوں کو دیکھتے دیکھتے اس نے آہستہ سے کہا تو مومن خان چونکا اور استفہامیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ زینب نے مختصراً چچا چچی اور شاہنواز سے اپنے رشتے کا بتایا وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

"اوہ رشتوں کی خود غرضی نے ہم دونوں کو ایک ہی منزل کا مسافر بنا دیا لیکن آپ کا خسارہ تو ایسا ہے کہ میں چاہ کر بھی آپ کی مدد نہیں کر پاؤں گا۔ رسموں اور رواج کی زنجیروں نے ہم سب کو اس بری طرح سے جکڑ رکھا ہے کہ چاہتے ہوئے بھی کوئی کچھ نہیں کر پاتا۔ قصاص یا خون بہا یا بدلہ بری یہ سب چیزیں نہیں ہیں' برا وہ رویہ اور وہ سلوک ہے جو ایسے رشتوں سے روا رکھا جاتا ہے۔ جو ہوتے تو جائز ہیں لیکن ساری زندگی عزت' توقیر اور احترام جیسے الفاظ کو ترستے ہیں' آپ بھی اسی سیٹ اپ کا حصہ ہیں جانتی ہی ہوں گی کہ اس طرح کی شادیوں کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور لڑکی کو ساری عمر کس قسم کے سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے' پر کیا کیا جائے کہ آنے والی کو اس کی موجودہ حیثیت سے بھی قبول ہی نہیں کیا جاتا' اس کو جرم کرنے والے کے تناظر میں دیکھ کر اس کی زندگی اجیرن کی جاتی ہے۔ مرنے والا جتنا بھی عیاش' بگڑا ہوا جاگیردار تھا' میری بہن کے سر کا سائیں تھا وہ' میری تربیت اور ماحول میں اگر فرق نہ ہوتا تو ہو سکتا ہے کہ میں بھی اس وقت آپ کو اپنی بہن کی سیاہ زندگی کا مجرم مان کر ویسی ہی اذیت دیتا جیسی اذیت آپ کو یہاں دی گئی ہوگی۔ میں ان لوگوں کے سلوک کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا نہ کر سکوں گا' لیکن اپنے ضمیر کی طمانیت کے لیے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں قطعی بے ضرر قسم کا بندہ ہوں' میری ذات سے اس گھر میں آپ کو کوئی زیادتی نہیں ملے گی۔" افسردہ سے لہجے میں اس کی برباد زندگی کا غم کرتا وہ اس کا ٹھنڈا یخ ہاتھ تھام گیا۔ اس کے ہاتھوں کا گرم لمس تھا یا لہجے کی نرمی' ہمدردی کا محسوس کیا جانے والا تاثر تھا یا اپنے درمیان موجود رشتے کا احساس' زینب ٹوٹ کر روتے ہوئے اس سے آن لگی اور اس شدت سے روئی کہ مومن خان کو اپنے اندر اس کے [illegible] گہرا دکھ خود کو کاٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ چھوٹی سی لڑکی کیسے یہ پہاڑ سے دکھ برداشت کر پائے گی جو اسے اس گھر میں برداشت کرنے ہوں گے۔ اسے خود میں سموتے وہ خود کو اس کے بارے میں سوچنے سے باز نہ رکھ سکا۔ فجر کے وقت تسلی اور محبت بھرے چند الفاظ کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھما کر مومن خان وہاں سے رخصت ہوا اور وہی چند الفاظ اس کی مشقت بھری زندگی میں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بن گئے تھے۔ وہ اپنے چچا کا رویہ سوچتی تو دکھ ہر بار حد سے سوا ہوتا کہ اتنا وقت کسی جانور کے ساتھ بھی گزارو تو اس سے انس ہو جاتا ہے وہ تو ایک جیتی جاگتی لڑکی تھی' ان کا اپنا خون' ان کی اپنی سگی بھتیجی۔ وہ ایک بار تو اس سے کہتے' یہ رشتہ' یہ مقام تو کیا وہ جان سے گزر جاتی لیکن اسے ایک ناپسندیدہ بوجھ کی طرح اتار پھینکا گیا تھا۔ ایسی زندگی کے بارے میں سننا اور سن کر رلا دینا اور بات تھی جبکہ زندگی کو برتنا اسے لگا وہ کانٹوں سے بھری راہ پر چل رہی تھی جس کے خاردار کانٹے اس کے صرف پاؤں نہیں اس کا دل اور روح فگار کرتے' اسے جانوروں کی طرح کرنے والا چوبیس گھنٹے کا کام نہیں تھکاتا تھا' اس کی روح میں شگاف ڈالتے تھے رشیدہ بیگم اور ان کی بیٹی شہزادی کے الفاظ' تائی رشیدہ تو اسے دیکھتے ہی نفرت سے زمین پر تھوک دیتیں اور ایسی مار لگاتیں کہ دنوں اس کا بدن دہائیاں دیتا۔

"اس گھر کی مالکن بننے کے خواب کبھی مت دیکھنا ورنہ تمہارے ٹکڑے کر کے کتوں کو کھلا دوں گی۔" وہ چیخ کر کہتیں' مومن خان پر صرف میری شہزادی کا حق ہے۔ ویسے تو وہ یہاں کم ہی آتا ہے اگر کبھی جو میں نے تجھے اس کے آگے پیچھے پھرتے یا اپنی شکل دکھاتے بھی دیکھا تو ٹکڑے کر دوں گی تیرے' اس بات سے بے خبر کہ اس تاریک اور خاموش رات کے وہ چند پل جو اس نے مومن خان کی معیت میں گزارے تھے محبت اور انسیت کا ایک گھنا جنگل اس کے اندر اگا گئے تھے۔ خرم خان کی بیوہ البتہ پیاری سی خاموش طبع لڑکی تھی جو یا تو سارا وقت ملازماؤں کے ساتھ مل کر مختلف کاموں میں مصروف نظر آتی یا اپنی معذور ماں کی خدمت میں۔ وہ جب بھی زینب کی طرف دیکھتی ایک خاموش شکوہ

اسے ان سیاہ آنکھوں میں تیرتا نظر آتا۔ اس کی زبان سے
اس کے لیے کبھی کوئی نازیبا الفاظ نہیں نکلے تھے۔ تائی رشیدہ
اسے اپنی ماں کے پاس بھی زیادہ برداشت کرنے کے حق
میں نہ تھیں' زیادہ تر زینب کو ہی دوڑاتیں۔

"جاؤ لڑکی' اس مہارانی کو بلا کر لے آؤ' ماں کی پٹی سے
چپک جاتی ہے' کئی من گندم آئی رکھی ہے' صاف کر کے
سنبھالنے کو ملازموں کے سر پر کھڑے نہ ہوں تو کم بخت
ہاتھ دکھا جاتے ہیں۔ اسے کہو یہ سب اس کا باپ قبر سے
آ کر کرے گا۔" جبکہ مومن خان کے حوالے سے زینب کو
اس کے یہ الفاظ سخت گراں گزرتے تاہم کچھ کہنے سے گریز
کرتی۔ وہ سکینہ کو بلانے جاتی تو وہ کبھی کنگھی کرتے' کبھی
کپڑے بدلواتے تو کبھی ان کو دباتے میں مصروف ہوتی۔
زینب جا کر نرمی سے اسے تائی رشیدہ کا پیغام دیتی اور اسے
تسلی کرا کر بھیجتی کہ وہ بے فکر ہو کر جائے وہ اس کا ادھورا کام
مکمل کر لے گی اور جب تک رشیدہ کا پیغام نہ آ جاتا' وہ کبھی
ان کو دباتی' کبھی ان کا کمرہ صاف کر دیتی اور اس روز جب
سکینہ واپس آئی تو وہ اماں جی کی گندگی صاف کر کے ان کو
صاف کپڑے پہنا چکی تھی۔ اس روز اس نے سکینہ کی نہ
صرف آنکھوں میں اپنے لیے نرم تاثر دیکھا بلکہ اس کے
الفاظ بھی اسے حیران کر گئے۔

"زینب! تم اچھی لڑکی ہو لیکن تمہارا نصیب اچھا نہیں'
کاش تم کسی اور حوالے سے میری بھابی بنتی تو تمہیں سر
آنکھوں پر بٹھاتے پر تمہارا حوالہ خرم خان کا قتل ہے' وہی خرم
خان جو بدنصیبی سے میرا شوہر تھا۔" کہتے ہی وہ رونے لگی۔
زینب کیا کہتی' خاموشی سے اس کا ہاتھ تھپتھپاتی رہی' رندھا
ہوا گلا کچھ کہنے کی اجازت کہاں دے رہا تھا۔

"ہماری یہ روایتیں بہت ظالم ہیں' میری نانی کی ماں
خون بہا میں آئی ہوئی ایک عورت تھیں' ہم آج تک اس کے
جرم کی سزا بھگت رہے ہیں۔" اس دن سکینہ نے اس سے
بہت باتیں کیں اپنی۔ مومن خان کی' اپنی اماں کی' اس نے بتایا
کہ اس کا بھائی فطرتاً بہت نیک اور سونے جیسا دل رکھنے والا
ہے' چاہتے ہوئے بھی اسے بتا ہی نہیں پائی کہ تائی اس
سے کیسا سلوک روا رکھتی ہیں' شہزادی کو بھی اس سے خدا
واسطے کا بیر تھا۔ اماں بی کے ہوتے بھی زندگی کچھ بہتر تھی پر
اب تو لگتا ہے سانس بھی مشکل سے لے پائیں گے تایا
بھائی کی شادی شہزادی سے کرنا چاہتے ہیں تا کہ گھر کی جائیداد
گھر کے اندر ہی رہے اور میری خرم خان سے شادی بھی اسی
لیے کی تھی اور لوگ رشک کرتے ہیں کہ یتیم بھتیجا بھتیجی سے
ایسی محبت کہ انہیں اپنی پناہ میں ہی لے لیا جائے۔

"زینب سچے اور خالص رشتے بہت خوش نصیب
لوگوں کا نصیب بنتے ہیں۔ تمہیں یہ سب اس لیے بتا رہی
ہوں کہ اکثر تمہیں اپنے چچا چچی کے ظلم پر روتے دیکھا ہے'
یہاں بھی رشتوں کے زہر کے ڈسے ہوئے ہیں' ہم لوگ' پر
صورت حال الگ الگ ہے۔" آج تائی رشیدہ اور شہزادی
گاؤں کے کسی فنکشن پر مدعو تھیں اس لیے ان دونوں کو اپنے
دل کا حال ایک دوسرے سے کہنے کا موقع مل گیا تھا۔ سکینہ
نے اسے بتایا کہ مومن خان اس کے لیے بہت شاپنگ
کر کے لاتا ہے پر وہ چیزیں اس وقت تک اس کی ملکیت
رہتی ہیں جب تک وہ گھر رہتا ہے اس کے بعد تائی وہ سب
سمیٹ کر لے جاتی ہیں۔ ہاں شہزادی جب ان کو برت کر
تھک جاتی ہے پھر اسے برتنا نصیب ہوتی ہیں پر اپنی کمزور
پوزیشن جو اس گھر میں ہے اس کا ادراک ہے یا خود اعتمادی
کا فقدان کہ وہ مومن خان کو یہ سب بتا ہی نہیں پاتی۔ وہ دل
سے چاہتی تھی کہ اس کے اتنے پیارے اور نیک طبیعت
بھائی کی زندگی میں شہزادی جیسی گھمنڈی لڑکی کبھی نہ آئے
بلکہ اس کے بھائی کی طرح کوئی نیک فطرت لڑکی ہی ان کا
نصیب بنے' لیکن اس کی یہ خواہشات کبھی بھی پوری نہیں
ہو سکتی کہ زمین جائیدادوں کے گنجلک حساب کتاب ان کی
زندگی میں کبھی مخلص رشتے نہیں آنے دیں گے۔"

اس دن اس کے تن پر سکینہ کا ایک جوڑا دیکھ کر تائی نے
چپل اتار کر زینب پر خوب برسائی' اس کے سر پر' کمر پر'
جہاں جہاں ہاتھ پڑتا رہا وہ دیکھے بغیر مارتی رہیں۔

"کمینی میں نے کہا تھا نا کہ حویلی میں خود کو ایک نوکر
سے بھی کم تر سمجھنا اور تو نے میرے خرم خان کی بیوہ کے

کپڑے پہنے۔ تیری یہ جرأت۔" سکینہ پہلے تو ساکت کھڑی اسے پٹتے دیکھتی رہی پھر آ کر تائی کے آگے گڑگڑائی۔

"خدا کا واسطہ تائی! اس کو چھوڑ دیں اس کا کوئی قصور نہیں یہ تو لینا بھی نہیں چاہتی تھی وہ تو کئی دن سے ایک ہی سوٹ پہنے پہنے اس کا وہ سوٹ جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا' میں نے خود......"

"بس کر سکینہ آئندہ تیری یہ ہمدردیاں نہ دیکھوں میں اس کے ساتھ...... حیا نہیں آتی تجھے اس کا جسم ڈھکتے ہوئے مرے ہوئے شوہر کا منہ بھی نہ رہا ارے جتنی ذلیل یہ لڑکی ہوگی' اتنا ہی میرے دل میں ٹھنڈ پڑے گی' آنے دے آج اپنے تایا کو تیری بھی خبر پہنچاتی ہوں اور اس کی بھی چمڑی ادھڑ والی ہوں۔" زینب تو زینب سکینہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ تایا بہت سخت تھے' زینب کی تو ایک دفعہ مار لگا چکے تھے۔ جبکہ سکینہ کو ویسے ہی ان سے بہت خوف آتا تھا۔ اس دن جانوروں کا باڑہ صاف کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں اور جسم نے درد کے مارے کام کرنے سے انکار کر دیا' تو وہیں بے دم ہو کر گر پڑی' پتہ نہیں کتنی دیر وہ وہیں پڑے پڑے اسے خود ہی ہوش آیا' پھوڑے کی طرح دکھتے جسم کو گھسیٹ کر وہ اپنی کوٹھڑی میں آئی اور بے سدھ ہو کر پلنگ پر گر گئی۔ رات گئے ملازمہ ایک چنگیر میں ایک روٹی' تھوڑا سا پلیٹ میں سالن اور دو گولیاں درد کی دے کر گئی کہ سکینہ بی بی نے دی ہیں۔ رکھی سکینہ کی ماں کی زندگی میں ان کی ملازمہ خاص تھی' پر وہ ملازمہ ہو کر خاموشی سے سب کچھ دیکھ سکتی تھی' کچھ کرنے سے قاصر تھی۔ صبح پھر وہ ایک مشقتوں بھرا دن گزارنے کے لیے تیار تھی۔ ناشتا تیار کراتی سکینہ نے تاسف بھری نظروں سے اسے بھاری بھرکم بالٹی اٹھائے باڑے کی طرف جاتے دیکھا۔ اس کا دل دکھ سے بھر گیا۔ پھر جب ایک کڑی دوپہر میں وہ ملازمہ کے ساتھ چارپائی کسوا رہی تھی۔ رکھی نے چوری سے اس کو اشارہ کیا کہ سکینہ بی بی اس کو کمرے میں بلا رہی ہیں۔ تائی رشیدہ کی غیر موجودگی کا یقین کرتی وہ سکینہ اور اماں بی کے مشترکہ کمرے میں آ گئی۔

"آؤ زینب! یہ لو مومن خان سے بات کرو میں کمرے سے باہر موجود ہوں۔ کسی کے آنے کی صورت میں خبر کروں گی۔" موبائل اسے پکڑا کر وہ عجلت میں باہر نکل گئی۔

"السلام علیکم!" ایک کیف آگئیں لہجہ سماعتوں میں رس گھول گیا۔ آنکھیں بلاوجہ نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔

"مجھے فیکٹری کے کسی کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑ گیا ہے' آپ کیسی ہیں؟ اندازہ تو ہے یہاں آپ کی زندگی کیسی گزر رہی ہوگی' یقین کریں زینب دل پر بہت بوجھ ہے کہ میں کیوں آپ کی مدد نہیں کر پا رہا۔ اپنے کام پر بھی بہت کم توجہ مرکوز کر پاتا ہوں' پتہ نہیں کیوں آپ کی وہاں موجودگی مجھے ہر پل ہراساں کیے رکھتی ہے' سکینہ سے میں نے کہہ دیا ہے کہ آپ کا خیال رکھے' آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔" دو منٹ کی اس بات میں اس نے اس کے لیے جس فکرمندی کا اظہار کیا تھا' اس نے زینب کی تمام تکالیف کو پل بھر کے لیے غائب کر دیا۔ اس روز جب تائی نے اسے بلوایا تھا کہ وہ آ کر ان کو دبائے تو ان کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے جو کچھ اس نے سنا وہ اس کے حواس اڑانے کو کافی تھا۔

"پر اماں مجھے نہیں کرنی مومن خان سے شادی' تو جانتی ہے کہ میں شوکت خان کو اور وہ مجھے پسند کرتا ہے۔" شہزادی کی نروٹھی آواز پر زینب وہیں رک گئی۔

"یہ بھی کوئی گل ہے بھلا' میں بھی جانتی ہوں اس بات کو پر تجھے ایک بات بار بار سمجھانا پڑتی ہے کہ ایک بار شادی ہو جانے دے پھر اس مومن خان کا پتہ میں خود صاف کروں گی۔ یہ دو گاؤں اس کی ملکیت ہیں' تیری شادی خود اپنے ہاتھوں سے شوکت خان سے کراؤں گی آخر کو بھانجا ہے میرا۔" انسانی گراوٹ کی ہر مثال کو زینب نے یہاں سچ بنتے دیکھا تھا۔

"پر اماں شوکت خان نہیں مانے گا۔" شہزادی منمنائی۔

"اسے میں منا لوں گی' بس شادی کے بعد تو دیکھنا میں کیسے یہ سب کرتی ہوں تو ایک بار میرا کہنا مان میری دھی۔"

جواب میں شہزادی چپ ہی رہی تھی۔ ایک جوان بیٹا کھو دینے کے بعد بھی وہ لوگ فرعونیت کی اسی مسند پر براجمان تھے' ذلالت کی اس سے بڑی مثال بھلا کہاں ملتی تھی۔ وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر آ گئی۔

"دیکھو لڑکی مومن خان ایک دو دن میں چکر لگانے والا ہے میں تجھے باہر نہ دیکھوں اور رات کو تو نے شام سے ہی کوٹھڑی میں چلے جانا ہے۔ کنڈی بند رکھنی ہے اور دو دن بالکل بھی اس کے سامنے مت آنا۔ ویسے بھی وہ بھی ہم سب کی طرح تیری شکل دیکھنے کا روادار نہیں ہے آخر کو اس کی بیوہ بہن کی برباد زندگی کا سبب ہے تو لیکن تجھ جیسی بھولی شکلیں ہوتی ہیں جو مردوں کی سدھ بدھ ختم کر دیتی ہیں۔" نخوت سے کہا گیا' آخری جملہ زینب کے دل میں ترازو ہو گیا' تاہم وہ خاموش بیٹھی ان کے پاؤں دباتی رہی۔ شہزادی نے البتہ کچھ کہنے سے گریز کیا کہ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی۔ اگلے دن وہ چونک چونک کر لکڑی کے بڑے پھاٹک کی طرف نگاہ کرتی رہی' مغرب سے ذرا پہلے وہ آیا تھا اور تائی کی آنکھ کا اشارہ پاتے ہی وہ کچن کا کام ادھورا چھوڑ کر اپنی کوٹھڑی میں آ گئی تھی۔

رات گیارہ بجے کے بعد اس کی مخصوص آہٹ پہچان کر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ ہاتھ پیر سنسنانے لگے۔

"میرے کسی کی نظر میں آئے بغیر آنے کا مقصد یہ نہیں کہ میں ڈرتا ہوں' لیکن میرا یہ قدم آپ کی زندگی کی مشکلات بڑھانے کا سبب ہوگا جو میں نہیں چاہتا۔ میں نے بہت سوچا ہے' بہت ہی تدابیر لڑائی ہیں اور اب جا کے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بھلے ہی آپ میری زندگی میں جس مقصد کے تحت بھی آئی ہوں۔ حقیقت یہی ہے کہ آپ میری بیوی ہیں اور آپ کو اس گھر میں آپ کا جائز مقام دلانے کے لیے اگرچہ مجھے بہت سے محاذوں پر طویل جنگ لڑنی پڑے گی لڑوں گا۔" اس کا مضبوط لہجہ اس کے ارادوں کے پختہ ہونے کو ظاہر کر رہا تھا۔ ایک اور خوب صورت سوغات وقت نے زینب کی جھولی میں ڈال دی تھی۔

جب اس نے اپنے سارے دکھ بھول کر صرف اس پیارے شخص کی ہمراہی کو محسوس کیا تھا۔ وہ اس کا شکریہ ادا کر رہا تھا کہ سکینہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ اس کی ماں کا کتنا خیال رکھتی تھی۔

زینب نے اس کے ہاتھ کی پشت پر لب لگائے اور روتے ہوئے کہا کہ مومن خان اس کے بخت کی روشنی ہے اور مومن خان سے وابستہ ہر چیز کے لیے وہ اپنی جان بھی دے سکتی ہے۔ وہ اس لڑکی کے جذبات پر حیرت سے گنگ رہ گیا۔ زینب نے ہی اسے سکینہ کی اپنے ماموں زاد سجاد سے دلی وابستگی کا بتایا نیز یہ کہ وہ خرم خان کو کبھی بھی اس حوالے سے پسند نہیں کرتی تھی۔ مومن خان کو افسوس ہوا کہ اپنی سگی بہن کے جذبات سے وہ اتنا کیوں بے خبر رہا اور یہ لڑکی دنوں میں ہی اس کی رازداں بن گئی تھی۔ زینب نے اس سے کہا کہ وہ اگر سکینہ سے محبت کا دعویدار ہے تو اپنی زندگی کی خوشیوں کی جنگ لڑنے سے پہلے اپنی بہن کی سونی زندگی میں رنگ بھرے۔

"لیکن وہ تو بیوہ ہے زینب اور ہمارے ہاں بیوہ چاہے وہ کم عمر کیوں نہ ہو ساری زندگی اپنے مرحوم شوہر کے نام پر گزار دیتی ہے۔"

"نہیں مومن خان' ایسا ظلم کر کے آپ اسے زندہ درگور کر دیں گے۔ ہمارا اللہ رسول اور پاک کتاب ان سب فرسودہ باتوں کی نفی کرتے ہیں۔ اسے اس زندان سے باہر نکالیں مومن۔ آپ کی ممانی اور ان کا بیٹا اب بھی منتظر ہیں۔ کاش اس کا نکاح نہ ہوا ہوتا اس دن۔" اس نے خود کلامی کی' سکینہ کے اجڑے دل کا خیال اسے کسی طور چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ اگلے روز اس نے تایا سے بات کیا کی کہ حویلی میں بھونچال آ گیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو مومن خان! اپنا خان ہونا بھول گئے ہو' اپنی بہن کا میری بہو ہونا۔ شہر میں رہ کر غیرت بیچ کھائی ہے تم نے جو بیوہ کی دوسری شادی کا ذکر کر رہے ہو۔ یہ جرم ہے' گناہ ہے۔" وہ دھاڑے۔ "میں تمہیں ایسے کسی گناہ کی اجازت کبھی نہیں دوں گا۔" تایا کا ردعمل سخت ہوگا یہ

اس نے سوچا تھا پر ایسا سخت' وہ بھونچکا رہ گیا۔
''میں آپ سے اجازت نہیں مانگ رہا تایا جان بتا رہا ہوں کہ میرا رب مجھے جس بات کی اجازت دیتا ہے آپ مجھے وہ کرنے سے نہیں روک سکتے۔ سکینہ آپ کی بہو تھی' اب نہیں ہے' میں اگلے ہفتے اس کا نکاح کردوں گا کیونکہ میں اس کو ساری زندگی ایسے روتے سسکتے نہیں دیکھ سکتا۔''
اس نے دوٹوک انداز میں کہا اور وہاں سے نکل گیا۔ اگلا کام اس نے اپنے ماموں زاد بھائی اور مامی سے رابطہ کرنے کا کیا تھا۔ وہ لوگ خوشی سے بے حال ہوگئے' حویلی میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔ تایا نے برادری کے سرکردہ بلوا کر معاملہ ان کے سامنے رکھ دیا لیکن مومن کے ذہن میں ایک بات بیٹھ گئی تھی کہ پہلے ہی اس کی بے پروائی کی وجہ سے اس کی بہن کا نقصان ہوگیا تھا اب اور نہیں۔ پتہ نہیں سکینہ کی محبت امڈ آئی تھی یا زینب نے محبت دلائی تھی کہ وہ ان تمام افراد کے سامنے اپنی بہن کے حق کے لیے ڈٹ گیا۔ تائی رشیدہ نے رو رو کر تماشا کھڑا کیا ہوا تھا کہ وہ بے غیرت ہوگیا ہے جو بیوہ بہن کا بیاہ رچا رہا ہے' سکینہ سراسیمہ سی اپنی اماں کے پاس گھسی رہتی ورنہ تائی کے عتاب کا نشانہ بنتی۔ ایسے میں زینب کا طمانیت بھرا انداز تائی کو آگ لگا دیتا۔ حالانکہ وہ اپنے روزمرہ کے معمول کے کام نبٹا رہی تھی لیکن کچھ نیا تھا اس کے اندر جو انہیں ڈرا رہا تھا۔ تایا نے فیصلہ کیا تھا کہ بے شک وہ اپنی بہن کو بیاہ دے لیکن جائیداد میں سے وہ سکینہ کو کچھ بھی نہیں دیں گے۔
یوں ایک دن مومن خان نے اپنی زندگی کا ایسا فیصلہ کر ڈالا جس نے اس کی بہن کی زندگی میں خوشیاں لائی تھیں۔ اس نے اپنے دل میں طمانیت کی ایسی لہریں اترتی محسوس کیں ایسی کیفیت اس کی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ پھر جب شہر آتے ہوئے وہ سکینہ سے ملنے گیا اس کا خوش باش' گل رنگ چہرہ اسے اپنے فیصلے کے صحیح ہونے کا یقین دلا گیا۔ اس دن وہ پہلی بار دن کی روشنی میں زینب سے ملا۔ وہ اسے جانوروں کے باڑے میں ملی۔ پسینے سے شرابور' اس کو اس حال میں دیکھ کر مومن خان کو خود پر شدید غصہ آیا۔
''زینب!'' اس کے بلانے پر وہ چونک کر مڑی اور ساکت رہ گئی۔ دن کی روشنی میں اسے دیکھنا اس کے لیے خواب ہی تو تھا۔ مومن خان نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر اس کی صبیح پیشانی چوم لی۔
''شکریہ زینب! تم اگر مجھے احساس نہ دلاتیں تو اپنی بہن کی ویران زندگی کے لیے میں خود کو کبھی معاف نہ کرتا۔ اماں بی کے لیے تمہیں چھوڑے جا رہا ہوں ان کا بہت خیال رکھنا۔ بہت جلد میں تمہیں اور ان کو یہاں سے لے جاؤں گا۔'' اس نے کیسا مژدہ جاں فزا سنایا تھا۔ ''مجھے شہر میں اپنا کچھ سیٹ اپ مین ٹین کرنے کے لیے کچھ دن چاہئیں۔ بس کچھ دن' وہ دن تمہیں یہاں پر گزارنے ہیں' اپنا خیال رکھنا' مجھے تسلی نہیں ہو رہی لیکن اماں بی کے لیے تمہاری موجودگی یہاں ضروری ہے۔ جہاں اتنے دن کی مشقت سہہ لی وہاں کچھ دن اور بس' یہ مومن خان کی بیوی کے کرنے کے کام نہیں ہیں۔'' اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے باڑے سے باہر لے آیا۔ آج کا دن ان کی قسمت کا ایک روشن دن تھا کہ تائی رشیدہ یا شہزادی میں سے کسی کی نگاہ ان پر نہ پڑی۔
''دن کو تو رہتی ہی ہو رات کو بھی اماں بی کے کمرے میں سو جایا کرنا۔ میں جلد آؤں گا میرا انتظار کرنا۔'' وعدوں اور سنہری خوابوں کا چمن اس کے دل میں کھلا کر وہ چلا گیا۔
زینب جی جان سے اماں بی کی خدمت کرنے لگی۔ تائی رشیدہ لاکھ کچھ کہتیں' مارتیں وہ ان سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی تھی۔ جس روز ان کے دائیں ہاتھ میں تھوڑی سی لرزش دیکھی وہ بھاگ کر اپنی کوٹھڑی میں آئی لوہے کی الماری میں سے ایک چٹ نکال کر لاؤنج میں آئی پتہ نہیں کتنے عرصہ بعد اس کے ہاتھ فون کا نمبر ملا رہے تھے۔
''مومن! مومن خان! وہ ٹھیک ہونے لگی ہیں۔ ان کی آنکھوں کے تاثرات بیدار ہونے لگے ہیں۔ آج انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ ہلایا۔'' وہ رو رہی تھی ہنس رہی تھی' خوش ہو رہی تھی۔ مومن خان خود ششدر رہ گیا۔ آہٹ پر اس

نے فون جلدی سے واپس رکھ دیا۔

اس کا دل چاہا وہ یہ خوش خبری سکینہ کو سنائے لیکن سکینہ کے لیے اس گھر کے دروازے تایا نے ہمیشہ کے لیے بند کردیئے تھے۔ اس دن تائی کو پتہ چل گیا کہ وہ اماں بی کے کمرے میں سونے لگی ہے۔

"میں نے تجھے ڈھیل کیا دے دی کم بخت کہ تو سر پر ہی آ بیٹھی۔ تیری اتنی جرأت کہ حویلی کے کسی کمرے میں سوئے میں تیری جان ہی نہ نکال دوں۔"

کہاں ہو مومن خان دیکھو تو تمہارے لیے میں نے اپنی انا، عزت نفس سب کچھ اس عورت کے ہاتھوں گروی رکھ دیا۔ تائی مار مار کر تھک گئی تھیں جب ہی ہانپ رہی تھیں۔ بستر پر پڑی اماں بی کی آنکھوں سے خاموش آنسو نکل کر ان کی کنپٹیوں سے بہتے تکیوں میں جذب ہوگئے۔ اگلے دن ہی تایا نے شہزادی اور مومن خان کی شادی کی ڈیٹ فکس کردی تھی۔ شادی کی خوش گوار چہل پہل نے حویلی میں ہر طرف ڈیرہ جمالیا۔

"تم نے کہا تھا میں جلد آؤں گا' میں تھکنے لگی ہوں مومن خان۔" وہ جلتی آنکھوں سے شادی کے کاموں میں حصہ لیتی۔ جب تک دل میں اس کی محبت کا احساس نہیں جاگا تھا وہ شہزدی کی شادی کا تذکرہ اس کے نام کے ساتھ سن کر خاموش رہتی اب اسے لگتا ہر ایسا ذکر اس کے دل پر چھریاں چلا رہا ہے۔ زرتار خوب صورت رنگوں والے جگمگاتے جوڑے جنہیں روز گاؤں کی عورتیں آ کر تاکتیں' شادی بیاہ کے گیت گاتیں' دل چاہتا وہ انہیں اٹھا کر آگ لگادے تائی بتا رہی تھیں۔

"مومن مہندی والے دن آئے گا۔ بہت ہی اعلیٰ اور قیمتی بری لا رہا ہے وہ شہزادی کے لیے' تو کیوں ٹکر ٹکر تک رہی ہے نحوست' بدنظر چل ہٹ یہاں سے۔" ان کا روئے سخن اس کی طرف ہوا تو وہ ہتر رسید کرکے اسے وہاں سے دور ہٹ جانے کو کہا' تو کیا اس نے اسے جھوٹی آس دلائی تھی۔ وہ ساری زندگی ٹھوکروں کی زد میں رہے گی۔ شہزادی کو مومن خان کے ساتھ دیکھ کر کیسے جی پائے گی۔

"اللہ جی مجھے موت دے دینا' وہ منظر دیکھنے سے پہلے ہی۔" اماں بی کے کمرے میں آ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ اب اس زندگی سے تو میں سمجھوتا کرہی چکی تھی خان پھر جھوٹے خواب کیوں دکھائے۔ اس دن موقع پا کر اس کا نمبر ملانے کی کوشش بھی کی۔ نمبر بند تھا۔ اسے اپنا دل بھی بند ہوتا ہوا معلوم ہوا۔

تایا کا بھی مومن خان سے رابطہ نہ ہو پا رہا تھا۔ وہ الگ جھنجلائے ہوئے تھے فیکٹری فون کرنے پر پتہ چلا کہ وہ مال کی کسی ڈلیوری کے لیے شہر سے باہر تھا۔ تایا نے فوراً ہی اپنے دو آدمی شہر روانہ کیے تھے تاکہ جونہی مومن خان فیکٹری پہنچے اسے فوراً گاؤں لے آیا جائے تایا ابھی آ کر تائی کو ساری صورت حال بتا کر گئے تھے جس کے سبب وہ کچھ متفکر نظر آرہی تھیں۔ اسی وقت جب زینب ایک بھاری بریف کیس اندر سے گھسیٹ کر لا رہی تھی جس کو لانے کا تائی نے اسے کچھ دیر قبل حکم دیا تھا جس میں تمام رشتہ دار خواتین کے لیے اس شادی کی خوشی میں تائی نے شہر سے جوڑے منگوائے تھے سو سب ہی پرجوش سی ہوکر بیٹھی تھیں اور اشتیاق سے اس سوٹ کیس پر نظریں جمائے ہوئے تھیں۔ ایک زوردار چکر نے زینب کے سامنے زمین وآسمان گھمادیئے وہ وہیں چکرا کر گر پڑی۔

"پھیلادی ناں کم بخت نے نحوست۔ چادر رکھی شانو کے ساتھ مل کر اسے اس کے کمرے میں چھوڑ آؤ۔" تائی نخوت سے بولیں لیکن سوٹ دے دلانے کے بعد ابھی پوری طرح سے توصیف اور خوشامد وصول نہ کرپائی تھیں کہ ان کی عمر رسیدہ اور پرانی نمک خوار نے جو کچھ ان کے کان میں آ کر کہا وہ سن کر وہ حواس باختہ ہوکر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ طیش سے ان کا چہرہ سیاہ پڑ گیا۔ ان کی رشتہ دار خواتین کیا ہوا' کیا ہوا کی گردان کرنے لگیں۔ جبکہ وہ اس ملازمہ کو اشارہ کرتی تیزی سے وہاں سے چلی گئیں۔ پلنگ پر زینب نڈھال انداز میں آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ ساتھ ہی ان کی وہ ملازمہ بھی موجود تھی جس کو انہوں نے زینب کو یہاں لے آنے کو کہا تھا اور وہ ایک دایہ کا کام بھی کرتی تھی۔

”نوری ٹھیک کہہ رہی ہے جو میں نے سنا ہے۔“ تائی رشیدہ نے خاموش سر جھکائے کھڑی ملازمہ سے کڑک دار لہجے میں پوچھا۔

”جی...... جی سائیں بالکل سچی بات ہے جی۔ میداں کی آنکھیں دھوکا نہیں کھاسکتیں آخر کو دس سالہ تجربہ ہے مجھے اس کام میں۔“ اس نے سینے پر ہاتھ مار کر فخریہ لہجے میں اپنے ہنر کے بارے میں بتایا۔

”ہوں۔“ تائی رشیدہ پھنکارنے لگیں۔ نفرت سے آنکھیں موندے زرد پڑی زینب کو گھورا اور بازو سے پکڑ کر پلنگ سے نیچے اتار کر کھڑا کیا۔

”آوارہ...... بدکار لڑکی‘ کس کے ساتھ منہ کالا کیا تو نے۔ ارے اپنے نام سے جڑے نام کی ہی شرم رکھ لی ہوتی۔ تو دیکھ تو سہی اب میں تیرا کیا حشر کرتی ہوں۔ ساری دنیا کو چیخ چیخ کر بتاؤں گی تیرے اس کارنامے کے بارے میں۔ بس بہت برداشت کرلیا‘ نکلو...... یہاں سے۔“ انہوں نے بازو سے پکڑ کر زینب کو کوٹھڑی سے باہر دھکیلنے کی کوشش کی۔ اس نے اس عرصہ میں پہلی بار تائی کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑایا اور قدرے دور ہو کر چلائی۔

”میں بدکردار نہیں ہوں‘ سنا آپ نے اور نہ ہی مومن خان کے آنے سے پہلے میں یہاں سے کہیں جاؤں گی۔“ اس بے زبان‘ بیچاری سی لڑکی کی اتنی جرأت‘ تائی کا سارا وجود گویا آگ بن گیا اور زبان لاوا اگلنے لگی۔

”مومن خان تیرے منہ پر تھوکے گا بھی نہیں‘ جب تیرے کرتوتوں کا پتہ چلے گا اسے۔“

”چپ ہو جائیں آپ‘ خدا کے لیے چپ ہو جائیں۔ خود بیٹی کی ماں ہیں پھر بھی اتنی سنگ دل کیوں ہیں آپ؟ مومن اس بات کی گواہی وہ خود آ کر دیں گے۔ میں یہاں سے ہلوں گی بھی نہیں۔“ اس کی ہٹ دھرمی‘ اس کا یقین‘ تائی کا ماتھا ٹھنک گیا۔

”ارے جاؤ! مومن خان تجھے منہ لگائے گا‘ تجھ جیسی لاوارث لڑکی کو وہ صرف میری بیٹی کا نصیب ہے۔ چلو تم کیا دیکھ رہی ہو پکڑو اس کو اور حویلی کے گیٹ سے باہر پھینک آؤ۔ ڈرائیور سے کہو پکی سڑک پر پھینک آئے اس غلاظت کی پوٹ کی جگہ اب اس حویلی میں نہیں ہے۔ ہونہہ مومن خان کے بچے کی ماں بنے گی۔“ وہ استہزائیہ ہنسی ہنس کر حکم دے کر بولیں۔ ان کی تین ملازمائیں گویا ان کے حکم کی منتظر کھڑی تھیں۔ فوراً ہی زینب کی طرف بڑھیں۔

”آپ لوگ ایسا نہیں کرسکتے‘ میں نہیں جاؤں گی‘ انہوں نے کہا تھا وہ آئیں گے مجھے لے جانے کے لیے۔“ پر ان مضبوط ہاتھ پاؤں والی لحیم شحیم دیہاتی عورتوں کے سامنے زینب کی کیا چلنی تھی۔ گھسیٹ کر اسے حویلی کے پھاٹک تک لائیں‘ اس کی تحقیر کا تماشا وہاں بیٹھی ہر عورت نے دیکھا۔ ایک ملازمہ بھاگ کر نور محمد کو بلا لائی اور بڑی بی بی کا حکم دیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ کھینچ کر زینب کو گاڑی میں ڈالا‘ ایک ملازمہ بھی ساتھ بیٹھ گئی۔ ڈرائیور نے کچے سے گاڑی نکال کر اس کا رخ پکی سڑک کی طرف جانے والے راستے کی طرف کردیا۔

...... ♥ ......

مومن خان اس روز حویلی سے بہت سی الجھنیں اور پریشانیاں لیے شہر لوٹا تھا آتے ہی اسے مال کی ڈلیوری کے سلسلے میں دوسرے شہر روانہ ہونا پڑا‘ راستے میں ہی اسے تایا کی کال موصول ہوئی تھی جس میں انہوں نے شادی کی تاریخ رکھ دینے کا ذکر کرتے ہوئے خصوصی تاکید کی کہ وہ اپنا کام مکمل کر کے جلد از جلد حویلی پہنچے۔ مومن خان لب بھینچ کر رہ گیا۔ فوری انکار کرتے کرتے کچھ سوچ کر اس نے صرف اتنا کہا کہ وہ لوگ ابھی جلدی نہ کریں‘ پرسوں وہ وہیں پہنچ کر ان سے بات کرے گا۔ مومن نے یہ سوچ کر دو ٹوک انکار نہیں کیا کہ انکار کا سارا نزلہ زینب پر گرے گا اور وہ اس کی تکالیف کو مزید بڑھانا نہیں چاہتا تھا جبکہ دوسری طرف تایا اتنا سن کر ہی خوش ہوگئے کہ اس نے انکار نہیں کیا تھا بلکہ آنے پر بات کرنے کو کہا تھا۔ اس کا مطلب ہے وہ راضی تھا انہوں نے اس کی بات کو اپنے مطلب کے معانی پہنا کر گاؤں بھر میں بات طے ہونے کی خوشی میں مٹھائی تقسیم کروادی تھی۔

حالات کو کیسے اپنے حق میں اس طرح ہموار کیا جائے کہ وہ زینب کے لیے زندگی میں آسانیاں پیدا کر سکے یہ ایک بے حد مشکل مرحلہ تھا۔ سوچوں میں مگن وہ سامنے آنے والی گاڑی کو نہ دیکھ سکا اور اس نے گاڑی کا رخ سائیڈ میں کردیا۔ نتیجتاً گاڑی دائیں جانب موجود ایک ٹیلے سے جاٹکرائی۔ مومن خان اسٹیئرنگ سے ٹکرایا اور چند ہی لمحوں میں اس نے اپنے حواس کھودیے۔ اس کی گھڑی، رقم، کریڈٹ کارڈ، موبائل نکال کر اسے یونہی بے یارو مددگار چھوڑ دیا گیا۔ پھر ایک موبائل پولیس نے وہاں کھڑی گاڑی اور اس میں موجود ایک زخمی مرد کا نوٹس لے کر اسے قریبی ہسپتال پہنچایا جہاں پورے ایک دن بعد اسے ہوش آیا تھا' کوئی سیریس قسم کی چوٹ نہ ہونے کے باوجود بھی اسے ایک دن اور ہسپتال میں رکھا گیا' اس کے بعد اس نے شہر حسن بھائی کو کال کر کے ہسپتال کے ڈیوز وغیرہ کلیئر کروائے اور اسی حالت میں بغیر آرام کیے ایک طویل سفر طے کر کے جس وقت گاؤں پہنچا' رات گہری ہوئے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ پتہ نہیں کیوں زینب کی طرف سے عجیب سے واہموں نے اس کے دل میں ڈیرہ جمایا کہ وہ اپنے آرام کا خیال کیے بغیر ہی سیدھا حویلی اور پھر زینب کی کوٹھڑی میں آیا تھا۔ وہاں اس کی غیر موجودگی سے اس کو یہ خیال آیا کہ اس نے خود ہی اسے اماں بی کے کمرے میں رہنے کا حکم دیا تھا بغیر کسی تاخیر کے وہ سیدھا اماں بی کے کمرے میں آیا جہاں ان کی کسمپرسی اور لاچاری دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں' ان کے کپڑے' بستر ہر چیز کی حالت بہت خراب تھی۔ اس کی آواز سن کر بوڑھی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہوگیا اور انہوں نے دلیاں ہاتھ ہلا کر غوں غاں کی آواز نکال کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ اماں بی کی ملازمہ خاص کو اس نے آواز دی۔

''جب میرا حکم ہے کہ اماں بی کو ایک سیکنڈ بھی اکیلا نہیں چھوڑنا تو......تو ایسی حالت کیوں ہے ان کی۔ تمہیں پوری قیمت دیتا ہوں ان کی خدمت کی' انسانیت بھی کوئی چیز ہے۔ وہ بری طرح چلایا۔ وہ عورت چھوٹے خان کو اس قدر غصے میں دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگی۔

''تمہاری تو میں بعد میں خبر لیتا ہوں صرف دس منٹ میں ان کے کپڑے اور بستر تبدیل کراؤ' پھر ان کا دلیہ لاؤ' میں خود انہیں کھلاؤں گا اور جاتے ہوئے زینب کو بھی بھیجتی جاؤ۔ میں اپنے کمرے میں ہوں۔'' ماں کی حالت دیکھ کر زینب کے لیے کچھ دیر پہلے کے گداز جذبات تبدیل ہوگئے تھے۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ غصے سے ٹہل ٹہل کر وہ تھکاوٹ اور نقاہت کا شکار ہو کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اندرونی چوٹیں نہ سہی جسم پر بہت چوٹیں آئی تھیں۔ چہرے کی بینڈیج اس نے اتاردی تھی لیکن بازو اور ٹانگوں پر ابھی تک بینڈیج تھی۔ اتنے لمبے سفر کے بعد زخم الگ تکلیف دے رہے تھے۔ نہ دوسرے اس نے شہر سے گاڑی منگوانے کی بجائے لوکل سفر کیا' اب روم روم سے درد کی صدائیں ابھر رہی تھیں' ٹھیک پندرہ منٹ بعد ملازمہ مودبانہ انداز میں یہ کہنے آئی کہ اس نے بڑی بی بی کے کپڑے اور بستر تبدیل کردیا ہے اور ان کا دلیہ بھی بنا کر ان کے کمرے میں رکھ آئی ہے۔ مومن خان اس کے ساتھ ہی دوبارہ اماں بی کے کمرے میں آیا اور اماں بی کے سرہانے تکیہ لگا کر ان کا سر تھوڑا اونچا کرنے کے بعد چمچ کے ساتھ بڑی محبت سے ان کو کھلایا پھر اس نے اماں بی کو ان کے مختلف سیرپ پلانے کے بعد ان کی مخصوص ورزش ہاتھوں' بازوؤں اور ٹانگوں کی کرائی اور دوبارہ سے ان کو بستر پر لٹا کر ملازمہ کو پھر سے سختی سے حکم دیا کہ وہ یہاں سے ہلے گی بھی نہیں اس کے بعد اس نے اسے یاد دلایا کہ اس نے کچھ دیر پہلے اسے زینب کو بلانے کو بھیجا تھا۔ ملازمہ کچھ بولنے کے بجائے انگلیاں چٹخانے لگی پھر کچھ ہچکچاتے ہوئے اس نے بتایا کہ زینب کا اس کو نہیں پتہ کہ وہ کہاں ہے؟ وہ اسے کافی دیر سے نظر نہیں آئی تھی۔

''کیا مطلب نظر نہیں آئی۔ یہیں ہوگی حویلی میں ہی ناں' جاؤ اور اسے فوراً میرے پاس بھیجو۔'' اس نے کافی غصہ سے کہا اور اس دفعہ ملازمہ نے کچھ ڈرتے' کچھ ہچکچاتے ہوئے اسے بتایا کہ زینب کو بڑی سائیں نے

حویلی سے باہر نکال دیا ہے مزید یہ کہ بڑی سائیں کے سامنے اس کا نام نہ لیا جائے۔ مومن خان صدمے سے گنگ رہ گیا۔

''نکال دیا..... کیا مطلب..... کیوں نکال دیا..... اور کس کی اجازت سے..... کب کی بات ہے یہ..... اوہ میرے خدایا! اب وہ کہاں ہوگی؟'' اس نے سوالات کی بوچھاڑ کرکے ملازمہ کو بوکھلا کے ہی رکھ دیا اور خود اضطراری انداز میں کھڑا ہوگیا۔

''پتہ نہیں چھوٹے خان' میں تو بڑی بیگم کے پاس تھی جب رشیدہ سائیں نے مجھے کچھ دوپٹے رنگائی کے لیے دے آنے کو کہا۔ واپس آنے پر پتہ چلا کہ زینب کو انہوں نے حویلی سے نکال دیا تھا۔ باقی آپ ان سے خود پوچھ لیں جی۔'' وہ بہت خوف زدہ لگ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے تم اماں کے پاس رہو۔ میں پتہ کرتا ہوں۔'' اس کی زوردار دستک پر تائی رشیدہ آنکھیں ملتی ہوئی اور بولتی ہوئی آئیں۔

''کیا آفت آگئی ہے۔ رات کے اس پہر کیا قہر ٹوٹ پڑا ہے؟'' وہ کسی ملازمہ کی دستک سمجھ کر آئی تھیں پر مومن خان کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئیں۔ ''میں صدقے میرا پتر آیا ہے۔ خیر تو ہے ناں مومن خان۔'' اب کے ان کی ٹون بدل گئی تھی۔

''زینب کہاں ہے تائی؟'' اس کے سنجیدہ لہجے و انداز پر وہ ٹھٹک گئیں۔

''کون زینب؟ اچھا وہ مردار.....'' پھر انہوں نے الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے مومن خان کو بتایا کہ وہ بظاہر مسکین نظر آنے والی لڑکی بڑی ہوشیار تھی' پتہ نہیں کس کم ذات کے ساتھ اس کا معاشقہ چل رہا تھا۔ لو بھلا بتاؤ ایسی ذلیل لڑکی کا حویلی میں کیا کام' تو دفع کر میرا چاند! چل میں تیرے لیے کھانا لگوادوں۔'' اپنے تئیں تائی نے اس کے جرم کی داستان سنا کر اس کا قصہ ہی تمام کردیا تھا۔ جبکہ یہ سب سن کر تو مومن خان کا احساس زیاں حد سے سوا ہوگیا۔

''میری اجازت کے بغیر کیوں کیا آپ نے ایسا؟ اب..... اب میں اسے کہاں ڈھونڈوں وہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی تائی اور آپ نے اسے گھر سے ہی نکال دیا۔ اگر زینب کو اور میرے بچے کو کچھ ہوا تائی تو یاد رکھیں میں اس حویلی سمیت سب کو آگ لگادوں گا۔'' اس کی باتیں انداز اور زینب کے لیے لہجے میں محبت کا سمندر' تائی کے چودہ طبق ایک ساتھ روشن ہوئے۔

''ارے..... ارے مومن خان سنو تو..... تمہاری شادی طے ہے پرسوں شہزادی سے۔'' انہوں نے بپھرے ہوئے طوفان کو شہزادی کا نام لے کر رام کرنا چاہا۔

''بھاڑ میں جائے شہزادی' میں نے کہا تھا ناں تایا کہ ابھی کچھ مت طے کریں میں آکر بات کروں گا تو وہ بات یہی تھی کہ اب زینب ہی مرتے دم تک میری بیوی رہے گی' میں نے شہزادی سے شادی نہیں کرنی اور یاد رکھیں کہ اگر میری بیوی مجھے نہ ملی تو میں آپ سب کا حشر خراب کردوں گا۔'' چبا چبا کر نفرت سے بولتا مومن تائی کو ایک دم ہی خوف زدہ کر گیا۔

''ارے کیسا جادو کر ڈالا اس مکار لڑکی نے کہ بدل ہی گیا مومن خان تو! ارے میری شہزادی کا کیا بنے گا۔'' منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ سائیڈ ٹیبل پر پڑے موبائل کی طرف آئیں تاکہ ڈیرے پر سوئے تایا کو اس صورت حال سے آگاہ کرسکیں کہ پانی سر سے اونچا ہونے سے پہلے ہی کوئی تدارک کرلیں۔ مومن خان نے ایک ایک ملازمہ اور ایک ایک ملازم کو بلا کر سختی سے سب کچھ اگلوالیا۔ آخر میں ڈرائیور اور اسی ملازمہ کی باری آئی جو اسے پکی سڑک تک چھوڑنے گئے تھے۔

''تم دونوں جھوٹ بولنے سے پہلے سوچ لینا' مجھے ذرا بھی دھوکا دینے یا جھوٹ بولنے کی کوشش کی تو میں وہیں کھال ادھڑوا کر اس میں بھس بھروادوں گا۔'' وہ دونوں ہی سراسیمہ ہوگئے آخر ڈرائیور نے اگل دیا۔

''سائیں نے زینب کو پکی سڑک پر پھینک کر آنے کا حکم دیا تھا پر راستے میں ہی رکھی منتیں ترلے کرنے لگی کہ انہیں پکی سڑک سے پہلے ہی اتار دے تاکہ وہ زینب کو

سکینہ کے گھر چھوڑ آئے تاکہ مومن خان خود آ کر فیصلہ کرے۔ ان دونوں کی گریہ وزاری پر میں نے ان کو وہاں اتار دیا۔ یہ جلدی سے اس کو سکینہ بی بی کے گھر چھوڑ کر آ گئی تو سکینہ بی بی نے بھی اس کو سختی سے یہی تاکید کی کہ حویلی جا کر یہی کہنا کہ اسے پکی سڑک تک چھوڑ آئے ہو۔ بی بی نے کہا آپ سے وہ خود فون پر رابطہ کرلیں گی۔ ہمیں معاف کردیں جی آپ کے ماں باپ کا نمک کھایا ہے جی...... ایسا کرنا مجھے اپنا فرض لگا کیونکہ زینب واقعی ایسی لڑکی نہیں تھی جی جیسی بڑی سائیں نے اسے کہہ سن کر نکالا۔ اب آپ کی مرضی ہمیں سزا دیں۔'' اپنی ماں کی پرانی ملازمہ کے منہ سے یہ ساری روداد سن کر اس کے منہ سے بے اختیار ایک طویل سانس نکلی دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کرتے اس نے ڈرائیور اور اس ملازمہ سے کہا کہ وہ بے فکر رہیں ان کے اوپر بات نہیں آئے گی نیز انہیں اس نمک حلالی کا انعام جلد ہی دیا جائے گا۔ تایا کے حویلی پہنچنے سے قبل ہی رات کے اندھیرے میں وہ سکینہ کے گھر جانے کے لیے نکلا۔ اور جب وہ ہر طرف سے مایوس ہوچکی تھی' سکینہ کے دلاسے بھی شک کے بادلوں میں چھپنے لگے تھے تب وہ آ گیا تھا۔ اس کے بعد داستان بہت طویل تھی۔ صعوبتوں کا سفر کڑا سہی بلا آخر کٹ ہی گیا تھا۔ صبح ہوتے ہی وہ اسے شہر لایا اور حسن بھائی کے گھر ٹھہرایا تھا۔ وہی گھر جہاں ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک بار پھر گاؤں میں تھا' تایا ایک بار پھر برادری کے ساتھ اس کے سامنے کسی پہاڑ کی مانند ایستادہ تھے۔

''میں ایسی رسومات کے خلاف بغاوت کا علم بلند کرتا ہوں جو جیتے جی انسانوں کو مار ڈالیں۔ خود کو ذرا اس جگہ پر رکھ کر سوچیں کہ آپ کے بیٹے نے قتل کیا ہوتا اور آپ کی بیٹی بدلے میں مقتول کے گھر گئی ہوتی' اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تو کیا گزرتی آپ کے دل پر لیکن ہم ایسے ظالم لوگ ہیں کہ اپنے نفع نقصان کے لیے اپنی ترجیحات بھی بدل لیتے ہیں۔ دوسری شادی کرکے میں شہزادی پر بھی ظلم نہیں کرسکتا نہ ہی اب زینب کو مزید دکھ دینا چاہتا ہوں۔'' اس کے بعد وہ وہاں ٹھہرا نہیں تھا۔ اماں بی کو لے کر شہر آ گیا تھا' کچھ ہی دنوں میں اس نے اپنا ایک الگ فلیٹ لے لیا۔ حسن بھائی کے توسط سے اسے ایک فرم میں جاب مل گئی تھی۔ تایا کی طرف سے ہنوز خاموشی تھی لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ تایا اسے فیکٹری چھوڑنے کا کہیں ان کے کہنے سے پہلے ہی اس نے فیکٹری چھوڑ دی۔ حالانکہ تایا کی جائیداد میں اس کا برابر حصہ تھا لیکن جس دولت نے انہیں ہمیشہ دکھ ہی دیئے تھے وہ ایسی دولت کے حق میں نہیں تھا۔ اب اس کے سر پر ایک بیوی اور بیمار ماں کی ذمہ داری تھی اور نوکری اس کی مجبوری۔

ٹھیک سات ماہ بعد جب اس کے گھر ایک بیٹے نے جنم لیا تب افسردہ سے اور جھکے کندھوں والے تایا اس کے گھر آئے تھے' اس سے معافی مانگنے۔ انہوں نے بتایا تھا کہ شہزادی کی شادی اسی تاریخ پر انہوں نے اس کے خالہ زاد کے ساتھ کردی تھی۔ وہ اسے اس حویلی میں واپس لے جانے کے لیے آئے تھے۔ تائی کو کینسر ہوگیا تھا' موت کو اس قدر قریب دیکھ کر ان کی فرعونیت کا بت ٹوٹ گیا تھا۔ انہوں نے تایا کو بھیجا تھا کہ وہ مومن خان کو منا کر لے آئیں۔ تایا نے نظریں چراتے ہوئے زینب کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دعا دی تھی۔ وہ سادہ دل لڑکی محض مسکرا دی تھی۔

صبر اور شکر دو ایسی نعمتیں ہیں جن کے اختیار کرنے پر انعام واکرام کا وعدہ ہے' اس نے ان دو ہتھیاروں کو اپنا ساتھی بنا کر اپنے بخت کی روشنی کو پالیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کا ہم سفر بھی انہی دو خوبیوں کو ساتھ لے کر چلنے کا عادی تھا۔ سو اسے یقین تھا کہ ان کا رب انہیں اس سے کہیں زیادہ دے گا جتنا وہ کھو چکے تھے۔ عداوتوں کی دیواریں گرچکی تھیں' نفرتوں کے پتے جھڑ گئے تھے' محبتوں کی نئی کونپلیں بڑھ کر ان کو خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔

تیرے لوٹ آنے تک

سلمیٰ نفیس گل

یہ وہ اب تک جان نہ پائی تھی۔

"آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں اخ کہ پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں؟" اس نے کسی قدر خفگی بھرے انداز میں توارہا سے استفسار کیا۔

"میں نے شیرازی انکل کو فون کردیا ہے وہ آرہے ہیں انہیں دیکھنے۔ ڈونٹ وری۔" اب کہ ذرا نرمی سے لیکن سپاٹ چہرے کے ساتھ کہا۔

"پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اخ اور آپ اتنے سکون سے بیٹھے یہ کہہ رہے ہیں کہ شیرازی انکل کو فون کردیا ہے وہ آرہے ہیں۔ کیا آپ انہیں دیکھا...... کیا ہوا ہے انہیں...... یہ جاننے کی کوشش کی؟ آپ ایسے تو کبھی نہیں تھے اخ تو پھر اب آپ ایسے......"

"تو' کیا کروں میں' چلاؤں' شور مچاؤں' آسمان سر پر اٹھالوں' کیا کروں میں ہاں؟ اور پھر کس کے لیے ان کے لیے جو......" اس نے یکلخت کچھ کہتے کہتے اپنے لب بھینچ لیے۔ طلیعہ حیرت سے دنگ اسے غصے میں یوں چلاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اسے قطعی یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ توارہا کے سامنے کھڑی ہے۔ توارہا نے بنا اس کی جانب دیکھے چیئر کو زور سے ٹھوکر لگائی اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

وہ کتنی ہی دیر بے یقینی سے اس راستے کو دیکھتی رہی جہاں سے توارہا گزر کر گیا تھا۔ پھر گہری سانس خارج کرتے ہوئے پاپا کے روم میں چلی آئی۔ وہ آنکھیں بند کیے ابھی تک بستر پر دراز تھے۔ وہ آہستگی سے بنا آواز کیے ان کے بیڈ کے قریب چلی آئی اور ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ٹمپریچر نہیں تھا' نرم ہاتھ کا لمس محسوس کرکے انہوں نے فوراً آنکھیں کھولیں۔

"آر یو آل رائٹ پاپا؟" انہیں آنکھیں کھولتے دیکھ کر اس نے آہستگی سے دریافت کیا۔

"یس ڈیئر آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ۔" دھیرے سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"دس از ناٹ فیئر پاپا' آپ کی طبیعت خراب تھی تو مجھے کیوں نہیں بلوالیا۔ بلانا تو درکنار مجھے بتایا تک نہیں۔" منہ پھلاتے ہوئے قدرے ناراضگی بھرے انداز میں کہا۔

"ڈونٹ وری بچے' اب تم آگئی ہو ناں اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اگر میرے آجانے سے آپ ٹھیک ہوجاتے ہیں تو پہلے کیوں نہیں بلوایا مجھے اور کہاں ٹھیک ہیں آپ آنکھیں تک تو کھل نہیں رہیں۔" پیار بھرے انداز میں فکر مندی کا عنصر نمایاں تھا۔ وہ اس کے انداز پر دھیرے سے مسکرادیے۔ اپنے لیے اس کے انداز میں فکر دیکھ کر بہت اچھا لگا تھا۔ بنا کچھ بولے انہوں نے دوبارہ سے آنکھیں موند لیں۔ طلیعہ ان کے چہرے کی زرد رنگت دیکھ کر ایک دم گھبرا سی گئی۔

"آپ ٹھیک ہیں نا پاپا؟" پریشانی سے اس نے استفسار کیا۔

"میں ٹھیک ہوں بچے' پریشان مت ہو۔ توارہا آفس چلا گیا؟"

"پتا نہیں' شاید چلے گئے ہوں' یہ شیرازی انکل بھی ناں' جانے کہاں رہ گئے۔ میں کال کرکے معلوم کرتی ہوں۔" نظریں چراتے ہوئے بظاہر بے نیازی سے کہہ کر آگے بڑھی۔ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا ہوا طلیعہ' توارہا نے آج پھر میری گڑیا کو ناراض کردیا کیا؟"

"نہیں تو پاپا ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" سر جھکائے

ہوئے انگلیاں چٹخانے لگی تھی۔
"ہمارے بچے کو تو جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔" وہ دانستہ بشاش انداز میں گویا ہوئے۔ اس نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر ان کی جانب دیکھا وہ بھی اسے ہی دیکھ رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں اس نے فوراً نظریں چرالیں۔
"تو ارہا کی باتوں کا برا مت مانا کرو بیٹا۔ وہ بہت اکیلا ہوگیا ہے ان دنوں۔ وہ بہت تنہا محسوس کرنے لگا ہے خود کو شاید اسی لیے اس کے لہجے میں تلخی در آئی ہے ورنہ تم تو اپنے اح کو جانتی ہو ناں' تمہارا اخ ایسا ہے کیا؟" پیار سے اسے سمجھاتے ہوئے انہوں نے پرشفقت انداز میں اس کی جانب دیکھا۔
اس نے بے ساختہ نفی میں سر ہلا دیا۔ اپنے پاپا پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا' توارہا کے اپنے لیے سرد و سپاٹ رویے سے وہ اچھی طرح واقف تھے لیکن پھر بھی اظہار نہیں کرتے تھے اس نے بے ساختہ جھک کر ان کے ماتھے پر بوسہ دیا۔
"آئی لو یو پاپا' ریئلی لو یو۔"
"آئی لو یو ٹو میرے بچے۔" تبھی شیرازی انکل چلے آئے اس نے تیزی سے اپنے آنسو صاف کیے اور ان کی جانب متوجہ ہوگئی۔
"السلام علیکم انکل!"
"وعلیکم السلام بیٹا' کیسی ہو؟" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے استفسار کیا۔
"میں بالکل ٹھیک ہوں انکل' آپ بس میرے پاپا کو دیکھیے ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔"
"کیوں بھئی' کیا ہوا اس بڈھے کو؟"
"بڈھا......؟" وہ ایک دم چلائی۔ "یہ زیادتی ہے انکل آپ میرے گریس فل ڈیشنگ' ینگ اور اسمارٹ سے پاپا کو بڈھا نہیں کہہ سکتے۔" اس نے مصنوعی خفگی سے ان کی جانب دیکھا۔
"لو بھئی' شیر جوان' تمہاری شیرنی بیٹی تو تمہاری سپورٹ میں تن کر سامنے آن کھڑی ہوئی۔ اب تو ہم دوست سے مذاق بھی نہیں کر سکتے۔" انہوں نے مصنوعی انداز میں برا مانتے ہوئے شرارت سے ان کی جانب دیکھا۔
"یہ غلط ہے انکل' میں نے یہ کب کہا' آپ اپنے دوست سے مذاق نہیں کر سکتے آفٹر آل آپ دوست ہیں اور دوستوں کا تو حق ہوتا ہے' لیکن میرے پاپا کو بڈھا نہیں کہہ سکتے۔" انداز میں بے حد معصومیت تھی۔
"ٹھیک ہے بھئی' نہیں کہتے اس شیر جوان کو بڈھا' اگر آپ کی پرمیشن ہو تو اس بڈھے...... آئی مین شیر جوان کا چیک اپ کرلیں۔" ان کے تیزی سے بات بدلنے پر حسن بخاری کے ساتھ ساتھ طنیعہ بھی قہقہہ لگا کر ہنس دی۔
"او کے انکل آپ پاپا کا چیک اپ کریں میں تب تک آپ کے لیے اچھی سی چائے لے کر آتی ہوں۔" ہنسی روکتے ہوئے اس نے کہا اور ان کے سر ہلانے پر باہر نکل گئی۔

......☆☆☆......

"گڈ مارننگ سر!" فضہ کی آواز پر اس نے سرسری سی نظر اس پر ڈالی۔
"گڈ مارننگ۔ میرے کیبن میں آیئے۔" بنارکے آہستگی سے کہا اور اپنے کیبن میں چلا آیا' تبھی کچھ یاد آنے پر سیل پر نمبر پش کرنے لگا۔
"مے کم ان سر۔" فضہ کی آواز پر اس نے چونک کر دروازے کی سمت دیکھا اور سر کے اشارے سے اسے اندر آنے کے لیے کہا۔ الوداعی کلمات ادا کر کے کال ختم کردی۔
"میں نے آپ کو اسائنمنٹ دیا تھیں فضہ' کیا آپ نے وہ ای میل کردی۔"
"یس سر۔ وہ تو میں نے کل ہی ای میل کردی تھیں۔"
"او کے' آج کے پروگرامز کی ڈیٹیل کیا ہیں؟" فائل کھولتے ہوئے اس نے مصروف سے انداز میں استفسار کیا۔
"سر آج ارسلان حیدر کے ساتھ آپ کی میٹنگ

ہے۔ لنچ بھی انہی کے ساتھ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ سلمان صاحب کے ساتھ اپائنمنٹ فکس ہے۔ بس آج کے یہی پروگرامز ہیں۔"

"تھینکس اب آپ جاسکتی ہیں۔" اس کے جانے کے بعد وہ فائل کی جانب دوبارہ متوجہ ہوا۔ تب ہی اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے بنا سر اٹھائے مصروف سے انداز میں سیل اٹھایا۔ سیل کی اسکرین پر جگمگاتا طلیعہ کا نام دیکھ کر اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آن رکی۔ فوراً ہی بٹن پش کیا۔

"بولو گڑیا!" جب اس پر بہت زیادہ پیار آرہا ہوتو وہ یونہی اسے گڑیا کہتا اور آج صبح والے واقعے کے بعد وہ کافی گلٹی بھی فیل کررہا تھا اسی لیے لاڈ کچھ زیادہ ہی امنڈ آیا۔

"میں آج آفس نہیں آؤں گی اخ۔" دوسری جانب سے بلاتوقف کہا گیا۔ آواز میں ناراضگی جھلک رہی تھی۔ وہ مسکرادیا لیکن اسے محسوس ہونے نہ دیا۔

"کیوں؟" قدرے سختی سے استفسار کیا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا اخ۔ پلیز آج مجھے لیو دے دیں ناں۔ پلیز پلیز..... پلیز اخ۔"

"اوکے..... اوکے مت آنا۔ ویسے بھی آج تمہارے لیے کچھ زیادہ ورک نہیں ہے۔"

"رئیلی اخ۔ یہ آپ کہہ رہے ہیں۔" وہ حیرت سے تقریباً چلائی۔

"آف کورس ڈیئر یہ میں ہی کہہ رہا ہوں۔" اس کے انداز پر وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

"او تھینک یو اخ۔ تھینک یو سو مچ..... یاہو۔" بے ساختہ خوشی اور جوش سے وہ چلائی۔ اس کے انداز پر تواراہا کو احساس ہوا کہ اس نے طلیعہ پر ضرورت سے زیادہ ذمے داری ڈال دی ہے۔ ایٹ لیسٹ کچھ تو ریلیف دینا چاہیے تھا۔ یہی سوچ کر اس نے طے کیا تھا کہ وہ طلیعہ پر بے جا ذمے داری نہیں ڈالے گا۔ اس فیصلے پر پہنچ کر اس نے طمانیت سی محسوس کی تبھی بے دھیانی میں سیل ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس کا ہاتھ اس کے والٹ سے ٹکرا گیا اور نیچے گر گیا۔ ایک پل کو چونک کر اس نے نیچے گرے والٹ کو دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اسے اٹھانے کے لیے جھکا۔ تبھی اچانک اس کی نظر والٹ میں موجود ہنستی مسکراتی تصویر پر گئی اس کا بڑھا ہوا ہاتھ وہیں رک گیا۔ کتنے ہی پل وہ ساکت سا نظریں جمائے دیکھتا رہا پھر بالکل غیرارادی طور پر والٹ اٹھایا۔ کتنی ہی دیر بنا پلکیں جھپکے دیکھتا رہا۔

"محبت تو انسان کو مضبوط بناتی ہے یہ تم نے ہی کہا تھا ناں تو پھر اب تم کیسے اتنی کمزور ہوگئیں مسز تواراہا حسن بخاری کیوں تم نے..... اگر مجھ پر میری محبت پر بھروسہ نہیں تھا تو ایٹ لیسٹ خود پر تو بھروسہ کرتیں۔ میں بھی تمہیں ٹوٹنے نہ دیتا، کبھی بکھرنے نہ دیتا، لیکن تم نے تو مجھے ایک ہی پل میں آسمان سے زمین پر پٹخ دیا، بہت ہرٹ کیا ہے تم نے مسز تواراہا حسن بخاری بہت ہرٹ کیا ہے تم نے مجھے۔" بے پناہ اذیت محسوس ہوئی اس لمحے دل میں پھر سے درد جاگ اٹھا تھا۔ اس نے بے ساختہ اس کی تصویر کو سینے پر رکھ کر پلکیں موند لیں۔

......☆☆☆......

"آغا مینا۔" وہ اپنے ہی دھیان میں تیزی سے قدم بڑھا رہی تھی تبھی کسی کے زور سے پکارنے پر رک گئی۔ پلٹ کر دیکھا تو وہ اس کی کلاس فیلو دیا تھی۔

"او دیا۔"

"ہائے آغا مینا۔"

"ہیلو۔" اس نے بھی مسکراتے ہوئے ہیلو کہا۔

"کیسی ہو آغا مینا؟"

"فائن تھینکس۔ کوئی کام تھا مجھ سے؟" مسکراتے ہوئے استفسار کیا۔

"ہاں ایکچوئیلی مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے۔" اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔ آغا مینا کو حیرت ہوئی۔

"ہاں کیوں نہیں تم کہو ناں اگر ممکن ہوا تو ضرور۔"

"آں..... ایکچوئیلی آغا مینا مجھے تم سے وہ نوٹس چاہیں جو تم نے طلیعہ کے لیے بنائے ہیں صرف ایک دن کے لیے پلیز۔"

"لیکن دیبا وہ تو مجھے آج ہی طلیعہ کو دیے ہیں۔ اگر آج اسے نوٹس نہ ملے تو وہ تو میری جان کھا جائے گی۔ جانتی تو ہو ناں اسے۔" دیبا بہت اچھی لڑکی تھی' بہت کم وہ کسی کی ہیلپ لیتی تھی' بلکہ خود دوسروں کی مدد کرتی تھی ان معاملات میں۔ اسی لیے آغا مینا کو بہت برا لگ رہا تھا اسے منع کرتے ہوئے۔

"تم ایسا کرو وہ نوٹس مجھے یونیورسٹی آف ہونے تک دے دو۔ میں کسی بھی طرح کمپلیٹ کرلوں گی۔ پلیز آغا مینا۔ منع مت کرنا۔ مجھے ارجنٹ چاہیے پلیز۔" اب کے وہ التجائیہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔ آغا مینا کشمکش در پیج میں مبتلا ہوگئی تھی۔ چند پل سوچتے رہنے کے بعد ایک فیصلے پر پہنچ کر اس نے منتظر کھڑی دیبا کی جانب دیکھا۔

"ٹھیک ہے' میں تمہیں یونیورسٹی آف ہونے تک نوٹس دے دیتی ہوں' تم پلیز کمپلیٹ ضرور کرلینا۔ اوکے۔"

"اوہ آغا مینا تھینکس یار تھینک یو ویری مچ۔"

"اٹس اوکے' یہ لو۔" مسکرا کر کہتے ہوئے اس نے نوٹس اس کی جانب بڑھا دیے۔ وہ تشکرانہ نظروں سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی متلاشی نگاہوں سے طلیعہ کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تبھی اس کی کال آ گئی۔

"کہاں ہو یار؟ کتنی دیر سے میں تمہیں ڈھونڈ رہی ہوں۔" چھوٹتے ہی تیزی سے استفسار کیا۔

"کیا؟ لیکن تم اس ڈیپارٹمنٹ میں کیا کررہی ہو؟" اس نے حیرت سے استفسار کیا۔

"تم بھی نہ حد کرتی ہو' اگر آج خوش قسمتی سے تم ٹینشن فری ہو تو ایٹ لیسٹ مکمل پریڈز تو اٹینڈ کرلو۔ تمہیں اپنی فضول قسم کی ایکٹوٹیز سے ہی فرصت نہیں۔" آغا مینا نے قدرے غصے سے کہا۔

"تمہارے لیے نوٹس بنا بنا کر میں تھک جاتی ہوں' لیکن پھر بھی تمہیں کچھ نہیں کہتی۔ یہی احساس ہوتا ہے کہ اپنی ذمہ داری ہے' بوجھ لدا ہوا ہے ناتواں کندھوں پر' لیکن نہیں' یہ میری غلط فہمی ہے' تمہیں عادت ہوگئی ہے اپنے کام مجھ سے کروانے کی۔ سنا تم نے۔ ایک ذمہ داری نبھاتے نبھاتے دوسری بھول بیٹھی ہو اور کچھ نہیں۔ اوکے جلدی آؤ میں تمہارا انتظار کررہی ہوں۔" اسے سخت سست سنا کر اس نے کال اینڈ کردی اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

"کبھی نہیں سدھرے گی۔" سیل بیگ میں رکھتے ہوئے وہ دھیرے سے بڑبڑائی تھی۔ تبھی دھیان نہ ہونے کے باعث سامنے سے آتے شخص سے ٹکرا گئی چونک کر سامنے دیکھا تھا' سرد و سپاٹ تاثرات لیے شخص کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ناگواریت پھیل گئی۔

"اگر آپ کو پبلک پلیس پر چلنے کی تمیز نہیں ہے تو گھر پر کیوں نہیں بیٹھ جاتیں۔ ایٹ لیسٹ دوسروں کو ٹینشن دینے اور خود کو ڈی گریڈ کرنے سے تو بچ ہی سکتی ہیں۔" تمسخرانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔ اس نے ناگواری سے دیکھا' تیوری پر بل پڑ گئے۔

"چلیں مجھے تمیز نہیں ہے چلنے کی' آپ کو تو ہے ناں؟ آپ دیکھ کر نہیں چل سکتے تھے کیا؟" آغا مینا کی ڈھٹائی پر اس کے چہرے کے تاثرات بگڑے۔

"جب کوئی جان بوجھ کر ٹکرانے کی کوشش کرے تو احتیاط کہاں تک کی جاسکتی ہے مس آغا مینا صاحبہ؟" اس کے ایک ایک لفظ کو چبا چبا کر ادا کرنے پر آغا مینا نے چونک کر دیکھا۔

"واٹ! میں آپ سے جان بوجھ کر ٹکراتی ہوں۔ ایکسکیوزمی مسٹر۔ مبالغہ آرائی کی بھی حد ہوتی ہے' پہلے کب ٹکرائی ہوں یوں آپ سے جس کا حوالہ آپ مجھے دے رہے ہیں اور جو میرے علم میں نہیں۔" وہ کبھی یوں ہائپر نہیں ہوتی تھی۔ لیکن یہ شخص جانے کیوں اس کے غصے کا سبب بن رہا تھا' اس کی وجہ سے وہ نمبر لوز کرنے لگی تھی۔

"اوہ ریئلی...... بھولپن میں تو لگتا ہے پی ایچ ڈی کی ہے محترمہ نے۔" دل ہی دل میں ناگواری سے کہتے ہوئے طنزیہ اس کی جانب دیکھا۔

"آئی ڈونٹ تھنک سو مسٹر زادیار! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ اینڈ بائی دا وے واٹ از رونگ ود یو۔" پہلی بار اور پھر دوسری بار بھی آپ اسی طرح بی ہیو کر رہے تھے اور آج بھی آخر آپ کو پرابلم کیا ہے؟ کیا آپ کو عادت ہے ہر کسی پر اپنی ناگواری ظاہر کرنے کی؟ آپ نے.....

"اسٹاپ اٹ۔ جسٹ اسٹاپ اٹ اوکے، آج تک میں نے کسی کو اجازت نہیں دی ہے کہ کوئی یوں مجھ سے اس انداز میں بات کرے کہ میری ذات ڈائریکٹ...... ہنہ اینی وے، مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے آپ سے اور آپ کی باتوں سے لیکن مائنڈ اٹ مجھ سے آئندہ ٹکرانے کی کوشش مت کرنا، کیونکہ مجھے بظاہر یہ اتفاقی تصادم بالکل پسند نہیں۔" انگلی اس کی جانب کیے وہ اسے وارن کر رہا تھا۔ وہ اس کی بات پر کیا غور کرتی وہ تو اس کے ان لفظوں پر ہی اٹک گئی تھی۔ "بظاہر اتفاقی تصادم" اسے ایک دم جھٹکا لگا۔

"ایکسکیوزمی مسٹر آپ کو لگتا ہے میں آپ سے جان بوجھ کر ٹکراتی ہوں، ہوش میں تو ہیں آپ؟ اینڈ بائی دا وے آپ کی ہمت کیسے ہوئی مجھ سے اس طرح بات کرنے کی؟ میں آپ کا لحاظ کر رہی ہوں صرف آپ کے دوست کی وجہ سے اور آپ جو منہ میں آ رہا ہے بک رہے ہیں۔" دوسری جانب زادیار کو اس کے لب و لہجے پر خاصی ناگواری محسوس ہوئی۔ تیوری پر بل اور گہرے ہو گئے تھے۔

"مائنڈ یور لینگویج مس، حد سے تجاوز کرنے والے لوگ مجھے ازحد ناپسند ہیں۔"

"آئی ڈونٹ کیئر آپ کو کیا پسند ہے اور کیا ہے، مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن جس طرح آپ نے مجھے سمجھا ہے اس سے مجھے بہت فرق پڑتا ہے آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں جان بوجھ کر آپ سے ٹکراؤں گی اور وہ بھی بار بار۔" اس نے بے یقینی سے اپنے سامنے کھڑے زادیار کو دیکھا، جو وہاں مجبوری کے تحت کھڑا تھا غالباً اس کی بات پر قدرے چونک کر اس کی جانب دیکھا پھر تمسخرانہ انداز میں مسکرا دیا۔ دوسرے ہی پل اس

کے ہونٹ سمٹ گئے۔

"ایکٹنگ بہت اچھی کرلیتی ہیں' گڈ ویری گڈ۔"

"واٹ......؟ آپ......آپ......" اسے کچھ بجھائی نہ دیا تو غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں' زادیار اگنور کیے آگے بڑھ گیا۔

"ایکسکیوزمی آپ یوں اپنے الفاظ کی وضاحت کیے بنا نہیں جاسکتے۔" اس کی چوڑی پشت کو گھورتے ہوئے اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔ وہ رک گیا مگر پلٹا نہیں۔

"میں وضاحت دینا ضروری نہیں سمجھتا۔" سخت اور کھردرے لہجے میں کہہ کر وہ رکا نہیں لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے چلا گیا اور وہ کتنی ہی دیر۔ بے یقینی سے اس سمت دیکھتی رہ گئی۔

......☆☆☆......

"او گاڈ! نو ناٹ اگین۔" حسب معمول ارد گرد نظریں دوڑاتے ہوئے اس نے یونہی اپنے سامنے دیکھا اس کا موڈ بری طرح آف ہوگیا۔ چہرے کے زاویے بگڑ گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ راستہ بدلنے کا سوچتی اس کی نظر اس پر پڑ گئی مگر پھر بھی اس نے پروا نہ کی۔ اور اسے نظر انداز کرتے ہوئے رخ بدل گئی۔

"ایکسکیوزمی طلیعہ' پلیز ایک منٹ۔" اس کے اتنے بے تکلفی سے پکارنے پر اس نے حیرت' غصے اور کوفت سے اپنے لب بھینچے اور اس وقت کو کوسا جب اس سے اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ اور دل ہی دل میں آغا بینا کو گالیاں دیں جس نے کتنی ہی بار اس اجنبی کے سامنے اس کا نام پکارا تھا مگر اب کیا ہوسکتا تھا' جو ہونا تھا وہ ہوچکا تھا' اب اس ہوچکے کو اس نے بھگتنا تو تھا ہی۔

"آپ کی پرابلم کیا ہے مسٹر! اور بائی داوے آپ کو ہمت کیسے ہوئی مجھ سے بے تکلف ہونے کی۔" کڑے تیوروں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"آئم سوری۔ مجھے آپ کو یوں پکارنا پڑا' لیکن میں بھی کیا کروں؟ آپ رکتی بھی تو نہیں۔" انداز میں کسی قدر معصومیت اور جھنجلاہٹ پنہاں تھی' طلیعہ کو ہنسی تو آئی مگر کنٹرول کرگئی۔

"کہیے! اب آپ کو کیا پہچان کروانی ہے اپنی؟" اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے گہری سانس خارج کی اور قدرے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"ابھی تک پہچان ہوئی ہی کب ہے مس طلیعہ صاحبہ۔" گہرے لہجے میں جانے کیا باور کرانا چاہا تھا وہ سمجھ نہ پائی۔

"جی نہیں۔ سخت قسم کی غلط فہمی کا شکار ہیں آپ' پہچان تو میں آپ کو پہلی ملاقات میں گئی تھی۔"

"اوں ہوں' غلط' انسان کی پہچان تو سب سے پہلے اس کے نام سے ہی کی جاتی ہے۔ اب بھلا نام کے بغیر آپ کسی کو کیسے پہچان سکتے ہیں اور آپ نے ابھی تک میرا نام تو جانا ہی نہیں تو پہچان کیسے سکتی ہیں؟" گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے غیر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"اور ریئلی؟" خاصی تمسخرانہ نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"آف کورس' ویسے مجھے نہیں لگتا کہ آپ میرا نام جاننا چاہیں گی۔"

"خاصے عقل مند ہیں آپ اور میں خوامخواہ آپ کو بے وقوف سمجھتی رہی۔" تمسخر اس کی آنکھوں اور لہجے میں بھی عیاں تھا۔ ارقام نے جھینپ کر اپنا کان کھجایا۔

"بائی داوے آپ یہاں کسی خاص وجہ سے تشریف لائے ہیں۔" اسے حیرت ہوئی تھی اس کی مستقل مزاجی پر۔

"جی ہاں' بہت خاص الخاص وجہ ہے۔ ایکچوئیلی جس وجہ سے باقی اسٹوڈنٹس اور خود آپ بھی یہاں تشریف لاتی ہیں۔ ہمارے یہاں آنے کی بھی بس یہی وجہ ہے۔"

"واٹ؟" اسے جھٹکا سا لگا تھا۔ پھر دوسرے ہی لمحے گڑبڑا سی گئی۔

"نہیں آئی مین' آپ اس عمر میں یہاں پڑھنے

آئے ہیں؟''

''اس عمر میں کیا مطلب ہے بھئی؟ کیا ہوا ہے میری عمر کو۔ ابھی عمر ہی کیا ہے میری؟'' قدرے برا مانتے ہوئے استفسار کیا۔

''جی ہاں' ننھے کاکے ہیں ابھی۔'' وہ اس کی بات پہ دل ہی دل میں بڑبڑائی۔

''میں نے خود کتنے ہی ادھیڑ عمر بلکہ بوڑھوں کو گریجویشن کی ڈگری لیتے ہوئے دیکھا ہے اور میں تو پھر بھی اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کررہا ہوں۔''

''اف ہو بھئی' آپ تو برا ہی مان گئے' ایم سو سوری' رئیلی سوری' مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ ''مرد'' بھی لڑکیوں کی طرح ایج کانشس ہوتے ہیں۔'' لہجے میں ہمدردی سموتے ہوئے قدرے طنزیہ انداز میں گویا ہوئی تو وہ گڑبڑا سا گیا۔

''نہیں خیر ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ میں تو بس آپ کی حیرت کو دیکھ کر وضاحت کررہا تھا۔''

''لیکن میں نے کب وضاحت مانگی ہے آپ سے؟'' آنکھیں جھپکتے ہوئے خاصی حیرانگی سے دیکھا۔

''آپ نے نہیں مانگی مگر میں نے تو دے دی ناں۔ میرا فرض بنتا تھا ایکچوئیلی میرا ذاتی خیال ہے کہ کبھی بھی وضاحتیں دے دینی چاہئیں وہ کیا ہے ناکہ مستقبل میں غلط فہمیوں سے بچ جاتا ہے بندہ۔''

''لو...... لو...... آپ کے بارے میں کم از کم مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوسکتی۔ ویسے بھی مجھے آپ سے کسی بھی قسم کی کوئی وضاحت نہیں چاہیے۔ وہ کیا ہے ناکہ مجھے اجنبیوں کی وضاحت لینا گوارا نہیں ہے۔'' بظاہر بہت سکون سے لیکن درحقیقت طنزیہ انداز میں باور کرایا تھا۔

''ارے آپ ابھی تک مجھے اجنبی سمجھتی ہیں۔'' خاصی حیرت اور بے یقینی سے دیکھا گیا۔

''جی آپ آپ کو ہی میں اجنبی سمجھتی ہوں۔'' اسی کے انداز میں گویا ہوئی۔

''دس از ناٹ فیئر طیبہ' یہ زیادتی ہے یار' میں آپ کو

حق مہر

آؤ کہ ہم نکاح دوستی
کرلیتے ہیں تم سے
تم جہیز میں اپنے غم لانا
اور میں......
حق مہر میں اپنی ساری
خوشیاں دیتا ہوں

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر

پہلی ملاقات سے ہی اپنا سمجھنے لگا ہوں اور آپ......''

''اٹس لیفٹ مسٹر! اب یہ بہت زیادہ ہورہا ہے' میں آپ سے بہت آرام سے بات کررہی ہوں تو اس کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ آپ کے جو دل میں آئے کہتے چلے جائیں۔'' اس کا لفظ ''اپنا'' پر زور دینے پر وہ بری طرح چونکی تھی۔ ازحد ناگواری سے دیکھا اور گہری سنجیدگی سے دو ٹوک انداز میں گویا ہوئی۔ ارقام گڑبڑا سا گیا۔

''آئی ایم سوری۔ میرا وہ مطلب نہیں تھا۔''

''آپ کا جو بھی مطلب تھا مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ بہتر ہوگا آپ اپنے کام سے کام رکھیں' پلیز۔'' سنجیدگی سے کہہ کر وہ تیزی سے اس کی سائیڈ سے ہوکر نکل گئی۔

......☆☆☆......

وہ کام میں ازحد مصروف تھا تب ہی انٹرکام بجا۔ اس نے کوفت سے انٹرکام کی جانب دیکھا اور دوسرے پل اٹھالیا۔

''میں نے کہا تھا فضہ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے پھر اب......'' اس نے چھوٹتے ہی فضہ سے کہا۔

''ایم سوری سر بٹ ایک صاحب' بہت دیر سے آپ سے ملنے کی ضد کررہے ہیں۔ میں نے کہا بھی کہ اس وقت آپ کسی سے ملنا نہیں چاہتے مگر وہ بضد ہیں۔''

''نام کیا بتایا تم نے؟'' اس نے سرسری سے انداز میں استفسار کیا۔

"سر وہ نام نہیں بتارہے اپنا' کہہ رہے ہیں کہ آپ کے دوست ہیں۔"

"ان سے کہو میں بہت بزی ہوں' کسی سے نہیں مل سکتا۔ پھر کسی وقت آجائیں۔" اس وقت اس کا قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا کسی سے بھی ملنے کو۔

"جی سر میں...... ارے...... سنیے ایکسکیوزی کہاں جارہے ہیں آپ؟ ایک سیکنڈ سر میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی' وہ آدمی اسے نظر انداز کیے توارہا کے کیبن کی جانب بڑھ گیا۔ فضہ ریسیور رکھ کر فوراً اسے روکنے کو پیچھے لپکی لیکن اس سے پہلے ہی وہ ڈور دھکیل کر اندر داخل ہوگیا تھا۔ توارہا نے کسی قدر چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔ دوسرے ہی پل بے پناہ خوشی لیے بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"سالار......!" چیئر سرکا کر وہ برق رفتاری سے اس کی جانب بڑھا اور گرم جوشی سے اس کے گلے لگ گیا۔ فضہ کو اس نے ہاتھ کے اشارے سے واپس بھیج دیا۔

"تیری عادت نہیں بدلی۔ سرپرائز دینے کی۔" اس کے کندھے پر دھپ رسید کرتے ہوئے توارہا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن تو بدل گیا ہے یار!" سالار نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے اظہار کیا۔ توارہا چونکا۔

"ابھی ابھی تو' تو مجھ سے ملا ہے اور ملتے ہی تجھے مجھ میں بدلاؤ نظر آ گیا۔ واہ کیا نظر ہے۔" توارہا نے تمسخرانہ انداز میں دیکھتے ہوئے طنزیہ کہا' سالار کہاں شرمندہ ہونے والا تھا۔

"یہی تو کمال ہے اپنا۔ پہلی ہی نظر میں بندے کی پہچان ہوجاتی ہے۔" کالر اکڑاتے ہوئے کسی قدر تفاخر سے کہا۔ توارہا نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

"ہاں...... ہاں' مجھ سے بہتر تجھے اور کون جان سکتا ہے؟ میں ہی تو واقف ہوں تیری رگ رگ سے۔" اس کی جانب دیکھتے ہوئے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ اس کے لہجے کی معنی خیزی کو محسوس کرتے ہوئے سالار جھینپ گیا۔

"کیا مطلب ہے تیرا؟" گڑبڑاتے ہوئے دریافت کیا۔

"تو نہیں جانتا کیا؟" کنکھیوں سے دیکھا۔ غالباً ستانا مقصود تھا۔

"بک نا یار! چل مجھے چھوڑ تو اپنی بتا کیا چل رہا ہے آج کل؟"

"کیا چلنا ہے یار؟ وہی بزنس کی مصروفیات' میٹنگز' پروجیکٹس اور کیا؟" گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ چیئر پر نیم دراز ہوگیا۔

"میں اس مصروفیت کی بات نہیں کررہا۔ میں تیری ذات سے متعلق پوچھ رہا ہوں۔"

"یہ سب میری ذات سے ہی تو منسلک ہے یار۔"

"اوں ہوں! کسی حد تک۔ ہاں ٹھیک ہے آفٹر آل یہ سب تیری ذمہ داری ہے' لیکن اس سب کے علاوہ بھی تیری زندگی ہے' جس میں کچھ رنگ ہیں' کچھ خواب ہیں' خواہشات ہیں کچھ......"

"ہیں...... نہیں تھے۔ تصحیح کرلو۔" بہت آرام سے توارہا نے کہا۔

"اوں ہوں' تو خود سے جھوٹ بول سکتا ہے لیکن سالار سادات سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ تو اچھی طرح جانتا ہے سالار سادات جو توارہا حسن بخاری کی رگ رگ سے واقف ہے' جو توارہا حسن بخاری اپنے بارے میں نہیں جانتا وہ بھی سالار سادات جانتا ہے' آئی تھنک یو نو دیٹ!" گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر کچھ تلاش کرنا چاہا' توارہا بے ساختہ سر جھکا گیا۔

"ذری کیسی ہے؟" چند پل اس کے جھکے سر کو بغور دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"میں نہیں جانتا؟" اسی پوزیشن میں بے حد آہستگی سے جواب دیا۔

"نہیں جانتا...... یہ تو کہہ رہا ہے توارہا؟" اسے جھٹکا سا لگا۔

"ہاں یہ میں ہی کہہ رہا ہوں سالار۔ میں نہیں جانتا وہ کیسی ہے؟"

"میں نہیں مانتا۔" سالار نے نفی میں سر ہلایا۔

"سب کچھ جاننے کے باوجود تو یہ کہہ رہا ہے سالار؟" اس نے جھٹکے سے سر اٹھا کر بے یقینی سے سالار سادات کی جانب دیکھا۔

"ہاں سب جاننے کے باوجود میں یہ کہہ رہا ہوں۔ یو نو وائے؟" کیونکہ میں یہ جانتا ہوں کہ تواراحسن بخاری بظاہر غافل ہونا چاہتا ہے مگر غافل ہو نہیں پاتا۔" اس کا لہجہ مستحکم تھا۔

"مگر اب' تواراحسن بخاری حقیقت میں غافل ہوجانا چاہتا ہے سالار۔" تھکے تھکے سے لہجے میں شکست پنہاں تھی۔ سالار سادات بہت دیر تک بغور اسے دیکھتا رہا۔

"اتنی جلدی شکست مان لی توارہا؟" کچھ جتاتے ہوئے کہا۔

"ہار اور جیت کا فیصلہ تو وہاں ہوتا ہے سالار' جہاں مقابلہ ہو رہا ہو جبکہ یہاں کوئی مقابلہ نہیں۔"

"ہاں! یہاں مقابلہ نہیں ہو رہا لیکن یہاں جذبات ہیں' احساسات ہیں' دو دلوں میں پنپتے کچھ ارمان تو ہیں۔ آنکھوں میں پنہاں کچھ خواب تو ہیں۔ مقابلہ نہیں ہے صحیح کہہ رہے ہو توارہا' مقابلہ نہیں ہو رہا یہاں لیکن جذبے تو پامال ہو رہے ہیں ناں...... کیا میں غلط کہہ رہا ہوں توارہا؟"

"سالار! نہیں جانتا میں کہ کیا ہو رہا ہے...... کیا ہوگا...... یا کیا ہونا چاہیے؟ کچھ نہیں جانتا اور نہ ہی کچھ جاننا چاہتا ہوں' سو پلیز...... اس بارے میں کچھ مت کہو میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ نہ ابھی نہ کبھی۔ کبھی بھی نہیں...... اب چھوڑو اس کو۔" اس نے سخت اذیت کے عالم میں دوٹوک انداز میں کہا۔ سالار کتنی ہی دیر لب بھینچے ہوئے اسے دیکھتا رہا۔

......☆☆☆......

"جا رہی ہو آغا مینا؟" ہیئر برش بالوں پر پھیرتے ہوئے اس نے بیگ کندھے پر لٹکایا ہی تھا کہ امی کی آواز پر چونک اٹھی۔

"جی امی جا رہی ہوں' کوئی کام ہے کیا؟"

"ہاں بیٹا! دراصل راحیلہ نے پیغام بھجوایا تھا' اگر تم وہاں سے ہو آؤ تو......" ان کی بات پر اس نے جھٹکے سے ان کی جانب دیکھا' وہ نظریں چرا گئیں۔

"امی پھر سے؟ میں نے منع کیا تھا ناں' اب آپ کچھ نہیں کریں گی' جانتی ہیں ناں' طبیعت کتنی خراب ہے آپ کی' پھر بھی......"

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں مینا اور پھر حرج ہی کیا ہے' سارا دن فارغ ہی تو ہوتی ہوں بزی رہوں گی تو ڈپریسڈ نہیں ہوں گی۔ خود تو تم یونیورسٹی چلی جاتی ہو پھر اکیڈمی' اب میں اکیلی سارا دن دیواروں سے سر پھوڑوں کیا؟ اچھا ہے کچھ کام کرتی رہوں گی تو کم از کم اکیلے پن کا احساس تو نہیں ہوگا۔" ان کے لہجے میں کسی قدر اکتاہٹ اور بے زاری تھی' وہ کچھ اس انداز سے گویا ہوئیں کہ وہ محسوس نہ کرے۔

"میں جانتی ہوں امی اور مجھے آپ کی تنہائی کا احساس بھی ہے لیکن مجھے آپ کو یوں تھوڑے سے پیسوں کے لیے کام کرتے دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے۔ میں نہیں دیکھ سکتی کہ میری ماں جو خود......" اس نے یکلخت لب بھینچے۔

"اینی وے' آپ کام نہیں کریں گی پلیز۔ میں جانتی ہوں امی جتنی تنخواہ مجھے ملتی ہے وہ بہت کم ہے' لیکن آپ فکر مت کریں میں کوئی اور جاب ڈھونڈ لوں گی۔ مگر آپ کو ہرگز کام نہیں کرنے دوں گی۔"

"ایسی بات نہیں ہے مینا' میں تو بس فراغت کے باعث کہہ رہی ہوں۔ کیا حرج ہے اگر بیٹھے بٹھائے کچھ کرتی رہوں گی اور پھر تمہارے پاس ٹائم کہاں ہے مزید جاب کرنے کا؟"

"میں مینیج کر لوں گی امی ڈونٹ وری لیکن آپ کام

نہیں کریں گی بس۔"
"ٹھیک ہے نہیں کروں گی' مگر جب تک تمہیں جاب نہیں مل جاتی' کم ازکم تب تک تو کرنے دو مینا۔"
"ای پلیز' میرے ہوتے ہوئے آپ کچھ نہیں کریں گی۔ دیٹس اٹ۔"
"کھانا بینا نہیں کروں گی' صرف کچھ دنوں کی ہی تو بات ہے' جب تمہیں جاب مل جائے گی تو سب کچھ چھوڑ دوں گی۔"
"پرامس۔" اس نے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔
"ہاں' پرامس' اب جاؤ گی نارا حیلہ کی طرف؟"
"اوکے' واپسی پر میں وہاں سے ہوتی آؤں گی۔ اچھا ای اب چلتی ہوں' اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔"
"اپنا خیال رکھنا مینا!" اس کے بڑھتے قدم رک گئے یہ معمول کے الفاظ تھے جو وہ ایک دوسرے کو کہتی تھیں۔ مگر آج شاید ان کے الفاظ میں کچھ اور احساسات پنہاں تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے پلٹی اور ان کے گلے میں باہیں ڈال کران کے ماتھے پر بوسہ دیا۔
"آپ کی دعائیں ہیں ناں میرے ساتھ اور پھر اللہ ہے ناں' مجھے کیا ہوسکتا ہے؟"
"ہاں اللہ ہی ہے بس۔" وہ بھی دھیرے سے مسکرا دیں۔ چہرے پر طمانیت در آئی تھی۔ وہ انہیں ہاتھ ہلا کر باہر نکل آئی۔
وہ تیزی سے گیٹ کی جانب بڑھ رہی تھی تبھی وائٹ کار اس کے قریب آن رکی۔ وہ ٹھٹک کر یکلخت رکی۔ گاڑی ڈرائیو کرنے والے نے مضحکہ خیز انداز میں سر باہر نکالا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی۔
"توبہ ہے بھائی! آپ کبھی نہیں سدھریں گے۔"
"جب تک تم نہیں سدھر جاتیں میں نے تہیہ کررکھا ہے نہ سدھرنے کا۔"
"میں آپ کو بگڑی ہوئی لگتی ہوں کیا؟" مصنوعی خفگی سے گھورا۔
"تمہیں کوئی شک ہے؟" اس نے معصومانہ انداز میں استفسار کیا۔
"جی نہیں' شک نہیں بلکہ یقین ہے کہ......"
"کہ تم...... سو فیصد بگڑی ہوئی ہو۔ ہے ناں۔" اس نے فوراً بات اچکی۔
"بگڑی ہوئی نہیں' سدھری ہوئی ہوں۔ اس کا مجھے ہنڈریڈ پرسنٹ یقین ہے۔" اس کی بات کو خاطر میں لائے بغیر ٹھنک کر کہا۔
"رئیلی؟"
"آف کورس۔"
"اوکے' اگر اتنا اصرار کررہی ہو تو' مان لیتا ہوں۔ ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔" کندھے اچکاتے ہوئے کسی قدر مجبوری سے کہا۔
"نہیں' ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔ مجھے آپ سے سرٹیفکیٹ تھوڑا ہی چاہیے؟" اس نے جان بوجھ کر اسے چڑایا۔
"حد ادب لڑکی' میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ احترام کیا کرو میرا۔"
"اوکے...... سوچوں گی فی الحال تو لیٹ ہورہی ہوں' اس بارے میں بعد میں بات کروں گی۔" واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے جلدی سے کہا اور آگے بڑھنے لگی۔
"ایکسکیوزمی میم ذرا ہی نظر کرم ادھر بھی کرلیجیے یہ شاہی سواری خاص آپ کے لیے آپ کا یہ غلام لے کرآیا ہے اسے بھی کبھی خدمت کا موقع دے دیا کیجیے۔ اب اتنی عاجزی بھی اچھی نہیں ہوتی۔" اسے روک کر خاصی اونچی آواز میں خاص شاہی دربان کے انداز میں کہا اس کے انداز پر مسکراہٹ روکتے ہوئے پلٹی۔
"آپ کی شاہی سواری سے استفادہ پھر کبھی حاصل کرلیں گے' ابھی تو فی الحال ہمارا عجز وانکساری کا موڈ ہے۔ سو پلیز' ہمیں روکیے گا مت۔"
"کیا حرج ہے مینا! میں بھی تو وہیں جارہا ہوں۔ آجاؤ ناں پلیز۔" اب کے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''ایم سوری بھائی‘ میں ویسے ہی جاؤں گی جیسے روز جاتی ہوں‘ اور یہ آپ جانتے ہیں‘ سو پلیز بھائی‘ اصرار مت کیا کریں۔ مجھے آپ کو کسی وجہ سے بھی انکار کرنا اچھا نہیں لگتا۔ میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی‘ سو پلیز۔'' اس نے بھی گہری سنجیدگی سے اسے جواب دیا۔

''اس کا مطلب ہے میں جاؤں؟'' منہ پھلاتے ہوئے کسی قدر ناراضگی سے دریافت کیا۔

''نہیں‘ اس کا مطلب ہے کہ اب مجھے جانا چاہیے‘ کیونکہ لیٹ ہورہی ہوں بائے بھائی۔'' شرارت سے مسکراتے ہوئے کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

......☆☆☆......

زادیار! پلیز یار چلوناں؟''

''کہاں؟'' ارقام کے پانچویں بار کہنے پر زادیار نے پانچویں بار ہی وہی پوچھا جو اس کے بار بار (زادیار پلیز یار چلوناں) کہنے پر پوچھ رہا تھا۔ ارقام نے اب کے آنکھیں نکال کر دیکھا۔ زادیار مسکراہٹ ضبط کیے ابھی بھی انجان بنا بیٹھا تھا۔

''کہاں؟'' دونوں ہاتھ کمر پر جماتے ہوئے گھور کر طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''یہی تو میں بھی پوچھ رہا ہوں یار‘ کہ کہاں چلنا ہے؟'' سکون سے صوفے کی پشت پر بازو دراز کرتے ہوئے اسے چڑایا۔

''بھاڑ میں چلو گے۔'' وہ غصے سے جل کر بولا۔

''نہ...... نہ...... توبہ کرو بھاڑ میں نو وے میں تو پہلے ہی کہیں جانے کو تیار نہیں۔ اب تو قطعی نہیں‘ یار بھاڑ بھی کوئی جگہ ہے جانے کی۔'' ازحد سنجیدگی سے کہتے ہوئے کن انکھیوں سے اسے خود کو گھورتے ہوئے دیکھا۔

کف فولڈ کرتے ہوئے وہ اسے مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ زادیار نے برق رفتاری سے اپنی جگہ چھوڑی اور بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا جبکہ ارقام وہیں کھڑا اسے گھورتا رہا۔ زادیار نے بمشکل اپنی ہنسی روکی۔

''ایم سوری یار ریئلی سوری...... اوکے...... اوکے ناؤ آئم سریس۔ اب بول کہاں چلنا ہے؟''

''تو پہلے نہیں مان سکتا تھا‘ ایویں فضول میں اتنا ٹائم ویسٹ کردیا۔ اب چل اٹھ بھی یا اٹھا کر لے چلوں؟'' دانت پیستے ہوئے کہا۔

''لیکن یار چلنا کہاں ہے؟'' اس کے پھر سے پوچھنے پر ارقام کڑے تیور لیے اس کی جانب پلٹا۔ زادیار نے بمشکل اپنا امنڈ آنے والا قہقہہ روکا اور کسی قدر سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''اوکے نہیں پوچھتا چل چلتے ہیں۔''

''تھینک گاڈ۔'' اس کے بعد قدم بڑھاتے ہوئے ارقام نے گہری سانس خارج کرتے خدا کا شکر ادا کیا۔

''تجھے یہاں آنا تھا؟'' ارقام کے ایک مارکیٹ سے ذرا فاصلے پر گاڑی روکنے پر زادیار نے تقریباً چلاتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

مارکیٹ کے قریب رکنے پر وہ نہیں چلایا بلکہ جس جگہ ارقام نے گاڑی روکی تھی وہاں خواتین کے ملبوسات کی سیل لگی ہوئی تھی‘ ہر طرف خواتین ہی خواتین نظر آرہی تھیں۔ اسی لیے وہ چلایا تھا۔

''شٹ اپ زادیار‘ ہم سائٹ پر جارہے ہیں‘ گاڑی میں نے اس لیے روکی تھی کیونکہ ایک بزرگ خاتون نے چلتے چلتے گاڑی کے بونٹ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہیں چلتی گاڑی سے اسے کوئی چوٹ نہ لگ جائے‘ اس لیے میں نے بریک لگایا۔ ورنہ مجھے کیا کرنا ہے اس سیل میں۔'' ارقام نے قدرے برا مانتے ہوئے زادیار کو گاڑی روکنے کی وجہ بتائی۔

''اوہ میں سمجھا شاید تیرے موجودہ رویے کے باعث تیرے اندر کہیں کسی لیڈی کی روح تو حلول نہیں کرگئی۔'' زادیار نے اسے چڑانے کے لیے کہا۔

''خیر تو ہے محترم کچھ زیادہ ہشاش بشاش لگ رہے ہیں۔ ورنہ ہم نے تو محترم کے چہرے پر کرخت تاثرات ہی دیکھے ہیں۔ سنجیدگی ہمہ وقت چہرے پر رونق افروز رہتی ہے۔

پھر یہ آج سورج کہاں سے نکلا؟'' اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ارقام نے حیرت اور بے یقینی سے استفسار کیا۔ اب تنگ کرنے کی باری اس کی تھی۔

''کیوں؟ تجھے میں کسی اور جہاں کی مخلوق لگتا ہوں کہ میرا موڈ کبھی چینج نہیں ہوسکتا یا میں دوسروں سے منفرد ہوں' ہاں؟'' اس نے بنا کسی تاثر کے سامنے نظریں مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں' تھوڑی سی تصحیح کرلو۔ منفرد نہیں منحرف' کہو۔'' استہزائیہ انداز میں کہتے ہوئے لفظ منحرف پر خاصا زور ڈالا۔ اسے ایک دم جھٹکا لگا۔

''واٹ؟ منحرف تجھے منحرف کا مطلب پتا ہے؟'' تیکھے چتونوں سے گھورا۔

''بالکل ٹیڑھا' ترچھا' سرکش' باغی۔ ویسے تو اس کا مطلب پھرنا اور غدار بھی ہے لیکن خوش قسمتی سے وہ تم نہیں ہو' سوان دو میننگز کے علاوہ باقی تجھ پر فٹ آتے ہیں۔'' اس کے گھورنے کو خاطر میں لائے بغیر بے نیازی سے گویا ہوا۔

''نہیں وہ بھی کہہ لو میں تمہیں قتل تھوڑی کروں گا۔'' دانت پیستے ہوئے گھورا۔

''ارے نہیں یار' اب تھوڑا بہت لحاظ و مروت بھی تو رکھنا پڑتا ہے ناں۔'' مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں' ایسا کوئی ضروری بھی نہیں۔ آفٹرآل فرینڈز اتنا حق تو رکھتے ہی ہیں ناں۔'' بظاہر سنجیدگی سے لیکن طنزاً کہا۔

''ارقام سامنے دیکھ۔'' اس سے پہلے کہ ارقام کچھ بولتا' زادیار نے چلاتے ہوئے اسے سامنے متوجہ کیا۔ ارقام نے سٹپٹاتے ہوئے جلدی سے بریکس پر پاؤں رکھا تھا۔ گاڑی جھٹکے سے رکی تھی۔ اسکول کے چھوٹے چھوٹے بچے بے دھیانی میں روڈ کراس کررہے تھے۔ اگر ارقام بروقت بریک نہ لگاتا تو جانے کیا ہوجاتا۔

''اوہ مائی گاڈ۔''

''اسی لیے تجھے کہتا ہوں' ہوش میں رہ کر ڈرائیونگ کیا کر۔'' گہری سانس خارج کرتے ہوئے شکر ادا کرنے پر زادیار نے کہا جبکہ ارقام مسلسل بچوں کو معصومانہ انداز میں ہاتھ ہلاتے ہوئے جاتے دیکھا۔

''آر یو آل رائٹ ارقام؟''

''آں...... ہاں' آئم اوکے۔ تھینکس زادی۔ تو نے مجھے بروقت آواز دے دی ورنہ آج مجھ سے معصوم جانیں ضائع ہوجاتیں' محض میری بے پروائی کے باعث۔''

''اٹس اوکے یار' کبھی کبھی بے خیالی میں ایسا ہوجاتا ہے۔ لیکن آئندہ کے لیے اس غلطی کو دہرانہ بے وقوفی ہوگی۔'' اس کی حالت دیکھ کر زادیار نے نرمی سے کہا اس نے اثبات میں سر ہلادیا۔

خاصی دیر زادیار سائٹ پر ارقام کے ساتھ رہا پھر اسے کہہ کر گاڑی کی جانب چلا آیا۔ کیونکہ ارقام کچھ لوگوں کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگیا تھا۔ کام تھوڑا ہی رہ گیا تھا اس لیے اس نے زادیار کو گاڑی میں بیٹھنے کو کہا۔ کچھ دیر گاڑی میں بیٹھے رہنے کے بعد وہ گاڑی سے باہر نکل آیا اور گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا' تبھی ایک بڑی سی سفید کار پارکنگ ایریا میں آن کھڑی ہوئی۔ ڈرائیونگ ڈور کھول کر جو شخصیت باہر نکلی تھی اسے دیکھ کر زادیار سیدھا کھڑا ہوگیا۔ اس سے نظریں چرانے کی کوشش کی لیکن چرا نہیں سکا اور نا چاہتے ہوئے بھی بالکل نادانستگی میں دیکھنے لگا۔ اسی پل دروازہ لاک کرنے کے بعد وہ شخص پلٹا اور ایک پل کو ٹھٹک کر رکا۔ چند ثانیے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے مگر چاہنے کے باوجود مخاطب نہ کرسکے' دونوں نے ایک ساتھ ہی نظریں چرائی تھیں۔ چند پل دوسری جانب دیکھتے ہوئے وہ شخص خاموش کھڑا رہا اور پھر اسے نظر انداز کیے لمبے لمبے ڈگ بھرتا آگے بڑھ گیا۔ زادیار کتنی ہی دیر تک اس کی چوڑی پشت کو دیکھتا رہا۔

''کب تک ہم یوں ایک دوسرے سے نظریں چرائیں گے؟ اور کب تک یوں نظر انداز کرتے ہوئے

مخالف سمتوں کی جانب گامزن رہیں گے آخر کب تک؟" زاویار نے دکھ سے سوچتے ہوئے سر جھٹکا اور دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☆☆☆

"یار مجھ سے تمہیں بور ہا ہے' تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے میرے لیے آسان الفاظ میں ایکسپلین کیا کرو۔ اتنی ثقیل اردو کے ورڈز میرے سر کے اوپر سے گزر جاتے ہیں۔" وہ دونوں اس وقت لائبریری میں بیٹھی تھیں۔ آغامینا اپنی ایشو کروائی ہوئی بک کا مطالعہ کر رہی تھی جبکہ طیبہ اس کے بنائے گئے نوٹس میں سر کھپا رہی تھی۔ تبھی اکتا کر طیبہ نے کسی قدر روہنسی آواز میں آغامینا سے کہا۔ اس کی پوری بات سن کر آغامینا نے مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔

"اسی لیے کہتی ہوں کسی سے کام کروانے سے بہتر ہے خود کیا کرو۔ اپنا کیا ہوا کام سمجھ بھی آئے گا اور جو کسی کے کیے ہوئے کام کی وجہ سے پرابلمز کری ایٹ ہوتے ہیں وہ بھی نہیں ہوں گی۔" آغامینا نے سہولت سے کہہ کر دوبارہ سے سر جھکا لیا اور اس کے یوں سر جھکا لینے پر طیبہ نے گھور کر اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا۔

"واٹ ڈو یو مین آغا؟" تم یوں سر جھکا کر مجھ سے لاتعلق ہو کر بیٹھ گئی ہو۔ اس کا کیا مطلب؟" کسی قدر صدمے کی کیفیت میں آتے ہوئے استفسار کیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے تمہاری پرابلمز میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔" لفظ 'مجھے' اور 'پرابلمز' پر زور دیتے ہوئے اس نے جان بوجھ کر اسے چڑایا اور مسکراہٹ ہونٹوں میں دباتے ہوئے دوبارہ سے سر جھکا لیا۔

"واٹ؟ یہ تم کہہ رہی ہو آغا' آئی کانٹ بیلو دس؟" بے یقینی سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دبے دبے لہجے میں چلائی۔ انداز ایسا تھا جیسے اگر لائبریری میں نہ بیٹھی ہوتی تو یقیناً کچا چبا جاتی۔

"بالکل! میں ہی کہہ رہی ہوں اور اس میں یقین نہ کرنے والی کیا بات ہے' ابھی تم نے مجھے "جانا" ہی کتنا ہے صرف چند آٹھ دن آئی مین ایک سال ہی تو ہوا ہے

ہماری دوستی ہوئے' اور پھر میں اتنی اچھی دوست بھی نہیں کہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنے لگو۔" کندھے اچکاتے ہوئے کسی قدر بے نیازی سے کہا گویا چڑانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔

"ایک سال تو تم ایسے کہہ رہی ہو جیسے محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہوں اور بائی داوے یہاں تو چند دن کی دوستی پر بھی لوگ آنکھ بند کر کے اعتبار کرنے لگتے ہیں' جبکہ ہماری دوستی تو ایک سال پرانی ہے۔" ایک سال کو خوب چبا کر ادا کیا۔ آغا مینا نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔

"اور تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے آغا مینا۔" گہرے دکھ اور تاسف سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بے یقینی سے استفسار کیا۔

"یار اب اتنی جلدی تو کسی پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا ناں۔" بھولپن اور معصومیت تو لگتا تھا آج آغا مینا پر ختم تھی۔

"آغا تمہیں مجھ پر اور میری دوستی پر اعتبار نہیں؟"

"یہ میں نے کب کہا؟" بے پناہ حیرانگی سے دیکھا' طلیعہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ جسے سٹپٹا کر فوراً بند کیا۔

"ابھی کچھ سیکنڈ پہلے تم نے کہا آغا مینا۔" اس نے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

"میں نے یہ کب کہا طلعی؟ میں نے تو یہ کہا ہے کہ اتنی جلدی کسی پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے اور نہ کیا جاسکتا ہے۔ میں نے ایسا تو نہیں کہا کہ آغا مینا کو طلیعہ پر اور اس کی دوستی پر اعتبار نہیں۔" مسکراہٹ چھپاتے ہوئے آنکھوں میں شرارت لیے گہری سنجیدگی سے کہا۔ اب کہ آنکھوں میں پنہاں شرارت طلیعہ سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ اس نے گھور کر آغا مینا کو دیکھا' اس کے انداز پر آغا مینا بے ساختہ ہنس دی تھی۔

"تم بہت اسٹوپڈ ہو آغا مینا۔"

"عنایت کا شکریہ۔ آپ کا یہ اعزازی جملہ مابدولت کے پاس بہت احتیاط اور اعتبار سے رہے گا اور جب آپ کو اس کی ضرورت ہوگی تو آپ کو لوٹا دیا جائے گا۔ پوری عزت و تکریم کے ساتھ کورنش بجالاتے ہوئے۔" استہزائیہ انداز میں کہا۔

"ایکسکیوزمی.....کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟" اس سے پہلے کہ طلیعہ کچھ کہتی بھاری رعب دار مگر مانوس سی آواز ان کے قریب ابھری۔ دونوں نے ہی چونک کر آواز کی سمت دیکھا۔

"ہرگز نہیں۔" سامنے کھڑے ارقام کو دیکھ کر طلیعہ کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"کیوں..... کیوں نہیں؟" اسی کے انداز میں دوبدو پوچھا۔ آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔ نظریں اس کے صبیح چہرے پر تھیں۔

"کیوں کا کیا سوال؟ آپ نے پوچھا میں نے جواب دے دیا۔ اب ڈھٹائی سے کھڑے رہنے کا مطلب؟"

"بیٹھنے دو ناں طلعی۔ یہ ہماری ملکیت تھوڑی ہے کہ ہم انہیں بیٹھنے سے روکیں۔" آغا مینا نے آہستگی سے کہا۔

"نہیں' یہ ہماری ملکیت نہیں ہے' پھر بھی یہ یہاں نہیں بیٹھ سکتے۔"

"لیکن کیوں؟ اگر یہاں نہیں بیٹھوں گا تو کہاں بیٹھوں گا۔" اس نے مصنوعی حیرانگی سے دیکھتے ہوئے کسی قدر برا مانتے ہوئے پوچھا۔

"ہماری بلا سے جہاں مرضی جا کر بیٹھیں مگر یہاں نہیں۔ ویسے بھی یہی جگہ خالی نہیں ہے اور بھی کتنی ہی چیئرز خالی ہیں جہاں دل چاہتا ہے بیٹھ جائیں۔ ہم نے کہیں اور بیٹھنے سے تو منع نہیں کیا ناں؟" اس کی بات پر ارقام نے بہت گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور گہرے لہجے میں گویا ہوا۔

"مگر مجھے تو آپ کے دل میں ہی جگہ چاہیے۔"

"واٹ.....!" وہ ایک دم اچھلی۔ جھٹکے سے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ ایک دم گڑبڑا سا گیا۔ آغا مینا سر جھکا کر مسکرا دی۔

"نہیں آئی مین مجھے مجھے یہیں بیٹھنا ہے۔" سٹپٹا کر کہا۔

"لیکن میں نے کہا ناں آپ یہاں ہرگز نہیں بیٹھ سکتے فضول میں بحث کیوں کر رہے ہیں؟" اس کی بات پر چند ثانیے ارقام نے بغور اس کی جانب دیکھا پھر ساری مروت بالائے طاق رکھتے ہوئے چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ طفیعہ ہکا بکا سی دیکھتی رہ گئی۔ آغا مینا نے دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"اگر آپ کو یہی کرنا تھا تو اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی؟" اس کے انداز پر چوٹ کرتے ہوئے ناگواری سے دیکھا۔

"بس یونہی کبھی کبھی دل چاہتا ہے آپ جیسوں سے اجازت لینے کو۔" آپ جیسوں پر خاصا زور ڈالا گیا تھا۔ لبوں میں دبی دبی سی مسکان اور آنکھوں میں شرارت کے ساتھ ساتھ اپنائیت بھی پنہاں تھی طفیعہ نے گھور کر دیکھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا اس بات سے؟"

"آپ خود سمجھ دار ہیں۔ سمجھدار کے لیے تو اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔" شرارت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"جی نہیں میں خاصی بے وقوف ہوں آپ کے یہ سمجھداری والے ورڈز مجھے سمجھ نہیں آئے۔ اسی لیے آپ مجھے خود ہی سمجھا دیجیے۔" گہرے طنزیہ انداز میں چبا چبا کر کہا۔

"آپ شیور ہیں کہ آپ بے وقوف ہیں۔" گہری سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ اس کی جانب جھکا۔ طفیعہ نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پن کو اس کے کندھے پر رکھ کر اسے فاصلے پر کیا۔ وہ جھینپ سا گیا۔

"یس میں ہنڈریڈ پرسنٹ شیور ہوں۔" استہزائیہ انداز میں کچھ پنہاں تھا جو ارقام کی سمجھ میں قطعی نہیں آیا۔

"کین یو بلیو دس آغا مینا کہ کوئی لڑکی خود اپنے آپ کو بے وقوف کہے۔ اسٹرینج۔" وہ پرسوچ انداز میں بظاہر حیرت زدہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ آغا مینا ان دونوں کی

سانحہ پشاور

میرے وطن کے شہید طلباء
تمہاری شہادت پر لکھتے ہوئے
قلم میرا یہ لہولہان ہے
16 دسمبر کے زخم پر
وقت کھڑا رو رہا ہے
میتوں کو دیکھ کر تمہاری
موت نے مانگی پناہ ہے
ظلم جنہوں نے یہ ڈھایا ہے
قوم کی ان کو بددعا ہے
کوئی حرف تسلی نہ جواب شکوہ ہے
جن ماؤں کی گودوں کو اجاڑ گیا ہے
جہاں کو پھر سے عزم دے یارب
میری عمر زندگی کے لیے یہی دعا ہے

ثوبیہ بلال شیخ...... ظاہر پیر

گفتگو کے دوران خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتے ہوئے محض مسکرانے پر ہی اکتفا کر رہی تھی۔

"اس میں یقین نہ کرنے والی کیا بات ہے؟ جب میں خود کو بے وقوف کہہ رہی ہوں تو......"

"واہ کیا انتہا درجے کی بے وقوفی ہے۔" ارقام نے حظ اٹھایا۔ "لیکن میں نے تو سنا ہے جو انسان خود کو بے وقوف کہتا ہے وہ خاصا عقل مند ہوتا ہے۔ کیوں آغا مینا تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟" طفیعہ کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے انتہائی بے تکلفی سے آغا مینا کو مخاطب کیا۔ اس کے یوں بے تکلف ہونے پر طفیعہ نے خاصی ناگواری سے دیکھا تھا۔

"ایکسکیوزمی مسٹر کیا آپ یونہی ہر کسی سے بے تکلف ہوتے رہتے ہیں؟" بہت سنجیدگی سے طنزاً استفسار کیا۔ اشارہ آغا مینا کی جانب تھا۔ غالباً شرمندہ کرنا چاہا تھا۔

"نہیں خیر ہر کسی سے تو نہیں جنہیں میں اپنا سمجھتا ہوں بس انہی سے بے تکلف ہوتا ہوں۔" بنا شرمسار

ہوئے اس کے طنز کو اگنور کرتے ہوئے سہولت سے جواب دیا۔ لفظ اپنا اور ا نہی پہ خاصا زور تھا۔

"ہائی داوے ہم کب سے آپ کے اپنے ہوگئے۔"

"ایکسکیوز می! میں نے کب آپ کو اپنا کہا' میں تو آغا مینا کی بات کررہا تھا۔" آنکھوں میں شرارت لیے انتہائی معصومیت اور حیرت سے استفسار کیا۔ طیبہ ایک پل کے لیے گڑبڑا سی گئی۔ دوسرے ہی پل خاصی ناگواری سے دیکھا۔ جس کا اس پر کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا تھا۔

"واٹ؟ واٹ ڈو یو مین بائے دیٹ؟"

"ارے بھئی اس میں اتنا ہائپر ہونے والی کیا بات ہے میں واقعی میں آغا مینا کو اپنا سمجھتا ہوں اور ویسے بھی مجھے جنگی توپوں کی آواز کچھ خاص پسند نہیں ہے۔ البتہ امن کی فاختہ مجھے بہت پسند ہے۔" اپنی ہی بات پر محظوظ ہوتے ہوئے کنکھیوں سے اس کے غصے سے لال ہوتے چہرے کو دیکھا۔ جبکہ آغا مینا کو اپنے امنڈ آنے والے قہقہے کا گلا گھونٹنا دشوار ہورہا تھا۔

"واٹ...... تم...... تم نے مجھے جنگی توپ...... ہاؤ ڈیر یو؟ آپ...... آپ؟"

"ارے...... رے...... ایم سوسوری طیبہ جی' آپ تو برا ہی مان گئیں' ویسے میں نے آپ کا نام تو نہیں لیا' ہاں اگر آپ خود...... جنگی توپ سے منسوب کرنا چاہتی ہیں تو...... آئی ڈونٹ مائنڈ۔" اب کے ارقام کی بات پر آغا مینا بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔ طیبہ نے شکایتی نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بنا کچھ کہے غصے سے وہاں سے واک آؤٹ کرگئی۔ آغا مینا کے قہقہے کو بھی بریک لگا تھا' وہ تیزی سے اس کے پیچھے لپکی۔

......☆☆☆......

"جلدی کریں اپیا! دیر ہورہی ہے مجھے۔" تقریباً پونے چار گھنٹے سے وہ ذروہ کے ساتھ مارکیٹ میں خوار ہورہا تھا لیکن ذروہ کی خریداری ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ تبھی وہ اکتا کر بولا۔

"جہاں اتنا صبر کیا ہے وہاں تھوڑا اور کرلو۔ بس کچھ چیزیں رہ گئی ہیں۔" وہ مصروف سے انداز میں گویا ہوئی۔ اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"واٹ...... کچھ چیزیں اور؟ اپیا پہلے آپ آل ریڈی اتنا کچھ خرید چکی ہیں۔ اگر آپ کو سارا دن مارکیٹ میں گزارنا تھا تو نامن کو لے آتیں' کم از کم وہ آپ کا ساتھ تو دیتا۔ آپ جانتیں ہیں ناں مجھے بابا نے آفس بلوایا ہے' اگر نہ گیا تو جانتیں ہیں ناں آپ؟" وہ دھیرے سے لیکن اکتائے ہوئے لہجے میں گویا ہوا۔ ذروہ مسکرادی۔

"ڈونٹ وری' کچھ نہیں ہوتا میں ہوں ناں' بابا سے میں خود بات کرلوں گی۔"

"آپ...... آپ بات کریں گی بابا سے' لگتا ہے بنا سوچے سمجھے بول بیٹھی ہیں آپ؟" اس نے مذاقاً ہنستے ہوئے ان کی جانب دیکھا۔ وہ جھینپ سی گئیں۔

"بکومت!"

"غلط کہہ رہا ہوں کیا؟"

"اچھا بس چپ کرو اب' لوگ سن رہے ہیں' شرم کرو۔" اردگرد دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہتے ہوئے اسے شرم دلائی۔

"اوکے' آپ اپنی خریداری کرلیں' میں گاڑی میں بیٹھا ہوں' جب آپ کی شاپنگ کمپلیٹ ہوجائے تو مجھے رنگ کردیجیے گا' میں آجاؤں گا' یہاں اتنی دیر یوں فضول میں کھڑا نہیں رہ سکتا۔"

"ٹھیک ہے تم جاؤ' میں بلالوں گی۔"

"ایکسکیوز می۔" ٹرالی گھسیٹتے ہوئے وہ آگے بڑھی تبھی کسی کی خوب صورت نسوانی آواز نے اس کے قدموں کو روک لیا۔ وہ چونک کر پلٹی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھی بے پناہ خوب صورت' بہت زیادہ حسین تھی میدے کی طرح سفید رنگت' جس میں گلابیاں گھلی ہوئی تھیں۔ تیکھے نقوش' جھیل جیسی گہری آنکھیں' بہت بڑی بڑی روشن سی...... ذروہ تو جیسے مبہوت سی اسے دیکھے گئی۔ دوسری جانب اس نے حیرت سے خود پر جمی اس

کی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ دھیرے سے مسکراتے ہوئے اور کچھ سٹپٹاتے ہوئے اس نے اسے متوجہ کرنا چاہا۔

''ہوں...... ہوں۔''

''ایکسکیوزمی' کیا آپ مجھے سن رہی ہیں؟'' ذروہ بری طرح چونکی تھی۔

''آں...... ہاں' اوآئم سوسوری' آپ کچھ کہہ رہی تھیں کیا؟'' اپنی بے خودی پر خود کو سرزنش کرتے گڑبڑاتے ہوئے پوچھا۔

''جی ایکچوئیلی آپ کے پیکٹس نیچے گر گئے تھے۔ آپ نے شاید دھیان نہیں دیا۔'' اس کی بات پر اس نے چونک کر اس کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو ایک نظر دیکھا تھا جس میں دو پیکٹس تھے اور دوسری نظر ٹرالی پر ڈالی تھی' جو فل بھر چکی تھی' بلکہ ٹرالی کی سطح پر ابھرے ہوئے پیکٹ نیچے گرنے کی تگ ودو میں تھے۔ وہ اپنی بے خیالی پر جھینپتے ہوئے دل ہی دل میں مسکرادی۔

''او مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ اینی وے' تھینک یو۔''

''ونس اوکے۔'' مسکراتے ہوئے اسے پیکٹس تھمائے اور پلٹنے لگی۔

''ایکسکیوزمی۔''

''جی۔'' وہ چونک کر پلٹی۔

''میں آپ کا نام جان سکتی ہوں؟''

''آغا مینا۔'' دھیرے سے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''نائس نیم' بائی داوے میں ذروہ ہوں۔'' مصافحے کے لیے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے اپنا نام بتایا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی ذروہ جی۔''

''مجھے بھی۔'' اس نے بھی مسکراتے ہوئے اپنے دل کی بات اس تک پہنچائی۔

''اوکے ذروہ جی' میں اب چلتی ہوں' میری خریداری تو ہوگئی۔''

''میری بھی آل موسٹ کمپلیٹ ہو ہی چکی ہے خیر' تھینکس آغا مینا۔'' اس کا نام لیتے ہوئے اسے حیرت انگیز طور پر بے انتہا خوشی ہوئی تھی۔ اسے لگا جیسے اس کے منہ میں مٹھاس درآئی ہو۔ دل ہی دل میں وہ حیران ہوئی تھی۔

''اٹس مائی پلیزر۔ اوکے ذروہ جی اللہ حافظ۔''

''اللہ حافظ۔ اگر تم سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔'' جاتے جاتے اس نے اپنے دل کی بات کہی۔

''ان شاء اللہ!'' ایک نظر اس کی جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر چلی گئی۔ چند ثانیے اسے دیکھتے رہنے کے بعد ذروہ نے اپنی ٹرالی کی جانب دیکھا اور اپنی ہی بے خبری پر محظوظ کن انداز میں مسکراتے ہوئے سیل فون پر نمبر پریس کرنے لگی۔

......☆☆☆......

وہ چلتے چلتے ٹھٹک کر رکا تھا۔ اسے شک ہوا تھا کہ شاید کسی نے اسے پکارا ہے۔ چند پل رک کر اس نے دوبارہ سے آواز سننا چاہی' مگر کوئی آواز نہیں تھی۔ اپنا وہم جان کر اس نے سر جھٹکا اور قدم آگے بڑھادیے۔

''ایکسکیوزمی' پلیز سنیے۔'' وہ پھر ٹھٹک کر رکا۔ چند پل یونہی کھڑا رہنے کے بعد دوبارہ سے اپنے قدم بڑھائے۔

''افوہ...... بھئی رکیے۔ بہرے ہیں کیا؟'' اب کے ذرا زور سے پکارا گیا تھا۔ تب اسے لگا یہ آواز اس کا وہم نہیں بلکہ حقیقتاً اسے پکارا گیا ہے۔ وہ چونک کر پلٹا تھا۔

(جاری ہے)

گلاس ٹوٹنے کی آواز پر اموجان کو جھٹکا لگا۔

''خدا خیر کرے۔'' اموجان تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔

آپا جان دروازے کے پاس سے ہٹ گئیں۔ ایک دم سے دروازہ جھٹکے سے کھلا غصے سے سرخ چہرہ لیے رضا باہر نکلا۔ سیدھی نگاہ اموجان پر پڑی۔

''منع کیا تھا میری شادی مت کریں، اس لیے منع کرتا تھا دیکھ لیا نتیجہ بھگتیں خود بھی اب ساری عمر کا بھگتان اور میں بھی۔'' کڑوی سی نگاہ ان پر ڈال کر وہ باہر نکل گیا۔

''میں کون سا خوش ہوں ساری عمر کا رونا تو مجھے بھی ہے۔'' اندر بیڈ کے کنارے پر ٹکی صبا نے بڑبڑاتے ہوئے کشن دوسری جانب اچھال دیا۔ دلگیر سی آپا جان، اموجان کے قریب ڈھے سی گئیں۔

''اب کیا ہوگا؟'' ان کا گلہ رندھا ہوا تھا۔ آنسو اندر ہی اندر گر رہے تھے۔

اموجان نے اپنا جھریوں بھرا سپید ہاتھ اٹھا کر تسلی آمیز انداز میں فاطمہ کے شانے پر رکھا اور دھیرے سے شانہ دبا کر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''تم حوصلہ مت ہارو فاطمہ! ابھی بچے ہیں، نئی شادی ہے ایک دوسرے کو سمجھنے میں جاننے میں کچھ دیر تو لگتی ہے نا۔''

''میں اس کی مان ہی لیتی، ابھی شادی نہ کرتی اس کی۔'' آنچل سے آنکھیں صاف کیں۔

''میں سمجھاؤں گی صبا کو۔''

''اتنی کم عقل لگتی تو نہیں ہے، نئی شادی ہے شوہر ہی نہیں سنبھالا جا رہا اس سے۔'' آپا جان کو صبا پر غصہ آرہا تھا۔

''رضا کو بھی اپنے غصے پر کنٹرول کرنا چاہیے فاطمہ، نئی دلہن کے ساتھ ایسا برتاؤ ٹھیک نہیں ہوتا۔''

''نئی دلہن کو بھی زک پہنچانے کے موقع گنوانے نہیں آتے۔'' آپا جان کو اپنی منتخب کردہ دلہن بری لگ رہی تھی، آج کل کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے شوہروں کو اس طرح سنبھال کر رکھا ہوتا ہے کہ ان کی جرأت نہیں ہوتی کہ کہیں پر بھی منہ مار سکیں۔'' اموجان دھیرے دھیرے ان کا ہاتھ تھپکتی رہیں، نظریں بند دروازے پر تھیں جہاں سے دھم دھم کرتا رضا گیا تھا۔

بند کمرے میں صبا ادھر سے ادھر ٹہلتی غصے سے بل کھا رہی تھی۔ زندگی اس کے لیے بھی بہت دشوار ہوتی جا رہی تھی۔ ایسی زندگی کا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

رضا کا غصہ، تحکم بھرا انداز، خاموشی، اپنی مرضی چلانا، رضا کی رضا...... اف...... مائی فٹ۔'' میں صبا عبداللہ ہوں، اتنی ارزاں نہیں، کر وفر سے سر جھٹکا۔ اس کے ماتھے کے بل بڑھتے جا رہے تھے۔

شام کو اموجان نے صبا کو اپنے کمرے میں بلوایا۔ وہ آ تو گئی تھی مگر خاصی دیر بعد آئی تھی۔ غصہ تو انہیں بہت آیا مگر ان کے اندر برداشت بہت غضب کا تھا، ہمارے بچے ہم سے ہی تو سیکھتے ہیں، برداشت، تحمل، وقار، صبر اور درگزر کرنا۔

''کیا بات ہے بیٹا تم اتنی خاموش اور چپ کیوں ہو؟'' صبا نے ان پر ایک نظر ڈالی۔

''نہیں تو......'' پھر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''رضا کو کسی بات کا غصہ تھا؟''

''پتہ نہیں؟'' شانے جھٹکے۔ غصے کا گھونٹ صبر

سے پیا۔
"تم بیوی ہو اس کی۔"
"ان کو تو جانے کس کس بات کا غصہ رہتا ہے' ہر وقت توپ بنے رہتے ہیں۔ جہاں کرنا چاہتے تھے ادھر ہی کر دیتیں ان کی شادی۔"
"ایسا نہیں تھا' تم ہم سب کی پسند ہو۔" رسان سے کہا۔
"سب کی پسند اور ایک کی پسند کا فرق آپ دیکھ رہی ہیں۔ اس کا انجام بھی آپ کو پتہ ہے۔"
"صبا!" انہیں غصہ آ گیا۔
"تم بیوی ہو' بیوی کے رتبے کا احساس ہے تمہیں یا نہیں۔ اپنے شوہر کو سمجھنا چاہیے اس کی پسند ناپسند کا خیال رکھنا چاہیے' اب تمہاری حد ادھر سے شروع ہو کر ادھر ہی ختم ہوتی ہے۔"
"اور شوہر کی حد۔" بے حد طنز آمیز انداز میں انہیں دیکھا۔
"کچھ باتیں آپ اپنے نواسے کو بھی سمجھا دیں سارے حقوق میرے ہی نہیں ہیں۔ کچھ فرض ان پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔ میں جا رہی ہوں' مما کا فون آنے والا ہے۔" اس کے بعد وہ رکی نہیں۔ اور اموجان اس خود سری پر ہلتے پردے کو دیکھتی رہ گئیں۔ بہت افسوس ہوا تھا انہیں اس کی اس حرکت پر۔
اتنی بدتمیزی کب کس نے کی تھی ان کے ساتھ...... انہیں بھی غصہ آنے لگا' اتنی خودسر اور بدتمیز ہے یہ لڑکی...... انہیں رضا اپنے غصے میں حق بجانب لگا۔ مرد کب عورت کی خودسری برداشت کرتے ہیں۔ عورت ہی کو جھکنا پڑتا ہے۔
"مگر...... ! یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا۔" نئی فکر نے آن گھیرا۔ ادھر آپا جان ہولا رہی تھیں' بھوکا پیاسا' غصے میں بھرا رضا کس طرح دن گزارے گا۔
دو چار گھنٹے باہر گزار کر خود کو نارمل کر کے رضا گھر میں داخل ہوا تو صبا ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھی کباب پراٹھا اورنج جوس کے گلاس سے شغل فرما رہی تھی۔ ایک دم سے اسے بھوک کا احساس ہوا' اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا اور خوامخواہ میں باہر کھانے کی اس کی عادت بھی نہیں تھی۔
"آؤ رضا کباب گرم ہیں' بیٹھو میں دیتی ہوں۔"
"رہنے دیں آپا جان بھوک نہیں ہے۔" ایک نگاہ بیگانہ بیٹھی صبا پر ڈالی اور اندر بڑھنے لگا۔
"بیٹھو چائے دم ہو رہی ہے' اموجان بھی آ رہی ہیں۔" آپا جان نے اسے گودوں کھلایا تھا کیسے اس سے واقف نہ ہوتیں۔
عصر پڑھ کر اموجان بھی آ گئیں۔ ان کو بٹھا کر خود بھی بیٹھا۔ صبا اٹھ کر کچن کی جانب بڑھی اور خالی برتن کچن کاؤنٹر پر رکھ کر باہر نکل گئی۔ تینوں ایک دوسرے سے نظر چرا کر ایک دوسرے کی توجہ کے لیے چیزیں سرو کرنے لگے۔
اگلے دو دن صبا اور رضا کے درمیان خاموشی رہی صبا کو جھکنا نہیں آتا تھا اور رضا جھک نہیں سکتا تھا۔ اموجان دیکھ رہی تھیں اور آپا جان سلگ رہی تھیں۔ پانچ ماہ ہو گئے تھے ان کی شادی کو۔ اور پانچ ماہ سے یہ معرکہ آرائیاں دیکھی جا رہی تھیں۔
رضا تو مرد تھا اس کی پسند کی لڑکی کی شادی کہیں اور ہو گئی تھی دو سال سے ٹوٹا بکھرا تھا۔ زبردستی اموجان' آپا جان نے مل کر اس کو شادی کے لیے رضامند کیا تھا۔ بیوی آئے گی سنبھال لے گی' مگر بیگم صاحب...... دونوں کو اس پر شدید غصہ تھا۔ صبا کو رضا کی پروا نہیں ہوتی تھی' کب آیا کب گیا...... اتنی ناسمجھ بھی نہیں تھی وہ۔ غصہ اور اکڑ بہت زیادہ تھی اس میں' شاید وہ جھکنا جانتی ہی نہیں یا پھر اسے احساس ہی نہیں تھا کہ جھکنے میں کتنی بڑائی اور کتنی عاجزی ہے۔

❋......❋......❋

"مجھے امی کی طرف جانا ہے۔" اگلے دن الماری سے منہ نکال کر لٹھ دے مارا۔ رضا جو تکیے میں منہ دیئے

دوبارہ سونے کی کوشش کررہا تھا‘ سنی ان سنی کرگیا۔ آج اتوار تھا۔

’’میں نے آپا جان سے پوچھ لیا ہے۔‘‘ دوبارہ گویا ہوئی۔

’’تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو‘ جاؤ۔‘‘

’’چھوڑ کر آ جائیں۔‘‘

’’رکشہ لو...... اور جاؤ یا گھر والوں کو بلوالو۔‘‘ رضا کا غصہ بہت دیر میں اترتا تھا اور صبا اترنے ہی نہیں دیتی تھی۔ ایک کے بعد دوسری زچ کردینے والی بات کردیتی تھی۔

’’اوکے......‘‘ اس نے سیل اٹھایا‘ نمبر ملایا اور ذکی بھائی کو بلوالیا۔

بیگ کو بیڈ کے نیچے سے نکالا‘ الماری سے چھ سات سوٹ نکال کر رکھے‘ ضروری چیزیں رکھیں اور کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی۔ رضا ساری تیاری محسوس کررہا تھا‘ بظاہر آنکھیں بند تھیں۔ کتنی خودغرض عورت ہے‘ اسے احساس ہی نہیں کہ شوہر ناراض ہے۔

’’میں لینے نہیں آؤں گا۔‘‘ بالوں میں برش کرتی صبا کو دیکھا۔

’’میں آجاؤں گی ذکی بھائی کے ساتھ۔‘‘ اس کے چہرے پر خوشی کا احساس لو دے رہا تھا۔ تبھی آپا جان اندر آگئیں۔

’’رضا...... وسیع کا فون آیا ہے تم نے اس کے ساتھ کہیں جانا تھا۔‘‘ سر گھما کر آپا جان کو دیکھا۔

’’جی۔‘‘

’’ارے تم...... جارہی ہو......‘‘ تیار ہوتی صبا کو دیکھا پھر رضا کو۔

’’جی۔‘‘

’’مگر رضا تو ابھی اٹھا ہے ناشتہ بھی نہیں کیا۔‘‘

’’آپا جان ایک بج رہا ہے اب یہ ناشتہ نہیں کھانا کھائیں گے پھر وہاں میری فرینڈز آچکی ہیں۔‘‘

’’کس کے ساتھ جاؤ گی؟‘‘ انہوں نے صبر کا گھونٹ بھرا۔

’’ذکی بھائی آرہے ہیں۔‘‘ تبھی بیگ پر نگاہ گئی۔

’’شام کو جلدی آجانا۔‘‘

’’شام کو......‘‘ اس کے ہاتھ رکے۔ ’’میں دو چار دن بعد آؤں گی۔ شائستہ اور فری کا رکنے کا پروگرام ہے۔‘‘ اطلاع دے رہی تھی۔

’’مگر تم نے تو کہا تھا شام کو واپسی ہوگی۔‘‘ غصہ پر کنٹرول کیا‘ رضا اٹھ بیٹھا۔

’’ہاں‘ مگر اب ارادہ بدل گیا ہے‘ پھر تمہیں کون سی میری پروا ہے۔‘‘

’’تو تمہیں کون سی پروا ہے اس کی‘ گھر کی‘ گھر والوں کی‘ بی بی گھرداری سیکھو‘ گھر ایسے ہی نہیں بستے‘ آئندہ یہ دوستوں کی محفلیں نہیں ہونی چاہئیں۔‘‘ آپا جان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

’’یہ میری زندگی ہے بدل نہیں سکتی۔‘‘ دھیرے سے کہا۔

’’مگر بدلنا پڑے گا‘ ابھی پچھلے ہفتے تم آٹھ دن رہ کر آئی ہو میکے۔ اب پھر۔ میں بات کروں گی تمہارے والدین سے۔‘‘ رضا خاموشی سے اس کے تیور اور بات کرنے کا لہجہ دیکھ رہا تھا۔

’یہ روز روز کے چکر ٹھیک نہیں ہیں صبا‘ رد کو خود کو‘ ایسا نہ ہو کہ کچھ اور ہو جائے۔‘‘

تبھی باہر ہارن بجا...... وہ دوپٹہ سنبھال کر بیگ اٹھاتے ہوئے باہر جانے لگی۔ جن تلوں میں تیل نہ ہو وہاں کچھ نہیں ہوتا۔ رضا پر نگاہ کی اور خدا حافظ کہہ کر باہر نکل گئی۔

آپا جان آگے بڑھ کر بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئیں رضا نے کمبل اتار کر سائیڈ پر رکھا اور نظریں چراتے ہوئے بیڈ سے اترنے لگا۔

’’رضا! یہ کیا ہورہا ہے صبا کے یہ انداز...... کیا سمجھوں میں۔‘‘

’’وہ بہت ہٹ دھرم‘ خودسر اور بدمزاج ہے۔‘‘

''اور تم......''

''جو آپ نے چاہا وہ نہیں ہوسکتا' ہمارے ستارے نہیں ملتے۔''

''مزاج ملائے بھی تو جاتے ہیں۔ ازدواجی زندگی کے اتار چڑھاؤ میں میاں اور بیوی دونوں کو سلیقے اور طریقے سے چلنا چاہیے دونوں کی زندگی کا معاملہ ہوتا ہے۔''

''کوئی سمجھنا نہ چاہے تو......'' سر گھما کر آپا جان کو دیکھا۔

''تم اسے بھول کیوں نہیں جاتے۔ وہ تمہارا نصیب نہیں تھی اس کا وجود تم دوسروں میں تلاش کیوں کرتے ہو۔ اس کے خواب اس کے دھیان سے نکل کر تو دیکھو۔'' رضا سر جھکا کر اپنی بند مٹھی کھولنے اور بند کرنے لگا۔

''ایسا نہیں ہے آپا جان۔''

''زندگی کو سنوارنا تمہارا کام ہے بیٹا' کب تک ایسے بکھرے رہوگے۔'' ہاتھ بڑھا کر اس کے بکھرے بالوں کو سمیٹا۔

''میں صبا کے گھر والوں سے بات کروں گی۔''

''کوئی فائدہ نہیں ہے۔ نبیلہ کہیں نہیں ہے' اس کے آنے کی امید بھی نہیں ہے مگر صبا کے ہر حوالے' ہر طنز ہر تکرار میں اس کا حوالہ ہوتا ہے' تو میں کیا کروں۔'' رضا کا انداز زچ ہونے والا تھا۔ ''یہ اونٹ کسی کروٹ نہیں بیٹھے گا۔'' اٹھا اور باتھ روم کا رخ کیا۔

آپا جان بیٹھی رہ گئیں۔ کیا اونٹ کو گھر سے باہر نکال دوں۔ وہ سوچ کر رہ گئیں۔

❁......❁......❁

رضا فریش ہو کر کمرے سے نکلا' اس کا ارادہ وسیع کی طرف جانے کا تھا۔ سامنے کا منظر بڑا خوش گوار تھا۔ بھائی اور شگفتہ بھابی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ وہ سر جھکا کر کسی بات پر شرما رہی تھیں اور انہیں چھیڑتے بھائی ہنس رہے تھے۔ کتنے آئیڈیل' مہربان اور خوب صورت لمحے ہوتے ہیں یہ اور میں...... میری زندگی؟

ایک چھوڑ گئی دوسری جان چھڑا رہی ہے۔ آگے بڑھ کر فریج سے پانی نکالنے لگا۔ نبیلہ ہوتی تو میری کی زندگی کتنی خوش گوار ہوتی' کتنی ہلچل ہوتی ان کی زندگی میں' اس کی ہنسی اس کی خوشی' اس کا جوش اس کا ولولہ۔ رضا گہرا سانس لے کر چیئر کھینچ کر بیٹھا۔

''رضا کیا چاہیے' کیا لوگے؟'' شگفتہ بھابی نے سر گھما کر پوچھا۔

''کچھ نہیں......امو جان کہاں ہیں' تیار ہوگئیں۔''

''ہاں تیار تو تھیں' اب عصر کی نماز پڑھ رہی ہوں گی۔''

''ہوں......'' اک اداسی سی وجود میں سرائیت کر گئی۔ دو محبت کرنے والے ملتے ہی کیوں ہیں اگر انہوں نے بچھڑنا ہوتا ہے۔

اس کا وسیع کے گھر جانے کا ارادہ بھی بدل گیا' دل جب اداس ہو تو کسی سے ملنے کو نہیں چاہتا۔ نہیں جاتا اگر امو جان کے ساتھ نہ جانا ہوتا تو منع کر دیتا۔ دل چاہ رہا تھا گاڑی لے کر باہر نکلے اور یونہی آوارہ گردی کرتا رہے۔ نبیلہ کی یاد دل سے محو ہی نہیں ہوتی تھی اور صبا کے انداز......نبیلہ اور یاد آتی تھی۔ خود میں کتنا اکیلا ادھورا ہوتا جارہا تھا۔ کوئی اس سے پوچھتا۔ تبھی امو جان باہر آگئیں۔ گہرا سانس لے کر اٹھا اور ان کا ہاتھ تھام کر باہر نکلنے لگا۔

''کتنی زبردستی کی زندگی گزار رہا ہے وہ۔'' دونوں کو باہر جاتا دیکھتی آپا جان نے نم پلکوں کو آنچل سے صاف کیا۔

ان کا بس نہیں چلتا تھا رضا کے وجود پر دنیا جہاں کی خوشیاں نچھاور کردیں۔ اپنے بچوں سے زیادہ عزیز تھا۔ چھ ماہ کا تھا جب ان کی گود میں آیا تھا ان کی چھوٹی بہن بصیرت کا انتقال ہوا تھا ٹائیفائیڈ کے باعث' اقبال بھائی' باہر نوکری کرتے تھے چھوٹے بچے کو کون پالتا'

دادی تھیں نہیں سب کے اپنے جھمیلے یوں رضا ننھیال میں آ گیا۔ فاطمہ جو کہ اپنے چار بچوں کے ساتھ اوپر کے پورشن میں رہائش رکھتی تھیں' ان کے شوہر فوج میں تھے اور چند سال پہلے ہی شہید ہوئے تھے۔

امو جان کی تنہائی' اکیلے پن کی وجہ سے وہ اپنے گھر میں جا ہی نہ سکیں تھیں۔ رضا ان کے بچوں کے ساتھ ہی بڑا ہوا' اس کی محبت میں کبھی کوئی کمی نہ کی تھی اگر ان کی کوئی بیٹی ہوتی تو رضا کو ضرور اپنا داماد بناتیں۔ رضا اور اپنے بیٹے وقاص کی شادی ایک ساتھ کی تھی۔ وقاص مونا کو لے کر ایبٹ آباد چلا گیا تھا وہ بھی فوج میں تھا' اسے بھی شہادت کا شوق تھا باپ کی طرح۔

پچھلے دنوں اس نے خوش خبری سنائی تھی کہ آپ دادی بننے والی ہیں۔ اور اب...... رضا!

رضا اور صبا...... دونوں کی بدمزاجی' غصہ' انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا شروع کے ماہ تو پیار و محبت سے مختص ہوتے ہیں' اس میں عناد کہاں سے آ گیا۔ صبا کے انداز انہیں چونکا رہے تھے' اس کے اندر بہوؤں والے انداز تھے نہ بیویوں والے اطوار' اسے رضا سے دلچسپی ہی نہیں تھی۔ چہ جائیکہ اس کا خیال و دھیان رکھتی۔ اسے تو پروا بھی نہیں تھی اس کی...... کیوں...... وہ کیا چاہتی ہے؟ یہ ساری باتیں آپا جان صرف سوچ رہی تھیں اور صبا کا جائزہ لے رہی تھیں۔

رضا تو پہلے ہی ٹوٹا بکھرا تھا اسے سمیٹنے کے لیے ہی اس کی شادی کی تھی مگر اس شادی نے اسے اور بکھیر دیا تھا۔ اداس رہتا تھا' مگر ان لوگوں کے لیے خوش نظر آتا تھا۔ وہ ماں تھیں سب...... جانتی تھیں۔ رضا کا غصہ اتنا شدید کبھی نہیں ہوتا جتنا وہ اب اظہار کرنے لگا تھا۔

''کیا ہوا امی......'' شگفتہ چائے لے کر آئی تو ان کی سوچیں منتشر ہوئیں۔

''آں...... ہاں کچھ نہیں۔'' کپ تھاما۔

''امی ہم لوگ ذرا ابراہیم بھائی کی طرف جا رہے ہیں کام تھا۔ شگفتہ کو رامین بھابی سے کوئی ترکیب لینی

تھی' آپ کو اپنے پوتوں سے ملنا ہو تو چلیں۔'' پیچھے سے دانیال بھی آ گیا' شرارتی سا انداز لیے۔

''ہوں!'' ان کا دھیان رضا میں تھا۔ دانیال ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

''امی چھوٹو کو ہم لے آتے ہیں' بھابی تین بچوں کو کیسے سنبھالتی ہوں گی۔ ہمارے گھر میں رونق ہو جائے گی۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے' رہنے آئے تو الگ بات ہے' بچے ماں باپ کے ساتھ ہی رہیں تو اچھا ہوتا ہے۔ تم لوگ اپنے لیے کوشش کرو' شگفتہ کو چیک اپ کے لیے لے کر جانا۔''

''او کے! چلیں۔''

''امی..... یہ رضا اور صبا کیا ایک دوسرے سے خوش نہیں ہیں۔'' ساتھ چلتے ہوئے دانیال نے اچانک پوچھا۔

''کیوں .....؟'' نظریں چرا کر گیٹ بند کرنے لگیں۔

''شگفتہ بتا رہی تھی کہ دونوں میں ہر وقت ٹھنی رہتی ہے' نہ کوئی جھکتا ہے نہ کوئی خاموش ہوتا ہے۔'' وہ خاموش رہیں۔

''ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا' آپ سمجھائیں' نہیں سمجھتے تو فیصلہ کریں۔ ہمارے گھر کا ماحول ایسا نہیں ہے امی' اور نہ رضا کی نیچر ایسی ہے۔ میں بات کروں گا رضا سے۔'' آپا جان ہق دق سی بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔

''اب وہ زمانے گزر گئے جب سوچا جاتا تھا' بچے ہو جائیں' ذمہ داریاں بڑھ جائیں' تو ٹھیک ہو جائیں گے سب' اب پہلے سب کچھ ٹھیک ہو پھر آبادی بڑھائیں۔ زندگی کو جبر سے گزارنا معنی نہیں رکھتا امی۔ رضا سنجیدہ ہوتا جا رہا ہے۔'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے دانیال سنجیدگی سے بہت گہری بات کر رہا تھا۔ بھائی ہونے کا ثبوت دے رہا تھا۔

ان کا دانیال بہت سمجھدار تھا' ابراہیم اور حسن پڑھائی کے سلسلے میں مصروف رہے' چھوٹا وقاص آرمی میں جانے کی وجہ سے ہوسٹل میں رہا' دانیال اور رضا ان کے قریب رہے' گھر داری میں خریداری میں محلے داری میں اور خاندانی معاملات میں یہ دونوں ہی ان کے ہمنوا تھے۔ انہیں بہت خوشی ہوئی کہ دانیال رضا کے لیے اتنا حساس ہو رہا تھا۔ گھر واپس آ کر رات کو انہوں نے صبا کے میکے فون کیا۔

❁......❁......❁

لاؤنج میں رکھے صوفے پر پاؤں اوپر کیے صبا موبائل سرچنگ میں مصروف تھی کہ اسے اپنی ماں عابدہ بیگم کے بھی اندر آنے کی خبر نہ ہوئی' جو کافی دیر سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں۔

''تم لڑ کر آئی ہو؟'' ان کی بات پر چونک کر صبا نے سر اٹھایا..... پھر دوبارہ مصروف ہو گئی۔

''میں کیا پوچھ رہی ہوں؟''

''پہنچ گیا شکایت نامہ۔''

''کیا چاہتی ہو تم.....!''

''وہی جو آپ نہیں چاہتی تھیں۔''

''اب تمہاری شادی ہو چکی ہے' اب اس قصے کا کیا ذکر۔'' انہیں غصہ آ گیا۔

''یہ قصہ ساری زندگی کا ہے امی' میں کسی کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتی۔''

''آئندہ مجھ سے مت پوچھیے گا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''صبا ان شریف لوگوں کا اس میں کیا قصور' کیوں ان کی زندگی جہنم بنا رہی ہو۔''

''اس لیے کہ وہ مجھے چھوڑ دیں' میں نے امان سے شادی کرنی ہے۔'' وہ دیکھتی رہ گئیں۔

''میں اسے اتنا مجبور کر دوں گی کہ وہ ڈائیورس دینے پر مجبور ہو جائے گا۔'' شعلہ بار انداز تھا۔

''امان آج بھی میرا انتظار کر رہا ہے' رات کو میں نے اس کی طرف جانا ہے۔'' عابدہ بیگم منہ کھولے اس

کی بے باکی دیکھ رہی تھیں۔
"صبا...... میں نے تمہارے لیے ایک بہتر انسان کا انتخاب کیا ہے' شریف اور محبت کرنے والے لوگوں کا تم ناشکرا پن مت کرو۔ امان تمہیں کچھ نہیں دے سکتا' میں اس سے ملی تھی' تمہارے قابل ہوتا تو کبھی انکار نہ کرتی۔" ناصحانہ انداز میں سمجھایا۔ مگر وہ سنی ان سنی کے سے انداز میں سر جھٹک کر نمبر ٹرائی کرتی رہی۔
"چھوڑو...... یہ سب خرافات اور اپنے گھر اور شوہر پر توجہ دو۔"
"میں ایک جھوٹی اور منافق زندگی نہیں گزار سکتی اور اس نے مجھے کیا دیا ہے' وہ تو پچھلی محبت کے عذاب میں جی رہا ہے وہ ٹھیک ہے' میں سوچوں تو گناہ۔" وہ دھیرے سے اٹھ کر اس کے برابر بیٹھیں۔
"ماضی کی باتیں میکے میں ہی چھوڑ دو۔ اپنی نئی زندگی کو تباہ مت کرو' یہ دن شوہر کو سمجھنے اور گھر داری بتانے میں لگانے چاہئیں۔"
"امی پلیز...... میں رضا کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔"
اس کا دو ٹوک انداز انہیں دہلا رہا تھا۔
"تم...... امان...... سے ملتی ہو......؟" دھیرے سے پوچھا۔
"ہاں...... اور فیصلہ کرنے کے لیے ہی ہم آج مل رہے ہیں۔" نیا انکشاف......!
"تجھے ماں کی بیوگی کا بھی احساس نہیں' تو اپنی ذلت اور جگ ہنسائی کا ہی خیال کرلے بے حیا۔" وہ سر جھکا کر نمبر ملاتی رہی' صارف کسی اور لائن پر مصروف تھا۔ پھر اسکرین پر میسج لکھنے لگی۔
"آپ نے میرا احساس کیا تھا۔ راحیل نے نکاح کرلیا آپ نے اس کا ساتھ دیا' امینہ نے فرید بھائی سے ملوایا' آپ نے ہاں کرکے انہیں بیاہ دیا' کرن نے فیاض کا نام لیا آپ نے منگنی کردی اور اب' شکیل کزچین لڑکی سے نکاح کرنے جارہا ہے' آپ نے ادھے کردیا' بس میں ہی آپ کی نظر میں بری تھی' امان فضول تھا' تو اب میں اس فضول سے آدمی کے لیے بری بن کر دکھاؤں گی۔" اس کے لہجے میں دلیری تھی۔
"صبا......!" عابدہ بیگم نے خود کو سنبھالا۔
"یہ سب زندگی گزارنے کے لائق تھے' محنتی تھے' محبت کرنے والے' ہم جیسے لوگ تھے' امان کا ان سے کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ وہ کسی کے بھی قابل نہیں تھا' عیاش' مکار' فلرٹ آدمی سے میں کیسے پھول سی بچی اسے دے دیتی' روندنے کے لیے۔" دھیرے سے رخسار چھوا۔
"پلیز...... امی......" ہاتھ جھٹکا۔
"میری محبت ہے وہ۔"
"صبا میں نے کہا ہے نا' محبت...... محبت اب صرف تمہارا شوہر ہے' تمہارا گھر ہے' وہ سب لوگ ہیں۔"
"نہیں؟" جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔
"مجھے صرف امان چاہیے...... بس۔" غصے بھرے انداز میں انہیں دیکھا اور باہر نکل گئی' اس کا سیل فون تیز تیز بجنے لگا تھا۔ عابدہ بیگم نے سر پکڑ لیا۔
"یا اللہ...... یہ میرے کس گناہ کی سزا مل رہی ہے۔"

❁......❁......❁

"بیٹا آج آفس سے آتے ہوئے صبا کو لیتے آنا۔" چار دن بعد اموجان رضا سے کہہ رہی تھیں۔
"نہیں اموجان' اپنے گھر کے سکون کو خراب کرنے کے لیے میں اسے نہیں لاسکتا۔" ناشتہ کرتے ہوئے سکون سے بولا۔ اسے محسوس ہوا تھا کہ جیسے سب کی نظریں ایک ساتھ اس پر اٹھی ہوں۔
"اسے بھی اس گھر کے سکون کا حصہ بناؤ' اس گھر میں افراد ہی کتنے ہیں' شادی تمہاری تنہا رہنے کے لیے نہیں کی تھی۔"
"جو رہنا نا چاہے۔" طنز آمیز انداز میں دیکھا۔
"لوگ اڑیل گھوڑے کو بھی تو سدھار تے ہیں۔"

''اور جو نہ سدھارنا چاہے۔''

''خاندانی لوگ ہیں ہمارے ہاں علیحدگی نہیں ہوتی۔''

''پھر جیسے چل رہا ہے چلنے دیں۔'' چائے کا مگ اٹھایا۔

''نہیں۔'' آپا جان بھی آ گئیں۔ دونوں چونک گئے۔

صبا کو سدھارنا پڑے گا' طریقے' سلیقے سے رہنا ہوگا یا پھر...... اس گھر سے جانا ہے بات ساری زندگی کی ہے اموجان' ہمیں بھی صبر آ جائے گا کہ ہم لوگوں کا فیصلہ رضا کے لیے غلط تھا۔'' چیئر پر بیٹھ کر سنجیدگی سے کہا۔

''وہ آئے گی اسے سمجھائیں گے' نہ مانی تو پھر اس کے گھر والوں کو بلوا کر فیصلہ کریں گے جیسے شریف گھرانوں میں ہوتا ہے۔'' اموجان نے فخر سے فاطمہ کو دیکھا' ان کے انداز میں معاملہ فہمی بھی تھی اور بردباری بھی۔

رضا ناشتہ کر کے اٹھنے لگا کہ دانیال آ گیا۔ وہ بھی آفس جا رہا تھا۔ پیچھے پیچھے کسی بات پر مسکراتی شگفتہ تھیں ہاتھ میں دانیال کا کوٹ۔

''میں جا رہا ہوں اموجان اور امی' ان کے آگے جھک کر سر پر پیار اور ماں سے دعا لی۔ مسکرا کر رضا کو دیکھا اور کہا۔

''آ جاؤ...... ساتھ چلو گے یا اپنی گاڑی پر۔''

''آ رہا ہوں بائیک پر۔'' ایک ٹھنڈا سانس بھر کر بائیک نکالنے لگا۔

❁......❁......❁

صبا کو میکے آئے چار دن ہو گئے تھے۔ امان سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ تھک کر اس کی بہن کے سیل پر کال کی تو اس نے بتایا کہ وہ اسلام آباد گیا ہوا ہے ای کے ساتھ۔

''کال تو ریسیو کرے نا۔''

''ہو سکتا ہے سگنل پرابلم ہو۔'' رضا کا کوئی فون نہیں آیا تھا' امی اس کو گھر واپس جانے کا کہہ رہی تھیں۔ اب رہنا بھی فضول تھا' امان سے مل لیتی تو فیصلہ کرتی اور پھر رضا سے طلاق کا مطالبہ کر دیتی۔ اسے اس کے ساتھ نہیں رہنا تھا۔ اپنا بیگ پیک کیا۔

''جاؤ...... اور آئندہ لڑ جھگڑ کر مت آنا۔ اچھی بیویوں کی طرح صبح آؤ اور شام کو چلی جاؤ۔'' عابدہ بیگم نے اس کی واپسی کی تیاری دیکھ کر سکھ کا سانس لیا۔

''میں میکہ چھوڑ دوں۔'' غصہ آنے لگا۔

''میکے کبھی نہیں چھٹتے بیٹا' اپنے لیے پریشانی کی زندگی منتخب مت کرو' رضا کا گھرانہ بہت اچھا ہے مل جل کر رہنا سیکھو جو تمہیں مل گیا ہے اس کی قدر کرو' امان تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔'' وہ پھر ایک بار بیٹی کو سمجھا رہی تھیں۔

''امان جو کچھ مجھے دے سکتا ہے وہ کوئی نہیں دے سکتا اور مجھے اپنی مرضی کی زندگی گزارنی ہے' ارمان کے ساتھ۔ سمجھیں آپ' اگلی دفعہ ہمیشہ کے لیے آؤں گی۔'' ذکی بھائی کا فون ملانے لگی۔

''زندگی کی خوشیوں پر میرا بھی حق ہے بالکل اسی طرح جس طرح سے اوروں کا ہے' اور آپ نے انہیں یہ حق دیا ہے پھر مجھے کیوں نہیں؟'' عابدہ بیگم رنجیدگی سے اسے دیکھے گئیں۔

''تم میری دشمن یا میں تمہاری دشمن نہیں ہوں صبا' قسمت ہمیں خود اپنے فیصلے سناتی ہے اور ہم تقدیر کے تابع ہوتے ہیں۔''

''اونہہ!'' نخوت بھرے انداز میں سر جھٹکا۔

''میری قسمت اتنی بری......''

''اللہ نہ کرے......'' عابدہ بیگم نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔

''کیا خوشی ہے میری زندگی میں' گھر' شوہر' محبت۔''

''تم اپنے اندر شکر گزاری پیدا کرو تو سب تمہارے

ہیں بیٹا' اتنا شاکی مت ہو زندگی سے جو مل گیا ہے اسے قبول تو کرو۔''

''صرف میں ہی قبول کروں' اور وہ شخص میرے سامنے ٹھنڈی آہیں بھرے۔ اپنی پچھلی محبت کے لیے اور میں چپ رہوں۔ جب اسے محبت ہے تو پھر مجھے بھی عشق ہے۔ جب وہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں بھی وصول کرلوں گی۔'' صبا پیچھے ہٹنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔

''تم مرد نہیں ہو جو غصہ دکھاؤ گی جھکنا تمہیں ہی پڑے گا' صبا اگر تم نے اپنا گھر بگاڑا' تو اس کا نتیجہ خود بھگتنا' میرے پاس مت آنا۔''

''نہیں آؤں گی۔'' تنفرانہ انداز میں کہتی بیگ لے کر باہر نکلی۔ ''زندگی تو میری برباد کر ہی دی ہے آپ نے۔''

''برباد نہیں کی' اس کے ہاتھوں برباد ہونے سے بچالی ہے۔''

☆☆☆......

بیگ لے کر گھر میں داخل ہوئی تو رضا لاؤنج میں اموجان کے ساتھ بیٹھا حالات حاضرہ بیان کررہا تھا' شگفتہ مٹر چھیل رہی تھی اور آپا جان' اموجان کے پاندان میں چیزیں ڈال رہی تھیں۔

''آؤ دلہن......'' پہلی نظر اموجان کی پڑی' مسکرا کر اس کا استقبال کیا۔ سب دروازے کی جانب دیکھنے لگے۔ دل مار کر سلام کرنا پڑا۔

''آؤ بیٹھو......کون چھوڑ کر گیا۔'' گھر کا سکون آپا جان کو بھی برباد کرنا نہیں آتا تھا۔

''ذکی بھائی......'' اک نگاہ رضا پر ڈالی۔

''اندر بلالیتیں۔''

''نہیں انہیں کام تھا۔'' سنجیدگی سے کاؤچ پر بیٹھی۔

سب دوبارہ سے اپنے اپنے کام سے لگ گئے۔ وہ مشغول رہی اور پھر اٹھی اور بیگ لے کر اندر بڑھ گئی۔

''آج مٹر پلاؤ کا ارادہ کینسل کریں اور کریلے چڑھالیں۔'' رضا اسکرین کی جانب متوجہ رہتے ہوئے ہنسا۔

''بری بات ہے رضا۔'' اموجان نے گھورا۔

''اس نے بھی تو کچھ نہ کچھ چڑھانا ہے نا۔''

''اچھا بجائے اس کے کہ تم معاملہ فہمی اختیار کرو' تم بھی بھس میں چنگی ڈال دیتے ہو۔'' آپا جان دونوں کو دیکھنے لگی۔

''اموجان...... ازدواجی رشتوں میں معاملہ فہمی نہیں ہوتی' یہ تعلق طویل اور محبت کرنے والا ہوتا ہے' اس میں دونوں فریقوں کو طریقے روابط اور ضوابط سے چلنا ہوتا ہے' فیئر' سیدھا اور سچا' وقتی طور پر معاملہ فہمی صرف وقتی رشتوں میں ہوتی ہے۔'' اموجان چہرہ گھما کر اسے دیکھنے لگیں۔

''یہ ٹھیک نہیں ہے۔ تم اپنا گھر برباد کرنا چاہتے ہو۔'' بے اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

''آباد ہی کب ہے۔'' موبائل پر میسج سینڈ کرنے لگا۔ ''ہم تو ہیں ہی خانہ برباد۔''

''اللہ نہ کرے......'' آپا جان نے دہل کر رضا کے سنجیدہ انداز کو دیکھا۔ اک حزن سا اس کے چہرے پر تھا۔

اٹھا......اور باہر نکل گیا۔ چند منٹوں بعد گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی۔ اب دو چار گھنٹے گزار کر آتا اور پھر پڑ کر سو جاتا۔ صبح آفس کے لیے نکل جاتا' یہ زندگی پھر سے شروع ہوگئی تھی۔ بہو بیگم کی آمد یہی گل کھلائی تھی۔ آپا جان کے خون میں ابال اٹھنے لگا۔

❁......❁......❁

رضا بیڈ روم میں داخل ہوا تو صبا موبائل پر مصروف تھی۔ ایک نگاہ اس پر ڈال کر ریموٹ اٹھایا' صبا نے درخور اعتنا نہیں سمجھا۔ اسے کب پروا تھی دل تو بہت چاہ رہا تھا کہ کھری کھری سنائے کہاں گیا وہ طنطنہ' وہ

نخرہ اب کس منہ سے آئی ہو' جاؤ ادھر ہی جدھر دل لگتا ہے۔ مگر...... افسوس' گہرا سانس بھر کر کمبل اپنے اوپر کھینچ لیا۔

نہ ہوتا لحاظ اموجان اور آپا جان کا تو موصوفہ کو دن میں تارے دکھا کر چلتا کر دیتا۔ صبا نے موبائل تکیے کے نیچے رکھا اور لیٹ گئی۔ رضا رات گئے تک ٹیلی ویژن دیکھتا رہا تھا۔

صبح اس کا سنجیدہ چہرہ آپا جان کو اداس کر گیا۔ ''کیا زندگی ہے میرے بچے کی' کیسے کھلا کھلا رہتا تھا۔ کاش نبیلہ کے والد ضد نہ کرتے' آج میرا بیٹا بھی ہنستا کھیلتا اپنے بچوں میں خوش ہوتا۔''

''کیا دیکھ رہی ہیں ایسے......'' مسکرا کر انہیں دیکھا۔ سر جھکا کر وہ اسے ناشتہ دینے لگی۔

''مت اداس ہوا کریں۔'' ناشتہ کرنے لگا۔ اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

''جیسے اولاد کا دل ماں پڑھ لیتی ہے اسی طرح سے ماں کا چہرہ بیٹا پڑھ سکتا ہے یہ فکر فضول ہے بعض لوگوں کو خوشیاں راس نہیں آتیں۔''

''اللہ نہ کرے......'' بے اختیار آگے بڑھیں' اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا ماتھا چوم کر اسے اپنے ساتھ لگایا۔ ''دودھوں نہاؤ پوتوں پھلوں۔''

''اف! اتنی لمبی عمر کی دعا......'' وہ ہنسا۔

''مت ایسے بولا کر...... اسے اپنا بنا کر تو دیکھ بیٹا۔'' اس کے قریب بیٹھیں۔ ''سدھر جائے گی۔''

''جو اپنا بننا نہ چاہے تو......'' طنزیہ ہنسی سے انہیں دیکھا۔

''کیا چاہتی ہے وہ۔'' زچ ہونے والا انداز تھا۔

طلاق...... علیحدگی......!''

''ہا...... ہا...... ایسا کہا ہے۔''

''صرف کہا نہیں ہے انداز سارے وہی ہیں اور آپ کے ذہنی سکون کے لیے میں ایسا کر دوں گا۔'' وہ ناشتہ کر کے فارغ ہو گیا رومال سے ہاتھ صاف کرے

اور انہیں دیکھنے لگا۔ آپا جان ہکا بکا تھیں۔

''میں چلوں آفس کو دیر ہو رہی ہے۔'' نگاہ چرا کر انہیں دیکھا اور اپنی چیزیں سمیٹ کر باہر نکل گیا۔

''میرا بچہ۔'' فاطمہ نے سینے پر ہاتھ رکھا' آنکھ بھر آئی۔ چنچل بچے کی زندگی کیسی اداس اور ویران ہو گئی تھی۔

......☆☆☆......

ابراہیم بھائی اور رامین بھابی آئے ہوئے تھے' لان میں ہی ان کے چھوٹو کو کھیلتے دیکھا تو آگے بڑھ کر اٹھا لیا اور ہوا میں اچھالنے لگا۔ زین اسے بہت پیارا تھا' سینے میں دبوچ لیا۔ وہ کلکاریاں مار رہا تھا۔

''تم اتنی اسپیڈ سے بائیک کیوں چلاتے ہو؟'' پیچھے ابراہیم بھائی کھڑے تھے' آواز سن کر گھوما۔

''السلام علیکم!''

''گھر میں گاڑی ہے اس پر کیوں نہیں جاتے آفس۔'' ہاتھ ملاتے ہوئے جرح کی۔

''بائیک کا مزہ ہی اور ہے۔'' وہ ہنسا۔

''اسپیڈ ہلکی رکھا کرو ویسے ہی ٹریفک بہت ہے۔''

''اوکے...... جناب۔'' پھر زین کو ہوا میں اچھالنے لگا۔ ساتھ ساتھ ان سے باتیں بھی کرتا رہا۔ تبھی گیٹ کھلا اور صبا اندر آ گئی۔ دونوں ایک ساتھ چونکے۔ صبا ان پر نگاہ ڈال کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

ابراہیم...... رضا سے کیا سوال کرتے یا رضا کیا جواب دیتا' دونوں نے نگاہ چرا لی۔ مگر صبا کے انداز ابراہیم کے لیے لمحہ فکریہ تھے۔ رضا کھول رہا تھا۔

''تمہیں تمیز تہذیب نہیں ہے جہاں دل چاہے منہ اٹھا کر نکل جاتی ہو۔'' کمرے میں آ کر غرایا۔

''میری مرضی!'' ہٹ دھرمی سے کہا۔

''نہیں تمہاری مرضی نہیں اس گھر میں بڑوں کی مرضی چلتی ہے۔ طور طریقے چلتے ہیں سر جھاڑ منہ پھاڑ نہیں نکلا جاتا اور گھر میں مہمان تھے تم کیسے گھر سے غائب ہوئیں؟'' رضا کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

''میرا دل گھبرا رہا تھا پارک تک گئی تھی۔''
''مہمانوں کے جانے کا انتظار نہیں ہوسکتا تھا۔''
''نہیں۔'' نخوت سے سر جھٹکا۔
رضا آگے بڑھا اور مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا اور ہاتھ کھینچ گیا۔ بے اختیار مڑا' آپا جان کھڑی تھیں۔
''امی...... دیکھ رہی ہیں اس کی بدتمیزی' کوئی تمیز لحاظ ادب نہیں ہے اسے۔''
''تمہیں ہے!'' وہ بھی غرائی' اس کا تنفس بڑھ رہا تھا۔
''کیا چاہتی ہو تم؟''
''جو تم چاہتے ہو۔''
''صبا! خاموش' زبان درازی قصے کو ہوا دیتی ہے اور جھگڑا بڑھاتی ہے' تم جانتی ہو ہمارے گھر کا ماحول۔''
''میں کیا کروں...... پھر...... جو میرا دل چاہے گا وہ کروں گی میں...... ان سے کہیں مجھ پر پابندیاں مت لگائیں۔''
''مت بھولو یہ شوہر ہے تمہارا۔''
''مجھے کوئی رشتہ نہیں چاہیے۔''
''دفعہ ہو جاؤ پھر......'' غرا کر جھپٹا' وہ ڈر کر سمٹی۔
''رضا......!'' فاطمہ نے اسے پیچھے سے کھینچا۔
دانیال شور سن کر اندر آ گیا اور اب زیرک نگاہی سے صبا کے انداز اور رضا کے چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا۔ رضا کھولتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ صبا کے انداز میں دیدہ دلیری تھی۔
''جاؤ تم۔'' دانیال کو اشارہ کر کے رضا کو باہر کی جانب دھکیلا۔
''صبا!'' کمرہ خالی ہوگیا تو فاطمہ نے اس کے قریب بیٹھ کر اسے پکارہ۔ صبا نے نخوت بھرے انداز میں منہ پھیر لیا' تاؤ تو فاطمہ بیگم کو بھی چڑھا' تاہم صبر وضبط سے کام لیا۔
''ایسا نہیں کرتے بچے' شوہر کی بات تو تحمل سے برداشت کرنا اچھی لڑکیوں کا شیوہ ہوتا ہے اور تمہارا شوہر ہیرا ہے اس کی قدر کرو' اسے اپنے قلب میں ڈھالو اسے......''
''اس کا دل میرا کیا ہے۔'' بدتمیزی سے کہا۔
''شوہر کو محبت کی ضرورت ہوتی ہے اپنائیت کا رشتہ اسے قریب کر دیتا ہے' دل خود بخود ہی تمہارا ہو جائے گا۔'' فاطمہ بیگم اس کے بازو پر ہاتھ رکھے بڑے تحمل سے گھر داری کے اصول اور ضوابط بتاتی رہیں' جبکہ صبا کا انداز انہیں غصہ دلانے کے لیے کافی تھے۔
رات گئے تک رضا سڑکوں پر بائیک گھماتا رہا پھر پارک میں بیٹھ کر سگریٹ پھونکتا رہا۔ گھر کے اندر فاطمہ بیگم کڑھتی جلتی رہیں مگر مسئلے کا حل سمجھ نہیں آ رہا تھا۔
''اٹھو...... اور جا کر امی کا ہاتھ بٹایا کرو' کام میں تم کوئی مہارانی نہیں ہو جو آرام کی کھاؤ۔'' گھی نکالنے کے لیے اب رضا نے انگلیاں ٹیڑھی کر لیں تھیں اور مساج کرتی صبا کے سر پر کھڑا تھا۔
''میں نوکرانی نہیں ہوں۔'' سر جھٹکا۔
''اس گھر میں کوئی نوکرانی نہیں ہے' یہ سب کا گھر ہے سب نے کام کرنے ہیں۔'' بازو پکڑ کر کھڑا کیا۔
''یہ کیا بدتمیزی ہے ہاتھ چھوڑو۔''
''یہ بدتمیزی نہیں ہے تمہیں ادب' تمیز' سکھا رہا ہوں جو اس گھر کے اصول ہیں اور اس گھر کے بڑوں سے تم سیکھنا نہیں چاہتیں۔'' دبی آواز میں غرایا۔
''مجھے کچھ نہیں سیکھنا۔''
''اس گھر میں رہو گی تو سب کچھ سیکھو گی۔''
''اُنہہ......'' سر جھٹک کر نڈر انداز میں پلٹی۔
''کیا چاہتی ہو تم؟''
''میں......!'' جھٹکے سے پلٹی۔
''رضا...... رضا...... عاصم کا فون آیا ہے' دوبئی جانے سے پہلے وہ تمام کپل کو انوائیٹ کر رہا ہے دو دریا پر۔'' باہر سے دانیال کی آواز قریب آتی محسوس ہوئی

اور پھر وہ دروازہ ناک کر کے اندر آ گیا۔
''سنڈے کو۔'' دانیال کے چہرے پر جاندار سی مسکراہٹ ہلکورے لے رہی تھی۔
''ایک ونڈرفل پکنک۔'' اپنی رو میں بولتا بیڈروم کی گرم جوشی کو محسوس نہیں کرسکا۔
''انکار نہیں چلے گا' بڑے عرصے بعد ایسا یادگار ماحول ملے گا۔'' صبا ڈریسنگ ٹیبل کی جانب پلٹی۔
''ہوں...... واقعی......'' اس کی جانب بڑھا' کس قدر مشکل ہے اک لمحے میں اپنے موڈ کو بدلنا' لہجے میں محبت کی شیرنی لانا۔ باتیں کرتے دونوں بھائی باہر نکل گئے۔ صبا نے برش دیوار پر دے مارا۔
''انہہ! مجھے نوکرانی سمجھتا ہے سب پتہ چل جائے گا' کام کرتی ہے میری جوتی۔'' موبائل اٹھا کر نمبر ملانے لگی۔ دوسری جانب کال اٹھالی گئی۔
''امان...... تم...... تم کہاں ہو' پہلے مجھے اس دلدل سے نکالو' مجھے اس جنجال میں نہیں رہنا۔ پلیز۔'' وہ رودی۔
''میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی' عذاب ہے یہ زندگی۔''
''ٹھیک ہے میں کچھ کرتا ہوں۔''
''امان...... یہ اچھا شخص نہیں ہے شکی مزاج ہے' مارتا ہے' مجھے گھر والوں کی نوکرانی بنانا چاہتا ہے اور میں...... میں......'' مظلومیت کی انتہا کردی۔
''بس میری جان...... رومت' قسمت نے اگر ہمیں جدا کردیا ہے تو وہی ملائے گی' جلد ہی میں تمہیں خوش خبری سناتا ہوں' کل تم میرے فلیٹ پر آجانا۔''
''میں آئی تھی' مگر لاک تھا' اب اگلے ہفتے امی کی طرف جاؤں گی تو پھر آتی ہوں۔'' مکمل رضامندی اور خودسپردگی کا سا انداز تھا۔ صبا کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔

❁......❁......❁

موکنگ کرتے ہوئے' رضا بہت اپ سیٹ تھا' اسے گھر کا امن سکون بہت عزیز تھا۔ اب دو ہی راستے تھے' گھر چھوڑ دے یا...... رشتہ توڑ دے' اسے صبا جیسی عورت کے ساتھ رہنا نہیں تھا۔ رشتہ امی نے توڑنے نہیں دینا تھا' الگ گھر لینا ہی بہتر تھا۔ صبا اپنی زندگی گزارے اور وہ اپنی ڈگر پر چلے دو دریا...... دو کنارے' دور رہتے۔ وہ اپنے تئیں فیصلہ کر کے مطمئن تھا۔
دوسروں کو دکھانے کے لیے دونوں ساحل پر ساتھ ساتھ کھڑے خاموش آتی جاتی لہروں کو دیکھتے رہے' اپنی اپنی سوچوں میں گم۔
''یہاں میرے برابر' میرے روبرو...... امان ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ یہ رات...... یہ لمحے امر ہوجاتے...... اک حسین یاد بن کر ساتھ رہتے۔''
رضا نے آسمان کی جانب نگاہ کی پورے چاند کی پُرسکون ٹھنڈی روشنی نے رات کے حسن کو بڑھادیا تھا' آج نبیلہ بے انتہا یاد آئی۔
''کیا تھا تم میرے لیے اڑ جاتی...... کیا تھا اگر میری خاطر فیصلہ لیتی۔'' بالوں میں انگلیاں پھنساتا وہ بے انتہا اداس تھا۔
پیچھے رومانس' بے فکر ماحول' سب اپنے اپنے ساتھیوں کے ساتھ خوش گوار ماحول کو بھاپ اڑاتی کافی اور ڈرائی فروٹس کے ساتھ یادگار بنارہے تھے۔

......☆☆☆......

امو جان ناشتہ کررہی تھیں' دانیال آفس کے لیے نکل گیا تھا۔ فاطمہ رضا کو آواز دینے کے لیے کچن سے نکلیں۔
رضا کے کمرے سے زور زور سے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ ادھر ہی لڑکھڑا کر کرسی پر بیٹھیں۔ جب ہی غصے سے پھنکارتا ہوا رضا باہر نکلا۔ ٹیبل سے چابیاں اٹھائیں اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا۔ اندر صبا جانے کیا کچھ بول رہی تھی۔
''مجھے اس کا سکون...... اس کا آرام کتنا عزیز

ہے۔ میں کیا کروں...... اموجان! میں کیا کروں۔''
فاطمہ رو دیں۔ اموجان گہری سوچ میں مبتلا تھیں۔
تھوڑی دیر بعد باہر بائیک کی آواز ابھری اندر سے صبا باہر نکلی۔ میں امی کی طرف جارہی ہوں۔ درشت انداز میں کہتی بیگ لے کر باہر نکل گئی۔
''نہیں...... اموجان! میں نے تو سوچا تھا میرا بچہ ٹوٹا بکھرا ہے سمیٹ لے گی یہ لڑکی' مگر یہ عورت...... جانے کن چکروں میں رہتی ہے' شکل کیسی معصوم ہے اوپر سے' اندر سے کمینی ہے پوری۔''
''نہیں ایسا مت کہو' اس کا نہیں اس کی ماں کا قصور ہے' لڑکی کی مرضی نہیں تھی اسے یہاں شادی نہیں کرنی تھی زبردستی کا سودا ہے' یہ تو۔'' اموجان نے گہری بات کی۔
''یا تو صبا رنگ ڈھنگ یہاں کے اختیار کرے یا پھر گھر جائے۔'' اموجان بھی اب شاید تھک گئی تھیں۔

❀......❀......❀

''تم پھر ادھر نظر آرہی ہو؟'' عابدہ بیگم نے تن فن کرتی صبا کو اندر آتے دیکھا تو کھڑی ہوگئیں۔
''یہ میرا گھر ہے' مجھے ادھر ہی آنا ہے۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔''
''تمہارا گھر' تمہارا سسرال ہے۔''
''میں اس بات کا فیصلہ کررہی ہوں کہ میرا گھر کون سا ہے۔'' عابدہ بیگم کے پیروں کے نیچے سے زمین نکلنے لگی۔
''کیا مطلب......؟''
''طلاق مانگی ہے میں نے اس سے۔'' عابدہ بیگم کے پیروں کے نیچے سے واقعی کسی نے زمین کھینچ لی تھی۔

❀......❀......❀

''امی میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔'' فاطمہ بیگم کے پاس بیٹھ کر چائے کا مگ لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔
''کیسا فیصلہ......؟'' فاطمہ بیگم دہل گئیں۔

''میں الگ گھر لے رہا ہوں' کرائے پر...... یا اوپر ایک اور کمرہ بنوالیتا ہوں۔''
''لیکن کیوں......؟''
''اس لیے کہ آپ لوگ نہیں چاہتے کہ میں اسے طلاق دوں' اور میں نہیں چاہتا کہ اس کی بدتمیزیاں آپ دیکھیں اور دکھ سے اپنے انتخاب پر ہاتھ ملیں۔''
فاطمہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں اس کی زندگی کا سکون تو یہ سب بھی چاہتے تھے مگر اس کا گھر توڑ کر نہیں۔ اس لیے صبا کو سمجھانے کی ہر کوئی کوشش کررہا تھا۔
''کوئی کوشش' کوئی امید' پیار و محبت؟''
''وہ کوئی زبان نہیں سمجھتی۔ اسے صرف اپنے مطلب کی زبان آتی ہے۔ بس۔''
''میں اسے سمجھاتی ہوں۔''
''اونہہ!'' استہزائیہ انداز میں ہنسا۔
''کرلیں آپ بھی کوشش۔''

❀......❀......❀

اس بار وہ اپنے سارے زیور لے کر آئی تھی اس کا ارادہ رضا سے خلع مانگنے کا تھا۔ امی کے ارادے اسے صاف نظر آرہے تھے' ہری جھنڈی دکھادی تھی۔
لیکن وہ اپنی محبت کے لیے......! اپنے امان کے لیے سب کچھ کرسکتی تھی۔ اس کا ارادہ سب کو ہری جھنڈی دکھانے کا تھا۔ واقعی محبت اندھی ہوتی ہے اور اس کا ارادہ حد سے گزرنے کا تھا۔ اور حد سے گزرنا ہی طوفان کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

❀......❀......❀

''نہیں!'' اموجان کا انداز حتمی اور فیصلہ کن تھا۔ ''قطعی نہیں۔ جو نہیں رہنا چاہتا' وہ نکل جائے یہاں سے' ساری عمر کے عذاب کو بھگتنے سے بہتر ہے ناسور کو الگ کردیا جائے۔'' رضا سر جھکائے بیٹھا تھا' فاطمہ بیگم حزن کا پیکر بنی تھیں۔
''تم ہمارے بارے میں نہیں اپنی پوری زندگی کے بارے میں سوچو' ہماری خوشی سے زیادہ تمہیں اپنی

زندگی کی فکر ہونی چاہیے' زندگی بار بار نہیں ملتی۔''
''میرے پاس اور کوئی حل نہیں ہے امو جان۔''
''ہم تمہیں گھر بدری کی سزا نہیں دے سکتے' تمہاری خوشی کے لیے ہم سارے نقصان برداشت کریں گے' طلاق کا نوٹس بھجوا دو اسے...... اور علیحدگی شرعی طریقے سے ہوگی تاکہ روز محشر ہم کسی کے جواب دہ نہ ہوں۔'' امو جان کا ہمت اور حوصلہ غضب کا تھا' رضا انہیں دیکھتا رہا اور پھر ان کے لگ گیا۔
''مجھے معاف کردیں امو جان' امی جان' میں ایسا نہیں چاہتا' میں ابھی بھی اسے معاف کرکے سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار ہوں' بس وہ اس گھر کو آپ لوگوں کو خوش رکھنے کا وعدہ کرے۔'' فاطمہ بیگم رو رہی تھیں۔
''ہمیں تمہاری خوشی عزیز ہے بیٹا۔''
''اور مجھے آپ سب کی' میں کسی مرحلے میں کمزور نہیں پڑنا چاہتا۔'' ہاتھ بڑھا کر فاطمہ کا ہاتھ تھاما۔

❁......❁......❁

''کیا؟'' فون پر امان کی چونکتی سی آواز ابھری۔ صبا کے اندر تک خوشی اترنے لگی۔
''ہاں! امان میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی' میں سارے زیور لے آئی ہوں۔ رضا سے خلع مانگوں گی' میں اسے اتنا زچ کرچکی ہوں کہ بس اب تابوت میں آخری کیل کی ضرورت ہے پھر میں ہوں گی اور تم اور ہماری نئی زندگی کی شروعات۔'' صبا کی آواز خوشی سے بھرپور تھی۔ امان نے کچھ کہنا چاہا مگر زیور پیسے کی کشش نے منہ بند کردیا۔
''ابھی تم طلاق نہ مانگو...... گھی سیدھی انگلیوں سے خود ہی نکل رہا ہے تو......'' امان کے انداز میں مکاری تھی اور چہرے پر خباثت۔ اگر اس وقت صبا اسے اپنے سامنے بھی دیکھ لیتی تو پڑھ نہ پاتی...... اس کے اندر شعور و آگہی کی کمی تھی اور آنکھوں پر محبت کی پٹی بندھی تھی۔
''ہوں......! تم ملو نا' کتنے دن ہوگئے ہیں ملے ہوئے۔''
''ہاں ملتے ہیں' دراصل میں کچھ مصروف ہوں' آفس کے سلسلے میں......'' اپنے سامنے سوئی کے ہاتھ سے سوفٹ ڈرنک لیتے ہوئے کہا۔ سوئی اس کے پہلو میں ہی بیٹھ گئی۔
''ہاں! امان میں چاہتی ہوں ہم اپنا فلیٹ لے لیں' کچھ رقم اور زیور میرے پاس ہیں کچھ تم انتظام کرلو۔'' صبا مستقبل کی پلاننگ کررہی تھی' امان بھی مستقبل کی پلاننگ کررہا تھا۔ قسمت کی دیوی ان کی قسمت پر دانت نکوس رہی تھی۔
ایک بار...... پھر...... ہاں ایک بار پھر......! تابوت میں آخری کیل ٹھوکنے سے پہلے ایک بار پھر فاطمہ دانیال کے ساتھ آگئیں کہ صبا کو خوشی سے راضی کرلیں' رضا کا گھر بسالیں۔ مگر! صبا کے ارادے کچھ اور تھے۔ بھرپور بدتمیزی کا مظاہرہ کیا' عابدہ بیگم سر جھکا کررہ گئیں۔ دانیال کا خون کھول اٹھا۔
''چلیں امی اٹھیں۔''
''رکو...... دانیال میں اسے سمجھانے آئی ہوں۔''
''اونہہ! ان محترمہ کے ارادے کچھ اور ہیں' طلاق پر ہی ان کی خوشی ہے۔'' دانیال نے فیصلہ سنادیا۔
''پھر دیتے کیوں نہیں ہو......'' گستاخی سے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔
فاطمہ......!'' عابدہ بیگم نے شرمندگی سے ہاتھ جوڑے اور رو دیں۔
''مجھے معاف کردو اس لڑکی نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔''
''اور...... ہمارا کیا ہوگا؟ ہمارے خاندان میں کبھی طلاق نہیں ہوئی...... کتنی جگ ہنسائی کا سامنا ہوگا' کاش......! عابدہ آپ پہلے اپنی بیٹی سے پوچھ لیتیں تو یوں ہمارا گھر تباہ نہ ہوتا۔ ہمارے گھر کو گرہن نہیں لگتا۔'' فاطمہ بیگم سخت مشتعل ہورہی تھیں۔
''میں نے سوچا تھا کہ میری بیٹی کی وقتی ضد ہے

میرے فیصلے پر سر جھکا دے گی' مگر......!'' انہوں نے سر جھکا لیا۔

''مگر آپ کو اس بات کا علم رکھنا چاہیے تھا کہ آپ کی بیٹی ہٹ دھرم وضدی' اپنی مرضی سے جینا چاہتی ہے' ہمارا وکیل آپ کو نوٹس بھجوا دے گا' ہم تو صلح کی نیت سے آئے تھے۔ ورنہ رضا تو اسی وقت تین حرف بھیج رہا تھا۔'' فاطمہ کھڑی ہوگئیں۔ عابدہ بیگم بیٹھی روتی رہیں۔

''یہاں تک کہ رضا نے الگ گھر کے لیے بھی کہا مگر آپ کی بیٹی میں رہنے کے گر ہی نہیں ہیں۔'' فاطمہ بیگم کو بہت غصہ آ رہا تھا۔

''چلیں امی!'' دانیال نے فاطمہ بیگم کا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل گیا۔ اندر کمرے میں صبا' امان کے ساتھ نئی زندگی کی شروعات کرنے کی پلاننگ کر رہی تھی۔

دانیال نے رضا کو سب فون پر بتا دیا تھا اس مسئلے کا حل صرف علیحدگی کی صورت میں ہے' امو جان کا دکھ اور فاطمہ بیگم کے آنسو...... اس کی وجہ سے کتنا دکھی ہیں دونوں ان کا سامنا کرنے کی ہمت ہی نہیں تھی' تیز بائیک چلاتا وہ پریشان تھا کہ اسے سامنے سے آتا ٹرالر دکھائی ہی نہیں دیا' اس سے ٹکرا کر بائیک الٹی' اور وہ دور تک گھسٹتا چلا گیا۔ حادثہ بہت شدید تھا۔

صبا نے سارا زیور امان پر یقین واعتماد کے ساتھ پکڑا دیا' اسے بیچ کر اور اپنے پاس سے مزید رقم لگا کر فلیٹ لے لے' طلاق کے بعد وہ فوراً نکاح کرلیں گے اور نئی زندگی کی بھرپور ابتدا کریں گے۔ اور اس بات کو پانچ دن ہوگئے تھے' امان فون پر نہیں مل رہا تھا اور صبا خوشی سے رضا کے فیصلے اور امان کے فون کا انتظار کرتی رہی۔

❁......❁......❁

رضا آئی سی یو میں تھا' امو جان ساکت بیٹھی تسبیح کے دانے گراتی رہتیں۔ سب آئی سی یو کے باہر کاسہ دعا لیے کھڑے تھے۔ رضا بمشکل سانس لے رہا تھا۔

فاطمہ بیگم کے آنسو نہ تھم رہے تھے۔ کتنی مشکل سے بن ماں کے پیارے بچے کو اپنی ممتا کا لہو دے کر بہلایا تھا۔ ان کا رضا انہیں یوں نہیں چھوڑ سکتا' یوں نہیں جاسکتا۔

''یا اللہ میرے بچے کو زندگی دینا۔'' وہ رو...... رو کر فریاد کر رہی تھیں۔ سب دعا مانگ رہے تھے۔

❁......❁......❁

صبا صوفے پر ساکت بیٹھی تھی۔ اس کا دل بند ہونے کو تھا' امان کی بہن کہہ رہی تھی کہ بھائی کا پرسوں نکاح ہوا ہے اور کل رات کی فلائیٹ سے دلہا دلہن ہنی مون کے لیے نیویارک چلے گئے ہیں۔ وہیں اسے جاب بھی مل گئی ہے۔ اب تو شاید کافی عرصے وہ پاکستان نہ آئے یا شاید گرین کارڈ لے کر ہی آئیں۔ صبا کے زمین وآسمان گھوم گئے اندھا اعتماد' اندھی محبت کی طرح تار تار...... ہوکر ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔ دھوکہ' فریب' اس طرح محبت میں' نہیں...... نہیں امان تم ایسے نہیں کرسکتے' میں نے تو تمہارے لیے سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور تم...... وہ بے یقین' بے گمان تھی۔

فاطمہ بیگم اسے بددعا دے رہی تھیں جس کی ضد' غصے' تنفر نے ان کے بچے کی زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔ ادھر عابدہ بیگم رو رو کر اپنی بیٹی کی سدھار کی بھیک مانگ رہی تھیں' اسے عقل آئے اور اپنا گھر بسالے۔

رضا سارے عالم' ساری محبتوں سے ساری نفرتوں سے بے غم' آکسیجن ماسک کے سہارے زندگی جی رہا تھا۔ امو جان کے آنسو دل پر گر رہے تھے' روز محشر بیٹی کو کیا جواب دیں گی کہ اس کے موتی کی حفاظت نہ کرسکیں۔

❁......❁......❁

اماوس کی راتیں تھیں' خزاں رسیدگی کے دن تھے سوکھے پیلے پتے' خشک ہواؤں کے ساتھ گرتے اور گرد کے ساتھ اڑنے لگتے' فضا میں عجب سی اداسی' بے کیفی ورنجیدگی تھی۔ کہیں بین' کہیں آنسو' کہیں آہیں'

کہیں افسردگی' گیٹ زور سے بجا۔
سیڑھیوں پر بیٹھی صبا خالی نظروں سے گیٹ کی جانب دیکھنے لگی' دل زور سے دھڑکا۔
ذاکیہ...... خلع کا پیپر' وکیل...... زور سے چونکی۔
عابدہ بیگم بڑبڑاتے ہوئے باہر نکلیں۔
''اب کس بات کا سوگ منا رہی ہے جا جا کر منہ کالا کرنے' ماں کو تو بدنام کر دیا تو نے۔ شریف گھرانے کی عزت کو کھا گئی تو' کیسا نیک صفت بچہ اسپتال میں پڑا ہے زندگی اور موت کے بیچ' ارے اس کی آئی تجھے کیوں نہ آ گئی۔ مرجانا چاہیے ایسی اولاد کو بن ماں کا بچہ کیسی آزمائش میں پڑ گیا...... ہائے صبا' اللہ انصاف کرے گا۔'' وہ افسوس کرتی اندر بڑھ گئیں۔
صبا انہیں جاتا دیکھتی رہی' ماں کی صلواتیں' بددعائیں سنتی رہتی تھی' کون سا سکھ دیا تھا اس نے' دل دکھایا تھا ماں کا۔ دوسرے پل چونکی...... امی اسپتال کا ذکر کر رہی ہیں کون ایڈمٹ ہے؟
''امی!'' عابدہ بیگم نے سنی ان سنی کر دی۔
''امی!''
''تو مجھے امی مت بولا کر میں تیری ماں نہیں ہوں۔ تو خوش کیوں نہیں ہے' اب تیری مرضی سے تو سب کچھ ہو رہا ہے' مل جائے گی تجھے طلاق۔ مگر یاد رکھنا...... تو پچھتائے گی' بہت پچھتائے گی صبا' دل دکھانا گناہ ہے' بددعاؤں کے سہارے گھر نہیں مکان بنتے ہیں' بے روح و بے اماں جیسے...... بعد میں مجھے اپنا منحوس چہرہ مت دکھانا۔'' ان کے لہجے میں نفرت تھی اور انداز میں تناؤ۔
''کون ہسپتال میں ہے؟'' دھیرے سے پوچھا۔
''وہ جو اپنی ماں اپنے گھر کی خوشی کے لیے جی رہا ہے' جسے تیری بددعاؤں نے کھا لیا۔ ایک بات یاد رکھنا' صبا' رضا کو کچھ ہوا تو میں تجھے دھکے دے کر اس گھر سے نکال دوں گی' میں تیری ماں نہیں ہوں۔'' عابدہ بیگم پھر سے رونے لگیں۔ صبا کا دل بند ہونے لگا۔
''رضا کا ایکسیڈنٹ......!''
رضا......! رضا کی زندگی سے نکل رہی تھی' اپنی خوشی کے لیے' امان کے لیے' بدلے میں اسے کیا ملا تھا۔ اپنی محبت کے لیے کتنے دل اجاڑ دیئے۔ اپنے لیے جیتے ہوئے دوسروں کا سوچا ہی نہیں اور اس اپنے نے اسے کیا دیا...... فرار ہو گیا' اسے دکھ' اذیت' تکلیف دے کر۔ اسے تو کاغذی نوٹوں سے پیار تھا۔ اس کا انتخاب' اتنا برا تھا۔ امی ٹھیک مخالف تھیں۔ اتنا بڑا دھوکا' تو کیا محبت واقعی اندھی ہوتی ہے۔ سر گھٹنوں پر گرا لیا۔

❁......❁......❁

''کب ہوا ایکسیڈنٹ؟'' ماں کو چائے دے کر دھیرے سے پوچھا۔
''چھ دن ہو گئے۔'' صبا کے ہاتھ کپکپائے۔
''آپ آج بتا رہی ہیں۔''
''تو نے کیا کرنا تھا جا کر...... منحوس تیری وجہ سے تو بچہ ان حالوں کو پہنچا ہے' تو خوش رہ اپنے لیے جی۔'' ان کے انداز میں دکھ تھا' رنج تھا' تکلیف تھی' چہرہ حزن وملال کی تصویر تھا۔ صبا کا دل بھر آیا۔
''مجھے معاف کر دیں امی' میں غلطی پر تھی' مگر میں نے ایسا نہیں چاہا تھا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
عابدہ بیگم کو غصہ تھا' اس کے سر پر ہاتھ نہیں رکھا۔
''اب کیا فائدہ...... گھر ٹوٹ گئے' دل ٹوٹ گئے سب بکھر گیا۔'' وہ رنجور تھیں۔
''نہیں امی' ابھی کچھ نہیں ختم ہوا۔ ابھی ہمارا رشتہ برقرار ہے' میں گھر جاؤں گی' سب سے معافی مانگ لوں گی' سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' عابدہ بیگم چونکیں۔
''دلوں میں فرق ہمارے رویے' ہمارے سلوک ڈالتے ہیں' اور تو نے ان کے دل توڑ دیئے ہیں اب کچھ نہیں ہو سکتا۔'' صبا نے سر جھکا لیا۔
''کیا واقعی کچھ نہیں ہو سکتا۔'' وہ دکھ سے سوچنے لگی۔ وہ غلط تھی شروع سے غلط تھی۔ اس کا انتخاب غلط تھا' امان غلط تھا۔ دھوکے باز' فریبی' مکار......!

"چلیں امی۔" وہ شام میں تیار ہوئی۔

"کہاں!"

"اسپتال۔"

"کیوں! اب کیا ہے وہاں کس رشتے سے......؟"

"امی وہ آپ کا سمدھیانہ ہے۔"

"انہہ پہلے سوچنا تھا۔"

"امی اٹھ جایئے' میں غلط تھی مگر اب غلط ہونا نہیں چاہتی' جب وہ اپنی زندگی کو اپنے گھر والوں کے لیے جی سکتا ہے تو میں بھی اپنی ماں کی خوشی کے لیے جی سکتی ہوں' مجھے واپس جانا ہے۔" سر جھکا کر ان کے پاس بیٹھی دھیرے دھیرے بول رہی تھی۔

"نہیں تو کسی کے لیے نہ جی بس اپنے لیے جی' میں روز روز بے عزت نہیں ہوسکتی' اور واپس کا در کھلا بھی ہو یا نہ ہو۔"

"آپ چلیں' میں معافی مانگ لوں گی' اب سب کی خوشی کے لیے جینا ہے۔"

"کہاں گیا وہ عاشق...... نامراد!" بغور اسے دیکھتے پوچھا۔

نظر چرا کر کھڑی ہوگئی۔

"شادی ہوگئی اس کی۔" دل بھر آیا' اپنی بربادی کی داستان اپنی ماں کو سناتے ہوئے بھی دل بھر آرہا تھا۔

"شادی تو تیری بھی ہوگئی تھی' جب کیوں نہ سوچا...... اور تجھے برباد کرکے اس نے شادی کیوں کرلی؟"

"امی پلیز...... اس موضوع کو بند کردیں' سب کچھ ختم ہوگیا ہے نئی زندگی شروع کرنی ہے عقل آگئی ہے مجھے۔"

"اور عقل ٹھوکر کھا کر ہی آئی ہے۔"

"چلیں اٹھیں' اسپتال چلیں' آگے راستہ میں نے خود طے کرنا ہے۔" اور جانے کیا سوچ کر وہ اٹھ گئیں۔

......☆☆☆......

دانیال اور فاطمہ بیگم انہیں دیکھ کر چونک گئے۔

"اب کیسی طبیعت ہے رضا کی۔" عابدہ بیگم گلے ملیں۔

"ہاں اب کچھ بہتر ہے' آج روم میں شفٹ کریں گے اندرونی چوٹیں شدید ہیں' تاہم خطرے سے باہر ہے۔" صبا سر جھکا کر بیٹھی رہی' عابدہ بیگم پوچھتی رہیں۔ جانے کے لیے اٹھیں۔ تو صبا بیٹھی رہی۔

"آپ جایئے امی...... میں اپنے گھر جاؤں گی۔" اعتماد سے سر اٹھا کر کسی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ سب چونکے۔

"آنٹی کو میری ضرورت ہے۔" فاطمہ بیگم خون کا گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ عابدہ بیگم چپ ہوگئیں۔

"جاؤ' بی بی' جاؤ' ہمیں کسی ہمدرد خیر خواہ کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر کررہے ہیں علاج۔ تمہیں پروانہ آزادی مل جائے گا۔ میرا بچہ ٹھیک ہوجائے۔" فاطمہ بیگم نے بے رخی سے کہا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا امی' آپ جایئے اور آنٹی مجھے آپ معاف کردیں' میں غلطی پر تھی۔" ہاتھ جوڑے۔ فاطمہ اس کی شکل دیکھنے لگیں۔

جھکا سر' شرمندگی' کسی تناؤ' کسی بے رخی' کسی ضد کا کوئی عنصر نہ تھا' وہ کیا کریں...... دانیال کو دیکھا۔

"امی اس بات کا فیصلہ رضا خود کرے گا' ابھی ہمارے ساتھ دوسرے مسئلے ہیں۔ رضا ٹھیک نہیں ہے۔" دانیال نے دھیرے سے کہا۔

"پلیز امی ایک موقع......" فاطمہ کے ہاتھ تھام لیے۔

"اور یہ موقع تمہیں رضا ہی دے سکتا ہے ہم نہیں۔" پیچھے سے امو جان کی آواز ابھری۔ ان کے ساتھ وقاص تھا۔

"میں ادھر ہی رہنا چاہتی ہوں' ہر غلطی کی معافی مانگ کر رضا کی سزا کی منتظر بن کر...... پلیز۔" اس نے سب کی جانب دیکھا۔

تبھی ڈاکٹر آگئے۔ دانیال اور وقاص ڈاکٹر کے

ساتھ آگے بڑھ گئے۔ وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ اب اسے کھڑے ہی رہنا تھا' ان سب کی عدالت میں...... معافی ملنے تک' گہرا سانس لے کر' ذرا سا پیچھے ہٹ کر دیوار کے ساتھ لگی اور ریلنگ سے باہر دیکھنے لگی۔

محبت کیسی سزا تھی اس کے لیے۔ اس ایک محبت کے لیے اس نے اور کسی محبت کی جانب توجہ ہی نہ دی جو بے لوث تھی' بے غرض تھی' بس اس کی پسند نہ تھی' اس کی منتخب کردہ نہ تھی اور جو منتخب کردہ تھی...... اسے کھڑے کھڑے جانے کتنا وقت بیت گیا تھا' ماں کی آواز اسے حال میں کھینچ لائی۔

''گھر چلی جانا' میں نے فاطمہ کو کہہ دیا ہے' اپنے کیے پر شرمندہ ہے' خود ہی گئی تھی ضد میں خود ہی آئی ہے ایک بار معاف کر کے' ایک موقع دے کر دیکھیں آپ لوگ۔'' صبا نے سر جھکا لیا۔ عابدہ بیگم چلی گئیں۔

اموجان نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ وہ آگے بڑھ کر محبت و حوصلے سے ان کے قریب بیٹھ گئی۔ لوگ آ جا رہے تھے۔

''کیا رضا اسے معاف کرے گا' کتنی بدتہذیبی' گستاخی کا مظاہرہ کیا ہے' اس کے ساتھ' ان سب کے ساتھ...... واقعی' وہ سزا کی مستحق ہے' ہر کسی کی' یہ اس کا منتخب کردہ راستہ ہے۔''

''مجھے معاف کر دیں اموجان۔'' دھیرے سے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ انہوں نے ہاتھ کھینچ لیا اور اٹھ گئیں۔ اموجان اور فاطمہ بیگم چلی گئیں وقاص کے ساتھ۔ اسے کسی نے اہمیت ہی نہیں دی۔ دانیال اندر چلا گیا' وہ بینچ پر بیٹھی رہ گئی' اسے گھر چلنے کے لیے کسی نے نہیں کہا۔ اس کا دل چاہا اندر جا کر رضا کو دیکھے مگر اندر رضا اور دانیال کے دوست گئے تھے' وہ بیٹھی رہی' دھیرے دھیرے لوگ کم ہونے لگے' کاریڈور میں سناٹا سا پھیل گیا' رات آگے بڑھنے لگی' دیوار سے ٹیک لگا لی۔ من آنگن میں سناٹا اترنے لگا۔

''تم...... تم ادھر ہی ہو ابھی تک۔'' آواز پر چونک کر آنکھیں کھولیں' دانیال اس سے پوچھ رہا تھا۔

''گھر نہیں گئیں یہاں کیوں بیٹھی ہو؟''

''مجھے کہیں نہیں جانا۔'' گستاخانہ لہجہ' بے مروت انداز' لٹھ مار رویہ سب ندارد تھا۔ دانیال چونکا۔

''مجھے ادھر ہی رہنا ہے' رضا کے ہوش میں آنے تک' اس کی زندگی تک اپنے مرنے تک۔'' دھیمہ سا لہجہ' چہرے پر شرمندگی۔ ایک اور چونکا دینے والا انداز۔

''اوہ...... اتنی تبدیلی خیریت تو ہے نا۔'' ایک نگاہ روبرو کھڑے دانیال کو دیکھا۔

''ایم ساری دانیال بھائی' میں آپ لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بنی' میں خود نہیں جانتی کیوں ہوا ایسا۔'' دانیال کھڑا رہ گیا۔

''مجھے اپنے گھر جانا ہے رضا کے گھر۔'' سر اٹھایا۔

''تو تم اموجان سے کہتیں۔''

''انہوں نے میری بات نہیں سنی۔''

''آپ گھر جائیں' میں بات کروں گا صبح۔''

''نہیں...... میں ادھر ہی ٹھیک ہوں' آپ فکر مت کریں۔''

''یوں اس طرح یہاں تو نہیں رہ سکتی نا' گھر جاؤ۔''

''نہیں دانیال بھائی' میں ساری عمر کے لیے پچھتاؤں میں نہیں رہ سکتی' میں اپنی غلطیوں کو سدھارنا چاہتی ہوں۔''

''میں نے تیرنا سیکھ لیا ہے۔'' اس کا انداز حتمی تھا۔

سورج مشرق سے نکل آیا تھا۔ اپنی مشرقیت کے ساتھ۔ تاہم دانیال لحہ لحہ مقام حیرت سے گزر رہا تھا' ایسا کیسے ہو گیا' کل تک جو کلام کرنا گوارہ نہ کرتے تھے وہ آج شرمندگی بھرے انداز میں سر جھکا کر بات کر رہے تھے۔ صبح فاطمہ ناشتہ لے کر آئیں تو وہ تسبیح ہاتھ میں لیے بینچ پر بیٹھی تھی۔ صبا نے سلام کیا۔

''امی...... یہ۔'' دانیال نے ٹفن لے کر فاطمہ بیگم کو

صبا کے بارے میں بتایا۔
''نئی کہانی ہے اب پھر کوئی' دفعہ کرو امو جان کا فیصلہ ہے' رضا کی زندگی سے ہر ٹینشن اور پریشانی کو ختم کرنا ہے۔'' ان کا جذبات سے عاری لہجہ تھا۔
''رضا اب کیسا ہے؟'' انہوں نے بے خبر سوئے رضا کو دیکھا اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔
''تم ناشتہ کرلو آج سنڈے ہے کہیں جانا ہے تو چلے جاؤ' میں ادھر ہی ہوں۔''
''امی!'' دانیال تھرماس سے چائے نکالنے لگا۔
''وہ بہت شرمندہ ہے۔''
''طلاق کا فیصلہ اس کا ہے' رضا کو بدظن اس نے کیا' اس کی حالت کی ذمہ دار وہ ہے اور کیا کریں ہم جب اسے عزت راس ہی نہیں ہے تو ہم کیا کریں اب۔'' دانیال سر جھکا کر ناشتہ کرنے لگا۔ باہر کھڑی اندر آنے کی منتظر صبا پیچھے ہٹ گئی۔

❁......❁......❁

دو دن گزر گئے۔ صبا اجنبیوں کی طرح باہر بیٹھی رہی' دانیال کبھی' وقاص' کبھی ان کے دوست رہتے تھے' امو جان' فاطمہ بیگم' بھابی' سب نے اسے نظر انداز کر رکھا تھا۔ جانے کہاں سے اس میں ثابت قدمی آ گئی تھی۔ اس کے ساتھ کسی کو ہمدردی نہیں تھی۔ جتنی اذیت آج کل رضا سہہ رہا تھا تمام عمر کسی نے کانٹا بھی نہ چبھنے دیا تھا۔ کیسے دل نرم کر لیتے۔ اسے یہاں آئے تین دن ہو گئے تھے۔ رضا کو باہر سے ہی ایک نظر دیکھا تھا' سویا ہوا تھا' اس کے جاگنے کی منتظر......!
اتنا ہو گیا تھا کہ دانیال اس سے بات کرنے لگا تھا۔ امو جان اور فاطمہ ویسے ہی سنگ دل تھے۔ انہیں تو سنگ دل ہونا ہی تھا' ان کا لاڈلہ ان کی نظروں کے سامنے بے سدھ' کمزور اور لاغر پڑا تھا۔ اس کی دشمن جاں بھی سامنے تھی' کیسے معاف کرنے کا حوصلہ پیدا کرتے خود میں۔

❁......❁......❁

جب صبا کمرے میں داخل ہوئی' رضا دوائیوں کے زیر اثر نیند میں تھا' اسے ہوش آ گیا تھا۔ مگر اس میں حوصلہ نہیں تھا کہ اس کا سامنا کرتی۔ سوتے ہی میں اسے دیکھ جاتی۔ جاگتے میں' رضا کا کیا ردعمل ہوگا' وہ تو اس سے خلع کا مطالبہ بھی کر چکی تھی۔ زبان درازی بھی حد سے سوا ہو گئی تھی' گستاخانہ انداز تو اس کا ہمیشہ کا تھا۔
مگر اب......! گہرا سانس بھر کر قریب آئی......
جانے کتنا وقت گزر گیا۔ نرس اندر آئی اور میڈیسن وغیرہ چیک کرنے لگی۔
صبا پیچھے ہٹ گئی' گھڑی پر نگاہ کی اور باہر آ گئی' دانیال کے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔ سارا دن یونہی کاریڈور میں چکر لگاتے گزر جاتا' یا پھر بینچ پر بیٹھے بیٹھے۔ ان سب کے دل اتنے دکھا چکی تھی کہ اب ان سب کے دل موم کرنا ایک عمر کا مشغلہ تھا۔

❁......❁......❁

''دانیال اس لڑکی کو سمجھاؤ' چلی جائے یہاں سے۔ رضا اسے قبول نہیں کرے گا۔'' امو جان نے دانیال کو لنچ بکس پکڑاتے ہوئے کہا۔
''امو جان!'' رک کر انہیں دیکھنے لگا۔
''میرا خیال ہے وہ سدھر گئی ہے اپنا گھر بسانا چاہتی ہے' اسے ایک موقع دیں۔''
''اونہہ! جو لوگ دل سے اتر جاتے ہیں انہیں موقع نہیں دیا جا سکتا' رضا کو تم بھی جانتے ہو۔'' فاطمہ بیگم نے جواب دیا۔
''ہوسکتا ہے رضا آپ کی خوشی کے لیے مان جائے۔''
''ہماری خوشی وہ بہت جی لیا اب اسے اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنا ہے اور اپنی زندگی جینا ہے۔''
''زندگی بار بار نہیں ملتی اور زندگی کو بار بار جھوتے کی چادر نہیں اڑائی جا سکتی۔'' دانیال خاموش ہو گیا۔ فیصلہ رضا نے ہی کرنا تھا۔

❁......❁......❁

رضا نے آنکھ کھول کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے صبا کو اپنے سامنے دیکھ کر چونک گیا۔ ملگجا سا حلیہ چادر نما دوپٹہ اپنے گرد لپیٹے...... بے ترتیبی سے بال کیچر میں بند تھے۔ کچھ اداس' کچھ پریشان۔

"یہ یہاں کیوں ہے؟ اب تو میں اسے اس کی مرضی کا فیصلہ دے رہا ہوں' اب تو سمجھوتے کی بھی گنجائش نہیں۔" دھیرے سے آنکھیں بند کیں۔

دانیال اندر داخل ہوا' آہٹ پر صبا متوجہ ہوئی۔

"یہ سو رہا ہے' ابھی تک۔" نظر چرا کر بیڈ کی جانب بڑھا۔ صبا چپ چاپ دیکھتی رہی۔

"اٹھو رضا' گرم گرم سوپ پی لو امو جان نے تاکید کر کے بھیجا ہے' جاتے ہی پلا دینا۔ اٹھو شاباش میں نکال رہا ہوں۔" صبا باہر نکل گئی۔ رضا نے آنکھیں کھول دیں۔ خاموشی سے سوپ پیتا رہا۔

"امی نہیں آئیں؟"

"شام کو آئیں گی۔"

"بس چھٹی لے لو مجھے نہیں رہنا تھک گیا ہوں۔"

"اچھی طرح سے ٹھیک ہو جاؤ گے تو پھر جاؤ گے۔" ٹشو سے منہ صاف کر کے پیچھے ہٹا۔

"امی کہہ رہی تھیں کہ تم اور امو جان ابراہیم بھائی کے پاس چلے جاؤ' کچھ دن کے لیے' تبدیلی آب و ہوا کے لیے یہ ضروری ہے۔" رضا نے سر تکیے پر رکھ لیا۔

"میرا آفس۔"

"تمہارے منیجر صاحب آئے تھے' تمہیں دیکھنے کے لیے۔"

"اچھا......! اور کہہ رہے ہوں گے ہماری طرف سے ہمیشہ کے لیے آف ہے۔"

"نہیں بلکہ کہہ رہے تھے مری میں ان کا اپنا گیسٹ ہاؤس ہے کچھ دن وہاں گزار آئے۔" ہاتھ سے اس کے بال سنوارنے لگا۔

باہر مسلسل ٹہلتی صبا تھک کر بینچ پر بیٹھی اور تھکا تھکا سا لے کر دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

سانحہ پشاور کے شہداء کے نام

میرے خون سے کھیلنے تجھ کو مٹائے گا میرا خون
ایک دن بوئے گا اور رنگ لائے گا میرا خون
میری بہادری تو دیکھ تیرے سامنے میں ڈٹ گیا
اک سپاہی کی اولاد ہوں سپاہی بتائے گا میرا خون
میری شہادت کی قسم روز قیامت نہ معاف کروں گا تمہیں
میرے والدین کے بے بس آنسوؤں کی داستان خدا کو سنائے گا میرا خون
میرے ملک میں امن پیار' محبت ہوگا ایک دن دشمنوں
تجھے تیرے انجام تک پہنچائے گا میرا خون
میں پھول کھلا تھا اک حسین باغ میں تو کیوں مجھے نوچ لیا
خدا کی قدرت سے اور پھول اس باغ میں کھلائے گا میرا خون
بدلہ ضرور لیں گے خدا کی مدد سے تیرا میرے زین
رائیگاں نہیں جانے دے گی یہ قوم تیرا خون

صباء الیاس...... ماہندر

صبا دھیرے سے روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی اور ادھر ہی ٹھٹک گئی۔ رضا جاگ رہا تھا اور تکیوں کے سہارے بیٹھا تھا۔ وہ سوتا سمجھ کر آئی تھی' اب پلٹ نہیں سکتی تھی۔ اندر آ گئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" رضا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

"کچھ چاہیے تھا؟" بیڈ کے پاس رکی۔ رضا خالی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" منہ پھیر لیا۔

"ایم سوری' میں دراصل۔" تبھی پیچھے آہٹ ہوئی۔

امو جان' فاطمہ بیگم' شگفتہ بھابی' وقاص اندر آ گئے۔

"تم ادھر۔" امو جان نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ صبا نے سر جھکا کر سب کو سلام کیا اور سائیڈ سے ہو کر باہر نکل گئی۔

امو جان آگے بڑھ کر اسے پیار کرنے لگیں' شگفتہ

بھابی کھانے پینے کی چیزیں ٹیبل پر رکھنے لگیں۔ صبا ڈیننگ روم میں آ گئی۔ جانے کیوں اس کا بہت رونے کو دل چاہنے لگا' سیٹ پر بیٹھ کر پاؤں اوپر کیے' گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر سر جھکا لیا۔ اور آنسو خود بخود تسبیح کے دانے بن گئے۔

❁......❁......❁
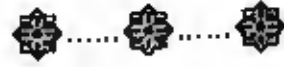
عابدہ بیگم نے دھیرے سے اس کا سر اپنے شانے سے لگا لیا' اس وقت وہ گود میں ہاتھ رکھے خاموش بیٹھی تھی' مگر تقدیر نے اس کی قسمت میں کیا لکھا تھا۔ عابدہ بیگم کی آنکھ نم ہو گئی۔ محبت کھیل ہوتی ہے اس کھیل نے ان کی بیٹی کی خوشی چھین لی تھی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا' خدا سے دعا کیا کرو بیٹا۔''

''اگر کچھ ٹھیک نہ ہوا تو یہ سزا ہوگی' نہ میری' آپ کا دل دکھانے کی۔ رضا نے مجھے رکھنے سے انکار کر دیا تو؟'' آنکھیں نم ہو کر چھلکنے لگیں۔

''ماؤں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں' اولاد کی آنکھوں کے آنسو ماؤں کا دل مسوس دیتے ہیں' میرے بچے صبر کر...... اور خدا سے معافی مانگ......'' لمحے بھر کو رکیں۔ پیار سے اس کا سر تھپک کر سمجھاتی رہیں اور کتنے آنسو وہ ماں کے شانے پر گراتی رہی۔

......☆☆☆......
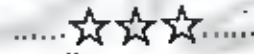
رضا کی حالت بہتر ہو رہی تھی اور ڈاکٹرز بھی مطمئن تھے' صبا ادھر ہی رہ رہی تھی' اموجان اور فاطمہ بیگم کا دل نہیں نرم ہوا تھا' صرف دانیال بات کر لیتا تھا۔ صبا نے خود ہی رضا سے بات کرنے کی کوشش کی مگر اس نے کسی قسم کا جواب نہیں دیا' خاموشی گہری خاموشی۔ اس نے معافی بھی مانگی۔ مگر رضا سخت سنگ دل ہو رہا تھا اور یہ اس کا حق بھی تھا۔

کل اسے ڈسچارج ہو جانا تھا اور صبا کا بھی فیصلہ ہونا تھا۔ دانیال نے خود ہی رضا سے بات کی۔

''کل ڈسچارج ہو رہے ہو تم۔''

''شکر ہے یار!'' دھیرے سے اٹھ کر بیٹھا۔

''صبا کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے۔ اموجان نے فیصلہ تم پر چھوڑا ہے۔''

''فیصلہ وہ خود پہلے ہی کر چکی ہے۔ اسے میرا ساتھ پسند نہیں ہے' ہم اپنے گھر اور وہ اپنے گھر جائے گی۔'' صبا اندر آ گئی۔

''مگر وہ اب تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہے' اس نے سب سے معافی مانگی ہے مگر اموجان نے تمہاری اذیت' تمہاری تکلیف' دیکھتے ہوئے اسے معاف نہیں کیا۔'' دانیال کی پیٹھ دروازے کی جانب تھی۔ وہ صبا کو دیکھ نہ سکا۔

''ہمارے رشتے میں معافی کی گنجائش نہیں نکلتی اب۔''

''وہ بہت شرمندہ ہے۔''

''نہیں...... دانیال۔''

''میں واقعی بہت شرمندہ ہوں' ایم سوری رضا۔'' صبا اندر آ گئی اور اپنے وکیل صفائی کے برابر میں کھڑی ہو گئی۔

''مجھے تمہیں اپنے ساتھ رکھ کر شرمندگی ہوگی اور میں اور شرمندہ نہیں ہونا چاہتا...... پلیز جاؤ تم۔''

''رضا پلیز......'' دانیال آگے بڑھا۔

''جتنی تباہی' بربادی میری ہو چکی ہے اس کے بعد اور ذلت کی گنجائش نہیں نکلتی' دانیال اس سے کہو کہ اپنا رستہ دیکھے۔'' غصے سے اس کی آواز بلند ہوئی۔

''اچھا ٹھیک ہے تم جذباتی مت ہو' اس کا فیصلہ اسپتال میں نہیں ہو سکتا' گھر جا کر ہوگا اور اموجان کے سامنے۔''

''ایم ساری رضا میں سب کو منا لوں گی' سب سے معافی مانگوں گی' میرے لیے بس اپنا دل نرم کر لیں' اپنے گھر میں مجھے جگہ دے دیں۔''

''دل......!'' غصے سے پھنکارہ۔ صبا نے سر جھکا لیا۔

''ایک موقع ہر انسان کو ملنا چاہیے' اپنی غلطیوں کو سدھارنے کے لیے' میں غلط تھی تو آپ کون سا ٹھیک تھے' کب مجھ سے پیار سے بات کی اگر آپ کی شادی اس سے نہیں ہوئی تو اس میں میرا قصور نہیں تھا جو میرے ساتھ یہ سلوک کیا' میرا ردعمل فطری تھا اور میں گھر جاؤں گی سب سے اپنے سلوک کی معافی مانگوں گی' اس کے بعد میری قسمت......!'' وہ لیکچر دے کر رکی نہیں دونوں بھائیوں پر نگاہ ڈالتی باہر نکل گئی۔ دانیال سر کھجانے لگا اور رضا منہ کھولے دیکھتا رہا۔

باہر آ کر صبا نے گہرا سانس لیا' وہ سب کچھ رضا پر ڈال آئی تھی۔ اس کے اندر اداسیاں اترنے لگیں۔

......❁......

''یہ کیوں آئی ہے اس کی ماں نہیں لے کر گئی اسے۔'' صبا کو دانیال کے پیچھے دیکھ کر امو جان کو سخت غصہ آیا تھا۔ رضا اندر چلا گیا تو دانیال کو روک لیا۔

''اور کہاں جاتی امو جان' اس کی امی فیصل آباد گئی ہوئی ہیں ان کے نواسے کا انتقال ہو گیا ہے' گھر میں کوئی نہیں ہے کچھ عرصہ رہنے دیں۔''

''یہ ہماری ذمے داری نہیں ہے۔'' تناؤ بھرے انداز میں کہا۔

''رضا کیسے مانا۔''

''امو جان کچھ فیصلے مجبوریوں کی وجہ سے بھی ہوتے ہیں۔'' فاطمہ بیگم خاموشی سے بیٹھی رہیں۔

باہر...... صبا عضو معطل کی طرح چیئر پر بیٹھی رہی' پھر پانی پینے کے لیے کچن کی جانب بڑھ گئی' اندر سب رضا کے کمرے میں جمع تھے۔ رضا کی طبیعت پوچھ رہے تھے' امو جان' فاطمہ بیگم' پیار کر رہی تھیں' ان کا لاڈلہ اتنے دن اسپتال میں رہ کر آیا تھا۔ اسے امو جان نے رضا کے بیڈروم میں جانے سے منع کر دیا۔ اسے تکلیف ہوگی۔

''پھر میں کہاں جاؤں؟'' بے بسی' لاچاری سے انہیں دیکھا۔

''یہ خلع مانگنے سے پہلے سوچنا تھا۔''

''انہوں نے بھی تو میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ ہر وقت' بس...... ہاتھ اٹھایا۔''

''تمہارے ساتھ برا سلوک کرنے کے لیے اس گھر میں نہیں لایا تھا۔''

''اور کیوں عقل آئی ہے اب' ایسا کیا ہو گیا ہے' وہی گھر ہے' وہی لوگ ہیں' وہی رضا......!'' طنزآمیز انداز میں کہا۔

''ساری زندگی لڑتے جھگڑتے تو نہیں گزر سکتی نا۔''

''اب رضا کو تمہارے ہونے پر اعتراض ہے۔'' امو جان اٹھ گئیں۔ صبا بیٹھی رہی۔

''پیار' محبت' امن' خلوص۔'' سارا دن خود کو ادھر ادھر مصروف رکھتی' کچن کے کام کرواتی' صفائی کرواتی ماسی کے ساتھ' دن میں وقت گزار لیا' کوئی اس سے بات نہیں کرتا تھا' دانیال امو جان کے خیال سے پہلو تہی برت کر گزر جاتا تھا۔

اب لاؤنج میں رونق لگنے لگی تھی۔ رضا باہر آ کر ٹی وی دیکھنے لگا' چلنے پھرنے لگا' فرمائش کر کے اپنے لیے چیزیں پکوانے لگا اور ہر طرح سے خود کو خوش ظاہر کرتا تھا۔ تبدیلی آب و ہوا کے لیے ابراہیم بھائی نے انہیں اسلام آباد بلوا لیا' موقع بھی تھا' بہانہ بھی۔

رضا کے ساتھ امو جان اور فاطمہ بیگم جا رہے تھے۔ اس کو کسی نے پوچھا نہیں۔

''دانیال اسے اس کے گھر چھوڑ آؤ۔ اس کی ماں آئی نہیں اب تک۔'' فاطمہ بیگم نے چیزیں سمیٹتے ہوئے اچانک ہی دانیال سے کہا اور لاؤنج میں ٹی وی دیکھتا رضا چونکا۔

''کہاں رہے گی یہ؟ امی یہ اس کا گھر ہے۔''

''گھر...... گھر سمجھنے سے ہوتا ہے۔''

''امی...... اب تو وہ سدھر گئی ہے اس کی انا کا بت ٹوٹ گیا ہے۔'' دانیال ان کی جانب جھک کر آہستہ

سے بولا۔ فاطمہ اس کی شکل دیکھنے لگی۔
''بے شک وہ مجرم ہے اس کو ایک موقع اور دیں وہ اتنی بری نہیں ہے جتنا اسے سمجھ لیا گیا ہے۔'' فاطمہ بیگم غصے سے دیکھتی رہیں۔
رضا اسکرین کی جانب متوجہ ہوگیا' یہ اس کا مسئلہ تھا' جو دوسروں نے حل کرنا تھا اور یہ مسئلہ ریت میں منہ چھپانے سے حل نہیں ہونا تھا۔ اور اس کا حل' ادھر ادھر نظر دوڑائی۔
صبا سیڑھیوں پر بیٹھی جامن کے خشک پتوں کو دیکھ رہی تھی جو ہوا کے زور سے ادھر ادھر گرتے' اڑتے پھر رہے تھے۔ اس کی زندگی بھی کیا ان ٹوٹے پتوں کی طرح ہوگئی ہے؟ اب اس کی بھی کوئی منزل نہیں' یہ گھر بھی چھیننے کو ہے۔ اس کے اندر بے چینیاں اترنے لگیں' کیا کرے' کہ اس کے گناہ دھل جائیں' کیسے معافی مانگے' کہ دل صاف ہوجائیں۔ کون سا اسم اعظم پڑھے کہ زندگی از سر نو شروع ہوسکے' بے چینی اس قدر بڑھی کہ وہ اٹھ کر خشک گھاس پر ٹہلنے لگی۔ تنہائی' اکیلا پن' اور اداسی' اس کے ہمراہ چلنے لگیں۔
رضا تو اس کی جانب نگاہ ہی نہیں ڈالتا تھا...... گھر والوں کو منانے کے لیے رضا کی رضا چاہیے تھی اور...... رضا......! رضا اسے اپنی رضا کیسے دے سکتا تھا' اس نے تو خلع مانگی تھی' اس کا تو دل توڑا تھا' اس کا دل تو پہلے ہی ریزہ ریزہ تھا' اس کو مرہم بننا تھا۔ گہرا سانس وجود کی گہرائیوں سے اٹھا اور تھکے تھکے سے انداز میں اس نے جامن کے درخت سے ٹیک لگالی۔
شام کے سائے ڈھل کر منڈیروں کے کندھوں پر آبیٹھے' اداسی نے ہر سو اپنے پر پھیلا دیئے۔

❀......❀......❀

پیکنگ مکمل ہوگئی' موسم کے حساب سے کپڑے اموجان اور فاطمہ بیگم نے ضرورت کی تمام چیزیں رکھ لیں۔ دانیال نے ٹکٹس او کے کروادیں' صبا کو رضا سے بات کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ اموجان یا فاطمہ بیگم اس کے گرد رہتی تھیں۔ اس نے خود کو حالات کے سپرد کردیا تھا' اب جو ہو سو ہو' صبح ان لوگوں نے جانا تھا' وہ اپنے بیڈ روم میں آئی۔ رضا لیپ ٹاپ پر مصروف تھا' آہٹ پر سر اٹھایا۔ اور پھر...... ادھر متوجہ ہوگیا۔
''مجھے کچھ کہنا تھا۔'' وہ قریب آگئی۔
''کہو' ویسے اب اس کی ضرورت نہیں ہے فیصلہ تو تم سنا چکی ہو بس تصدیق شدہ مہر لگانی ہے۔''
''ایم سوری' رضا میں ایسا نہیں چاہتی۔ مجھے آپ کے ساتھ اس گھر میں رہنا ہے۔'' صبا کے لہجے میں ایسی تڑپ تھی کہ بے اختیار رضا چونکا۔
''میں شرمندہ ہوں' ہر غلطی کا ازالہ کروں گی' میرا غصہ' میری گستاخی غلط تھی لیکن میں ساری عمر تو غلطیاں نہیں کروں گی نا' پلیز ایم ساری۔'' اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ رضا خاموش بیٹھا رہا۔
''مجھے ایسی سزا مت دیجیے گا جو ساری عمر کے لیے پچھتاوا بن جائے میرے لیے پلیز...... پلیز رضا۔''
''رضا...... رضا' باہر آؤ دیکھو کون آیا ہے۔'' باہر سے فاطمہ بیگم کی آواز ابھری۔
گھبرا کر کھڑی ہوئی' ایک خوف سا چہرے پر ابھرنے لگا' پھر وہ الماری کی جانب بڑھی اور کچھ تلاشنے لگی۔ رضا اسے نوٹ کرتا رہا۔ آواز پھر ابھری۔ دھیرے سے لیپ ٹاپ آف کرکے اٹھا اور باہر نکل گیا۔ صبا نے الماری کے دروازے سے سر لگا دیا اور آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔ رضا کی خاموشی نے دل کی شکستگی کو اور بڑھا دیا تھا۔

❀......❀......❀

صبح وہ سب چلے گئے' دانیال انہیں سی آف کرنے گیا تھا۔ رضا نے کوئی فیصلہ نہیں کیا' کچھ نہیں کہا' کتنی دیر تک خالی کمرے میں بیٹھی روتی رہی۔ اپنا کربناک مستقبل نظر آرہا تھا۔
''صبا...... صبا......'' گہری نیند میں اپنا نام سن کر چونک کر اٹھی۔ سامنے بھابی کھڑی تھیں۔

''جی......!'' ہاں سمیٹے۔

''میں دانیال کے ساتھ امی کی طرف جارہی ہوں' کچھ دن رہوں گی' تم نے بھی اگر اپنی امی کی طرف جانا ہے تو چلی جاؤ۔''

''نہیں مجھے کہیں نہیں جانا۔'' ایک خیال چھو کر گزرا۔

''امی فیصل آباد گئی ہوئی ہیں۔''

''پھر تم یہاں اکیلی......!'' تذبذب سے دیکھا۔

''ہاں میں رہ لوں گی۔ امی آئیں گی تو میں بتا دوں گی۔''

''چلو ٹھیک ہے' تم گیٹ بند رکھنا' ماسی روز آئے گی۔'' صبا بھی اٹھ کر ساتھ ہی آ گئی۔

کیا وہ اتنی بری بہو تھی' کیا واقعی وہ نا قابل برداشت تھی۔ پورا گھر خالی ہوگیا' سب چلے گئے۔ وہ اک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ سارا دن ادھر ادھر بیٹھ کر گزرا۔

شام ڈھلی' رات آئی' اندھیرا ڈرانے لگا۔ ساری لائٹس آن کر کے لاؤنج کا ٹی وی آن کر کے تمام دروازے بند کر لیے' اکیلے پن اور اندھیرے کی دہشت ہی بہت تھی' شکر ہے لائٹ نہیں گئی۔ سکڑی سمٹی بیٹھی اسکرین پر بھاگتی دوڑتی تصویریں دیکھتی رہی' سوتے جاگتے' جانے کیسے رات گزری۔ اذان کی آواز بلند ہوئی' ادھر ہی تخت پر نماز پڑھی اور ڈھے گئی۔

اعصاب شدید تھکن سے چور اور خوف زدہ تھے۔ پھر آنکھ کھلی تو دو بج رہے تھے' کتنی دیر ادھر ہی سمٹی رہی۔ بھوک نے ستایا تو اٹھی اور کچن کی جانب بڑھی۔

آنے والی ہر رات کا خوف اسے ڈراتا رہا' خود میں حوصلہ بڑھاتی رہی۔ اس طرح کتنے دن گزر گئے' کسی نے پلٹ کر پوچھا ہی نہیں گویا ان سب کا فیصلہ اٹل تھا کہ اسے نہیں رکھنا' اس کی معافی تلافی ان کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے رضا کو ایک میسج بھیج دیا۔

فارورڈ ٹیکس کے بعد اپنے لفظ بھیجنا شروع کر دیئے۔ مگر پتھر دل موم نہیں ہوا۔ آس وامید کے سارے دیئے بجھتے جارہے تھے۔ فکر کا منظر نامہ اس کے وجود میں کھلتا جارہا تھا۔

بے کیف دن وفکر انگیز راتیں' تکلیف دہ سوچیں اور اذیت ناک احساس......تنہائی۔ ایک ماہ گزر گیا۔ مستقل مزاجی سے اپنی زندگی کا فیصلہ سننے کی منتظر کھڑی رہی' ان لوگوں نے جانے کب آنا تھا۔ وقت کچھ اور آگے گزرنے لگا۔

مایوسی بڑھنے لگی۔ فکر' مایوسی' پژمردگی' اداسی اور اکیلے پن نے اسے کمزور کردیا' چہرہ انتہائی زرد' آنکھوں کے گرد حلقے اور ملگجا سا حلیہ۔

اچانک وہ سب لوگ واپس آئے اور اسے اتنے خستہ حال حلیے میں دیکھ کر حیران ہوئے۔ بڑی آس وامید سے اپنی جانب دیکھتے رضا کو دیکھا تھا۔ گھر کے در و دیوار سے رونق' خوشی' سرور جھلکنے لگا' لوگوں سے گھر بنتے ہیں مکینوں کے دل میں محبت نہ ہو تو مکان' مکان ہی رہتے ہیں۔

صبا دھیرے دھیرے کام کرتی سوچتی رہی۔ اسے خوشی ہورہی تھی' رضا پہلے سے بہت اچھا' صحت مند ہوگیا تھا۔ اس میں ہمت نہ ہورہی تھی رضا سے بات کرنے کی۔ معافی مانگ مانگ کر تھک گئی تھی' اب تو سزا پا جزا۔

''اسے جانے دیں امی میں نہیں رکھنا چاہتا اسے' اب زندگی میں سکون ہے۔'' اندر آتی صبا بیڈ روم کے دروازے کے باہر ہی رک گئی۔

''اور وہ بھی رکنا نہیں چاہتی۔ اسے عقل آ گئی ہے' بسنا چاہتی ہے وہ' اپنے دل کو بھی نرم کرلو۔''

''پھر سے چڑیل بننے کے لیے۔''

''تمہاری جو مرضی ہوگی ہم وہ کریں گے رضا' زبردستی نہیں ہے' تمہارا دل راضی ہے تو ٹھیک ہے نہیں تو نا سہی۔'' فاطمہ بیگم نے گویا فیصلہ سنا دیا۔ کمرے میں

خاموشی چھاگئی۔ وہ بھیگی نظریں چھپا کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔

اب...... دل کو یہ یقین دلانا تھا' بس چند دن مہمان ہے وہ یہاں۔ کچھ اس کے نصیب خراب تھے۔ ہر دعا رائیگاں ٹھہری تھی۔

❋......❋......❋

رضا نے سر اٹھا کر دانیال کو دیکھا اور پھر لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلانے لگا۔

"کوئی معافی مانگ رہا ہو تو معاف کر دینا چاہیے اتنے عرصے سے اس کی یہاں موجودگی اس بات کا ثبوت ہے' غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں' اسے صفائی کا موقع دو۔"

"ایک رشتہ ختم ہو رہا ہے تو ہونے دو۔" آرام سے کہا۔

"رضا...... ہمارے خاندان میں کبھی طلاق نہیں ہوئی۔"

"ہاں...... اسی خاندان میں پہلے کسی نے خلع بھی نہیں مانگی۔"

"بدلہ لو گے۔"

"بدلہ دوں گا۔" برجستہ کہا۔

'اف! بے عزت ہو کر نکلنے سے بہتر ہے کہ سر جھکا کر گناہوں' کی پوٹلی اٹھا کر نکل جاؤ...... نہ کفارے کا موقع ملے گا نا غلطیوں کا ازالہ ہوگا...... اپنے لیے خود ہی سزا کا انتخاب کر کے فیصلہ خود کو سنا ڈالا۔ اب تو صرف عمل کرنا تھا۔ اور عمل کرنے کے لیے حوصلہ جمع کرنا تھا۔

اندر دونوں بھائی اس کی زندگی کا فیصلہ کر رہے تھے آنسو ساکت تھے۔

سب نے عضو معطل سمجھ لیا تھا۔ پھر زبردستی کا کیا فائدہ...... اپنی چیزیں سمیٹ کر یہاں سے چلی جائے گی۔

امی کو سمجھا دے گی' امی میں نے بہت کوشش کی گرنے کی حد تک مگر میرا قصور بہت بڑا تھا۔ معافی نہیں مل سکی اور معاف آپ نے بھی نہیں کرنا۔ لاؤنج کے کونے میں' زمین پر صوفے سے ٹیک لگائے' گھٹنوں کے گرد بازو باندھے' خود میں ہمت و حوصلہ پیدا کرتی رہی۔

جب رضا کمرے سے نکلا...... اور پانی پی کر پلٹا' لاؤنج کا ٹیلی ویژن چل رہا تھا۔ بند کرنے کے خیال سے آگے بڑھا اور اسے کونے میں سمٹا دیکھ کر ٹھٹکا۔ وہ رو رہی تھی مگر اسے اس کا احساس نہیں تھا۔ سخت سردی تھی' مگر وہ لان کے سوٹ میں تھی' کسی بھی گرم کپڑے سے بے پروا...... کھڑا ہو کر اسے دیکھتا رہا۔

❋......❋......❋

بیگ میں اپنے کپڑے اور چیزیں سمیٹ لیں' جانا ہی ٹھہرا تھا قسمت میں۔ ایک آخری خط رضا کے نام لکھا۔

"مجھے معاف کر دینا' میں نے آپ کا دل جیتنے کی کوشش کی' ہر قصور کی معافی مانگی' مگر کچھ غلطیوں کا ازالہ ممکن ہوتا ہے اور نہ کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے میں آپ کی زندگی سے جا رہی ہوں اور......!

اور یہ کہ جب تم زندگی کی ضرورت بن گئی ہو تو چھوڑ کر جا رہی ہو۔" اس کے لفظ اس کے پیچھے سے ابھرے اور کاغذ اس کی انگلیوں سے کھنچتا چلا گیا' بے ساختہ پلٹی۔ رضا سنجیدگی سے چہ سب پڑھ رہا تھا۔

"آپ!"

"بس اتنا ہی صبر و حوصلہ تھا۔" سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ صبا سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"چکنا چور دل کو جڑنے میں دیر تو لگتی ہے' تم نے کون سا محبت کا پھاہا رکھا تھا۔"

"ر...... ضا......!" دل بھرانے لگا۔

"موقع کب دیا تھا مجھے کچھ کہنے کا۔"

"تم پلٹ آئیں تھیں مجھے علم ہو گیا تھا' مگر مجھے تم نہیں چاہیے تھیں' ایک محبت بھرا دل چاہیے تھا' خود

سپردگی والی محبت چاہیے تھی‘ میں ایک بار پھر اپنے گھر کا شیرازہ نہیں بکھرنے دینا چاہتا تھا‘ اس لیے تمہیں ہر فیصلے کا حق اور موقع دیا۔‘‘ اس کے سامنے بیٹھا۔
’’تم نے یہ فیصلہ کیا؟‘‘ کاغذ سامنے کیا۔
’’ایک دفعہ مجھ سے محبت کرکے تو دیکھتیں۔‘‘ صبا نے سر اٹھایا۔ آنسو چھلکنے لگے‘ اپنی بے چارگی پر۔ رضا آگے بڑھا اور اسے اپنے ساتھ لگالیا۔
’’اب کے پلٹی ہو تو تم میری ہوکر پلٹی ہو..... تم محبت بنو میں تمہیں اپنی خوش بو بنالوں گا..... تم خواب بنو میں تعبیر بن جاؤں گا۔‘‘
’’رضا.....‘‘ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ رضا دھیرے دھیرے اسے تھپکنے لگا‘ خود اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

بہت عرصہ ہوا تھا محبت سے ملے
بہت دن گزرے تھے عشق سے گلے ملے
پچھلی محبت کی سزا اگلی محبت کو نہیں ملنا چاہیے۔

محبت بار بار نہیں ہوتی اور جب ہوجائے تو بکھرتی نہیں ہے۔ کچھ غلطیاں اس کی بھی تھیں‘ اسے اپنی سابقہ محبت کا اس طرح بار بار ذکر کرکے اس کے نوخیز جذبوں کو نہیں کچلنا چاہیے تھا۔
’’جو ہوا‘ اسے بھولنا ہے اور زندگی کو از سر نو شروع کرنا ہے‘ محبت سے۔‘‘ رضا نے دھیرے سے جھک کر کہا۔ صبا اب بھی رو رہی تھی‘ اس کا سر اٹھا کر آنسو سمیٹے۔
’’آپ کا یہ فیصلہ دانیال بھائی‘ امی کی مجبوری کی وجہ سے تو نہیں۔‘‘ سنجیدگی سے پوچھا۔
’’ہیں..... تم ہماری باتیں سنتی ہو چھپ کر۔‘‘
’’نہیں وہ دراصل میں.....‘‘ وہ گھبرائی۔
’’میں تنہا‘ اکیلا‘ اداس‘ رہتے رہتے تھک گیا ہوں‘ مجھے میرا ہمنوا چاہیے صبا‘ بولو..... دوگی نا مجھے محبت‘ چاہت‘ اپنا پن۔‘‘ اتنا جذب‘ اتنی چاہت‘ اتنی محبت‘ صبا کو نہیں جھلسانے لگیں۔
رضا کی آواز سرگوشی بنی اور پھر..... خود سپردگی اس کا صبر‘ رضا کی رضا بن گیا تھا۔ کفارہ پھر ازالہ‘ خود بخود ہوگیا تھا۔
ایک شکر کی کیفیت وجود میں سرائیت کرگئی‘ انسان ٹھوکر کھا کر ہی سنبھلتا ہے۔
’’اب تم ہر دل عزیز بہو کا کردار ادا کرنا‘ ثابت قدمی اور میرے بعد امو جان اور امی کے دل میں اترنا۔‘‘ اس کا سر اٹھایا‘ آنسو خشک کیے۔
صبا کا وجود اندر تک شرمندہ تھا۔ اپنے لفظ‘ اپنی کوتاہیاں نظر آرہی تھیں‘ ان سب کا ازالہ کرنے کے لیے قسمت نے اسے ایک موقع فراہم کیا تھا اس کی ماں کی دعا نے اسے بچالیا تھا۔ ٹوٹنے سے بکھرنے سے۔ کیسے رضا پر ایمان نہ لاتی۔
اس کے مضبوط ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر بھرائے ہوئے دل‘ اور بھیگی برستی آنکھوں سے پر یقین سے انداز میں دیکھا۔
’’اور.....‘‘ رضا نے اس کا سر شانے سے لگالیا۔
’’اور میں بھی تمہیں پہلی محبت کی نظر سے دیکھوں گا۔‘‘
’’میں بھی آئندہ آپ سے نہیں لڑوں گی۔‘‘ دونوں اقرار کررہے تھے۔
اندر آتا دانیال باہر ہی رک گیا اور پھر جاکر سب کو آگاہ کیا۔ زندگی کا نیا سویرا ان کے آنگن کی منڈیروں پر اترنے لگا تھا جس میں یقین بھی تھا اور اعتماد بھی‘ محبت کی تو بات ہی الگ تھی۔

قبولیت

صبیحہ ثنا

عورت کی خواہشات بہت زیادہ نہیں ہوتیں مگر معمولی ضرور ہوتی ہیں۔ ایک گھر' محبت کرنے والا ہم سفر اور خوش حال زندگی جو وقت کے ساتھ اب خواب بن کر رہ گئی ہے۔ اب حالات اس قدر مشکل ہو گئے ہیں کہ عورت گھر کی چار دیواری سے لے کر مردوں کے درمیان کھڑی ہو کر بھی پیسے کی بھاگ دوڑ میں خود کو بھول گئی ہے۔ آسیہ بھی اپنے معاشی حالات سے تنگ آ کر گھر سے نوکری کی غرض سے نکلی تھی ایک تو ذہین اوپر سے قدرت نے اسے حسن سے بھی نوازا تھا اس لیے ہر مقام پر مردوں کے مختلف جملے سماعتوں سے ٹکراتے رہے۔

''آپ بہت خوب صورت ہیں...... آپ کس طرف جائیں گی...... میں بھی اسی طرف جا رہا ہوں آ جیے میں آپ کو چھوڑ دوں۔ دیکھیں میں کوئی ایسا ویسا لڑکا نہیں ہوں' مجھ سے دوستی کریں گی۔'' اس طرح کے کتنے ہی جملے وہ دن میں کتنی بار سنتی تھی اگر بیمار بوڑھی ماں کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ بھوکی مر جاتی لیکن گھر سے قدم باہر نہ نکالتی لیکن اماں کی دواؤں سے لے کر کھانے پینے کا خیال اسے چار دیواری سے باہر لے آیا تھا اوپر سے اکلوتی تھی ابا بھی کوئی سرکاری ملازم تو تھے نہیں جو گزارہ ہو جاتا۔ دو سال پہلے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں جب ابا کا انتقال ہوا تو انہی کے فرم میں معمولی سی جاب اسے مل گئی جہاں دنوں میں اس کی کارکردگی کی وجہ سے ترقی ہونے لگی۔ یہ وہ سمجھ رہی تھی لیکن جب ترقی کے پیچھے چھپی مالکان کی ہوس نظر آئی تو استعفیٰ دے کر دوسری نوکری کی تگ و دو شروع کر دی۔ ذہانت اور جاب کا تجربہ ہونے کے باعث تھوڑی مشکل سے اچھی جاب مل گئی تھی۔

آسیہ کمپیوٹر پر لیٹر ٹائپ کر رہی تھی کہ اچانک ہی موبائل فون کی مخصوص ٹون نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ لی۔ اس نے ایک نظر موبائل فون اسکرین پر روشن نمبر کو دیکھا پھر کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو......''

''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔''

''پوچھو گی نہیں کہ میں نے فون کیوں کیا؟''

''کوئی کام ہوگا۔''

''ہم بے مقصد فون کرتے ہیں۔'' وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا وہ خاموش رہی اور وہ اس کی خاموشی کو محسوس کر کے محبت کو اپنے لہجے میں سمو کر بولا۔

''آسی میں تم سے......''

''بس اب مجھے کوئی خواب دکھانے کی ضرورت نہیں۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر فوراً بولی۔

''آسیہ! میں کوئی خواب نہیں دکھا رہا' میں تم سے شادی کرنے کے لیے آ رہا ہوں۔''

''اچھا......'' اس نے اب بھی کوئی خاص تاثر نہیں دیا تو وہ اپنی بات پر زور دیتا ہوا بولا۔

''کل ہم شادی کی شاپنگ کریں گے۔''

''کل......؟''

''ہاں کل۔'' اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

آسیہ اور احسن کی گفتگو موبائل فون سے شروع ہوئی تھی' ایک رانگ نمبر نے آسیہ کو پہلے پریشان کیا پھر اپنی گفتگو کے سحر میں جکڑ لیا اور پہلی ملاقات میں وہ اس کی پرکشش پرسنلٹی سے متاثر ہو گئی تھی اس بات کو تقریباً دو سال کا عرصہ بیت چکا تھا اور پہلی ملاقات کے بعد جلدی شادی کے خواب دکھا کر لاہور چلا گیا۔ ایسا نہیں

تھا کہ اس نے رابطہ ہی ختم کردیا تھا ہر کال پر جلد آنے اور شادی کرنے کی بات کرتا تھا لیکن اب وہ اچانک اپنے کل آنے کی اطلاع دے رہا تھا۔ آسیہ سوچوں میں گم مسکرا رہی تھی۔ علی دروازے پر دستک دے کر اندر آیا تو اسے مسکراتا دیکھ کر وہیں رک گیا۔

"کیا بات ہے، بہت خوش نظر آرہی ہو؟"

"تم سے مطلب؟" وہ بے زاریت سے بولی نجانے کیوں آفس کے پہلے ہی دن سے اسے علی سے چڑ تھی جب کہ وہ کوئی برا شخص نہیں تھا یوں ہی کبھی کبھی اس سے بات کرلیا کرتا تھا وہ بھی شاید اس لیے کہ اسے آسیہ اپنی طرح حالات کی ماری ہوئی لگتی تھی۔

"میں نے تو ایسے ہی پوچھا تھا' چائے پئیں گی؟"

"نہیں شکریہ۔" وہ کہہ کر گھڑی پہ ٹائم دیکھتی ہوئی اپنی چیزیں سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور آفس سے نکل گئی' علی وہیں کھڑا اسے جاتا دیکھتا رہا۔

❁......❁......❁
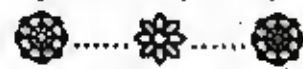
انسان کی پہلی محبت اس کی اپنی ذات سے ہوتی ہے اس کی بھوک پیاس اور اس کا دل جس کا وہ بہت خیال رکھتا ہے اور اگر اس کے مزاج کے خلاف ذرا سی بات ہوجائے تو انسان محفل میں بھی اداسی کی تصویر بنا رہتا ہے اس لیے نازک سے دل کو خوش رکھنے کی لیے ہزار جتن کرتا ہے اور دل بھی انا پرست چیز ہے جو صرف اپنا سوچتا ہے اسے اپنی محبت چاہیے جسے وہ چاہتا ہے۔ وہ بھی اسی شدت سے اس سے محبت کرے اور اگر کوئی دوسرا اس دل سے محبت کرے تو وہ قبول ہی نہیں کرتا یا سمجھتا نہیں ہے یا پھر اپنی محبت میں انا پرستی میں اندھا ہوجاتا ہے۔

آسیہ کا دل بھی ایسا ہی ہوگیا تھا اسے علی کی محبت نظر ہی نہیں آرہی تھی جو آفس کے پہلے دن سے ہی اسے پسند کرنے لگا تھا لیکن اظہارِ محبت میں نجانے کیوں دیر کررہا تھا یا پھر اس کے محتاط رویے سے خائف تھا۔ کچھ بھی تھا آسیہ اس کے دل کا حال جانتی تھی اور نہ ہی جاننا چاہتی تھی۔ اس کی اپنی دھڑکنیں احسن کی محبت کا راگ الاپتی تھیں یہ نہیں تھا کہ وہ پہلی نظر کی محبت کی قائل تھی احسن کی باتیں ہی ایسی تھیں جس نے اس کے معصوم دل کو اپنے جھوٹ کے جال میں پھانس لیا تھا۔ وہ سارے راستے احسن کو اور اس کی باتوں کو سوچتی ہوئی گھر آئی تھی لیکن گھر کے دروازے سے باہر نکلتی حاجرہ خالہ کو دیکھ کر وہ سلام کرنے رکی تھی کہ وہ فوراً ہی بولنے لگی۔

"آفس سے آرہی ہو۔"

"جی۔"

"روز اتنی دیر سے آتی ہو؟"

"نہیں بس آج ہی دیر ہوگئی۔" وہ جانتی تھی کہ حاجرہ خالہ امی کے کہنے پر پھر کوئی رشتہ لے کر آئی ہوں گی اس لیے ان کے سوالوں سے جز بز ہورہی تھی۔

''کل گھر پر رہنا' لڑکے والے تمہیں دیکھنے آ رہے ہیں۔'' وہ گھر میں داخل ہوئی تو پیچھے سے حاجرہ خالہ نے قدرے اونچی آواز میں کہا تھا دل تو چاہا پلٹ کر کہہ دے کہ اب ضرورت نہیں ہے۔ خالہ میں جس کے انتظار میں تھی وہ کل مجھ سے شادی کرنے کے لیے آ رہا ہے مگر ضبط کرتی چپ کی چادر اوڑھے کمرے میں آ کر اپنے پیروں کو سینڈل سے آزاد کرتی کمر سیدھی کرنے کی غرض سے بیڈ پر لیٹی تھی۔ جب ہی کچھ دیر بعد امی کمرے میں آئیں تو اسے لیٹے دیکھ کر فوراً بولیں۔

''تھک گئی ہو؟''

''نہیں' یونہی کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹی تھی آفس میں مسلسل بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ جاتی ہے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''ہاں۔'' امی نے گہری سانس لی۔ ''لڑکا پڑھا لکھا ہونے کے ساتھ ایک کمپنی میں جاب کرتا ہے معقول تنخواہ ہے اور اکلوتا ہے۔''

''لیکن امی......'' وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ امی نے ٹوک دیا۔

''دیکھو آسیہ! میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اس لیے میں چاہتی ہوں کہ اپنی زندگی میں تمہاری شادی کردوں۔''

''ایسا کیوں کہتی ہیں امی! ہوسکتا ہے آپ سے پہلے میں مر جاؤں۔''

''فضول باتیں مت کرو آسیہ! نجانے کون سا وقت قبولیت کا ہو کچھ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔'' امی غصے سے کہہ کر اٹھ گئی تھیں جب کہ وہ یونہی بیٹھی سوچنے لگی تھی کہ کس طرح امی کو احسن کے بارے میں بتائے اور ان کو اس کے لیے قائل کرے گو کہ اتنا تو وہ جانتی تھی کہ امی احسن سے مل کر مطمئن ضرور ہو جائیں گی مگر ابھی مسئلہ انہیں بتانے کا تھا۔ تا کہ وہ کل آنے والے رشتے کو کوئی معقول جواز پیش کر کے ٹال دیں اور یہی سوچ کر وہ کمرے سے نکل کر کچن میں ان کے پاس آئی تھی امی سالن گرم کرنے کے ساتھ روٹی پکا رہی تھیں۔

''نہیں' میں پکاتی ہوں۔'' وہ ان کے ہاتھ سے آٹے کا پیڑا لے کر خود روٹی بیلنے لگی تو امی سنک پر رکھے چائے کے کپ دھونے لگیں۔

''حاجرہ بتا رہی تھی لڑکے کی فیملی بہت بڑی نہیں ہے' بس ایک پھوپی ہیں جو ساتھ رہتی ہیں۔''

''پھوپی کے اپنے بچے نہیں ہیں؟''

''نہیں۔'' امی کپ ریک میں رکھ کر تاسف سے کہنے لگیں۔

''اس بے چاری کی تو شادی ہی نہیں ہوئی۔'' وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر توے سے روٹی اتار کر ہاٹ پاٹ میں رکھتی ہوئی بولی۔

''امی مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا ہے۔''

''دیکھو آسیہ! شادی نہ کرنے کے علاوہ کوئی بات کرنی ہے تو بے شک کرو۔'' امی نے ہاتھ اٹھا کر فیصلہ کن انداز میں کہا تو وہ کچن کے شیلف پر پھیلے آٹے کو صاف کرتی ہوئی ذہن میں الفاظ کو ترتیب دیتی کہنے لگی۔

''بات تو شادی کے حوالے سے ہی ہے مگر......''

''مگر کیا؟'' امی اس کے خاموش ہوتے ہی فوراً بولیں۔

''مگر یہ کہ میں کسی کو پسند کرتی ہوں۔''

''کیا......؟'' امی اچنبھے میں گھری اسے دیکھ کر سوچنے لگیں کہ ان کی تربیت میں کہاں کمی رہ گئی۔

''کون ہے وہ؟'' انہیں اپنی ہی آواز کسی گہری کھائی میں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

''احسن...... ایک کمپنی میں اچھی پوسٹ پر ہے۔'' وہ امی کو اس کا نام بتانے کے ساتھ اس کے بارے میں اپنی معلومات کے حساب سے بتانے لگی جو احسن نے اسے اپنے بارے میں بتائی تھیں۔

''ایک سال سے تم اس کو جانتی ہو اور مجھے اب بتا

رہی ہو۔'' امی کے لہجے میں دکھ کے ساتھ آنسوؤں کی آمیزش شامل ہوگئی تو وہ نظریں چرا گئی۔

''میری تربیت میں کہیں کمی رہ گئی تھی یا......''

''ایسا تو نہ کہیں امی!'' وہ تڑپ کر بولی۔

''پھر کیا کہوں؟''

''آپ ایک بار اس سے مل لیں امی!'' اس نے منت سے کہا۔ تو وہ افسردہ سے لہجے میں کہنے لگیں۔

''ملنا پڑے گا بیٹا ورنہ ایک سال میں جو ہوا ہے اس سے آگے کا منظر سوچ کر خوف زدہ ہو جاتی ہوں۔'' امی کہہ کر کچن سے نکل گئیں تو وہ ان کے پیچھے ان کے کہے گئے لفظوں کو محسوس کر کے کانپ گئی۔

اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا' سچے دل سے محبت کی تھی اور امی نجانے کیا سمجھنے لگی تھیں۔ وہ مزید امی سے تو کچھ نہیں کہہ پائی لیکن اپنے اندر یہ طے کر چکی تھی کہ اگر امی کو احسن پسند نہیں آیا تو وہ جہاں کہیں گی وہ وہاں شادی کر لے گی۔

❁......❁......❁
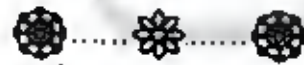
اس نے اپنی باتوں سے امی کو قائل کر لیا تھا اور اب وہ احسن سے ملنے کے لیے رضا مند تھیں جب ہی وہ آفس کے تمام کام جلدی جلدی نمٹا رہی تھی تاکہ آج ہی احسن کو امی سے ملوا کر آگے کا لائحہ عمل ترتیب دے سکے۔ وہ خوش تھی اور خوشی میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا کہ کب آدھا دن گزر گیا۔ لنچ کے وقت علی نے آکر دروازے پر دستک دی تو وہ یونہی سر اٹھا کر دیکھنے لگی اور علی کو سامنے دیکھ کر اس کے چہرے پر ہمیشہ والی بے زاری نہیں آئی تھی بلکہ ہلکی سی مسکراہٹ آکر ٹھہر گئی تھی۔

''میں نے سوچا کہ آپ کو لنچ ٹائم کا بتا دوں۔'' علی نے کہا تو وہ چونک کر گھڑی دیکھنے لگی۔

''ارے اتنا وقت ہوگیا اور پتا بھی نہیں چلا۔'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پہلے پی سی شٹ ڈاؤن کیا پھر قدم دروازے کی طرف

بڑھاتے ہوئے بولی۔
''چلیں۔''
''جی۔'' علی اس کے ساتھ چلتا ہوا کینٹین کی طرف آیا تھا۔ ''آج آپ میرے ساتھ لنچ کریں۔'' علی نے کہا تو وہ کندھے اچکا کر رہ گئی پھر کارنر کی ٹیبل پر وہ اس کے سامنے آ بیٹھی۔
''آپ کی فیملی میں کون کون ہے؟'' علی نے یونہی بات کرنے کی غرض سے پوچھا تو وہ یونہی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر کہنے لگی۔
''میں اور امی ہیں بس' ابو کی کچھ عرصہ پہلے ڈیتھ ہوگئی بھائی وغیرہ کوئی نہیں' مختصر سی فیملی ہے بس۔'' آخر میں وہ افسردہ سی ہوکر مسکرائی۔
''آئی ایم سوری' آپ کے والد کا افسوس ہوا۔'' علی نے کہا تو وہ فوراً کچھ نہیں بولی بس یونہی اِدھر اُدھر دیکھنے لگی شاید وہ وقت گزارنا چاہتی تھی اس لیے علی کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی تھی ورنہ وہ اسے ذرا بھی پسند نہیں تھا۔
''کیسے ہوئی تھی' آپ کے فادر کی ڈیتھ؟'' علی نے خاموشی کو توڑا۔
''وقت پورا ہوگیا تھا باقی سب تو بہانہ ہوتا ہے۔'' وہ کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔ ''اور اب تو مجھے لگتا ہے جیسے میرے پاس بھی کم وقت ہے۔''
''پلیز اچھی بات کریں نجانے کون سا وقت قبولیت کا ہو۔'' وہ کچھ نہیں بولی اور جلدی جلدی لنچ کرتی اٹھ کھڑی ہوئی تو علی حیران ہوکر اسے دیکھنے لگا۔
''دیر ہورہی ہے کام بہت ہے۔'' وہ کہہ کر اس سے پہلے ہی کینٹین سے نکل آ گئی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا جو اس نے علی کے ساتھ اتنا وقت گزارا تھا اور علی اندر ہی اندر حیران بھی ہوا تھا۔

❀......❀......❀

آفس ٹائم ختم ہوتے ہی وہ احسن کو لینے ایئر پورٹ پہنچی تھی وہ پہلے ہی ایئر پورٹ کے باہر کھڑا اس کا انتظار کررہا تھا اور دور سے آسیہ کو دیکھ کر اس کی طرف آیا تھا۔
''ہمیشہ کی طرح تم اب بھی اپنا سامان نہیں لائے۔''
''ہاں کیونکہ میرا یہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں۔''
''اور شادی؟'' وہ رک کر اسے دیکھنے لگی تو وہ اپنے مخصوص انداز میں بولا۔
''شادی تو میں تم سے ہی کروں گا اور شادی کے بعد ہم لاہور چلے جائیں گے۔''
''دیکھو احسن! اب میں کسی جھانسے میں نہیں آؤں گی کیونکہ میں امی کو اب تمہارے بارے میں بتا چکی ہوں اور اب تم ان سے مل کر شادی کا کوئی بھی دن اور تاریخ مقرر کرلو۔''
''امی سے ملنے کی کیا ضرورت ہے تم فون پر بات کروا دو۔'' اس کا انداز ٹالنے والا تھا جسے وہ محسوس کر کے بُرا مانتے ہوئے بولی۔
''یہ کوئی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہے۔''
''میں مذاق کررہا تھا۔'' وہ سنجیدہ ہوتا ہوا بولا۔ ''جیسا تم کہو گی ویسا ہی سب کچھ ہوگا' پہلے کچھ کھلا دو' بہت بھوک لگ رہی ہے ایمان سے صبح سے تم سے ملنے کی خوشی میں کچھ نہیں کھایا۔''
''جھوٹ ذرا کم بولو۔'' وہ ہنستی ہوئی بولی اور اس کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھ کر ساحل سمندر کے قریب ایک ریسٹوران میں آ بیٹھی تھی۔ سورج زمین سے اپنی کرنیں سمیٹ کر مغرب میں غروب ہونے کو تھا دن بھر کی جھلسا دینے والی گرمی کے بعد اب قدرے ٹھنڈی ہوا چلنے لگی تھی۔
''تم نے کیا سوچا ہے' میرا مطلب شادی کے حوالے سے تمہارے کیا خواب ہیں؟''
''جو ہر لڑکی کا خواب ہے وہی میرا ہے' بابل کے آنگن سے رخصت ہوکر پیا کے من کو بھاؤں اور اس

کے آنگن کو خوشیوں سے سجاؤں۔''

''پیا کے من کو تو تم بھا چکی ہو بس میرے آنگن کو خوشیوں سے سجانا ہے۔'' وہ شرارت سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

''دیکھو احسن! امی کے سوا میرا کوئی نہیں ہے اس لیے شادی کے بعد وہ میرے ساتھ ہی رہیں گی۔'' وہ سنجیدہ ہو کر بولی۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کیونکہ میرے آگے پیچھے بھی کوئی نہیں ہے اور تمہاری امی کو میں بالکل اپنی ماں کی طرح رکھوں گا۔'' احسن کی بات نے اسے عجیب سا سکون بخشا تھا اسے اپنے انتخاب پر بھروسہ محبت اور خوش گوار زندگی کی نوید کے ساتھ فخر بھی تھا اس لیے اس کے دل میں ذرا بھی شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی کہ احسن اسے دھوکہ بھی دے سکتا ہے۔

''شاپنگ پر چلتے ہیں تاکہ ہم شادی کی کچھ خریداری کرسکیں۔'' وہ چائے کا خالی کپ میز پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''امی سے مل کر میں اسی ہفتہ کی کوئی تاریخ رکھوں گا۔'' اپنی بات کے آخر میں اس نے مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ شرما کر نظریں چرا گئی تھی۔

❁……❁……❁
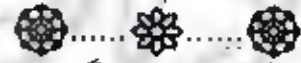
شاپنگ کے بعد احسن اسے گھر سے ذرا فاصلے پر چھوڑ کر شاپنگ کی چیزیں اپنے ساتھ لیے دوست سے ملنے کا کہتا ہوا چلا گیا تھا وہ بہت تھک کر گھر لوٹی تھی۔ امی بہت بے چینی سے اس کا انتظار کررہی تھیں اسے دیکھتے ہی اس کی طرف آئی تھیں۔

''کہاں رہ گئی تھیں اتنی دیر؟''

''شاپنگ میں دیر ہوگئی۔''

''مگر تمہارے ہاتھ تو خالی ہیں۔''

''ہاں شاپنگ کی چیزیں احسن اپنے ساتھ لے گیا ہے۔'' وہ کمرے میں آکر پنکھا فل اسپیڈ سے آن کرتی بیڈ پر بیٹھ کر اپنے پیروں کو سینڈل سے آزاد کرتی ہوئی امی کو دیکھنے لگی جو سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''وہ تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟''

تمہیں قیامت کی کیا خبر

تمہیں قیامت کی کیا خبر
ہم پر ٹوٹی ہے یہ قیامت
ہم پر گزری ہے یہ قیامت
ہم نے دیکھی ہے یہ قیامت
لمحوں کی یہ قیامت……

صدیوں پر محیط
تم نے دیکھا ہے کبھی
تم نے سوچا ہے کبھی
دھماکے سے مرتے لوگوں کو
چیختی ماؤں کو
روتی بلکتی بہنوں کو
بے شناخت لاشوں کو
فضا میں پھیلے چیتھڑوں کو
بے گناہ خون سے رنگی زمینوں کو
ہم پر ٹوٹی ہے یہ قیامت……
تم نے سوچا ہے کبھی
ننھے بچوں کا ہاتھ تھامے
نماز پڑھنے گئے تھے وہ
مگر خون میں نہا کے آئے
سفید کپڑے لہو رنگ لائے
تم پر ٹوٹی یہ قیامت……؟
تم پر گزری یہ قیامت……؟
تم نے دیکھی یہ قیامت……؟
نہ جانتے ہو تم ابھی
نہ جانو گے تم کبھی
یہاں تو ہے بس بے بسی
یہاں تو ہے بس بے حسی

ثوبیہ بلال صبح……ظاہر پیر

''کل آئے گا آپ سے ملنے۔''

''وہ کل کبھی نہیں آئے گی آسیہ!'' امی نے دکھ سے کہا۔ ''تم مردوں کو نہیں جانتیں کس طرح جھوٹی محبت کی آس میں عورت کے جذبات سے کھیلتے ہیں۔''

''احسن ایسا نہیں ہے۔'' اس نے اعتماد سے کہا۔ ''کل وہ خود آپ سے شادی کی تاریخ لے کر جائے گا ورنہ......'' وہ بات ادھوری چھوڑ کر امی کو دیکھنے لگی جو اس کے ورنہ سے خوف زدہ ہوگئی تھیں کیونکہ جانتی تھیں کہ وہ کتنی خودسر وضدی ہے بچپن سے لے کر اب تک اس نے اپنی ضد سے ہر چیز حاصل کرنے کے ساتھ اپنی جائز و ناجائز بات بھی منوائی تھی لیکن اس کے ساتھ وہ بہت زیادہ حساس بھی تھی اس لیے امی چاہتی تھیں کہ اس کے دل پر کوئی چوٹ نہ لگے ورنہ پھر وہ ضد میں آکر کبھی شادی نہیں کرے گی۔

''آپ بے فکر رہیں امی اور احسن کی طرف سے کسی بھی غلط بات کو اپنے دل میں گھر کرنے مت دیں وہ بہت اچھا ہے کل جب آپ اس سے ملیں گی تو آپ کے تمام خدشات دور ہوجائیں گے۔'' وہ امی کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر تسلی بخش انداز میں بولی۔

''میں کل نوکری سے استعفیٰ دے کر اسے اپنے ساتھ گھر لے کر آؤں گی۔ بس کل کا ہی دن ہے پھر خوشیاں ہماری منتظر ہیں۔'' وہ کہہ کر دونوں ہاتھ پھیلا کر بیڈ پر گر گئی تھی۔

❁......❁......❁

وہ احسن کے حوالے سے کئی خواب سجا کر مطمئن اور خوش تھی اس کے دل کی ہر دھڑکن احسن کے نام کا راگ الاپ رہی تھی احسن نے اپنی باتوں کا سحر اس پر ایسا پھونکا تھا کہ اس کے حوالے سے آسیہ کے دل و دماغ میں کوئی منفی بات نہیں آرہی تھی بلکہ اس کا پور پور اس کی محبت میں جکڑا ہوا تھا۔ وہ باس کو استعفیٰ دے کر اپنی سیٹ پر آکر چیزیں سمیٹ رہی تھی کہ اچانک علی دستک دیے بغیر روم میں داخل ہوا تو وہ اسے دیکھنے لگی اس کے ہاتھ میں سرخ گلاب تھا۔

''آپ بہت خوش نظر آرہی ہیں۔'' وہ گلاب اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ''یہ آپ کے لیے۔''

''شکریہ! اصل میں میں جاب چھوڑ رہی ہوں۔''

''کیوں؟'' علی کے دل پر جیسے گھونسا پڑا تھا۔ ''میرا مطلب ہے، کہیں اور جاب مل گئی ہے کیا؟''

''نہیں میری شادی ہے۔'' اس نے نادانستگی میں علی کے دل پر بجلی گرائی تھی، وہ کتنی دیر گم صم سے انداز میں کھڑا اسے دیکھتا رہا جب کہ وہ اس کی حالت سے بے خبر اسے احسن کے حوالے سے بتا کر شادی میں آنے کی دعوت بھی دے رہی تھی جبکہ علی آج اپنی تمام ہمت یکجا کر کے اسے پرپوز کرنے آیا تھا مگر آگے اسے کسی اور کی محبت میں سرشار دیکھ کر پلٹ گیا تھا بغیر کسی آواز کے۔

''تم آؤ گے ناں؟'' اس نے پھول پر سے نظر ہٹا کر دروازے کی طرف دیکھا تھا جہاں کچھ دیر پہلے علی کھڑا تھا لیکن اب وہاں کوئی نہیں تھا۔ اسے ایک لمحے کو حیرت تو ہوئی مگر پھر وہ سر جھٹک کر آفس سے نکل آئی تھی۔

❁......❁......❁

انسان ایسا ہی ہے جب اپنی خوشی مکمل ہونے جارہی ہو تو پھر اسے کچھ نظر نہیں آتا نہ کسی کا دکھ نہ کسی کے لہجے میں چھپی محبت بس اپنا آپ اپنی ہی نظر میں معتبر ہوجاتا ہے اور یہی حال آسیہ کا بھی تھا۔ وہ آفس سے نکل کر سیدھا جیولری شاپ پر چلی آئی تاکہ جمع کیے ہوئے روپے سے وہ اچھا سا سیٹ لے سکے۔ وہ دکان سے باہر نکلی تو ٹھٹک کر وہیں رک گئی قدم مزید ساتھ دینے سے عاری تھے۔ سامنے کا منظر کوئی خواب نہیں حقیقت پر مبنی تھا لیکن وہ اپنے دل کو کیسے سمجھاتی کہ احسن اس کا نہیں۔ وہ کسی دوسری خاتون کے ساتھ کھڑا اسے شاپنگ کروا رہا تھا اب شاید حقیقت سے پردہ اٹھنے کا وقت آگیا تھا۔ اسی لیے وہ احسن کے پیچھے چلنے

لگی آخر جہاں قدم رکے وہ ایک خستہ حال علاقے میں جدید طرز پر بنا فلیٹ تھا وہ احسن کے پیچھے سیڑھیاں چڑھتی سیکنڈ فلور تک آئی اور تھوڑا چھپ کر کھڑی ہوگئی۔

''ہیلو پاپا!'' دو تین بیل کے بعد دروازہ کھلنے کے ساتھ ایک لڑکی کی آواز آئی تو آسیہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور اس اندھیرے میں اسے احسن کی آواز سنائی دی تھی۔

''میں کوئی ٹین ایج نہیں ہوں جو لڑکیوں سے دوستی اور انہیں فون کرنا مشغلہ ہو۔'' یہ بات اس نے دوسری بار کال کرنے پر کہی تھی۔ آسیہ نے سر جھکا لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا سراپا نظروں میں گھوم گیا۔ احسن پچپن ساٹھ سال کا وجیہہ شخصیت کا مالک تھا اس نے اپنی گفتگو سے آسیہ کو اس قدر متاثر کیا تھا کہ عمر کا فرق اس نے یکسر نظرانداز کردیا اور پھر احسن نے خود بھی اسے کبھی نہیں ٹوکا تھا لیکن اس وقت اسے اپنی غلطی کا احساس ہورہا تھا کہ وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی دل ہار گئی تھی۔

''مرد کے لیے محبت کوئی معنی نہیں رکھتی۔'' اس کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے۔ ''وہ محبت کے احساسات سے عاری ہوتا ہے اور عورت محبت کے احساسات سے ہی گندھی ہے اس لیے مرد جھوٹی محبت کے دام میں اس کو پھانستا ہے اور عورت سب کچھ قربان کردیتی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو آکر ٹھہر گئے کہ اچانک اس لڑکی کی پھر آواز ابھری تھی۔

''پاپا! آپ میرے لیے کیا لائے؟''

''سرخ جوڑا۔'' احسن کی آواز کے ساتھ ہی اسے ایسا لگا جیسے سب کچھ گھوم رہا ہو کل ہی تو اس نے احسن کے ساتھ شادی کے لیے سرخ لباس لیا تھا اس نے دیوار تھام کر آگے بڑھ کر اس سرخ جوڑے کو دیکھنے کی ناکام کوشش کی۔

''آپ اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی کے لیے صرف سرخ جوڑا لے کر آئے ہیں بس۔'' وہ نروٹھے پن سے بولی جس پر اسے احسن کا جاندار قہقہہ سنائی دیا تھا۔

''ایسا ہوسکتا ہے بیٹا کہ میں صرف سوٹ ہی لاؤں میں نقد بھی لایا ہوں تاکہ ہم شادی کی مزید شاپنگ کرسکیں۔'' کل ہی ہال بک کروانے سے لے کر شادی کی شاپنگ کے لیے آسیہ نے اس کے ہاتھ پر اپنی تمام جمع پونجی رکھی تھی اور اب وہ بالکل ہی خالی ہاتھ اور خالی دل تھی۔ اس کی امید اس کا محبت سے بھرا دل سب کچھ ہی تو ٹوٹ گیا تھا۔ وہ جو کل تک محبت سے سرشار ہوئی آسمان کی بلندیوں کو چھو رہی تھی اب ایک دم ہی زمین پر آگری تھی۔ اس نے بند ہوتی آنکھوں سے احسن کو اپنی بیٹی کے ساتھ فلیٹ سے نکلتے دیکھا تھا' ساتھ ہی اس کی مدھم سی آواز سماعت سے ٹکرائی تھی۔

''بیٹا...... منہ سے اچھی بات نکالا کرو' نجانے کون سا وقت قبولیت کا ہو۔''

عزت دوبارہ نہیں ملتی

علم' دولت اور عزت تینوں دوست تھے ایک مرتبہ ان کے بچھڑنے کا وقت آ گیا۔ علم نے کہا' مجھے درس گاہوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔

دولت نے کہا'' مجھے امراء اور بادشاہوں کے محلات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔''

عزت خاموش رہی' علم اور دولت نے عزت سے پوچھا اور اس کی خاموشی کی وجہ بھی پوچھی تو عزت نے آہ بھرتے ہوئے کہنے لگی۔

''جب میں کسی سے بچھڑ جاتی ہوں تو دوبارہ نہیں ملتی۔''

جویریہ ضیاء...... ملیر کراچی

اپنے کمرے میں آرام سے بیٹھی ٹیلی ویژن پر پروگرام دیکھ رہی تھی کہ اچانک میرا دو سال کا پوتا دروازے سے داخل ہوا اور اپنی توتلی زبان میں دادو دادو کہنے لگا۔ میں نے بھی پیار سے بازوؤں کو پھیلایا اور وہ دوڑ کر میرے پاس آ گیا۔ اصل میں وہ ہے ہی اتنا پیارا کہ کوئی بھی راہ چلتا اس سے پیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اتنے میں میری بہو کمرے میں داخل ہوئی اور شجی کو اٹھانے لگی۔

”کیوں دادو کو تنگ کر رہے ہو؟“ میں نے اسے منع کیا اور کہا۔

”رہنے دو بہو ویسے بھی میں فارغ بیٹھی ہوں یہ میرے پاس کھیل رہا ہے۔ تم نے کوئی کام کرنا ہے تو کر لو۔“ لیکن وہ منہ بنا کر بولی۔

”یہ اس کے سونے کا ٹائم ہے اس طرح اس کی عادتیں خراب ہو جائیں گی۔“ وہ اسے زبردستی اٹھا کر لے گئی اور شجی کی رونے کی آوازوں نے میرا جی خراب کر دیا۔

میری بہو ویسے ہی مزاج دار تھی پل میں تولہ پل میں ماشہ...... جاتے ہوئے وہ دروازہ بند کر گئی اور میں سوچ میں پڑ گئی کہ کیا میں اس کو نہیں سلا سکتی تھی لیکن یہ میری بہو کی عادت ہے کہ وہ اپنے کام میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتی بلکہ اب تو کوئی بھی اپنے کام میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا خواہ اس میں ان کا بھلا ہی کیوں نہ ہو۔ میں زیادہ تر فارغ ہی ہوتی ہوں اگر کچن میں جا کر کوئی کام کروں تو وہ منع تو نہیں کرتی لیکن اپنے رویے سے ناپسندیدگی کا اظہار ضرور کر دیتی ہے یا شاید مجھے ایسا محسوس ہوتا۔

”امی آپ آرام کریں‘ برتن صحیح صاف نہیں ہیں۔“ دوبارہ دھونے لگ جاتی‘ کبھی شوق میں کھانا بنا دو تو فوراً بولتی۔ ”امی آپ بہت مرچیں ڈالتی ہیں شجی اور احسن تو کھا ہی نہیں سکیں گے۔ اب مجھے دوبارہ کچھ پکانا پڑے گا۔“ حالانکہ میرا بیٹا میرے ہاتھ کے بنے کھانے بہت شوق سے کھاتا جونہی سالن چکھتا تو فوراً بولتا۔

”آج کھانا میری ماں نے پکایا ہے۔ آج تو میں نے بہت کھا لیا بیگم تھوڑی ڈاک نہ ہو جائے۔“ جواب میں وہ خاموش ہو جاتی‘ ویسے بھی خاندان بھر میں میرے کھانے مشہور تھے لیکن شاید وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی پسند اور ذائقہ بدل گیا تھا۔

آہستہ آہستہ میرا کچن میں جانا بھی بند ہو گیا اور میں اپنے کمرے تک محدود ہو گئی۔ نماز پڑھنے اور ٹیلی ویژن دیکھنے کے علاوہ میرا گھر میں کوئی خاص کام نہیں تھا۔ سب خاندان محلے میں یہ مشہور تھا کہ بہو تو زہرہ خاتون جیسی کیسے ساس کو شہزادیوں کی طرح بیڈ پر بٹھا رکھا ہے حالانکہ میں بالکل صحت مند ہوں کیونکہ چھوٹی عمر میں شادی اور پھر چھوٹی ہی عمر میں ماں بننا اور پھر اپنے بچوں کی شادیاں بھی جلدی جلدی کر دینا حالانکہ شجی کو دیکھ کر کوئی وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ میں اس کی دادی ہوں کیونکہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے کوئی ایسی بیماری بھی نہیں ہے۔ میرے پاس فرصت ہی فرصت ہے وہی فرصت جس کی میں کبھی رات دن دہائی دیتی تھی۔

میں نے متوسط طبقے میں آنکھ کھولی تو اپنے پاس چار بھائی اور تین بہنوں کو پایا۔ میرے والد صاحب جنگلات میں فارسٹر تھے اور خوب صورت تھے۔ میری امی بھی خوب صورت خاتون تھیں کیونکہ ہم لوگ کشمیری تھے اس لیے خوب صورتی میں ایک سے بڑھ کر ایک۔ ہمارا گھر کھلا صحن والا اور باہر کافی پھل دار درخت تھے۔ آزاد فضاؤں میں رہنے سے میرا رنگ روپ کھل گیا تھا۔ میرے سب بہن بھائی پڑھ رہے تھے لیکن مجھے پڑھنے کا کوئی خاص شوق نہ تھا‘ میرے سب بہن بھائی اونچے لمبے لیکن میرا قد درمیانہ رہا مگر میں خوب صورتی میں سب سے آگے تھی۔ سادہ زمانہ تھا کسی بھی بناوٹ سے پاک ہمارے گھر سے تھوڑا سا آگے دریا بہتا تھا جس کا رنگ اپنے نام ہی کی طرح تھا

(نیلم) ٹھنڈا ایسا کہ گرمی میں بھی قلفی جم جائے۔ ہم سب محلے والے دریا پر اکٹھے کپڑے دھونے جاتے اور ساتھ میں گپ شپ بھی کرتے۔

ہمارے گھر کے حالات اچھے تھے' میری ماں کہتی تھی کہ میری بیٹی کو بیاہنے کوئی شہزادہ آئے گا کیونکہ میں اب بڑی ہوگئی تھی۔ اب میں اس شہزادے کے انتظار میں تھی کہ ہمارے گھر میں مختلف لوگوں کا آنا جانا شروع ہوگیا اور مجھے پتا بھی نہ چلا کہ میرے والدین نے میرے لیے رشتہ پسند کرلیا کیونکہ اس زمانے میں والدین ہی سب کچھ طے کرتے تھے چٹ منگنی اور پٹ بیاہ ہوکر میں مظفرآباد سے بیاہ کر شہر اٹک آگئی۔ یہ گھر ہمارے گھر سے بہت مختلف تھا کہاں ہمارے کھلے صحن والے گھر اور کہاں یہ ہندوؤں کے زمانے کے بند گھر' کہاں ہماری طرف ہریالی ہی ہریالی اور کہاں یہاں دیکھنے کو ایک سبز پتہ بھی نہیں لیکن شاید میرے گھر والوں کو احمد کی شرافت پسند آگئی اس وقت رشتے شرافت دیکھ کر ہی طے کیے جاتے تھے۔

میں دلہن بن کر بہت خوب صورت لگ رہی تھی سب نے میری تعریف کی لیکن جب میں نے کمرے میں اپنے مجازی خدا کو دیکھا تو مبہوت رہ گئی' وہ تھے ہی اتنے خوب صورت کہ مجھے دیکھتے ہی ان سے عشق ہوگیا۔ سارے محلے میں مشہور ہوگیا احمد اپنے مقابلے کی دلہن لایا ہے۔ میرے خوب ناز ونخرے اٹھائے گئے میں بھی اپنے اوپر نازاں تھی۔ ساس' سسر' دیور' نند سب مجھ سے پیار کرتے کیونکہ میں گھر کی بڑی بہو تھی' اس لیے آہستہ آہستہ مجھ پر ذمہ داری ڈال دی گئی۔ وقت کا کام ہے گزرنا سو گزر گیا'

اللہ نے مجھے چار بچے دیئے اس دوران وقفے وقفے سے میرے ساس سسر بھی وفات پاگئے اور نند اور دیور کی بھی شادی ہوگئی۔ دیور کی سرکاری نوکری تھی اور اس کو سرکار کی طرف سے گھر بھی مل گیا وہ لوگ وہاں شفٹ ہوگئے لیکن ان کے ساتھ تعلقات اچھے رہے۔

میں چار بچوں میں گھن چکر بن گئی' صبح اٹھتی نماز سے فارغ ہوکر بچوں کے لیے ناشتا اور اسکول کے لیے لنچ تیار کرکے ان کو بھیجتی اور پھر سارا دن کاموں میں جت جاتی کیونکہ احمد کی آمدنی اتنی نہیں تھی کہ میں اپنے لیے کوئی ملازمہ وغیرہ رکھتی۔ ہر وقت کام بچوں کو پڑھانا ان کی فرمائشیں پوری کرتے رہنے سے اب میں بہت چڑچڑی ہوگئی نہ وہ رنگ روپ رہا نہ وہ سراپا کیونکہ بچوں کی پیدائش کے بعد میں کافی بے ڈول ہوگئی تھی اگر کوئی چیز نہیں بدلی تو وہ احمد کا پیار تھا جو اب بھی مجھے اسی دیوانگی سے چاہتا تھا جب اس نے پہلی بار مجھے دلہن بنے دیکھا تھا' جب بھی وہ مجھے اپنے پاس بلاتا تو میں کام کا رونا روتی۔

''اتنا کام پڑا ہے اور آپ کو چونچلوں سے فرصت نہیں۔'' تو وہ ہنستا اور کہتا۔

''چھوڑو کام کو' دو گھڑی میرے پاس بھی بیٹھو۔'' تو میں اسے گھور کر رہ جاتی اگر کبھی موڈ میں ہوتا تو کہتا۔

''چھوڑو کام میں بعد میں کروا دوں گا۔'' میں نہ مانتی۔ رات کو جب ہم سب کھانا کھانے بیٹھتے تو بچوں کا شور شرابہ ہوتا۔

''ماما چاول ڈالیں' ماما سالن ڈالیں...... مما پانی پکڑائیں......''

''کھانا بھی آرام سے نہیں کھانے دیتے' سب کچھ سامنے رکھا ہے لیکن ہر چیز کے لیے مما مما کرنا ضروری ہے۔ فرصت نہیں کہ ایک نوالہ ہی اپنے منہ میں آرام سے ڈال لوں۔'' کھانے سے فارغ ہوکر برتن دھو کر صبح کے لیے بچوں کی تیاری کرکے جب میں کمرے میں آتی تو بارہ بج چکے ہوتے۔ احمد بچوں کو سلا کر ہمیشہ کی طرح میرا منتظر ہوتے' ایسا کبھی بھی نہیں ہوا کہ وہ میرے آنے سے پہلے سوگئے ہو لیکن میں اس سے نظریں چرا کر بستر پر لیٹ جاتی لیکن اس کا بازو ضرور میرے سر کے نیچے آجاتا اور میں سکون سے سوجاتی۔ رات دن ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے' وقت کا کام تھا گزرنا سو گزر رہا تھا احمد جب بھی لاڈ کرتے تو میں کہتی۔

''فرصت نہیں ہے بچے اب بڑے ہوگئے ہیں ماشاء اللہ۔''

سارے بچے خوب صورتی میں ایک سے بڑھ کر ایک تھے اور فرماں بردار بھی۔ میرا بڑا بیٹا بھی جاب پر لگ گیا اور بیٹیوں کی شادی اچھی جگہ پر ہوگئی۔ اب وہ اپنے گھروں میں خوش آباد ہیں' چھوٹا بیٹا تعلیم کے سلسلے میں باہر چلا گیا اور وہیں پر شادی کرکے آباد ہوگیا لیکن رابطے میں ہمیشہ رہا۔ بڑے بیٹے کی شادی کردی' اللہ نے اسے دو پیارے پیارے بیٹے دیئے۔ اسی دوران احمد کو اچانک ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ مجھے تو اب فرصت ملی تھی لیکن اب احمد نہ تھے۔ ان کے بعد میری زندگی میں کام کام کا گھومتا پہیہ جیسے جام ہوگیا۔ میری زندگی کی تمام رنگینیاں اور کام ختم ہوگئے اور میرا وہ بھی۔

میں سوچتی کاش احمد ہوتے تو میں سب کام چھوڑ کر ان کے پاس بیٹھ جاتی لیکن اب میں صرف سوچ سکتی تھی۔ اب کام نہیں تو احمد بھی نہیں اب صرف ان کو یاد کرنا ہی میرا کام تھا۔ میں یہ صدمہ برداشت نہ کرسکتی تھی لیکن میرے پوتوں کے ساتھ میرا دل لگ گیا لیکن میں یہ دیکھ رہی تھی کہ میری بہو کو یہ بات زیادہ پسند نہ تھی اس کا خیال تھا کہ میری حمایت بچوں کو خراب کردے گی۔

''امی کھانا لگ گیا ہے۔'' بہو کی آواز پر میں خیالات کی دنیا سے واپس آگئی۔ آج میری بیٹی بھی آئی ہوئی تھی میں نے بیٹی پیار کیا اور خوش گوار ماحول میں کھانا کھایا۔

میری بیٹی قریب ہی رہتی تھی تقریباً ایک گھنٹے کی مسافت پر واپسی پر رات کو وہ مجھے اپنے ساتھ لے آئی۔ احمد کی وفات کے بعد بھی ایک بیٹی تو کبھی دوسری بیٹی کے گھر رہنے چلی جاتی کیونکہ اب میں فارغ ہی تھی۔ بیٹا میرا جاب پر جاتا' سلام دعا کرتا' واپس آکر پوچھتا تو میرے پاس بظاہر کہنے کو کچھ بھی نہ ہوتا کیونکہ اس کی بیوی نے بظاہر مجھے ہر طرح کا آرام دے رکھا تھا مگر کمی کہاں تھی کچھ میری بھی سمجھ میں نہ آتا کیونکہ مجھے یہ آرام اب بُرا لگ رہا تھا چاہتی تھی کہ کوئی کام کروں لیکن میری بہو منع کرتی۔

''امی آپ آرام کریں۔'' جانے وہ میرے بھلے کے لیے کہتی یا مداخلت برداشت نہیں کرتی میں نہ سمجھ سکی۔

صبح ناشتا کرکے بچے اسکول چلے گئے اور میں اپنی بیٹی نائمہ کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ میری دونوں بیٹیاں مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں۔ میرے لیے نئے کپڑے لاتیں اور ہر وہ چیز جو اُن کو لگتا کہ ان کی ماں پر اچھی لگے گی' ضرور لاتیں۔ اب زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی' اللہ نے مجھے داماد بھی بہت اچھے دیئے جو بالکل میرے بیٹوں جیسے تھے۔ سب کچھ نارمل تھا اچانک نائمہ کے فون کی بیل بجی اور وہ فون سن کر پریشان ہوگئی۔

''یا اللہ خیر......'' میرے منہ سے ایک دم نکلا۔ پوچھنے پر بتایا کہ سلمان (میرا داماد) کے دوست کے بھائی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے اور وہ موقع پر ہی ختم ہوگیا (اناللہ وانا الیہ راجعون) بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ جوان موت کا افسوس کس کو نہیں ہوتا' اللہ سب کے بچوں کو اپنی حفاظت میں رکھے بے اختیار آنکھیں بھیگ گئیں۔ نائمہ بولی۔

''امی میں سلمان کے ساتھ جاؤں گی تو کل تک ہی واپس آؤں گی۔ بڑا بیٹا اسکول کے ٹرپ پر گیا ہے اور بیٹی نے اپنی دوست کے گھر جانا ہے وہ واپس دیر سے آئیں گے۔ آپ کھانا کھا کر آرام کریں' ان شاء اللہ دوپہر تک ہم واپس آجائیں گے۔ آپ اکیلی ہیں لیکن کیا کروں معاملہ ہی ایسا ہے کہ رکا نہیں جاسکتا۔''

''تم فکر نہ کرو ملازم گھر پر ہے تم لوگ جاؤ اور میری فکر نہ کرو۔'' میں نے اسے مطمئن کیا تو وہ سلمان کے ساتھ نکل گئی۔ اب گھر میں ملازم اور میں تھے اس نے کھانے کا پوچھا تو میں نے کہا۔

"ابھی بھوک نہیں ہے تم جاؤ جب بھوک لگی تو میں بیل دے دوں گی۔" اب میں اور میرے پاس فرصت ہی فرصت ہے لیکن یہ فراغت اب مجھے کیوں بُری لگ رہی ہے جب بھی احمد مجھے کچھ کہتا تو میں کام کا رونا روتی تھی کب کام سے فرصت ملے گی' کب سکھ کا سانس لوں گی احمد مسکراتے۔

"جب میں نہیں رہوں گا۔" میں اس کو گھورتی تو کہتے۔

"یار مذاق کررہا ہوں۔" آج سوچتی ہوں کیا احمد کو پتا تھا میں نے ہروقت کام کو آگے رکھا اور احمد کو پیچھے' کبھی انہیں بتا ہی نہ پائی کہ میں ان سے کتنا پیار کرتی ہوں۔ وہ ہمیشہ کہتے۔

"زہرہ تمہارے پاس میرے لیے کبھی وقت نہیں ہوتا۔" میں غصہ کرتی۔

"کبھی فارغ ہوں تو بیٹھ کر آپ کی داستانیں سنوں۔ کون سا آپ نے مجھے ملازم لاکر دیے ہیں۔" وہ خاموش ہوجاتے' کبھی کہتے تم کام کے چکر سے کبھی باہر تو نکلو یہ لمحے کتنے انمول ہیں چلے گئے تو ہاتھ نہیں آئیں گے۔ کام اتنا بھی نہیں جتنا تم نے سر پر سوار کررکھا ہے۔" میں ناراض ہوجاتی کہ ان کو تو میرا کام...... کام ہی نہیں لگتا۔ احمد کہتے۔

"بے ترتیبی بھی رہنے دو یہ بھی زندگی کی خوب صورتی ہے جو وقت میسر آرہا ہے اس میں سے زندگی کے کچھ لمحے اچھی یادوں کے لیے کشید لیں۔" لیکن یہ میری عادت تھی اچھی یا بُری جب تک کام ختم نہ ہو آرام ہی نہیں کرسکتی تھی۔ اسی چکر میں کب آدھی رات ہوجاتی اور احمد انتظار کرتے کرتے سوجاتے پھر انہوں نے شکوہ کرنا ہی چھوڑ دیا اور میں سمجھی کہ میں نے احمد کو قائل کرلیا لیکن ایسا نہیں تھا' اب میں سوچتی ہوں' کیا تھا اگر میں تھوڑی دیر کے لیے کام چھوڑ کر احمد کے پاس بیٹھ جاتی تو اب یہ پچھتاوا اور کمی تو نہ محسوس ہوتی۔

خیالوں کی دنیا میں مگن پتا بھی نہ چلا کہ کتنا وقت ہوگیا موبائل فون کی بیل ہوئی تو میں نے چونک کر دیکھا نائمہ کا فون تھا۔ میں نے اٹھایا تو بولی۔

"ہیلو امی! کیسی ہیں؟ ہم پہنچ گئے' آپ نے کھانا کھالیا؟"

"کھانے لگی ہوں۔" جب ہی اس نے تاکید کی۔

"کھانا ضرور ٹائم پر کھالیں۔" پگلی بالکل بچوں کی طرح خیال رکھتی ہے اللہ ہمیشہ خوش وآباد رکھے۔ ملازم نے کھانا لگادیا تو میں اٹھ کر کھانے کی میز پر آگئی میری پسند کے قیمہ کریلے اور گرم گرم پھلکوں کے ساتھ پودینے کی چٹنی جیسے ہی نوالہ توڑ کر منہ میں لے جانے لگی میرا ہاتھ رک گیا۔ بچوں کی آوازیں آنے لگی' شور شرابہ......

"امی کھانا ڈالیں...... امی پانی پکڑائیں...... امی بڑے بھیا تنگ کررہے ہیں...... میں غصے سے دیکھ رہی ہوں...... احمد مسکرا کر دیکھ رہے ہیں......" اچانک وہ منظر غائب ہوگیا۔

اب میں اکیلی ہوں میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور کھانا بدمزا ہوگیا' نوالہ چھوڑ دیا' کہاں گئے سارے بچے وہ شور شرابہ میں سب کو ڈانٹ رہی ہوں۔ آرام سے کھاؤ شور نہ کرو...... کب یہ بڑے ہوں گے اور میں بھی کوئی نوالہ آرام سے منہ میں ڈالوں گی...... احمد مسکرا کر نوالہ میرے منہ میں ڈالتے تو میں غصے میں ہونے کے باوجود ہنس دیتی لیکن اپنے جذبات کا اظہار کبھی بھی نہ کرسکی۔ سب آوازیں گڈمڈ ہورہی تھیں۔

آج میں فارغ ہوں سب بچے اپنی اپنی کامیابیوں کی منزل کی طرف رواں دواں ہیں' اللہ انہیں اسی طرح ترقیاں دیتا رہے یہ میرے بلکہ ہر ماں کے دل سے اپنے بچوں کے لیے دعا نکلتی ہے۔ میں اپنا وقت گزار چکی ہوں اور اب وقت بے وقت پچھتاوا ہوتا ہے کہ میں نے اپنے شوہر کا ہر طرح سے خیال تو رکھا لیکن اس کے جذبات کا بھی خیال رکھا ہوتا تو یہ کمی اور پچھتاوا نہ ہوتا۔ آنسوؤں کو صاف کرکے ایک نئی امید اچانک مجھے نظر آئی تو بے اختیار دل مسکرا اٹھا کہ ابھی بھی وقت میرے ہاتھ میں ہے' میری بہو کی صورت میں مجھے اس میں اپنی جھلک نظر آتی ہے۔ بظاہر لیے دیئے رہنے والی لیکن دل کی بہت اچھی ہے میں اس کو سمجھادوں گی کہ یہ وقت بہت قیمتی ہے اس کو آپس میں پیار و محبت سے گزارو اور ایک دوسرے کو وقت دو۔ پیار لو پیار دو اور مجھے یقین ہے کہ وہ سمجھ جائے گی اور اگر آپ میں سے بھی کوئی بہت مصروف ہے تو اپنی زندگی پر نظر ڈالیں کیونکہ آپ کا ہم سفر آپ کا قیمتی سرمایہ ہے اور سب کو میری نصیحت ہے کہ اپنے ہم سفر کو اپنا ہم سفر بناؤ...... پیار دو پیار لو......!

میری توصیف سے ملاقات ایک کام کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ موصوف ضرورت سے زیادہ باتونی اور خوش مزاج واقع ہوئے تھے۔ دو چار ملاقاتوں میں ہی میں یہ دعویٰ کرسکتی تھی کہ میں اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔

میں ایک اسکول میں ٹیچر تھی یہ ایک درمیانہ درجے کا پرائیویٹ اسکول تھا اور مناسب رقبے پہ بنا ہوا تھا۔ اب ہمارے اسٹوڈنٹ کی تعداد بڑھ رہی تھی تو اس سلسلے میں اسکول کی توسیع کا منصوبہ تھا اور پرنسپل صاحبہ نے ایک میٹنگ بلائی۔

''ہم نے اسکول کو بڑھانے کا سوچا ہے۔'' انہوں نے ہم سب کو مخاطب کیا۔ ''اسٹوڈنٹ کی تعداد خاصی بڑھ گئی ہے اور ایگزامز کے بعد نیو ایڈمیشن بھی ہوں گے تو ان کے لیے اوپر کلاسز بنائی جائیں گی' کیا خیال ہے آپ لوگوں کا؟'' انہوں نے ہم سب پہ ایک نظر ڈالی۔

''جی میڈم! بالکل صحیح ہے میں نے تو پہلے بھی کہا تھا۔'' مس ثریا نے ہاں میں ہاں ملائی اور ساتھ ہی اپنی اہمیت بھی جتائی پھر میڈم کے چشمے سے اوپر گھورنے پر انہوں نے بقیہ الفاظ منہ میں ہی روک لیے باقی سب ٹیچرز نے بھی ایگری کیا۔ ''ٹھیک ہے مس فریدہ آپ اس معاملے کو دیکھیں گی۔ آپ کا گھر بھی قریب ہے ہوسکتا ہے آپ کو تھوڑا ٹائم دینا پڑے۔'' انہوں نے مجھے مخاطب کیا۔

''جی میڈم ٹھیک ہے۔'' میں پڑھانے کے علاوہ بھی دیگر معاملات میں انٹرسٹ رکھتی تھی اور اسکول کے لیے پڑھائی کے علاوہ بھی کام کے لیے تیار رہتی تھی۔ اس لیے عموماً ایسے معاملات میڈم مجھ پہ باآسانی چھوڑ دیتی تھیں۔ میرے بچے بڑے تھے اور شوہر بھی کوآپریٹو تھے۔

اس لیے میں نے ہامی بھرلی۔ اس سلسلے میں کچھ لوگوں سے ملاقات کے بعد یہ کار خیر توصیف کے حصے میں آیا۔

''اوپر کچھ کلاسز بنیں گی اور ایک لیب' ٹھیک ہے اور یہاں گراؤنڈ میں دیوار کے ساتھ کیاریاں بنا کر پودے بھی لگوایئے گا۔'' میں نے توصیف صاحب کو سمجھایا۔

''ایک دو درخت بھی اور یہاں اسمبلی میں گرین نیٹ تاکہ بچوں پہ دھوپ نہ پڑے۔'' میں نے کام تفصیل سے سمجھایا۔

''جی جی میڈم آپ بے فکر رہیں' بالکل ایسے ہی ہوگا جیسے آپ کہہ رہی ہیں۔'' وہ میرے ساتھ چلتا ہوا کہنے لگا۔

ہمارا اسکول صبح کا تھا تو یہ کام ہم اسکول کے بعد کروا رہے تھے تاکہ بچے بھی ڈسٹرب نہ ہوں اور کام بھی ساتھ ساتھ ہوجائے۔ کیونکہ ایگزامز کے بعد ایڈمیشن ہوتے تو رینوویشن کا بھی اچھا اثر پڑتا' یہی سوچ کر کام شروع کروا دیا گیا تھا۔ میں اکثر اسکول کے بعد وہیں رک جاتی تاکہ کام کی نگرانی کرسکوں۔

''میڈم آپ یہاں کب سے پڑھا رہی ہیں؟'' مزدوروں کو ہدایت دے کر وہ میرے سامنے آکے بیٹھ گیا۔ اس کی باتوں اور حرکتوں میں بہت بے ساختہ پن تھا وہ کہیں سے بھی چھچھورا نہیں تھا۔ ایک دو دن تو مجھے عجیب لگا مگر وہ صاف دل کا تھا اور کوئی ایسی حرکت یا بات نہیں تھی جو قابل اعتراض ہوتی' لہٰذا میں بھی اس سے باتیں کرنے لگی۔ ''میڈم میرے والد بھی یہی کام کرتے تھے یہ سب میں نے انہی سے سیکھا ہے۔'' وہ بتانے لگا۔

''اچھا۔'' میں نے صرف یہی کہنے پر اکتفا کیا۔

''وہ مجھے آگے پڑھانا چاہتے تھے اور انجینئر بنانا چاہتے

تھے مگر میں بن نہ سکا۔'' اس نے افسوس سے سر ہلایا۔
''کیوں؟'' میں نے پوچھا۔
''وہ جی بس کیا بتاؤں۔'' وہ کچھ چپ سا ہو گیا اور میں نے کریدنا مناسب نہ سمجھا۔

□......○......□

''فریدہ آپ میرا آخری پیریڈ لے لینا۔'' زمین نے مجھ سے بریک میں کہا۔ ہم ٹیچرز آپس میں ایک دوسرے کا خیال کرتے تھے۔
''کیوں؟'' میں نے کاپیاں چیک کرتے ہوئے پوچھا۔
''ہما کے سسرال والے تاریخ لینے آرہے ہیں شام کو تو بس تھوڑا کام ہے گھر میں۔'' اس نے وجہ بتائی۔
''اچھا مبارک ہو۔ بے فکر رہو آرام سے جاؤ۔'' میں نے اسے تسلی دی۔
''یار یہ زمین بھی نہ بس اللہ میاں کی گائے ہے۔'' زمین کے جانے کے بعد افشاں نے گل فشانی کی۔
''ہاں بالکل کبھی کبھی تو مجھے بہت دکھ ہوتا ہے اس پر ساری تنخواہ ساری انرجی گھر والوں پہ ہی لگا دیتی ہے۔'' مس نسرین نے بھی بولنا ضروری سمجھا۔
''بیوقوف ہے۔'' مس روشن خاموش رہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔
''بیوقوفی کی کیا بات ہے؟' افشاں تنکی کہ زمین اس کی

''بھئی آج کے دور میں کون ایسا کرتا ہے۔'' مس نسرین نے وضاحت فرمائی۔
''ہاں مگر اچھے لوگ بھی ابھی دنیا میں موجود ہیں۔'' میرا رائے دینا تو بنتا تھا سو دے دی۔ مگر آٹے میں نمک کے برابر۔ مس روشن نے پھر ٹکڑا لگایا۔
''بس بھئی اللہ جسے توفیق دے دیکھنا اس کو ضرور اچھا صلہ ملے گا۔'' میں نے بات ختم کی تو سب نے آمین کہا۔

□......○......□

''میڈم کام پسند آرہا ہے؟'' توصیف نے مجھے اوپر کلاسز دکھاتے ہوئے کہا۔
''ہوں۔'' میں نے ایسے معائنہ کیا جیسے میں بہت بڑی ایکسپرٹ ہوں۔
''بس اب دروازے لگیں گے اور بورڈ وغیرہ پھر کلر اس کے بعد نیچے گراؤنڈ میں کام شروع ہو جائے گا۔'' اس نے تفصیل سے بتایا۔ میں تین چار گھنٹے رک جاتی تھی کام دیکھ کر پھر چلی جاتی تھی۔ آج بھی میں رکی تھی کیونکہ مجھے یہی سے اپنی سسرال جانا تھا۔ میری ساس بیمار تھیں یہ سسرالی رشتے بھی لازمی نبھانا پڑتے ہیں۔ حالانکہ صلہ کچھ بھی نہیں ملتا' میں ایسے ہی بڑبڑائی۔
''کیا ہوا میڈم خیریت ہے' کچھ پریشان لگ رہی ہیں۔'' شاید میری شکل پہ بارہ بج رہے تھے اس لیے وہ پوچھ بیٹھا۔
''کچھ نہیں ساسو ماں بیمار ہیں اور میاں جی کا آرڈر

ہے کہ دیکھنے جانا ہے۔'' میں نے کوفت سے کہا۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

''اب بتاؤ اتنی دھوپ میں کیسے جاؤں یہ نہیں کہ خود آجاتے لینے ان کا بھی تو فرض ہے مگر یہ مرد نہ ساری ذمہ داریاں بیوی کے سر ڈال دیتے ہیں اور خود بری الزماں ہوجاتے ہیں۔'' میں خاصی پِی ہوئی تھی ایک تو ایگزامز ہونے والے تھے اس کی ارینجمنٹ بھی میں نے ہی کرنا تھی۔ گھر کے سارے کام اور اب یہ نئی مصیبت۔ ارشد تو صرف نوکری کرتے تھے۔

''ارے یار تم ہو نا میری ہاف بلکہ فل بیٹر۔ تمہارے آنے سے تو میں مکمل ہوا ہوں۔'' وہ مجھے مکھن لگا کے اپنا الوسیدھا کرلیتے تھے۔

''بس کریں یہ مکھن لگانا۔'' میں انہیں پرے دھکیلتی۔ مجھے یہ سب وہیں کھڑے یاد آیا تو ہنسی آ گئی۔

''اگر آپ کہیں تو میں ڈراپ کردوں۔'' دس پندرہ دنوں میں ہی اتنی اپنائیت سی ہوگئی تھی وہ میڈم سے باجی کہنے لگا تھا۔

''ارے نہیں میں رکشہ کرلوں گی کوئی مسئلہ نہیں۔''

□......○......□
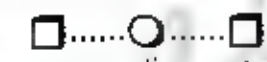
''آپ نے اب تک شادی کیوں نہ کی؟'' اس دن بھی میں اسکول کے بعد رکی تھی تو ایسے ہی پوچھ بیٹھی۔

''بس ایسے ہی۔'' وہ مسکرادیا۔

''ایسے تو نہیں ضرور کوئی بات ہے ورنہ خاصے ہینڈسم ہو اور کما بھی رہے ہو۔'' میں نے اسے جانچتے ہوئے کہا۔

''آپ ظاہری حالت پہ نہ جائیں۔'' وہ میرے جائزہ لینے پہ بولا۔

''کیوں بھئی لوگ تو ظاہری حالت ہی دیکھتے ہیں اور اس میں تو کوئی کمی نہیں لگ رہی اندر سے کچھ گڑبڑ ہے کیا؟'' میں نے کریدا۔

''ارے ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں ایسا ہی ہوں جیسا نظر آرہا ہوں۔ بس یہ کہ پہلے حالات ایسے نہ تھے جیسے اب الحمدللہ کام ہے۔''

''یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ضروری تو نہیں کہ ہر شخص پیدائشی امیر ہو لوگ کوشش اور تعلیم سے آگے بڑھتے ہیں اور یہ زیادہ اچھی بات ہوتی ہے۔'' میں نے جواب دیا وہ خاموش رہا۔

''کسی کو پسند کرتے تھے۔'' میں نے پھر سوال کیا مگر وہ بھی کائیاں تھا۔

''نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں' اصل میں ابو کی وفات کے بعد مجھ پہ ذمہ داری آ گئی تو میں انہی میں لگ گیا۔''

''اور اب؟'' میں نے اس کی طرف دیکھا۔

''بس اب عادت ہوگئی ہے اکیلا رہنے کی۔'' اس نے بات ہنسی میں اڑائی۔

''اتنی عمر تو نہیں ہوگئی کہ عادت بن گئی' لوگ تو ساٹھ سال کی عمروں میں ایسی حرکتیں کرگزرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔'' میں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ ''آپ کو تو ساٹھ سال کا ہونے میں ابھی ٹائم ہے کافی۔'' میں نے بھی آج تہیہ کیا ہوا تھا جوابا وہ مسکرادیا۔

''آیئے میں آپ کو پودے دکھاؤں مالی ابھی چھوڑ کر گیا ہے۔'' اس نے بات گھمائی تو میں نے بھی اصرار نہ کیا' میں کون سا اس کے چچا یا ماموں کی بیٹی تھی وہ تو خود اتنی باتیں کرتا تھا تو میں بھی کرلیتی تھی میرا کوئی بھائی نہیں تھا تو صیف مجھے بھائی کی طرح ہی لگنے لگا تھا' میں نے گھر میں ارشد سے بھی ذکر کیا تھا بلکہ وہ مل بھی چکے تھے ایک دفعہ غلطی سے لینے آ گئے تھے اسکول تو صیف وہیں موجود تھا تو میں نے تعارف کروادیا تھا۔

□......○......□

آج زرمین ہما کی شادی کے کارڈ لے کر آئی تھی اور سب کو آنے کی تاکید کے ساتھ دے رہی تھی سب نے آنے کی ہامی بھری تھی تقریبات میں جانا تو خواتین کا من پسند شوق تھا اس لیے کسی کے بھی نہ جانے کا امکان نہیں تھا میں نے کارڈ لینے کے ساتھ ہی اسے اپنے گھر لے آئی۔ سوچا تھا کہ کچھ باتیں کریں گے آج کل بالکل بھی ٹائم نہیں ملتا تھا وہ تیاریوں میں مصروف تھی اور میں بھی دیگر

کاموں میں اس لیے وہ بھی ساتھ ہی آ گئی۔ اس کے حالات ذرا اچھے نہیں تھے تو میں روایتی تحفہ کے بجائے اس سے پوچھ کر کوئی ضرورت پوری کر دیتی تھی ابھی بھی اس کو لانے کا مقصد یہی تھا۔

''فریدہ آپ کا بے حد شکریہ آپ نے میرا بہت ساتھ دیا یقین کریں میں آپ کا احسان کبھی نہیں اتار سکتی۔'' اس نے میرے ہاتھ تھام کر کہا۔

''بس اب ضرورت نہیں اللہ کا شکر ہے سب پورا ہو گیا' ہما کو بہت اچھے لوگ ملے ہیں۔ انہوں نے بالکل کوئی ڈیمانڈ نہیں کی اور اب تو ضرورت بھی نہیں رہی کچھ بچانے کی' ساری ذمہ داریاں پورے ہو گئیں میری۔'' اس کے چہرے پہ کافی اطمینان تھا۔

''کیوں تمہارے لیے کون سوچے گا؟'' میں نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا۔ وہ ہنس پڑی۔

''ارے فریدہ جی بس اب تو عمر گزر گئی۔ اماں کے ساتھ رہوں گی انہیں بھی تو دیکھنا ہے نا۔''

''دماغ خراب ہے تمہارا' بتیس سال بھی کوئی عمر ہوتی ہے خوامخواہ ہی خود کو اماں سمجھ لیا ہے خیر ہما کی شادی سے فارغ ہو لو پھر کرتے ہیں کچھ۔'' میں نے آدھا جملہ اس سے اور آدھا خود سے کہا۔

□......○......□

''میں نے اس وقت یونیورسٹی میں داخلہ لیا ہی تھا کہ والد صاحب کی اچانک ڈیتھ ہو گئی۔'' اس دن توصیف شاید بتانے کے ارادے سے ہی آیا تھا۔ ''پھر تو پڑھائی چھوڑ کر کام کرنا پڑا' بہنیں بھی پڑھ رہی تھیں ان کو پڑھایا' پھر ان کی شادیاں کیں' اب بس ایک چھوٹی بہن باقی ہے۔ اماں کہتی ہیں کہ جب تک میری شادی نہیں ہو گی وہ فاریہ کی بھی نہیں کریں گی۔''

''تو پھر کب ارادہ ہے؟'' میں نے فوراً سوال کیا۔

''ارے باجی اب کہاں چالیس کا ہو گیا ہوں۔'' اس نے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''ابھی سلامت ہیں بال۔'' میں نے فوراً ہی اس کے

ہاتھ پھیرنے پہ کہا اس کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔ ''کسی کو پسند کرتے تھے؟'' میں نے پھر سوال کیا وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔

''اس کی والدہ نہیں چاہتی تھیں۔'' وہ گویا ہوا۔ ''ان کو اپنی بیٹی کے لیے دولت مند گھرانہ چاہیے تھا اور ہم ان کے معیار پہ پورا نہیں اتر رہے تھے۔''

''کیا وہ لوگ بہت امیر تھے؟'' میں نے پھر سوال داغا۔

''نہیں متوسط طبقے کے ہی تھے' مگر اپنی بیٹی کے لیے ان کو امیر گھرانہ چاہیے تھا۔'' اس نے جواب دیا۔

''خیر دیکھو یہ تو ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی لڑکیاں اچھے گھروں میں جائیں۔'' میں نے غائبانہ ہی ان کا دفاع کیا۔

''مگر حالات سدا ایک جیسے ہی تو نہیں رہتے بھروسہ تو کرنا چاہیے تھا نا' محنت سے کیا کچھ نہیں ملتا' محض دس بارہ سال میں دیکھ لیں بہت اللہ کا شکر ہے۔ اپنا گھر بھی ہے اور گاڑی بھی۔'' اس نے جواب دیا۔

''آپ نے دوبارہ کوشش نہیں کی؟'' میں نے کریدا۔

''نہیں۔'' مختصراً جواب دیا۔

''اب معلوم کریں کیا پتہ قسمت مہربان ہوجائے۔'' مفت میں مشورہ دیا۔

''اب تو وہ چار بچوں کی اماں بن گئی ہوگی۔'' وہ استہزائیہ سی ہنسی ہنسا۔

''آپ کو یقین ہے ایسا ہوا ہوگا۔'' میرے پاس سوالوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔

''ظاہر ہے باجی اب تک کیسے بیٹھی ہوگی ہمارے ہاں تو لڑکیوں کو جلد از جلد بیاہ دیا جاتا ہے۔ دس سال ہوگئے ہیں یقیناً انہیں ان کی خواہش کے مطابق مل گیا ہوگا۔'' ایک ٹھنڈی آہ کے ساتھ جواب ملا۔

''تمہیں یقین ہے کہ ایسا ہوا ہوگا؟''

''ارے باجی چھوڑیں نا آپ کن چکروں میں پڑگئیں۔'' وہ ٹالنے لگا۔

''باجی بھی کہہ رہے ہو اور ٹال بھی رہے ہو میں نے بھی بھائی کہا ہے' دیکھنا سہرا باندھ کے ہی چھوڑوں گی۔'' میں نے عزم سے کہا تو صیف کا قہقہہ بڑا جاندار تھا۔

□......○......□

ہما کی شادی میں سب ٹیچرز گئی تھیں اور ہم سب نے بہت انجوائے کیا' ہما کو واقعی اچھا سسرال ملا تھا' پیسے والے لوگ تھے مگر ذرا بھی نخرہ نہیں تھا سادہ مزاج تھے۔ زرمین کافی مطمئن دکھائی دی۔ زرمین کی والدہ ایک دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں مگر ان کے شوہر یعنی زرمین کے والد مڈل کلاس سے تھے۔ زرمین کی والدہ ساری زندگی کھینچ تان کے پورا کرتی رہیں اور کڑھتی بھی رہیں۔ اللہ نے بیٹا بھی نہیں دیا تھا بس چار بیٹیاں تھیں۔ اپنے گھر میں ہر چیز وافر مقدار میں دیکھنے والی شوہر کے گھر میں ایک ایک چیز کا حساب رکھنا اور بچت کرکر کے گزارہ کرنا' ایسے میں ان کی خواہش تھی کہ ان کی بیٹیاں دولت مند گھروں میں جائیں ان کو ترسنا نہ پڑے چیزوں کے لیے۔ اپنی اسی سوچ میں انہوں نے زرمین کی خواہش کو بھی اہمیت نہ دی۔ زرمین کو یونیورسٹی کے پہلے سال ہی میں اپنے ڈیپارٹ کے ایک سنیئر نے پسند کرلیا تھا' زرمین کو بھی وہ اچھا لگا تھا' کوئی لمبے چوڑے عہد و پیمان کے بغیر ہی دونوں نے ایک دوسرے کو اپنا مان لیا تھا۔ جاب کا اتنا مسئلہ نہ تھا اس کے والد کا اپنا کاروبار تھا۔ اس نے دوران تعلیم ہی پروپوزل بھیج دیا۔ زرمین کے والد سمجھ گئے تھے کہ یہ رشتہ دوطرفہ پسندیدگی کی بنیاد پر ہی آیا ہے اسی لیے انہیں کوئی اعتراض نہ تھا۔ مگر زرمین کی والدہ نے انکار کردیا۔

''وہ خوش رہے گی ادھر۔'' انہوں نے بیوی کو سمجھایا۔

''ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے پتہ نہیں کب جاب ملے گی اور کیسی ملے گی۔'' انہوں نے جواب دیا۔

''بھئی وہ محنتی بچہ ہے' یقیناً اسے اچھی جاب ملے گی پھر ہم کون سا ابھی شادی کررہے ہیں اس کی' تعلیم مکمل ہونے پہ ہی بات آگے بڑھے گی۔'' ابا نے اماں کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی۔

''نہیں میں منفرد ضوں پہ رسک نہیں لوں گی زرمین ابھی نادان ہے۔ اسے کیا پتہ زندگی کتنی مشکل ہو جاتی ہے جب ایک ایک روپے کا حساب رکھنا پڑتا ہے۔'' اماں نے تختی سے کہا تو ابا خاموش ہو گئے جانتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ خوش نہیں ہیں۔ پھر اماں نہ مانی کے دیں زرمین خاموش ہو گئی۔ پھر جب چند مہینوں بعد انہیں پتہ چلا کہ اس لڑکے کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس نے پڑھائی چھوڑ دی۔

''دیکھا میں نے ٹھیک فیصلہ کیا تھا میری بیٹی رل جاتی۔'' اماں کو اپنے فیصلے پہ بہت خوشی ہوئی۔ ''اب ادھوری پڑھائی پہ اس کو کیا نوکری ملے گی اوپر سے تین بہنیں بھی ہیں۔ شکر ہے میری بچی بچ گئی۔'' انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

ابا کو زرمین کے چہرے کی چمک غائب ہوتی نظر آ رہی تھی۔ اس نے خود کو پڑھائی میں گم کر لیا تھا اور خاموش رہنے لگی تھی۔ ابا کو بہت دکھ تھا مگر اماں کے آگے ان کی چلتی ہی نہ تھی زرمین کے لیے مناسب رشتے آ رہے تھے مگر وہ ہر رشتے کے لیے انکار کر دیتی۔

''بیٹا تم میری سب سے اچھی بیٹی ہو میں جانتا ہوں تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے مگر بیٹا میں چاہتا ہوں تم خوش رہو یہ بہت اچھا پروپوزل ہے' لڑکا پڑھا لکھا اور اچھی فیملی کا ہے۔'' انہوں نے ایک آئے ہوئے رشتے کے حوالے سے اس سے بات کی۔ ''تمہاری اماں بھی راضی ہیں۔''

''ابا آپ مجھے معاف کر دیں' مگر میں یہ نہیں کر سکتی' آپ روشین کی کر دیں۔'' زرمین نے خود سے چھوٹی بہن کا نام لیا۔

''اور تم؟'' ابا نے اسے دیکھا۔

''ابا آپ جانتے تو ہیں نا میں پڑھ لکھ کے جاب کروں گی' اور آپ کا ہاتھ بٹاؤں گی پلیز ابا مجھ پہ یہ ظلم نہ کریں۔'' زرمین رو پڑی۔ ابا خاموش ہو گئے پھر اماں کے شور مچانے کے باوجود ابا نے روشین کا رشتہ وہاں کر دیا۔

''لوگ کیا کہیں گے؟'' اماں نے کمزور سا سوال کیا۔

''تمہیں لوگوں کی فکر ہے اپنی بیٹی کی نہیں ایک زیادتی تم اس کے ساتھ کر چکی ہو اب اور نہیں۔ ہم اس کی خوشی کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔'' ابا نے اس بار سختی سے اماں کو جواب دیا۔

روشین کی شادی کے بعد ابا کو اچانک ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ اس دنیا سے چلے گئے۔ شاید انہیں زرمین کا ہی دکھ کھا گیا تھا۔ زرمین کی تو دنیا ہی ویران ہو گئی' ایک ابا ہی تو تھے جو اسے سمجھتے تھے اس کا خیال رکھتے تھے' اماں کو تو اپنی ذات کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ زرمین نے بڑے حوصلے سے اس غم کو برداشت کیا اب اسے ہی گھر کو دیکھنا تھا۔ زرمین نے آفس میں جاب کر لی اور شام کو تینوں بہنیں گھر پہ ٹیوشن پڑھانے لگیں۔ زندگی کی گاڑی پھر چل پڑی اماں خاموش ہو گئی تھیں۔ اس کے رشتے اب بھی آ رہے تھے مگر اب تو اسے بہنوں کی فکر تھی' وہ انکار کرتی رہی۔ اماں نے بھی کچھ نہ کہا پھر ابا کے انتقال کے دو سال بعد ہی اس نے حنا کو بھی بیاہ دیا۔ روشین اور حنا دونوں اپنے گھر میں خوش تھیں۔ اس دوران زرمین کا آفس دوسرے شہر شفٹ ہو گیا تو اس نے وہ جاب چھوڑ کے اسکول جوائن کر لیا گو کہ یہاں زیادہ سیلری نہیں تھی مگر ٹائم کم تھا ساتھ ہی اس نے پارٹ ٹائم کوچنگ شروع کر دی تھی۔ یہ سب ہمیں زرمین کی زبانی ہی معلوم ہوا تھا۔ اب صرف ہما رہ گئی تھی مجھے حیرت تھی زرمین کی اماں نے اب بھی اس کے لیے نہیں سوچا حالانکہ حنا نے بہت کہا تھا کہ اب وہ لوگ خوش حال گھروں میں ہیں ہما کی شادی مل کے کر لیں گے زرمین اپنا گھر بسائے مگر زرمین نے ان کا کوئی احسان نہ لیا اور ہما کو بھی بیاہ دیا۔

☐......○......☐

اسکول کا کام مکمل ہو گیا تھا۔ سب کو کام پسند آیا تھا' پرنسپل صاحبہ نے بھی اس کی تعریف کی تھی۔

''اچھا میڈم جی......'' اس نے مجھے مسکرا کر دیکھا۔ ''اب کام ختم' پھر کبھی ضرورت ہو تو بندہ ایک فون پر حاضر ہو جائے گا۔ آپ یہ کارڈ رکھ لیں۔'' توصیف نے اپنا

وزیٹنگ کارڈ مجھے دیتے ہوئے کہا۔
''ضرورت تو خیر جلد پڑنے والی ہے۔'' میں نے بھی مسکرا کے معنی خیز لہجے میں کہا۔
''جی حاضر جناب! جب آپ کہیں۔'' اس نے سینے پہ ہاتھ رکھا اور خدا حافظ کہہ کے رخصت ہوگیا۔
اسکول میں چھوٹی کلاسز کے امتحان ہوچکے تھے اور اب بڑی کلاسوں کے ہورہے تھے۔ ہمارے اسٹوڈنٹ کا دوسرے اسکول میں سینٹر پڑا تھا۔ ہم لوگ پڑھانے سے تھوڑا فری تھے۔ البتہ پیپرز کی چیکنگ اور رزلٹ کا کام ہورہا تھا۔ ایسے ہی میں اور زرمین اوپری کلاس میں بیٹھے پیپر چیک کررہے تھے۔
''زرمین تم نے اب کیا سوچا ہے اپنے بارے میں۔'' میں نے بات شروع کی۔
''کچھ نہیں' کیا سوچنا ہے۔'' اس نے الٹا مجھ سے سوال کیا۔
''ساری زندگی ایسے ہی رہوگی گھر نہیں بسانا؟''
''جب دل ہی نہیں بسا تو گھر بسا کے کیا کرنا۔'' وہ پیپر چیک کرتے ہوئے بولی۔
''پاگل مت بنو اتنی لمبی زندگی ایسے ہی نہیں گزرتی۔'' میں نے گھر کا وہ خاموش رہی۔ ''تم واقعی اس کو اب تک بھلا نہیں سکی؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
''وہ میرے دل پہ دستک دینے والا پہلا شخص تھا گو کہ ہمارے درمیان کوئی ساتھ مرنے جینے کی باتیں نہیں ہوئیں اس نے کوئی وعدے یا دعوے نہیں کیے مگر مجھے یقین تھا کہ وہ جو بھی کہہ رہا ہے سچ ہے اس کی آنکھوں میں مجھے اپنا عکس نظر آتا تھا۔'' وہ چپ ہوگئی۔
''تو پھر؟'' میں نے سوال کیا۔
''پھر یہ کہ ہمارے راستے ابتدا میں ہی الگ ہوگئے۔'' وہ بولی۔
''کیا تمہیں پتہ ہے وہ کہاں ہے...... کیسا ہے...... کیا کررہا ہے؟'' میں نے ایک ساتھ کئی سال کیے۔
''نہیں۔'' اس کا مختصر جواب آیا۔

''پھر تم کیوں خود کو ضائع کررہی ہو؟'' میں نے پھر پوچھا۔
''دل نہیں مانتا کسی اور کے بارے میں سوچنے کو۔'' وہ بے بسی سے بولی۔
''اب بھی انتظار ہے اس کا؟'' میں نے کریدا۔
''اب تک تو وہ دو چار بچوں کا باپ بن گیا ہوگا۔'' وہ عجیب ہی ہنسی۔
''کیا تمہیں یقین ہے کہ ایسا ہوا ہوگا؟'' میں نے فوراً پوچھا۔
''نہیں۔'' اس کا جواب بے ساختہ تھا مجھے ہنسی آگئی۔
''پاگل جب اتنی محبت تھی اور اتنا یقین ہے تو ڈھونڈنے یا رابطہ کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟''
''یہ تو اس کا کام تھا۔'' وہ فوراً بولی۔
''ہونہہ انا بھی ہے۔'' میں نے اسے جانچتی نظر سے دیکھا۔
''نہیں انا نہیں' مان ہے۔'' وہ مسکرائی۔
''تمہارا مان درست ہے میری جان' اس نے بھی شادی نہیں کی۔'' میں نے اس کے سر کو ہلکے سے ہلاتے ہوئے کہا۔
''کیا؟'' وہ ایک دم کھڑی ہوگئی۔ ''آپ کو کیسے پتہ؟'' اس نے فوراً پوچھا۔
''بیٹھ جاؤ زرمین۔'' میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے کرسی پہ بٹھایا۔
''اب تمہاری خوشیوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں' اللہ نے تمہارے صبر کا صلہ دے دیا ہے۔'' وہ بھیگی پلکوں سے مجھے دیکھتی رہی اور میں نے اسے تفصیل بتادی۔

□......○......□

''آنٹی اب آپ کو زرمین کے بارے میں سوچنا چاہیے۔'' ایک دن میں اسکول سے آف لے کر اس کے گھر پہنچ گئی۔ میں یہ بات زرمین کی غیر موجودگی میں کرنا چاہتی تھی۔
''ہاں بیٹا' میں جانتی ہوں' میں نے اس کے ساتھ

بہت زیادتی کی میں تو اسے خوش دیکھنا چاہتی تھی مگر وہ مانی ہی نہیں میں کیسے ازالہ کروں؟ اب اتنے عرصے میں تو یقیناً اس لڑکے نے شادی کرہی لی ہوگی۔'' انہوں نے افسوس سے سر ہلایا۔

''نہیں ہوئی اس کی شادی۔'' میں نے بیچ میں ہی ٹوکا۔

''ہائیں! تمہیں کیسے پتہ؟'' وہ حیرانی سے بولیں۔ پھر میں نے انہیں سب تفصیل سے بتایا۔

''جی ہاں توصیف ہی وہ لڑکا تھا جسے زرمین پسند کرتی تھی۔''

''واقعی بیٹا اگر ایسا ہے تو تم فوراً اس سے بات کرو مجھے ملواؤ میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔ میں اب اپنی بچی کو خوشیاں دینا چاہتی ہوں۔ اس نے بہت دکھ اٹھا لیے بس اب نہیں۔'' یہ سنتے ہی کہ وہ لڑکا اب بھی منتظر ہے زرمین کا وہ بے چین ہوگئیں۔

''جی جی آنٹی آپ بے فکر رہیں آپ جب کہیں گی میں لے آؤں گی اسے۔ ہم سب بھی یہی چاہتے ہیں کہ اب دیر نہ ہو۔'' میں نے انہیں تسلی دی اور گھر آگئی۔

□......○......□

''ہاں جی مسٹر توصیف اب بتائیں آپ کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔ دوسروں کے مکان کو گھر بناتے رہے کبھی اپنا گھر بنانے کا بھی سوچ لیتے۔'' میں نے اور ارشد نے آج زرمین اور توصیف کو گھر بلایا تھا اب دونوں میرے سامنے بیٹھے تھے۔ دونوں کی چمکتی آنکھیں اور مسکراتے لب بہت کچھ کہہ رہے تھے مگر دونوں ہی خاموش تھے۔

''اور تھوڑی سی کوشش بھی کر لیتے تو اتنا قیمتی وقت ضائع نہیں ہوتا۔'' زرمین تو ارشد کی وجہ سے ذرا خاموش بیٹھی تھی مگر توصیف صاحب کی تو خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔

''ان کی والدہ محترمہ سے ڈر لگتا تھا کہیں وہ پھر نہ بھگا دیں۔'' توصیف نے زرمین کو مسکرا کے دیکھا تو زرمین نے ستانے والے انداز میں گھورا۔ وہ مسکرا دیا۔

''ارے بھئی اب تو مان گئیں ہیں اس لیے اب ساسو ماں کے خلاف کچھ نہیں او کے۔'' میں نے تنبیہ کی۔

''سو فیصد او کے بندہ تو غلام ہے جی۔'' وہ سر جھکا کے بولا۔

''ارے بھئی زرمین سے بھی تو پوچھو وہ تو خاموش بیٹھی ہے۔'' ارشد نے زرمین کی جانب بات گھمائی تو وہ تھوڑا سا گھبرا گئی۔

''جی......جی میں......''

''ہاں بھئی زرمین تمہیں میرے احمق مگر بہت پیارے بھائی کا ساتھ قبول ہے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو زرمین بے اختیار رو پڑی۔

''ارے......ارے۔'' میں فوراً اس کے پاس صوفے پہ جا بیٹھی توصیف نے بھی اٹھ کر ہمارے ساتھ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے زرمین کا ہاتھ تھام لیا۔

''نہیں زرمین اب رونا نہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب ہمارے درمیان کبھی کوئی جدائی کا لمحہ نہیں آئے گا۔''

''ہاں اب خوشیوں کے محبتوں کے موسم آگئے ہیں اب یہ سب آنسو اداسی اور تنہائی ختم ارے میری جان تمہاری خوشیوں کے لیے ہی تو یہ سب کیا ہے۔'' میں نے زرمین کو کندھے سے لگالیا۔

''چلو اب تو مسکرا دو اتنی دیر سے منہ بنا کے بیٹھی ہوئی تھیں۔'' توصیف نے چھیڑتے ہوئے کہا تو زرمین نے بے ساختہ ہی ایک ہاتھ سے توصیف کو ہلکا سا گھونسا مارا۔

''ارے باپ رے یہ تو خطرناک ہوگئی ہے ان دس سالوں میں۔'' توصیف نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا جس پہ ارشد اور میں نے بے ساختہ قہقہہ لگایا اور زرمین جھینپ کے مسکرادی اور زرمین کو مسکراتا دیکھ کر توصیف بھی ہنس دیا۔ دونوں کی آنکھوں میں ستارے جھلملا رہے تھے۔ بلآخر ان دونوں نے اپنی منزل پالی تھی۔

جس طرح ہم قرآن پاک اور احادیث مبارکہ پر مکمل اعتقاد و یقین رکھتے ہیں اسی طرح ہمیں طب نبوی ﷺ پر بھی پورا یقین و اعتقاد رکھنا ضروری ہے خاص کر جب ہم کسی طب نبوی ﷺ کو استعمال کریں تو ہمیں اس بات کا پورا یقین ہونا چاہیے کہ اس چیز کو میرے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اس بیماری کے لیے تجویز فرمایا ہے سو مجھے اس سے ضرور افاقہ ہوگا۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ آپ صرف طب نبوی ﷺ پر ہی اکتفا کریں بلکہ ساتھ ساتھ ڈاکٹر سے بھی رجوع کریں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قرآنی آیات مبارکہ سے امراض کا علاج بتایا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزوں سے بھی ہماری بہت سی موروثی بیماریوں کا علاج تجویز فرمایا ہے اس کالم میں ہم ان ہی کے بارے میں تفصیل سے بات کریں گے۔

بدن کی کمزوری کا علاج

ابو نعیم نے لکھا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور بدن کی ضعف کی شکایت کی جواب ملا کہ شبر میں گوشت پکا کے کھایا کرو۔

انجیر کے فوائد

جامع کبیر میں ہے کہ اللہ کے رسول حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انجیر کھانے سے آدمی مرض قولنج سے محفوظ رہتا ہے بعض علماء نے لکھا ہے کہ انجیر کے بہت سے فائدے ہیں مثلاً لطیف اور زود ہضم ہے طبیعت میں نرمی پیدا کرتا ہے اور سودا کو پسینہ کے ذریعے خارج کر دیتا ہے۔ سُدے کھول کر نکالتا ہے اور بعض احادیث مبارکہ میں ہے کہ انجیر کھایا کرو کیونکہ یہ بواسیر کے لیے مفید ہے اور درد نقرس میں فائدہ دیتا ہے۔ امام علی موسیٰ رضا فرماتے ہیں کہ انجیر کھانے سے منہ کی بدبو جاتی رہتی ہے اور سر کے بال دراز کرتا ہے قولنج کے لیے مفید ہے۔

زیتون اور اس کے تیل کے فوائد

ابو نعیم نے کتاب الطب میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”اے علیؓ! زیتون کھایا کرو اور اس کے تیل کی مالش کیا کرو اس لیے کہ جو شخص روغن زیتون کی مالش کرتا ہے اس کے پاس چالیس روز تک شیطان نہیں آتا۔“

علماء لکھتے ہیں کہ زیتون میں اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کے خواص اور فائدے رکھے ہیں اگر اس کا اچار سرکہ میں ڈال کر کھائے تو معدہ قوی ہو جاتا ہے اور خوب بھوک لگتی ہے اور اس کے کھانے سے آدمی تندرست رہتا ہے۔ یہ قوتِ باہ کو بڑھاتا ہے اگر زیتون کا مغز آٹے اور چربی میں ملا کر برص کی جگہ لگائیں تو ان شاء اللہ برص جاتا رہے گا۔

قولنج کے لیے بھی مفید ہے اگر کوئی شخص زیتون سے کلی کرے تو دانت مضبوط ہو جاتے ہیں۔ بچھو کے کاٹے پر لگانے سے اسی وقت ٹھنڈک پڑ جاتی ہے۔ اس کا تیل بالوں کو سیاہ کرتا ہے سُدے کھول دیتا ہے قبض کو رفع کرتا ہے اور زیتون کے ضمادے سے دردِ سر جاتا رہتا ہے۔

کھجور کے فوائد

ابو نعیم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”کھجوروں میں سب سے بہتر برنی کھجور ہے کیونکہ یہ پیٹ سے بیماری کو نکالتی ہے اور اس میں کوئی بیماری نہیں۔“

برنی کھجور بہت سی اقسام میں سے ایک ہے وہ چھوٹی ہوتی ہے اس کی گٹھلی سبک ہوتی ہے یہ ایک طرف سے موٹی اور دوسری طرف سے کچدار ہوتی ہے۔

جادو اور زہر کا علاج

ابن حبان اور ابو نعیم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک عجوہ کھجور بہت پیاری تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”عجوہ کھجور جنت سے ہے اور اس میں زہر سے شفا ہے۔“ اور

فرمایا کہ جو شخص روزانہ صبح کو سات عجوہ کھجوریں کھائے گا وہ اس روز زہر اور جادو سے محفوظ رہے گا۔

تقویت دماغ کے لیے علاج

ابو نعیم نے واثلہ بن الاسقع سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے لوگوں کدو یعنی لوکی زیادہ کھایا کرو کیونکہ یہ دماغ کی قوت کو بڑھاتا ہے'' اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اے عائشہؓ جب تم ہانڈی پکایا کرو تو اس میں کدو ڈال دیا کرو کیونکہ یہ غمگین دل کے لیے تقویت کا باعث ہے۔'' اس کی ٹھنڈک گوشت کی حرارت کو دور کر کے معتدل کر دیتی ہے۔

دماغ کی خشکی اور خارش کا علاج

ابو حاتم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خربوزہ کو کھجور کے ساتھ تناول فرمایا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ کھجور کی گری خربوزہ کی ٹھنڈک کو زائل کر کے معتدل کر دیتی ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خربوزہ سرد تر ہے اس لیے صفراوی و سوداوی مزاج والوں کے لیے بہت مفید ہے۔ دماغ میں رطوبت پیدا کرتا ہے اور سددوں کو کھولتا ہے اور مثانہ کی پتھری کو نکالتا ہے۔

دودھ

دودھ کی اہمیت اور فوائد کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پینے کے بعد شکر خداوندی ادا کرنے کے لیے ایک خصوصی دعا فرمائی۔

''میں دودھ کے علاوہ ایسی کسی چیز کو نہیں جانتا جس کے اجزا بیک وقت کھانے اور مشروب کا کام دے سکیں۔''

یہ اس لیے بھی ہے کہ اس کی ترکیب میں قدرت نے تندرستی کی ضرورت کو نہایت خوب صورتی سے شامل کر دیا ہے۔ اس میں پنیر (لحمیات) چکنائی کو اس طرح سمویا ہے کہ اس کی تاثیر جسم کو ٹھنڈک دینے والی بن گئی ہے۔

جدید تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جو مائیں بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہیں۔ وہ ان کو بہت سی اقسام کی بیماریوں سے بچاتی ہیں کیونکہ ماں کے دودھ میں تمام ضروری اجزا جو کہ بچے کی صحت مندی کے لیے اہم ہیں شامل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایسی خواتین کو سینے کا سرطان ہونے کا خطرہ بھی نہیں رہتا۔

کدو

کدو ایک عام سبزی ہے جو دنیا بھر میں کاشت کی جاتی ہے چونکہ اس کے پھل کا وزن زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ایک بیل کے ساتھ لگتی ہے جو زمین پر ہوتی ہے۔ زرعی قسم کے علاوہ جنگلوں میں اس کی ایک خودرو قسم بھی ملتی ہے جسے جنگلی کدو کہتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کدو دماغ کو تیز کرتا ہے اور عقل میں اضافہ کرتا ہے۔''

کدو کا رس نکال کر سر پر ملنے سے سر درد کو سکون ملتا ہے۔ کدو کا بھرتہ بنا کر اس کا پانی نکال کر آنکھ میں ڈالنے سے یرقان کی زردی جاتی رہتی ہے۔ کدو کو کھانڈ کے ساتھ پکا کر دینے سے جنون اور خفقان میں فائدہ ہوتا ہے۔ اس کے پانی کی کلیاں کرنے سے مسوڑوں کا ورم جاتا رہتا ہے۔ کدو کا چھلکا پیس کر کھانے سے آنتوں اور بواسیر سے آنے والا خون بند ہو جاتا ہے۔ جگر کی سوزش میں کدو کا مربہ ازحد مفید ہے۔

کدو کی بیل کے پتے ابال کر چینی ملا کر پینے سے یرقان کو فائدہ ہوتا ہے۔

(جاری ہے)

apkiuljhan@gmail.com

سوال نمبر 1:۔ ڈاکٹر صاحبہ! میرے والدین نے میری پیدائش پر مجھے کسی اور کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔ میری لے پالک ماں نے اپنی محبت وشفقت سے کبھی اس بات کا احساس ہونے نہیں دیا اور والد کی محبت کی تو کوئی مثال ہی نہیں لیکن جب میں میٹرک میں تھی اس وقت والد کا انتقال ہوگیا' ساتھ ہی مجھ پر یہ انکشاف بھی ہوا کہ میں ان کی لے پالک اولاد ہوں' دکھ نے اس قدر میرے اندر جڑ پکڑی کہ میں بے راہ روی کا شکار ہوگئی۔ میری ماں کو فکر ہوئی کہ کہیں میں بھاگ نہ جاؤں اس لیے میری شادی جلدی کردی اور ساتھ ہی میرے شوہر کو بھی گھر داماد بنالیا۔ پہلے میں دکھ کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی اب اور مشکل آپڑی۔ میرا شوہر ایک نمبر کا بدمعاش ومکار آدمی نکلا اس نے پہلے گھر اپنے نام لکھوایا اور اب میری ماں کے ساتھ روز جھگڑا کرنے لگا ایسا نہیں تھا کہ اس نے یہ سب شادی کے فوراً بعد ہی شروع کردیا بلکہ کچھ وقت لگا اور اس دوران میری گود میں دو بچے آگئے حمزہ اور یونس۔ ماں بننے کے بعد مجھے اپنی لے پالک ماں سے ہمدردی ہے لیکن شوہر سے کچھ کہوں تو وہ مارتا ہے۔ دوسری طرف امی کہتی ہیں اسے سمجھاؤ ساری غلطی میرے سر رکھتی ہیں۔ امی کو سمجھاؤں تو وہ رونے لگتی ہیں کہ ہمارا کون ہے اس بڑھاپے میں کہاں جاؤں گی جبکہ اب میرا شوہر ان کا وجود برداشت نہیں کرتا اس کو بھی پتا ہے کہ میں ان کی اولاد نہیں ہوں۔ شوہر کو سمجھانے کی کوشش کروں تو وہ مجھے مارتا ہے طلاق دینے کی دھمکی بھی دیتا ہے۔ ان حالات میں بچے بھی بڑے ہورہے ہیں' میں کیا کروں ذہن اتنا منتشر ہورہا ہے اس دوران بچوں کی تربیت بھی ٹھیک سے نہیں کر پارہی۔ آپ کوئی بہتر مشورہ دیں پلیز۔

بینش وقار...... سرگودھا

جواب:۔ آپ کے سوال کا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ آپ نفسیاتی طور پر ایک کمزور انسان ہیں اور اپنی اسی کمزوری کی وجہ سے مسائل کا خود شکار ہوتی جارہی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ آپ نے لکھا کہ آپ کے والدین جنہوں نے آپ کی پرورش کی وہ آپ سے محبت بھی کرتے ہیں اور نیک نفس انسان ہیں۔ ایسی محبت میں رہتے ہوئے آپ پر اس بات کا آشکار ہوجانا یہ آپ کا اپنا اختیاری فعل ہے۔ اگر آپ کو بری صحبت ملی ہوتی اور آپ بے راہ روی کا شکار ہوتیں تو اس میں ماحول کا بھی قصور ہوتا۔ آپ کی بے راہ روی کے نتیجے میں آپ کی ماں کو آپ کی تربیت پر توجہ دینی چاہیے تھی نہ کہ ایک بے راہ روی کا شکار لڑکی کو شادی کے ذریعے ایک اور انسان کے حوالے کردیا جائے۔

یہ تو بہت آسان طریقہ ہے کہ بچی کی تربیت کرنے کے بجائے اس سے چھٹکارا حاصل کرلیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی امی کو اپنے داماد کے ساتھ بھی نباہ کرنے میں مسئلہ درپیش آرہا ہے۔ بہر حال اب جو ہوچکا اس کو تو آپ درست نہیں کرسکتیں لیکن جیسا کہ میں نے آپ سے کہا کہ آپ کو خود کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے' اللہ تعالیٰ نے اب آپ پر دو بچوں کی ذمہ داری ڈال دی ہے اس کو بہ احسن طریق نبھانے کے لیے آپ کو اپنا گھر بسائے رکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ ٹوٹے ہوئے گھروں کے بچے ذہنی انتشار کا شکار ہوجاتے ہیں اور ان کی شخصیت کی درست سمت میں تربیت نہیں ہوپاتی جس طرح یہ بات آشکار ہونے پر آپ کے ذہن میں انتشار اور سوالات ابھرے کہ آپ کے والدین نے آپ کو آپ کے لے پالک والدین کے حوالے کردیا اور آپ بے راہ روی کا شکار ہوگئیں اسی طرح اب آپ اگر زندگی کو طریقے اور قرینے کے ساتھ نہیں گزاریں گی تو آپ کے بچے آپ سے سوال کریں گے اور ان کے بگڑنے کے امکانات بڑھ جائیں گے لہٰذا اپنی حقیقی والدین کو دل سے معاف کرکے اپنے

ماں ہونے کی ذمہ داری کو خوب صورتی کے ساتھ نبھانے کے لیے مشکلات اور مسائل کا حقیقت پسندی سے سامنا کیجیے اس طرح آپ خود کو بہتر طور پر اپنے شوہر بچوں اور ماں کے ساتھ درست رویہ اختیار کر سکیں گی۔

سوال نمبر 2۔ تنویر آپی! میرا مسئلہ بہت الجھا ہوا ہے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں گو کہ اللہ نے ہر چیز سے نوازا ہے' دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ اچھی تعلیم و تربیت کر رہی ہوں' دیکھنے والے تعریف بھی کرتے ہیں شوہر کی اپنی گارمنٹس کی دکان تھی اور میں خود بھی اسکول ٹیچر ہوں۔ اچھی اور بہتر گزر بسر ہو رہی تھی' میری شادی کو دس سال کا عرصہ گزر چکا ہے ان کی بہن اور امی کی پسند ہوں۔ مسئلہ یہ ہے کہ شادی کے دس سال بعد میرے میاں کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اور وہ ایک پیر سے معذور ہو گئے ہیں' اب گھر کے حالات بھی آہستہ آہستہ خراب ہو رہے ہیں ایسے میں اسکول کے پرنسپل صاحب میری مدد کر دیتے ہیں۔ میں ان کی دل سے عزت کرتی ہوں اور یہ بات میں نے اپنے شوہر کو بتائی تھی۔ شروع میں تو انہوں نے بھی پرنسپل صاحب کو بہت دعائیں دیں لیکن اب کچھ عرصے سے یہ مجھ پر شک کرنے کے ساتھ گندے الزام لگا رہے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ یہ اپنی طبیعت کے باعث اس مزاج کے ہو گئے ہیں لیکن ان حالات میں میں کیا کروں۔ دکان ان کی بیماری کی وجہ سے بیچ دی گئی ہے' گھر اور بچوں کی تعلیم کے اخراجات مشکل سے ہی پورے ہو رہے ہیں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ اسکول کی جاب چھوڑ دوں لیکن اس کے بعد مجھے کچھ نظر نہیں آتا کیونکہ میں گھر بیٹھ کر کوئی اور کام نہیں کر سکتی اب آپ بتائیں میں کیا کروں۔

کاشفہ مسعود..... ملتان

جواب:۔ آپ کا مسئلہ دراصل محدود نظری کی وجہ سے ہے' اپنے حالات کو صرف ایک زاویے سے دیکھ رہی ہیں۔ اپنے اندر وسعت نظری اور جرأت پیدا کریں پھر آپ کو خود بخود اپنے مسائل کے حل کے بہت سے متبادل راستے نظر آجائیں گے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کے شوہر اگر ایک پیر سے معذور ہو گئے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کو بالکل ناکارہ سمجھ لیا جائے آپ کے شوہر بخوبی کسی بھی ادارے میں ملازمت کر سکتے ہیں بہت سے ایسے کام ہیں جن کے لیے وہ نہایت موزوں ہو سکتے ہیں۔ قانون کے مطابق تقریباً تمام حکومتی اور ذاتی اداروں میں باقاعدہ معذور افراد کے لیے ڈھائی فیصد سے پانچ فیصد کا کوٹہ مختص کیا جاتا ہے لہٰذا آپ کے شوہر کو باآسانی ملازمت مل سکتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ اگر پڑھی لکھی ہیں تو صرف ایک اسکول کے بجائے آپ کو دوسرے اسکولوں اور اداروں میں بھی جاب مل سکتی ہے اگر آپ کے شوہر اسکول پرنسپل پر شک کرتے ہیں تو بہتر ہے کہ آپ کسی ایسے اسکول میں جاب اختیار کر لیں جہاں پر تمام ٹیچرز اور پرنسپل خواتین ہوں' اس کے علاوہ آپ اگر غور و فکر کریں تو آپ کو کوئی نہ کوئی ایسا راستہ بھی نظر آجائے گا جس کے تحت آپ گھر میں رہ کر بھی کام کر سکیں۔ آپ کے شوہر کی ذہنی صحت کے لیے ضروری ہے کہ آپ ان کے لیے ان کی صلاحیتوں کے مطابق کام تلاش کرنے میں ان کی مدد کریں۔

کوپن آپ کی الجھن .... برائے ماہِ جنوری ۲۰۱۶ء

بہنیں اپنا مکمل نام و پتا بھی لکھیں۔ جو بہنیں کوپن کے ساتھ اپنے سوال ارسال کریں گی وہی شامل اشاعت کیے جائیں گے۔ بغیر کوپن کے کوئی بھی سوال قابل قبول نہیں ہوگا۔

مکمل نام..

شہر کا نام..

bshijaz@gmail.com

طیبہ سعدیہ...... کھڑیالہ
ہم نے کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا ہے اکثر وصی
لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں

مدیحہ نورین مہک...... برنالی
مجھے کسی کے چھوڑ جانے کا دکھ نہیں مگر
کوئی ایسا تھا جس سے یہ امید نہ تھی

فریحہ شبیر...... شاہ نکڈر
سبق اس زندگی میں بس اتنا ہی ملا ہے
دھوکا بس وہ نہیں دیتا جسے موقع نہیں ملتا

راؤ تہذیب حسین تہذیب...... رحیم یار خان
شہر طلسم ہے یہ یا قریۂ عجائب؟
جو بھی یہاں سے گزرا پتھر کا ہو گیا

سدرہ کشف...... خیر پور ٹامیوالی
ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

ایس انمول...... بھابڑہ شریف
تمہیں بھلانا ہی اول تو دسترس میں نہیں
جو اختیار بھی ہوتا تو کیا بھلا دیتے

سامعہ ملک پرویز...... خان پور ہزارہ
محبتوں میں لاشریکیت' چاہتوں میں دم عداوتیں
اصول یہ وفا کے اٹوٹ بہت ہیں
دل اس کا مطیع میرا لبوں پہ نہ کی تکرار
زبان پہ ہر دم اس کے جھوٹ بہت ہیں

عاصمہ وقار...... حافظ آباد
دل اجاڑ کر اپنا دوستو
خیال آیا گھر بسانے کا

سعدیہ...... ستیانہ

تُو روٹھ گیا ہے تو تھم سی گئی ہے زندگی
تُو ساتھ تھا تو سال کو لمحوں میں گزرتے دیکھا

سیدہ لوبا سجاد...... کہروڑ پکا
فرصت قلیل اور کہانی طویل ہے
شکوے تو ہیں نظر میں مگر جانے دیجیے

مونا شاہ قریشی...... کبیر والا
سوچتی ہوں بنا ہی ڈالوں
ایک فرقہ اداس لوگوں کا

فاطمہ سخاوت...... جڑانوالہ
ہمارے ظرف کی تم کیا داد دو گے بھلا
ہم تو درد دینے والوں کو بھی اعلیٰ ظرف سے ملتے ہیں

وائے خان...... موڑ ایمن آباد
بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

مدیحہ شفیع مدد...... بورے والا
تُو یوں مجھ سے دامن بچا کے نہ جا
مجھے اپنی ہی باتوں میں الجھا کے نہ جا
عشق یہ نہیں جو میں نے کیا جتلا کے نہ جا
عشق کیا ہوتا ہے مجھے اتنا تو بتا کے جا

اقراء وسیم...... اللہ والا ٹاؤن' کراچی
یہ اس کی بھول ہے آغازِ گفتگو ہم کریں گے
ہم خود سے روٹھ جائیں تو صدیوں خاموش رہتے ہیں

سیدہ امبر اختر بخاری...... چندی پور
اگر بے عیب چاہو تو فرشتوں سے نباہ کرلو
میں آدم کی نشانی ہوں مجھے انسان رہنے دو

حنا وہاب...... کراچی
پھلوں کی نمائش میں اگر آپ بھی آئے تو
اس بار گلابوں کو بڑی آگ لگے گی

مافیہ بٹ...... شادیوال گجرات
احساس تو گراں جذبوں کا تو ہے معروف بے شک
جینا بھی مجھے دشوار لگے اتنا تو نظر انداز نہ کر

شمع مسکان...... جام پور

میں تو ایک ایسی کہانی ہوں مسکان
جسے تم نے ہی لکھا اور تم نے ہی پڑھا
ثناء ریاض...... بوسال سکھا
تم آسمان کی بلندیوں سے جلد لوٹ آنا
ہمیں زمین کے مسائل پر بات کرنی ہے
سدرہ شاہین...... پیرووال
ہر شخص نہیں ہوتا ہر شخص کے قابل
ہر شخص کو اپنے لیے سوچا نہیں کرتے
سعدیہ رشید بھٹی...... فیصل آباد
ہوتی ہے لاکھ غم کی دوا نیند مگر
ہوتے ہیں ایسے غم بھی جو سونے نہیں دیتے
حسن شاہد...... کراچی
ان کی نظروں میں فرق اب بھی نہیں
پہلے مڑ کے دیکھتے تھے اب دیکھ کے مڑتے ہیں
روشی وفا...... ماچھیوال
نیم شب دعائے لب تہجد کی عبادت میں
میں نے اسے مانگا فجر کی اذانوں تک
رشک حناء...... سرگودھا
بجھا جو روزنِ زنداں تو دل یہ سمجھا ہے
کہ تیری مانگ ستاروں سے بھر گئی ہوگی
چمک اٹھے ہیں سلاسل تو ہم نے جانا ہے
کہ اب سحر ترے رخ پر بکھر گئی ہوگی
صباء ناز...... کراچی
ضروری تو نہیں کہ آپ میری نگاہوں میں رہو
بس دعا ہے جہاں بھی رہو خدا کی پناہ میں رہو
فرحت اشرف گھمن...... سیدوالا

ظالم دنیا میں ذرا سنبھل کے رہنا فراز
یہاں پلکوں پر بٹھایا جاتا ہے نظروں سے گرانے کے لیے
ہاجرہ ظہور...... پشاور تاروجبہ
اٹھتے تھے جو قدم تیرے اللہ کے گھر کو
ناچار اب اٹھتے ہیں وہ بازار کی جانب
تم چھوڑ چلے کیا ہی قرآن کی محبت
حق ہوگیا مغلوب اور باطل ہوا غالب
صائمہ ناز...... پشاور تاروجبہ
وہ ہم سے بات اپنی مرضی سے کرتے ہیں
اور ہم بھی کتنے پاگل ہے ان کی مرضی کا انتظار کرتے ہیں
سلمٰی عنایت...... کھلابٹ ٹاؤن شپ
خوش بو سے ہواؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
موسم کی اداؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
مل جائیں تو جیون کو سجا دیتے ہیں
بچھڑ جائیں تو دعاؤں سے بھی ملتے نہیں کچھ لوگ
ہالہ سلیم...... کراچی
یہ سوچ کے غم کے خریدار آگئے
ہم خواب بیچنے سر بازار آگئے
آواز دے کے چھپ گئی ہر بار زندگی
ہم ایسے سادہ دل تھے ہر بار آگئے

نوٹ:۔
شمارہ نومبر ۲۰۱۵ء کا انعام یافتہ شعر زین الدین کراچی کا قرار پایا ہیں ان کو حجاب دسمبر کا شمارہ ارسال کیا جارہا ہے۔

کوپن بزم سخن ...... برائے ماہِ جنوری ۲۰۱۶ء

بہنیں اپنا مکمل نام و پتا بھی لکھا کریں تاکہ انعام کی بروقت ترسیل میں آسانی رہے۔ جو بہنیں کوپن کے ساتھ اپنا انتخاب شاعر کے نام کے ساتھ ارسال کریں گی وہ شامل اشاعت ہوگا اور بہترین انتخاب پر ایک ماہ کا حجاب ارسال کیا جائے گا۔ بغیر کوپن کے کوئی بھی انتخاب قابل قبول نہیں ہوگا۔ تمام تر اختیارات ادارے کے پاس محفوظ ہیں۔ انچارج

مکمل نام .... شہر کا نام ....

پالک اور مونگ کی دال

اشیاء:

پالک (باریک کتر کے)	ایک کپ
مونگ کی دال	ایک کپ
ٹماٹر (چوپ کر کے)	ایک عدد
پیاز (چوپ کر کے)	ایک عدد
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
ادرک (باریک کتر کے	ایک کھانے کا چمچہ
ہرہ مرچ (لمبائی میں کاٹ کر)	دو عدد
لہسن	دو جوے
سرخ پاؤڈر	حسب پسند
نمک	حسب ذائقہ
ہرا دھنیا	تھوڑا سا
گھی	چار کھانے کے چمچے

ترکیب:

دال کو صاف کر کے ایک گھنٹے کے لیے بھگو دیں' ادرک لہسن' ہری مرچ اور پیاز کو گرائنڈر میں ڈال کر پیسٹ بنالیں اور اس میں ہلدی اور سرخ مرچ بھی ڈال کر حل کر دیں۔ پتیلی میں گھی گرم کر کے سفید زیرہ کڑکڑائیں اور اس میں تیار کیا ہوا پیسٹ شامل کر کے فرائی کریں اور مصالحہ بھن جانے کی خوشبو آنے لگے تو ٹماٹر اور نمک بھی ڈال دیں۔ کچھ دیر ہلکی آنچ پر پکانے کے بعد اس میں بھگوئی ہوئی دال اور دوگنا پانی ڈال کر پکنے دیں۔ دال گلنے کے قریب ہو تو اس میں پالک بھی شامل کر دیں اور گل جانے تک پکانے کے بعد اوپر سے ہرا دھنیا چھڑک کر تناول کریں۔ دال کا پتلا یا گاڑھا کرنے کے لیے اندازے سے پانی شامل کیا جاسکتا ہے۔

حرا قریشی..... اسلام آباد

آلو کے کباب

اشیاء:

آلو	آدھا کلو
تیل	ایک پیالی
چنے کی دال	125 گرام
انڈے	دو عدد
پیاز (بڑی)	ایک عدد
لونگ	چار عدد
بڑی الائچی	دو عدد
انار دانہ	دس گرام
دار چینی	ایک ٹکڑا
نمک	حسب ضرورت
سرخ مرچ	ایک چائے کا چمچہ
سبز مرچ (کٹی ہوئی)	دو عدد
ہرا دھنیا (کٹا ہوا)	تھوڑا سا

ترکیب:

آلو دھو کر ابال لیں اور انہیں چھیل کر خوب اچھی طرح میش کر لیں' ان آلوؤں میں آدھی پیاز تلی ہوئی' انار دانہ تھوڑا نمک اور ہرا مصالحہ ملا لیں۔ چنے کی دال ابال لیں' جب پانی بالکل خشک ہو جائے سل بٹے پر گرم مصالحے نمک مرچ کے ساتھ پیس لیں۔ تھوڑی تیل میں باقی پیاز سرخ کر کے اس دال کو بھونیں' ٹھنڈا ہونے پر دال کے اس بھرتے کو آلو میں بھر کر کباب بنائیں۔ دونوں انڈے پھینٹ لیں اور کبابوں کو اس میں ڈبو ڈبو کر تیل میں دھیمی آنچ پر تل لیں۔

اس میں نمک مرچ اپنی مرضی سے کم و بیش کیا جاسکتا ہے۔ پودینے کی چٹنی یا ٹماٹر ساس کے ساتھ یہ کباب بڑا مزا دیتے ہیں۔

ثمن رحمٰن..... اکبر روڈ' کراچی

ٹماٹر مچھلی

اشیاء:

مچھلی (قتلے)	آدھا کلو
ٹماٹر	250 گرام
لہسن	35 گرام
بیسن	ایک کھانے کا چمچہ
دہی	100 ملی لیٹر
گرم مصالحہ (پسا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
سرخ مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
زعفران	چند ریشے

(تھوڑے سے دودھ میں حل کرلیں)

تیل	تین کھانے کے چمچے
ہلدی	ایک چوتھائی چائے کا چمچہ
لونگ	چار عدد
ہری مرچ (باریک کاٹ لیں)	چار عدد
ہرا دھنیا (باریک کاٹ لیں)	بیس گرام
ادرک (باریک کاٹ لیں)	پندرہ گرام
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
الائچی	چار عدد
نمک	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:۔
مچھلی کے قتلوں کو بیسن سے دھولیں ٹماٹروں کو مکسچر میں گرائنڈ کرلیں' پھر ٹماٹروں کا گودا نچوڑ لیں اور اسے ایک طرف رکھ دیں۔ دہی کو مکسچر میں پھینٹ لیں اور ایک طرف رکھ دیں۔ ادرک کو گرائنڈ کرکے پیسٹ سا بنالیں پھر پھینٹتے ہوئے دہی' ادرک کے پیسٹ' نمک (حسب ذائقہ) پسا ہوا گرم مصالحہ' ہری مرچ' نصف ہرا دھنیا اور سرخ مرچ پسی ہوئی آپس میں مکس کرلیں اور مچھلی کے قتلوں کو اس مکسچر میں لیپ کرکے نصف گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔
ایک نان اسٹاک پین میں تیل گرم کریں اور اس میں ادرک کٹی ہوئی' ہلدی' زیرہ' لونگ اور الائچی ڈال کر ایک منٹ تک فرائی کریں پھر ٹماٹر کا گودا شامل کرکے پانچ منٹ تک فرائی کریں اور چمچہ چلاتے رہیں۔ اب مصالحہ لگی مچھلی کے قتلے شامل کرکے مزید دس منٹ یا مچھلی کے گلنے تک پکائیں پھر اوپر سے زعفران چھڑک دیں اور بقیہ ہرے دھنیا سے گارنش کرکے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔
مہک ناز......کراچی

گلاب جامن

اشیا:۔

خشک دودھ	ایک پیالی
سوجی	آدھی پیالی
میدہ	آدھی پیالی
پھیکا کھویا	آدھی پیالی
بیکنگ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
تیل	دو کھانے کے چمچے

ان سب چیزوں کو اچھی طرح ملا کر آٹے کی طرح گوندھ لیں' پانچ منٹ کے لیے رکھ دیں پھر چھوٹے چھوٹے پیڑے بنالیں۔

شیرا بنانے کے لیے

چینی	دو پیالی
پانی	ایک پیالی
چھوٹی الائچی	آٹھ عدد

دانے نکال کر باریک پیس لیں۔
ترکیب:۔
چینی میں پانی ملا کر ہلکی آنچ میں شیرا بنالیں جب شیرا بننے لگے تو الائچی ڈال کر اتار لیں۔
ایک کڑاہی میں گھی گرم کریں گھی تقریباً دو پیالی ہونا چاہیے تاکہ گلاب جامن اچھی طرح تلے جاسکیں۔ جب گھی تیز گرم ہوجائے تو ہلکی آنچ کرکے پیڑے تلنا شروع کردیں جب براؤن ہوجائیں تو نکال کر شیرے میں ڈال دیں۔ گلاب جامن شیرے میں ڈال کر ہلکی آنچ میں دم پر رکھ دیں۔
حنا وہاب......کراچی

بیسن کے لڈو

اشیا:۔

بیسن	ایک کلو
چینی	ڈیڑھ کلو
گھی	آدھا کلو
گری بادام (کتری ہوئی)	ایک تولہ
سبز الائچی کے دانے	ایک تولہ
پستا	آدھا پاؤ

ترکیب:۔

گھی کو فرائنگ پین میں خوب گرم کریں' بیسن ڈالیں اور بھون لیں۔ تھوڑی دیر میں چینی ملادیں' چمچہ چلاتے رہیں۔ چینی کا پانی خشک ہوجائے تو اتارلیں اس میں کترا ہوا پستہ' بادام اور الائچی کے دانے شامل کردیں۔ ہاتھوں سے لڈو بنائیں اور ورق لگائیں۔

فائزہ صدیقی..... رحیم یار خان

چم چم

اشیاء:۔

دودھ	دوکلو
چینی	آدھا کلو
پھٹکری	چوتھائی تولہ

ترکیب:۔

دودھ کو تیز آنچ پر ابال لیا جائے اور پھر اس میں پھٹکری ڈال دیں' دودھ پھٹ جائے گا اب ململ کے کپڑے میں سے چھان لیں تاکہ پانی الگ ہوجائے۔ اب اسے بلینڈر میں پیس لیں اور اس کے بیضوی شکل کے لڈو بنائیں۔ پانی میں چینی پکا کر شیرا تیار کرلیں اور ہلکی آنچ پر یہ لڈو ڈال کر پکائیں دس سے پندرہ منٹ میں چم چم تیار ہوگی' کھانے میں نہایت لذت بخش ثابت ہوگی۔

شاہدہ انجم..... دہلی

شاہی شیر خورمہ

اشیاء:۔

دودھ	ایک لیٹر
بادام' پستہ	1/2 کپ
چھوہارے	چھ سے آٹھ
سویاں	ایک کپ
چینی	3/4 کپ
الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پسے ہوئے چاول	دو کھانے کے چمچے
کنڈینسڈ ملک	1/2 کپ
زعفران	ایک چٹکی
تیل	ایک چائے کا چمچہ
کشمش	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:۔

ایک پین میں تیل اور مکھن ڈال کر گرم کریں اور الائچی پاؤڈر ڈالیں۔ جب الائچی کی خوشبو آنے لگے تو سویاں ڈال کر ہلکا سا بھون لیں اور چولہے سے اتارلیں۔ اب دوسرے پین میں دودھ اور چینی ڈال کر پکنے کے لیے رکھیں' ایک ابال آنے پر دودھ میں کٹے ہوئے چھوہارے اور پسے ہوئے چاول ڈال کر اتنا پکائیں کہ چاول اچھی طرح سے پک جائیں پھر دودھ میں فرائی کی ہوئی سویاں اور کنڈینسڈ ملک ڈال کر مکس کریں اور ساتھ ہی کشمش بھی ڈال دیں۔ اب اتنا پکائیں کہ آمیزہ تھوڑا سا گاڑھا ہوجائے' ڈش میں ڈال کر کٹے ہوئے بادام' پستہ اور زعفران کے ساتھ سجا کر کھانے کے لیے پیش کریں۔ چاہیں تو ٹھنڈا کھائیں یا گرم' دونوں صورت میں اچھا لگے گا۔

ہما نعیم..... کراچی

ویجی ٹیبل گرین سوپ

اشیاء:۔

یخنی	دو کپ
پالک (کتری ہوئی)	آدھا کپ
کھیرا (باریک کٹا ہوا)	ایک عدد
سلاد (کٹا ہوا)	آدھا کپ
ٹماٹر	دو عدد (گودا)
سویا ساس	ایک چائے کا چمچہ
سیاہ مرچ	چھ عدد
نمک	حسب ذائقہ

گرم مصالحہ (پاؤڈر)	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:۔

تمام سبزیوں کو دو پیالی پانی ڈال کر ابلنے کے لیے رکھ دیں، سبزیاں ابل جائیں اور پانی ایک پیالی رہ جائے تو یخنی ملادیں ساتھ ہی نمک اور سیاہ مرچ موٹی موٹی کٹی ہوئی شامل کردیں آپ کی پسند کے مطابق سوپ گاڑھا ہوجائے تو سویا ساس بھی ملا کر گرم مصالحہ چھڑکیں اور پیش کریں۔

عظمیٰ شاہد...... دہلی کالونی، کراچی

چکن نوڈلز پلاؤ

اجزا:۔

چکن بریسٹ (کیوبز بنالیں)	پانچ سو گرام
نوڈلز	چوتھائی پیکٹ
پیاز (درمیانے سائز کی)	ایک عدد
ادرک، لہسن کا پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
چائنیز نمک	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ	چھ عدد
لونگ	تین عدد
دار چینی	ایک ٹکڑا
نمک	حسب ذائقہ
تیل	چوتھائی کپ
دہی	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
نوڈلز چکن	ایک پیکٹ

ترکیب:۔

نوڈلز کو پیکٹ پر درج ہدایت کے مطابق ابال لیں، مرغی دھو کر دہی لگا کر پندرہ سے بیس منٹ رکھ کر بھاپ میں گلالیں۔ پتیلی میں تیل گرم کرکے پیاز ڈال کر فرائی کریں، پیاز لائٹ براؤن ہونے لگے تو ادرک، لہسن کا پیسٹ ڈال کر فرائی کریں۔ خوشبو آنے پر مرغی، چائنیز نمک، سفید زیرہ، کالی مرچ، لونگ، دار چینی، نمک اور دہی ڈال کر بھون لیں۔ جوش آنے پر نوڈلز کا فلیور پیک اور نوڈلز ڈالیں اور چمچہ چلائیں ڈھکن ہٹا کر پکائیں۔ ہلکا سا مکس کرکے چولہا بند کردیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر گارنشنگ کریں۔ چلی گارلک سوس کیچپ کے ساتھ گرما گرم نوڈلز پلاؤ سرو کریں۔

نائمہ قریشی...... پشاور

پالک مشروم چکن رولز

اجزا:۔

مرغی (آدھے آدھے سینے)	چار عدد یا حسب ضرورت
زیتون کا تیل	ایک چائے کا چمچہ
لہسن	دو جوے (پسے ہوئے)
پیاز	ایک عدد (چوراشدہ بڑا سا)
مشرومز (چوراشدہ)	ایک سو پچاس گرام
پالک	ایک گٹھی
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

تیل گرم کرکے لہسن کو فرائی کریں پھر پیاز اور مشرومز ڈال دیں، جب پیاز نرم ہوجائے تو پالک ڈال دیں اور بھونیں جب پالک نرم پڑجائے تو آنچ بند کردیں۔ مرغی کے سینے کے اندر اس طرح سے چھری ڈال کر کٹ لگائیں کہ ایک "پاکٹ" سی بن جائے۔ اس پاکٹ میں پالک والا مرکب بھردیں اور سینے پر دھاگہ لپیٹ کر اسے بند کردیں تاکہ فیلنگ باہر نہ آئے کڑاہی میں ایک چائے کا چمچہ سفید سرکہ، چٹکی نمک اور سیاہ مرچ موٹی موٹی کٹی ہوئی ڈال کر پکائیں۔ سوس گاڑھا ہوجائے تو چکن کے اطراف میں ڈال دیں اس گوشت یعنی پالک مشرومز بھرے سینے کو فرائنگ پین میں ڈال کر تل لیں صرف ایک چائے کا چمچہ تیل ڈالیں جب چاروں طرف سے براؤن ہوجائے تو نکال کر اوون ٹرے میں رکھیں۔ (ٹرے پر پہلے جالی رکھ لیں) گرم اوون میں پندرہ بیس منٹ تک بیک کریں ایک ڈش میں نکال کر دھاگے الگ کردیں اور تیز چھری سے قتلے کاٹ لیں۔ گوشت کے اندر پالک کی فیلنگ دکھائی دیتی ہوئی بہت خوب صورت لگتی ہے، پلیٹ میں سینٹر میں رکھ کر اردگرد سوس بہا کر ڈال دیں۔

ماریہ اقراء وسیم...... اللہ والا ٹاؤن، کراچی

❁

خود کو جاذب نظر بنائیں

کوئی بھی چیز جس انداز سے پیش کی جاتی ہے وہی دراصل اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ جب کوئی آرٹسٹ اپنے شاہکار کو تیار کرتا ہے تو پہلے وائٹ پینٹ کرتا ہے اس پر اپنا شاہکار شروع کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح کی صورت حال میک اپ کے سلسلے میں بھی ہوتی ہے جب بھی کوئی میک اپ آرٹسٹ میک اپ شروع کرتا ہے تو سب سے پہلے فاؤنڈیشن پر کام کرتا ہے جو دراصل میک اپ کی جان ہوتی ہے۔ ظاہر ہے وہ سفید فاؤنڈیشن کا انتخاب تو نہیں کرے گا مگر فاؤنڈیشن کا کلر اس کے کلائنٹ کی اسکن سے ضرور ملتا ہوا منتخب کرے گا۔ ایک آئیڈیل فاؤنڈیشن اچھی کوریج کی حامل ہوتی ہے مگر وہ یقیناً پنک اور نج' ایشی یا ملٹی کلر کی نہیں ہونی چاہیے۔ گالوں اور آنکھوں کے حصے کے لیے جو رنگ استعمال کیا جائے وہ بلش اور آئی شیڈو سے کیا جائے فاؤنڈیشن سے نہیں۔

خواتین کی اکثریت اپنی اسکن کے رنگ کی پروا کیے بغیر یلو بیس استعمال کرتی ہیں جبکہ مارکیٹ میں پنک اور اورنج بیس فاؤنڈیشن زیادہ دستیاب ہوتا ہے۔ میک اپ آرٹسٹ کے لیے ایک اور دردِ سر ون لائین فاؤنڈیشن کا حصہ بھی ہوتا ہے جس میں تمام کلر کی اسکن کے شیڈ ہوتے ہیں۔ ایسی ہی ایک لائن Sacha بھی ہے جو بین الاقوامی اور تیجلی یلو بیسڈ ہوتی ہے اور سخت صورت حال میں بھی اچھی کوریج دیتے ہیں۔

اپنی اسکن کے مطابق فاؤنڈیشن استعمال کرنے کے بعد اب آپ کے لیے میک اپ کی پرفیکٹ کنڈیشن تیار ہوگئی ہے اب آپ اپنی تخلیق کے ہنر دکھا سکتے ہیں۔ اپنی آنکھوں' گالوں' ہونٹوں پر اپنی کاریگری کے ہنر دکھانے کا وقت آگیا ہے۔

فاؤنڈیشن کا انتخاب

کسی بھی خاتون کے لیے فاؤنڈیشن میک اپ میں بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ ایک اچھی فاؤنڈیشن آپ کی شخصیت میں اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔ آج مارکیٹ میں آپ کو بے شمار فاؤنڈیشن ملیں گی کسی بھی کاسمیٹکس سینٹر جا کر آپ کو فاؤنڈیشن کو سلیکٹ کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ لیکوئیڈ' پاؤڈر' کریم' آئل فری' الرجی ٹیسٹڈ' کیک' اسٹک اسٹے آن' ہائپو الرجینک' کریم ٹو پاؤڈر' ٹان کمیڈ وجینک اور کیموفلیگ فاؤنڈیشن...... پتا نہیں اور کتنی قسم کی فاؤنڈیشن مارکیٹ میں دستیاب ہیں یہ دماغ کو ہلا دینے والا تجربہ ثابت ہوگا خاص طور پر اگر آپ پہلی بار فاؤنڈیشن کی خریداری کررہی ہیں۔ مندرجہ ذیل ترجیحات آپ کے پاس ہونی ہیں۔

لیکوئیڈ فاؤنڈیشن

لیکوئیڈ فاؤنڈیشن بھرپور کوریج کے ساتھ آپ کو قدرتی لک دیتا ہے۔ بہت سی خواتین یہ فاؤنڈیشن اس لیے بھی استعمال کرتی ہیں کہ اسے استعمال کرنا بہت آسان ہوتا ہے یہ آپ کو واٹر بیسڈ اور آئل بیسڈ فارمولوں میں ملیں گی۔

کریم فاؤنڈیشن

کریم فاؤنڈیشن میک اپ آرٹسٹ کی نمبر ون چوائس ہوتی ہے۔ یہ عموماً کمپیکٹ یا اسٹک کی شکل میں دستیاب ہوتی ہیں اور بھرپور کوریج فراہم کرتی ہیں۔ لگانے میں بھی بہت آسان ہوتا ہے البتہ اس میں آپ کے خدوخال کے مطابق رنگوں کا ملنا مشکل ہوتا ہے۔

پاؤڈر فاؤنڈیشن

آج کی اس تیز دنیا میں ''ماڈرن وومین'' کے پاس وقت بہت کم ہوتا ہے مگر وہ سیکنڈوں میں خوب صورت اور دلکش دنیا بھی چاہتی ہے ان کی اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ہی پاؤڈر فاؤنڈیشن پیش کیا گیا ہے اس میں فاؤنڈیشن اور پاؤڈر یکجا ملیں گے یہ لگانے میں بھی آسان ثابت ہوا ہے۔

جنجر ڈینڈرف ٹریٹ منٹ

اجزاء:

ادرک	ایک ٹیبل اسپون

ویجیٹیبل آئل — ایک ٹی اسپون
تازہ لیموں کا رس — ایک ٹی اسپون

طریقہ:
ایک بڑے پیالے میں ادرک کا جوس ویجیٹیبل آئل اور لیموں کا رس اچھی طرح مکس کرلیں۔ اس مکسچر کو بالوں میں لگائیں اور بیس منٹ کے لیے چھوڑ دیں تاکہ یہ خشک ہوجائے اس کے بعد کوئی مائلڈ شیمپو سے بالوں کو اچھی طرح دھولیں۔

فوائد
سردیوں میں کھوپڑی خشک ہوجاتی ہے اور اس میں کھجلی ہونے لگتی ہے جس کی وجہ سے بالوں میں خشکی بھی ہونے لگتی ہے۔ اس نسخہ کو اگر ہفتہ میں دو بار استعمال کیا جائے تو نہ صرف کھوپڑی کی خشکی اور کھجلی دور ہوجائے گی بلکہ بالوں میں خشکی کا بھی خاتمہ ہوجائے گا اور بال چمک دار ہوجائیں گے۔

بنانا بلینڈ کنڈیشنر

اجزاء:
آدھا کیلا — 1/4 کینٹالوپ
زیتون کا تیل — ایک ٹیبل اسپون
سادہ دہی — ایک ٹیبل اسپون

طریقہ
ایک فوڈ پروسیسر میں تمام اجزا کو ڈال کر بلینڈ کرلیں' بالوں کو اچھی طرح دھولیں اور پھر اس مکسچر کو بالوں میں جڑوں سے شروع کرکے بالوں کی نوک تک لگائیں اور تین منٹ تک لگا رہنے دیں اس کے بعد سادے پانی سے بالوں کو دھولیں۔

فوائد
سردیوں میں جب بال روکھے اور ناقابل انتظام ہوجاتے ہیں تو یہ کنڈیشنر ان کو قابو میں کرتا ہے اور ان کو ہموار اور لچک دار بناتا ہے۔

لیمن ہیئر ٹریٹ منٹ

اجزاء:
انڈے — تین عدد
تازہ لیموں کا رس — ایک ٹیبل اسپون
زیتون کا تیل — ایک ٹیبل اسپون
مایونیز — ایک ٹیبل اسپون
کوئی سا بھی مائلڈ شیمپو — تین ٹیبل اسپون

طریقہ
ایک بلینڈر میں لیموں کا رس' زیتون کا تیل اور مایونیز کو اچھی طرح مکس کرلیں۔ اس کے بعد اس میں شیمپو شامل کریں اور ایک بار پھر اچھی طرح مکس کرلیں۔ بالوں کو کھنگالنے کے بعد اسے لگائیں اور اس سے بالوں کو اچھی طرح رگڑنے کے بعد بال سادے پانی سے صاف کرلیں۔

فوائد
لیموں نہایت زبردست موئسچرائزر ہے' یہ بالوں اور کھوپڑی کو خشک نہیں ہونے دیتا ہے۔ یہ کنڈیشنر بالوں کی نشوونما کرتا ہے' ان کو صحت مند رکھتا ہے اور چمکیلا بھی بناتا ہے۔

بنانا اور المنڈ ماسک

اجزاء:
پکا ہوا کیلا — ایک عدد
بادام کا تیل — تین سے چار قطرے

طریقہ
بنانا کو مسل کر پیسٹ کی طرح کرلیں' اب اس میں بادام کا تیل ملائیں اور اچھی طرح مکس کرلیں' اسے بالوں کی جڑوں میں لگا کر مساج کریں اور پھر تیس منٹ کے لیے اسے چھوڑ دیں تاکہ یہ سیٹ ہوجائے' آخر میں کسی مائلڈ شیمپو سے بالوں کو دھولیں۔

فوائد
یہ مکسچر یا ماسک خشک اور کھردرے بالوں کے لیے بہت مفید ہے۔ اس کا استعمال بالوں میں مضبوطی لاتا ہے اور بال ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ رہتے ہیں۔

akphijab@gmail.co

غزل

نہ جانے کیوں مجھے لگتی ہے وہ گمنام سی لڑکی
عجب پاگل سی لگتی ہے نہیں وہ عام سے لڑکی
وہ جب بھی کھل کے ہنستی ہے تو پلکیں بھیگ جاتی ہیں
بہت گہری ہے اندر سے بظاہر عام سی لڑکی
اس کی جھیل آنکھوں میں اداسی برف جیسی ہے
دسمبر جیسی لگتی ہے مجھے ہر شام وہ لڑکی

شاعرہ: نزہت جبین ضیاء

انتخاب: جویریہ ضیاء

غزل

تم ایک بار مجھ کو آزما کے تو دیکھو
اپنی زندگی میں مجھ کو سما کے تو دیکھو
میرے دل کے دروازے تیرے لیے ہیں کھلے
کبھی ہمارے دل میں آ کے تو دیکھو
محبت نہیں ہے تو ہوجائے گی
دل میں شمع چاہت کی جلا کر تو دیکھو
تشنگی دید ہے تمہیں تو آجاؤ
دل کی چوکھٹ پر پیاس بجھا کر تو دیکھو
مانا کہ تیرے قابل نہیں مگر ہوجائیں گے
تیری روح کے در و دیوار نکھر جائیں گے ندیم
کاش ہمیں دل میں کبھی سجا کر تو دیکھو

شاعر: ندیم عباس ڈھکو

انتخاب: اریبہ منہاج..... کراچی

غزل

جن دنوں عشق تھا ہم آزاد ہوا کرتے تھے
ہم کسی ہجر میں سرشار ہوا کرتے تھے
ابتدا ہی سے ان آنکھوں پر ستم ہوتا تھا
خواب اس وقت بھی مسمار ہوا کرتے تھے
دھوپ جب شہر پر ناراض ہوا کرتی تھی
ہم تری راہ میں چھتنار ہوا کرتے تھے
جس جگہ تجھ کو سنورنے کی طلب ہوتی تھی
ہم وہاں آئینہ بردار ہوا کرتے تھے
جو پرندے مری شاخوں میں بسا کرتے تھے
وہ ترے لمس کا اظہار ہوا کرتے تھے
یہ جہاں خاک سی اڑتی ہوئی تم دیکھتے ہو
اس جگہ کوچہ و بازار ہوا کرتے تھے
اب تو اپنی بھی خبر ہم کو کہاں ہے اطہر
ہم کبھی واقف اسرار ہوا کرتے تھے

شاعر: ممتاز اطہر

انتخاب: پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

غزل

اب کہ غم کا وہ باب لکھوں گا
جو ملے ہیں عذاب لکھوں گا
اپنے ہاتھوں سے اپنے سینے پر
اک نیا انقلاب لکھوں گا
جب اندھیروں کا رقص ہوگا یہاں
میں تجھے ماہتاب لکھوں گا
جو بھی دیکھے تھے تیری چاہت میں
سارے چن چن کے خواب لکھوں گا
نام وردِ زبان ہے تیرا
میں تجھے بے حساب لکھوں گا
صبح دم گھر سے وہ نہیں نکلا
میں کیسے آفتاب لکھوں گا
اس کے کھاتے میں بیٹھ کے رانا
اپنے سارے ثواب لکھوں گا

شاعر: قدیر رانا

انتخاب: لائبہ میر..... حضرو

غزل

چراغ لے کے گیا جام و پیاس چھوڑ گیا

وہ ایک شخص جو مجھ کو اداس چھوڑ گیا
وہ میرے جسم کی چادر بنا رہا برسوں
نہ جانے کیوں مجھے بے لباس چھوڑ گیا
حیات جاگ اٹھی ہے قریب پا کے اسے
گیا تو چاروں طرف ایک آس چھوڑ گیا
وہ ساتھ لے گیا ساری محبتیں اپنی
ذرا سا درد میرے دل کے پاس چھوڑ گیا
سجھائی دیتا نہیں دور تک کوئی منظر
وہ ایک دھند میرے آس پاس چھوڑ گیا
غزل سجاؤں قتیل اب اسی کی باتوں سے
جو مجھ میں اپنے سخن کی مٹھاس چھوڑ گیا

شاعر: قتیل شفائی

انتخاب: علیشبا ثاقب..... کراچی

زندگی

میری زندگی میں بس اک کتاب ہے
ایک چراغ ہے
ایک خواب ہے اور تم ہو
یہ کتاب و خواب کے درمیاں جو منزلیں ہیں
میں چاہتا تھا
تمہارے ساتھ بسر کروں
یہی کل اثاثہ زندگی ہے اس کو زادِ سفر کروں
میرے دل جادۂ خوش پر بجز تمہارے
کبھی کسی کا گزر نہ ہو
مگر اس طرح کے تمہیں بھی خبر نہ ہو

شاعر: افتخار عارف

انتخاب: مناہل علی..... کراچی

غزل

کبھی کتابوں میں پھول رکھنا' کبھی درختوں پر نام لکھنا
ہمیں بھی ہے یاد آج تک وہ نظر سے حرفِ سلام لکھنا
وہ چاند چہرے' وہ بہکی باتیں' سلگتے دن تھے' مہکتی راتیں
وہ چھوٹے چھوٹے سے کاغذوں پر محبتوں کے پیام لکھنا
گلاب رُت کی حسیں فضاؤ! کہیں جو اُن کا نشان پاؤ
تو پوچھنا یہ کہاں بسے ہو' کہاں ہے ان کا قیام لکھنا
کھلی فضاؤں میں سانس لینا عبث ہے اب تو گھٹن ہے ایسی
کہ چاروں جانب شجر کھڑے ہیں صلیب صورت تمام لکھنا
گئی رتوں میں حسن ہمارا بس ایک ہی تو مشغلہ تھا
کسی کے چہرے کو صبح کہنا' کسی کی زلفوں کو شام لکھنا

شاعر: حسن رضوی

انتخاب: حمیرا قریشی..... لاہور

غزل

بے سبب مسکرا رہا ہے چاند
کوئی سازش چھپا رہا ہے چاند
جانے کس کی گلی سے نکلا ہے
جھینپا جھینپا سا آ رہا ہے چاند
کتنا غازہ لگایا ہے منہ پر
دھول ہی دھول اڑا رہا ہے چاند
سوکھی جامن کے پیڑ کے رستے
چھت ہی چھت پر سے جا رہا ہے چاند
کیسا بیٹھا ہے چھپ کے پتوں میں

باغباں کو ستا رہا ہے چاند
سیدھا سادا افق سے نکلا تھا
سر پہ اب چڑھتا جا رہا ہے چاند
چھو کے دیکھا تو گرم تھا ماتھا
دھوپ میں کھیلتا رہا ہے چاند

شاعر: گلزار
انتخاب: عروسہ عالم...... کراچی

غزل

پھر کوئی نیا زخم، نیا درد عطا ہو
اس دل کی خبر لے جو تجھے بھول چلا ہو
اب دل میں سرِ شام چراغاں نہیں ہوتا
شعلہ تیرے غم کا کہیں بجھنے نہ لگا ہو
کب عشق کیا، کس سے کیا، جھوٹ ہے یارو
بس بھول بھی جاؤ جو کبھی ہم سے سنا ہو
اب میری غزل کا بھی تقاضہ ہے یہ تجھ سے
انداز و ادا کا کوئی اسلوب نیا ہو

شاعر: اطہر نفیس
انتخاب: حنا...... لاہور

دلِ من مسافرِ

من مرے دل، مرے مسافر
ہوا پھر سے حکم صادر
کہ وطن بدر ہوں ہم تم
دیں گلی گلی صدائیں
کریں رخ نگر نگر کا
کہ سراغ کوئی پائیں
کسی یار نامہ بر کا
ہر اک اجنبی سے پوچھیں
جو پتا تھا اپنے گھر کا
سرِ کوئے ناشنایاں
ہمیں دن سے رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا
تمہیں کیا کہوں کہ کیا
ہے شبِ غم بری بلا ہے
ہمیں یہ بھی تھا غنیمت
جو کوئی شمار ہوتا
ہمیں کیا برا تھا
مرنا اگر ایک بار ہوتا

شاعر: فیض احمد فیض
انتخاب: مہرین آفتاب...... کوٹ ادو

غزل

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جانتا ہے
رنج بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے
جو زمانے کے ستم ہیں وہ زمانہ جانے
تو نے دل اتنے ستائے ہیں کہ جی جانتا ہے
مسکراتے ہوئے وہ مجمعِ اغیار کے ساتھ
آج یوں بزم میں آئے ہیں کہ جی جانتا ہے
سادگی، بانکپن، اغماض، شرارت، شوخی
تو نے انداز وہ پائے ہیں کہ جی جانتا ہے
کعبہ و دیر میں پتھرا گئیں دونوں آنکھیں
ایسے جلوے نظر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے
دوستی میں تری درپردہ ہمارے دشمن
اس قدر اپنے پرائے ہیں کہ جی جانتا ہے
داغ وارفتہ کو ہم آج ترے کوچے سے
اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے

شاعر: داغ دہلوی
انتخاب: کنول خان...... ملیر، کراچی

غزل

جان کی پروا پھر کس کو ہو جب قاتل ہو یاروں سا
باتیں ہوں دلداروں جیسی، لہجہ ہو غمخواروں سا
کس نے کہا تھا برکھا رت میں یوں بے دھیان انجان پھرو
بول پڑنے سے اور بھی جیسے بھڑکے جسم انگاروں سا
آتے جاتے سارے موسم اس سے نسبت رکھتے ہیں
اس کا ہجر خزاؤں جیسا، اس کا قرب بہاروں سا

اب کے ہوائیں یوں چلتی ہیں جیسے دلوں پہ تیر چلیں
اب کے گلابوں کا موسم بھی وار کرے تلواروں سا
برسوں بعد فراز کو دیکھا اس کا حال احوال نہ پوچھ
شعر وہی دل والوں جیسے شغل وہی بنجاروں سا
شاعر:احمد فراز
انتخاب:ماریہ احمد......سیٹلائٹ ٹاؤن،سرگودھا

غزل

اَشعار میرے یوں تو زمانے کے لیے ہیں
کچھ شعر فقط ان کو سنانے کے لیے ہیں
اب یہ بھی نہیں ٹھیک کہ ہر درد مٹا دیں
کچھ درد کلیجے سے لگانے کے لیے ہیں
آنکھوں میں جو بھر لوگے تو کانٹے سے چبھیں گے
یہ خواب تو پلکوں پہ سجانے کے لیے ہیں
دیکھوں جو تیرے ہاتھوں کو تو لگتا ہے
تیرے ہاتھ مندر میں فقط دیپ جلانے کے لیے ہیں
شاعر:جانثار اختر
انتخاب:دعا فصیح......حیدرآباد

غزل

پھر مجھے دیدہ تر یاد آیا
دل، جگر تشنہ فریاد آیا
دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقتِ سفر یاد آیا
سادگی ہائے تمنا، یعنی
پھر وہ نیرنگِ نظر یاد آیا
عذرِ واماندگی، اے حسرتِ دل
نالہ کرتا تھا، جگر یاد آیا
زندگی یوں بھی گزر ہی جاتی
کیوں ترا راہ گزر یاد آیا
کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خلد میں گر یاد آیا
آہ وہ جرأتِ فریاد کہاں
دل سے تنگ آ کے جگر یاد آیا
پھر تیرے کوچے کو جاتا ہے خیال
دلِ گم گشتہ، مگر، یاد آیا
کوئی ویرانی سی ویرانی ہے
دشت کو دیکھ کے گھر یاد آیا
میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا
کلام:مرزا غالب
انتخاب:نورین افضل......کراچی

غزل

خود کو نہ دیکھنا ہے تجھے دیکھنے کی شرط
جو درمیاں حجاب ہے حائل یہی تو ہے
ہلکی سی ایک موج تبسم میں بہہ گیا
جو بحرِ بے کنار تھا وہ دل یہی تو ہے
دل مجھ سے کہہ رہا ہے تیرے دل کی بات بھی
آئینہ آئینہ کے مقابل یہی تو ہے
دونوں جہاں کو تیری محبت میں بھولنا
اک بات یاد رکھنے کے قابل یہی تو ہے
کلام:بابا ذہین شاہ تاجی
انتخاب:نوشین ذکی......کراچی

نوٹ

تمام قارئین بہنوں نوٹ فرمالیں کہ اس سلسلے میں صرف مشہور شعرائے کرام کا کلام ان کے نام کے ساتھ شائع کیا جائے گا۔جس انتخاب پر شاعر کا نام نہیں ہوگا وہ شامل اشاعت نہیں کیا جائے گا۔انچارج

ykdhijab@gmail.com

سسرال نامہ

ساس: جسے دیکھ کر سانس آنی شروع ہوجائے۔

سسر: جورو کا غلام۔

جیٹھ: چھوٹے اپنی بیوی کو بہنوں کے چنگل سے بچانا مشکل ہے اور تو......

شوہر: ہر کسی کے لیے شوہر بیوی کے لیے بس "شو" ہی رہ جاتا ہے۔

دیور: ماں بہنیں اپنی شادی سے پہلے مظلوم لگتی ہیں۔

نندیں: اصل میں نہیں یعنی نو ڈسٹرب کی علامت ہیں۔

کرن شہزادی...... مانسہرہ

الف سے اللہ

اللہ کا نام اعلیٰ طریقہ پرلیا جائے یا ادنیٰ طور پر لیا جائے اپنا اثر ضرور رکھتا ہے دنیا میں بعض اشیا ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا نام لینے سے ہی منہ میں پانی بھر آتا ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کا نام لیا جائے اور اس سے اثر نہ ہو خالی نام میں بھی برکت ہے خواہ پوری توجہ سے لیا جائے یا کم توجہ سے۔

اقرا لیاقت...... حافظ آباد

قیمتی موتی

انسان بھی کتنا نادان ہے زندہ رہنے کے لیے کتنے جتن کرتا ہے کتنوں کو فریب دیتا ہے لیکن اس حقیقت کو فراموش کردیتا ہے کہ ایک ہی لمحہ میں اس کو یہ ہنستی مسکراتی اور جگمگاتی دنیا کو چھوڑ دینا ہے۔ صرف ایک ہی سانس کا فاصلہ اس دنیا سے اس دنیا میں، انسان دنیا میں اکیلا آتا ہے اور اکیلا ہی مرتا ہے تو پھر زندگی اور موت کے درمیانی عرصے کے لیے اس سہارے کا فریب کس لیے دیا جاتا ہے وہ اکیلا ہی کیوں نہیں جی لیتا۔

عابد محمود...... ملکہ ہانس

اقوال زریں

☆ ہر لفظ میں مطلب ہوتا ہے اور ہر مطلب میں فرق ہوتا ہے۔

☆ زندگی میں دو چیزیں ٹوٹنے کے لیے ہوتی ہیں سانس اور ساتھ۔ سانس ٹوٹنے سے انسان ایک بار مرتا ہے اور ساتھ ٹوٹنے سے بار بار مرتا ہے۔

☆ وقت اور پیار دونوں زندگی میں اہم ہوتے ہیں وقت ہر کسی کے لیے نہیں ہوتا اور پیار ہر کسی سے نہیں ہوتا۔

☆ نیند اور موت نیند آدھی موت ہے اور موت مکمل نیند۔

☆ وقت اور سمجھ ایک ساتھ خوش نصیب لوگوں کو ملتے ہیں۔ وقت پر سمجھ نہیں آتی اور سمجھ آنے پر وقت نہیں رہتا۔

ثناء ریاض...... منڈی بہاؤالدین

برائی اچھائی

برائی کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ سے نیچے اترنا ایک قدم اٹھاؤ تو باقی قدم اٹھتے چلے جاتے ہیں اور اچھائی کی مثال ایسی ہے جیسے پہاڑ پر چڑھنا ہر قدم پچھلے قدم سے زیادہ مشکل، مگر ہر قدم پر بلندی ملتی ہے۔

نورین لطیف...... ٹوبہ ٹیک سنگھ

دوست

دوست ایک ایسا درخت ہے جو صرف دل کی زمین پر اگتا ہے۔ اس کا پانی "سچائی" ہے اور اس کا بہترین ساتھی صبر ہے۔ اس کا سایہ "اعتماد" ہے۔ اس کے پتے "امید" ہے۔ اس کی ٹہنی "چاہت" ہے اس کا تنا "اتفاق" ہے اور اس کا پھل "وفا" ہے۔

غزل عبدالخالق...... فیصل آباد

فلسفہ محبت

❁ عورت کی مٹی محبت سے گندھی ہے اور مرد اس مٹی کے زرخیزپن سے ناآشنا ہے۔

❁ عورت محبت نہ ملنے پر اکتفا کرلیتی ہے مگر مرد

ایک عورت پر کبھی بھی اکتفا نہیں کرتا۔
❀ عورت بانٹی ہوئی محبت کبھی نہیں لیتی۔
❀ محبتوں کے کاروبار میں خسارے ہمیشہ عورتوں کے کھاتے میں آتے ہیں۔
❀ عورت مجسم وفا،خلوص پیار اور چاہت ہے۔
❀ عورت قربانی کا دوسرا نام ہے۔
❀ عورت قربانی دینا جانتی ہے قربانی لینا نہیں۔
فیاض اسحاق مہیانہ......سلانوالی

سمجھنے کی باتیں

❀ زندگی انسان سے وفا نہیں کرتی لیکن انسان اس پر وفا کی آخری حد تک یقین رکھتا ہے۔
❀ پھول جب کھلتا ہے تو آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتا ہے جب خوش بو دیتا ہے تو روح کو معطر کرتا ہے لیکن جب اپنے ساتھ لگے کانٹے چبھوتا ہے تو دل کے ٹکڑے کرتا ہے۔
❀ دعا انسان کی خواہشات کی تکمیل کا سب سے بڑا ہتھیار ہے بشرطیکہ اس میں خلوص نیت ہو۔
❀ پرخلوص دوستی دنیا کے تمام رشتوں سے بلند و بالا تر ہے۔
❀ محبت ایک پاکیزہ رشتہ ہے جو انسان کو خدا کی بندگی سکھا دیتا ہے۔
مہوش فاطمہ بٹ......دینہ (جہلم)

باتیں یاد رکھنے کی

☆ لوگ بیماری کے خوف سے غذا چھوڑ دیتے ہیں لیکن عذاب الٰہی کے خوف سے گناہ نہیں چھوڑتے۔
☆ جو شخص گناہ سے پاک ہو وہ نہایت دلیر ہوتا ہے اور جس میں کچھ عیب ہوں وہ سخت بزدل ہو جاتا ہے۔
☆ برائیوں سے پرہیز کرنا نیکیاں کمانے سے بہتر ہے۔
☆ دنیا مسافر خانہ ہے مگر بدبختوں نے اسے اپنا وطن بنا رکھا ہے۔
☆ حسد نہ کرنے سے انسان کا بدن تندرست رہتا ہے۔
شائستہ جٹ......چیچہ وطنی

جھوٹے انسان کی نشانیاں

❋ جھوٹ بولنے والا نظر نہیں ملاتا۔
❋ پلکیں زیادہ جھپکاتا ہے۔
❋ اس کی آنکھوں کی پتلیاں ذرا پھیلی ہوتی ہیں۔
❋ وہ اچانک بات شروع کرتا ہے اور جلد از جلد ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور سوالات سے کتراتا ہے۔
❋ آپ کی توجہ ہٹانے کے لیے وہ آپ کے سوال کے جواب میں بھی ایک سوال کردے گا۔
❋ اس کی آواز خوامخواہ تیز ہو جائے گی۔
❋ بات کرتے وقت ہاتھ ملے گا انگلیاں چٹخائے گا۔
❋ چہرے پر ہاتھ پھیرے گا یا کسی چیز کو کھٹکھٹائے گا۔
مشی خان......مانسہرہ

پیاری بات

زندگی کے نشیب و فراز میں بعض اوقات ایسے لمحات بھی آتے ہیں کہ انسان بالکل ناامید ہو جاتا ہے اور اسے اپنے اطراف میں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے اس میں مقابلے کی سکت ختم ہو جاتی ہے اور یہ بات انسان کی عظمت کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے دنیا میں جتنی قوموں نے بھی ترقی کی ہے وہ سب اسی عزم و ہمت کا نتیجہ ہے جو اللہ نے انسان کو عطا کی ہے اس لیے انسان کو چاہیے کہ کبھی حوصلہ نہ ہارے بلکہ ہمت سے کام لے اور مردانہ وار ناکامیوں کا سامنا کرے ساتھ ہی اللہ سے بے پناہ رحمت اور اس کی بخشش پر یقین رکھے، ان شاء اللہ ایسا انسان کبھی ناکام نہیں ہوگا۔
ام کلثوم......بہاولنگر

خوبی

خوبی وہ چیز ہوتی ہے جس پر انسان اعتماد کرتا ہے جس کی وجہ سے دوسرے لوگ اس کی ذات پر بھروسہ کرتے ہیں لیکن رفتہ رفتہ یہ خوبی اس کی اصلی اچھائیوں کو کھانے لگتی ہے، اسی خوبی کی وجہ سے اس میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور

پھر رفتہ رفتہ اسی خوبی کے باعث وہ انسانیت سے گرنے لگتا ہے فرد..... قومیں سب اپنی خوبیوں کی وجہ سے تباہ ہوتی ہیں۔

مونا شاہ قریشی.....کبیر والا

دسمبر

اے دسمبر
کاش
اس بار آتے ہوئے
تم میرے محبوب کو بھی
لے آؤ

عائشہ نور آشا.....شادیوال گجرات

امام غزالیؒ فرماتے ہیں

نفس وہ بھوکا کتا ہے جو انسان سے غلط کام کرانے کے لیے اس وقت تک بھونکتا رہتا ہے جب تک انسان وہ غلط کام کر نہ لے اور جب انسان وہ کام کرلے تو یہ کتا سو جاتا ہے مگر سونے سے پہلے انسان کے ضمیر کو جگا جاتا ہے۔

ایم فاطمہ سیال.....محمود پور

اچھی باتیں

❁ صرف انسانوں سے حوصلے افزائی کی امید کھور گے تو ضرور مایوس ہو جاؤ گے اور جو محنت اپنے رب سے اجر پانے کے لیے کرتے ہیں وہ مایوس نہیں ہوتے۔

❁ انسان کی دو ہی کمزوریاں ہیں بنا سوچے عمل کر دینا اور سوچتے رہنا عمل نہ کرنا۔

❁ مطلب پرست انسان اپنا مقصد حاصل کرنے کے باوجود بھی تنہا اور بے سکون رہتا ہے۔

❁ کچھ باتوں کا جواب صرف خاموشی ہوتی ہے اور خاموشی بہت ہی خوب صورت جواب ہے۔

❁ عاجزی یہ ہے کہ انسان دوسروں کے اندر ایک برائی دیکھے تو اسے اپنی دس برائیاں یاد آ جائیں۔

❁ انسان کا سب سے بڑا مسیحا وہ خود ہوتا ہے۔

کشف فاطمہ.....سرگودھا

حجاب

حجاب محض عورت کا پردے میں چھپ جانا اور سر کی چوٹی سے لے کر پاؤں کی ایڑی تک اپنے آپ کو ڈھانپ لینا ہی نہیں نہ حجاب یہ ہے کہ عورت کو گھر کے کسی کونے میں بند کر دیا جائے جہاں سے نکلنے کی اسے اجازت ہی نہ ہو بلکہ حجاب دراصل یہ ہے کہ عورت باعزت طریقے سے خود کو ڈھانپے۔ باوقار اور لباس پہنے اور اپنی عزت خود کرائے اپنی زینت اور زیب وآرائش کو غیر محرموں سے چھپائے۔

ارم وڑائچ.....شادیوال، گجرات

تلخ حقائق

❁ اس دنیا میں انسان ہر چیز کے پیچھے بھاگتا ہے مگر دو چیزیں خود انسان کا پیچھا کریں گی ایک اس کا رزق اور دوسرا اس کی موت۔

❁ انسان گناہ کرنے سے جہنم میں نہیں جاتا بلکہ گناہ کرنے کے بعد مطمئن رہنے اور توبہ نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں جاتا ہے۔

❁ میں دنیا کو اپنی جوتوں کی نوک پر رکھتا ہوں۔

فائقہ سکندر حیات.....لنگڑیال

پیار کیا ہے؟

♥ پیار وہ ہے جب میری ماں پیشانی پر بوسہ دیتی ہے۔

♥ جب میں دیر سے گھر آتا ہوں تو بابا میرا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔

♥ جب میری بہن کام کرتے ہوئے کہتی ہے جب میری شادی ہو جائے گی تو کون کرے گا تمہارے یہ کام۔

♥ جب میرا بڑا بھائی کہتا ہے تجھے یہ شرٹ پسند ہے چل رکھ لے میں اور خرید لوں گا۔

♥ جب میرا دوست کہتا ہے ٹینشن نہ لے یار میں ہوں نا تیرے ساتھ۔

صدیقہ خان.....آزاد کشمیر

کچھ باتیں یاد رکھنے کی

خاموشی: ایسا درخت ہے جس پر کڑوا پھل نہیں لگتا۔
حسد: ایسی دیمک ہے جو انسان کو اندر اور باہر سے ختم

کرتی ہے۔
سچائی: ایسی دوا ہے جس کی لذت کڑوی مگر تاثیر شہد سے زیادہ میٹھی ہے۔
ذہانت: ایسا نادر پودا ہے جو محنت کے بغیر نہیں لگتا۔
خوش اخلاقی: ایسی خوش بو ہے جو میلوں دور سے محسوس ہوجاتی ہے۔
گنا: ایسی لعنت ہے جو قلب کو سیاہ کردیتی ہے۔
ضمیر: ایسا ساتھی ہے جو ہمیشہ حق کی راہ دیکھتا ہے۔
دعا: ایسا عمل ہے جو تقدیر کو مات دے سکتا ہے۔
توبہ: ایسا دروازہ ہے جو موت کی ہچکی تک کھلا رہے گا۔
شگفتہ خان...... بھلوال

ملعون عورتیں

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اس امت کے آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جن کی عورتیں لباس پہننے کے باوجود برہنہ ہوں گی۔ ہائے افسوس کہ آج یہ آنکھوں سے نظر آرہا ہے اس لیے کہ وہ لباس اتنا باریک ہے کہ جسم اس میں سے صاف نظر آرہا ہے یا وہ لباس اتنا چھوٹا ہے کہ پورے اعضا چھپتے نہیں یا اس قدر چست لباس ہے کہ سارے اعضا نمایاں ہوتے ہیں۔ ان کے سروں پر اونٹوں کے کوہان جیسے بال ہوں گے (فیشن کی وجہ سے) ان پر لعنت کرو کیونکہ وہ ملعون ہیں۔
ثوبیہ کول...... چکوال

خوب صورت زندگی

☆فجر کی نماز کو اپنا نصیب بنالو۔
☆ظہر کی نماز کو اپنا مقدر بنالو۔
☆عصر کی نماز کو اپنی تقدیر بنالو۔
☆مغرب کی نماز کو اپنا مستقبل بنالو۔
☆عشا کی نماز کو اپنی امید بنالو۔
☆پھر دیکھو زندگی کتنی خوب صورت لگتی ہے۔
نجم انجم اعوان...... کورنگی، کراچی

عورت اور مرد

عورت اور مرد کے درمیان دوستی کا کوئی رشتہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا عورت یا تو بہن ہوسکتی ہے یا ماں یا بیوی یا بیٹی اور بس اس کے آگے رشتوں کی ڈکشنری میں ہمارے ہاں عورت کے نام کے آگے ایک بڑا سا سوالیہ نشان لگادیا جاتا ہے اور اس کے علاوہ دوسرا ہر رشتہ بس ایک سوالیہ نشان ہی بن جاتا ہے۔
سمیرا اشتاق ملک...... اسلام آباد

اجازت نامہ

ایک آدمی میڈیکل اسٹور پر جا کر بولا مجھے زہر چاہیے۔
دکاندار: آپ کے پاس اجازت نامہ ہے؟
آدمی نے نکاح نامہ دکھایا۔
دکاندار: اوئے چھوٹے اسے بڑی بوتل دے دو۔
آنسہ شبیر...... ڈوگہ شریف

انتخاب

کچھ خبر لائی تو ہے باد بہار اس کی
شاید اس راہ سے گزرے گی سواری اس کی
میرا چہرہ ہے فقط اس کی نظر سے روشن
اور باقی جو ہے مضمون نگاری اس کی
آنکھ اٹھا کر جو روادار نہ تھا دیکھنے کا
دل کرتا ہے وہی اب منت وزاری اس کی
رات کی آنکھ میں ہیں ہلکے گلابی ڈورے
نیند سے پلکیں ہوئی جاتی ہیں بھاری اس کی
اس کے دربار میں حاضر ہوا یہ دل اور پھر
دیکھنے والی تھی کچھ کار گزاری اس کی
آج تو اس پہ ٹھہری ہی نہ تھی آنکھ ذرا
اس کے جاتے ہی نظر میں نے اتاری اس کی
عرصہ خواب میں رہنا ہے کہ لوٹ آنا ہے
فیصلہ کرنے کی اس بار ہے باری اس کی
پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ رب العزت کے پاک و بابرکت نام سے ابتدا کرتی ہوں جو خالق کونین اور مالک ارض وسماں ہے۔ پچھلے شمارے کو سراہنے، پسند کرنے اور مقبول عام بنانے پر ادارہ بے آپ سب کا حد مشکور ہے۔ دسمبر کا شمارہ پیش خدمت ہے خوب سے خوب اور بہتر سے بہترین کی جانب ہمارا سفر گامزن ہے اور امید ہے اس سفر کا کامیاب بنانے میں آپ کا تعاون برقرار رہے گا۔ آیئے اب چلتے ہیں آپ کے دلچسپ تبصروں کی جانب جہاں آپ کا اظہار خیال حسن خیال کی رونق کو مزید بڑھانے کا سبب ہے۔

نزہت جبین ضیاء...... کراچی۔ السلام علیکم امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ طویل ترین انتظار کے بعد نومبر میں ''حجاب'' ہاتھوں میں آیا تو بہت خوشی ہوئی، الحمدللہ حجاب کو جیسا سوچا تھا اس سے کافی بہتر پایا، کئی ماہ سے حجاب کو لے کر جو ایکسائٹمنٹ تھی حجاب کو ہاتھوں میں لے کر وہ پوری ہوگئی سب سے پہلے ادارے کا بے حد شکریہ کہ مجھے بھی الحمدللہ حجاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ میرے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے حتی الامکان کوشش کروں گی کہ میں آنچل کے ساتھ ساتھ حجاب کا ساتھ تا زندگی نباہ سکوں اور اللہ پاک ادب کی دنیا میں چمکنے والے حجاب نام کے اس رسالے کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچائے اور بہت بہت عروج نصیب کرے، آمین ثم آمین۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ سے ابتدا کی، تحریریں سب ہی لاجواب ہیں کہیں سے بھی یہ اندازہ نہیں ہوا کہ یہ پہلا شمارہ ہے کیونکہ الحمدللہ بالکل پرفیکٹ ہے۔ مکمل ناول میں ''یہ اب جو موڑ آیا ہے'' بلاشبہ بہترین تحریر تھی۔ ''آغوش مادر'' میں نادیہ فاطمہ کی باتیں اچھی لگیں۔ سباس گل اور شگفتہ شفیق سے تفصیلی ملاقات مزے دار رہی۔ سلسلے وار ناول ابھی پڑھے نہیں اقبال بانو اپنی بہترین کاوش کے ساتھ پہلے شمارے کو چار چاند لگانے موجود تھیں۔ وہیں پر سباس گل اور عروسہ عالم بھی اچھی تحریروں کے ساتھ موجود تھیں، باقی سلسلے زبردست رہے کچن کارنر میں بھی مزے دار کھانے دیکھنے کو ملے۔ طب نبوی ﷺ خوب صورت کاوش باقی سلسلے بھی اچھے رہے۔ آخر میں حجاب اور آپ کے تمام اسٹاف ممبران کے لیے بہت ساری محبت بھری دعائیں۔ اللہ پاک آپ لوگوں کو ہمت اور طاقت دے کہ جس طرح پہلے سے دو کامیاب ڈائجسٹوں کو سال ہا سال سے لے کر چل رہے ہیں اور ان کو بلند مقام تک پہنچایا ہے اسی طرح سے حجاب بھی قدم قدم چلتا ہوا آگے بہت آگے تک جائے اور اپنی ساکھ کو اسی طرح سے بنائے، آمین ثم آمین۔

☆ بہن نزہت دعاؤں کے لیے جزاک اللہ امید ہے کہ آپ کا تعاون ہمارے ساتھ ہمیشہ رہے گا۔

زرین قمر...... کراچی۔ نئے افق پبلی کیشنز کی جانب سے ماہ نومبر میں خواتین کے لیے ایک اور تحفہ ماہنامہ ''حجاب'' منظر پر آیا بہت خوشی ہوئی کراچی سے نکلنے والے چند ماہنامے ہیں جن میں خواتین کے لیے بہترین ادب پیش کیا جاتا ہے میں نے ماہنامہ ''حجاب'' کا بغور مطالعہ کیا اس کے بارے میں اپنی رائے آپ کی خدمت میں ارسال کررہی ہوں۔ رسالے کا آغاز بات چیت سے ہوا لیکن بات چیت خاصی مختصر رہی اس میں اگر ذکر ہوتا کہ حجاب نکالنا کیوں ضروری ہوا یا یہ بتایا جاتا کہ حجاب کس طرح دوسرے خواتین رسالوں سے مختلف ہوگا تو زیادہ اچھا ہوتا پھر حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بارے میں ندا رضوان کا مضمون بہت بہترین تھا اس میں ان کی شخصیت پر خوب روشنی ڈالی گئی اس کے بعد ''ذکر اس پری وش کا'' ایک اچھا اضافہ ہے اس سے قارئین کو اپنی پسندیدہ رائٹرز کے بارے میں جاننے کا موقع ملے گا اور نئے لکھنے والوں کے لیے بھی رہنمائی فراہم ہوگی اس حصے میں اگر چند تعارفی لائنوں کا اضافہ کردیا جاتا کہ یہ حصہ آنچل، حجاب کی رائٹرز کے انٹرویو کے لیے مخصوص ہے تو زیادہ اچھا ہوتا ان انٹرویوز میں اگر رائٹرز یہ ذکر بھی کرتیں کہ وہ رائٹر کیسے بنیں اور انہیں کیا جدوجہد کرنا پڑی تو زیادہ اچھا ہوتا اور نئے لکھنے والوں کو بھی رہنمائی ملتی۔ سباس گل کا انٹرویو بہت پسند آیا انداز انوکھا ہے پھر آغوش مادر نادیہ فاطمہ کی تحریر بہترین رہی۔ مجموعی طور پر حجاب خواتین ڈائجسٹوں کی دنیا میں ایک اچھا اضافہ ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حجاب کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

☆ پیاری زرین! آپ کی تمام تجاویز پسند آئیں جلد عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ آئندہ بھی اسی طرح قلمی تعاون برقرار رکھیے گا جزاک اللہ۔

نگہت غفار...... کراچی۔ نومبر کا حجاب ہاتھوں میں ہے اور بے پناہ خوشی اور مسرت دل میں ہے کبھی آنچل کے بعد حجاب لازمی آنا تھا، ظاہر ہے جب سر پر آنچل آئے گا تو لامحالہ حجاب خود بخود آجائے گا ایسا ہونا لازمی امر ہے۔ اللہ رب العزت ان دونوں کو ازل تک

برقرار، سلامت اور اپنی رحمتوں اور کرم کے حصار میں رکھے آمین۔ پیاری سی معصوم سی دوشیزہ سر پہ آنچل ڈالے سراپا حجاب لگ رہی ہے اللہ اسے سلامت رکھے۔ امہات المومنین بے حد روح پرور تحریر تھی۔ ذکر اس پری وش کا، چاروں پریوں کی باتیں سنیں چاروں کو دعائیں دیں اور پھر آگے بڑھ گئے۔ رخ سخن میں میری پسندیدہ شخصیات کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا اور جلدی جلدی دونوں کی باتیں سنیں بہت اچھا لگا اللہ تعالیٰ دونوں کو خضر عمری اور صحت کامل عطا فرمائے آمین۔ آغوش مادر نادیہ فاطمہ رضوی کا بہت خوب صورت مضمون پیاری شفیق ہستی کے بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا اللہ سب کی یہ ممتا بھری آغوش ہمیشہ قائم و سلامت رکھے آمین ثم آمین۔ سلسلے وار ناول میرے خواب زندہ ہیں، دل کے دریچے، مکمل ناول میں یہ جواب موڑ آیا ہے، خوش بو تیری جوئے کرم، فریب نظر، تینوں ہی اچھے ہیں، ناولٹ، تیرے لوٹ آنے تک، عشق سچا سائیں وا اچھے تھے۔ افسانوں میں تم بن ادھوری ہیجا، احساس، برگ گل، پڑھا ساری کہانیاں اچھی تھیں۔ حسن خیال بے حد اچھا لگا کیونکہ ہر ڈائجسٹ میں، میں اس سلسلے کو بہت پسند کرتی ہوں جتنے زیادہ بہن، بھائی اور بچے اس میں نظر آتے ہیں مجھے اتنی ہی خوشی ہوتی ہے ماشاءاللہ چالیس سے زیادہ مہمان موجود ہیں اس محفل میں۔ شوخی تحریر میں سامعہ ملک، نورین مسکان، رانی سلام، رخ کومل، حمیرا، عائشہ نور، پروین افضل، دیا احمد، آمنہ ولید، مہناز اختر، حرا صادق، فریحہ شبیر، سب کی تحریریں پسند آئیں۔ عالم انتخاب میں سارے ہی کلام اچھے تھے۔ طب نبوی ﷺ بے حد معلوماتی اور فائدہ مند سلسلہ ہے۔ اب جانے سے پہلے دعا گو ہوں کہ رب العزت آپ سب کو طاہر بیٹے، ندا رضوان، محترم مشتاق احمد، قیصر باجی آپ سب کو اور تمام اسٹاف کو اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے حصار میں رکھے آمین، ہمارے ملک پاکستان اور ہمارے آنچل ہمارے حجاب کو سلامت، شاد و آباد رکھے آمین۔ اللہ آپ سب کا حامی و ناصر مالک و مددگار ہو۔

☆ ڈیئر نگہت! خوش آمدید تفصیلی تبصرہ بہت پسند آیا دعا کے لیے جزاک اللہ۔

صوبیہ شاہین..... ملتان۔ ایڈیٹر جی، السلام علیکم، کیا حال ہیں۔ سب سے پہلے تو حجاب کی مبارک باد قبول فرمائیں۔ ماشاءاللہ آپ کی ادبی خدمات میں ایک اور اضافہ ہوگیا۔ ٹائٹل بہت زیادہ پسند نہیں آیا مگر فہرست دیکھی تو دل باغ باغ ہوگیا۔ سارے بڑے نام ایک ساتھ دکھائی دیے۔ سب سے پہلے سلسلہ وار ناول پڑھے، اب تک صدف آصف کے افسانے ناولٹ ہی پڑھے تھے، مگر سلسلہ وار ناول "دل کے دریچے" کی پہلی قسط زبردست لگی، فائز اور سفینہ کی نوک جھونک، مزہ دے گئی، دوسری قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ میرے خواب زندہ ہیں نادیہ فاطمہ کا ناول بھی پڑھا پہلی قسط نے اتنا رنگ نہیں جمایا مگر امید ہے کہ آگے کی قسطوں میں کہانی اپنا رنگ جمائے گی۔ اس کے بعد نگہت عبداللہ کا ناول پڑھا، بہت اچھا لکھا تھا۔ طلعت نظامی کا ناول بھی پسندیدگی کی سند حاصل کر بیٹھا، ناولٹ میں ام ثمامہ کا، عشق سچا سائیں وا اچھا تھا، تیرے لوٹ آنے تک بھی ٹھیک رہا۔ سارے افسانے بہت اچھے لگے مگر خاص طور پر اقبال بانو کا ٹوٹے بکھرے سپنے، سب پر بازی لے گیا سباس گل کا احساس بھی بہت پُراثر تحریر رہی۔ باقی سلسلے بھی اچھے لگے۔ مجھے بھی لکھنے کا شوق ہے کیا میں اپنا افسانہ حجاب کے لیے بھیج سکتی ہوں۔ پلیز جواب ضرور دیجیے گا۔

☆ ڈیئر صوبیہ! حجاب کی پسندیدگی کا شکریہ آپ اپنا افسانہ ارسال کرسکتی ہیں۔

صبا خان..... ڈی جی خان۔ مدیرہ صاحبہ السلام علیکم، آپ نے تو میرا کام بڑھا دیا، پہلے آنچل پڑھ کر اپنی رائے کا اظہار، اب لڑکیوں کی سہیلی حجاب بھی آگئی۔ پہلا شمارہ ہاتھ میں لے کر دل خوشی سے بھر گیا، ٹائٹل میں ماڈل کا سبز پیراہن اچھا لگا۔ اس کے بعد فہرست پر نگاہ دوڑائی، اف..... اتنے سارے اچھے لکھاری، ایک ہی جگہ پر مزہ آگیا۔ سب سے پہلے نگہت عبداللہ کو پڑھا، بہت دنوں بعد ان کا کوئی ناول پڑھنے کو ملا، پڑھ کر مزہ آگیا۔ فاخرہ گل کی کیا بات ہے، ہمیشہ کی طرح شاندار انداز میں فریب نظر کے ساتھ جلوہ افروز ہوئیں، ناولٹ میں ام ثمامہ بازی لے گئیں، عشق سچا سائیں وا اچھا تھا، دوسرا ناولٹ تیرے لوٹ آنے تک ٹھیک ہی لگا۔ سلسلہ وار ناول میں صدف آصف کا نام دیکھ کر جی خوش ہوگیا، "دل کے دریچے" کی پہلی قسط پڑھ کر سچ مچ مزہ آگیا، فائز اور سفینہ کی معصوم سی محبت، دلشاد بانو اور نرما کی کھینچا تانی مزہ دے گئی، دوسری قسط کا بے چینی سے انتظار ہے۔ ایک ہی ڈائجسٹ میں ایک ساتھ افسانے پڑھ کر مزہ آگیا سارے افسانے بہت اچھے لگے مگر خاص طور پر اقبال بانو کا ٹوٹے بکھرے سپنے، سباس گل کا احساس اور نازیہ جمال کا دل نہیں ٹھہرا بازی لے گئے۔ باقی سلسلے بھی اچھے لگے، شاعری کا انتخاب بہت اعلیٰ تھا۔ آج کے لیے اتنا ہی کافی ہے باقی تبصرہ اگلے شمارے کے لیے محفوظ رکھتی ہوں۔

☆ ڈیئر صبا! آپ کے تبصرے اور پہلی بار آمد پر خوش آمدید۔

[illegible]ان علی..... کراچی۔ محبتوں کی چاشنی اور الفت و خلوص کے شیرے میں لبالب ڈوبا سلام محبت قبول ہو۔ بہت سی دعاؤں محبتوں، چاہتوں اور عقیدتوں کا نذرانہ لیے افشاں علی حجاب کے "حسن خیال" میں جلوہ گر ہیں۔ سب سے پہلے تو حجاب کے اجرا پر پوری ٹیم کو دلی

مبارک باد۔ امید واثق ہے یہ ننھا سا ستارہ آسمان ادب پر مثل قمر کی مانند چمکے گا آمین۔ بلاشبہ ماہنامہ حجاب اپنے نام ہی کی طرح منفرد و مکمل شمارہ بن کر منظر عام پر آیا ہے جس میں یقیناً قیصر آپا، مشتاق احمد قریشی اور طاہر احمد قریشی بھائی کے ہمراہ ریڈرز و رائٹرز کی رہنمائی شامل رہی ہے۔ قیصر آراء آپا سے ''بات چیت'' کر کے اچھا لگا۔ اسماء اعجاز کی آمد کا انتظار رہے گا۔ حمد و نعت سے مستفید ہو کر آگے بڑھے تو ندا رضوان نے امہات المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کی سیرت و زندگی پر بہت خوب صورتی سے روشنی ڈالی۔ ذکر اس پری وش میں زینت احمد، صدف نگین، سنبل خان اور شفق رحمان سے مل کر اچھا لگا۔ ''رخ سخن'' میں ہنس مکھ سی ہر دل عزیز اور الفاظوں کی جادوگر سباس گل آپی سے ملاقات بہت بہت اچھی لگی خوب صورت سے جوابات اور بے ساختہ انداز دل کو بھایا۔ ش سے شاعری اور ش سے شگفتہ شفیق سے مل کر اور ان کے شاعری سفر کے بارے میں جان کر اچھا لگا اور خاص کر آپ کی شاعری۔ ''آغوش مادر'' کے عنوان پر جو اور جتنا لکھا جائے ناکافی ہے پھر بھی نادیہ فاطمہ رضوی کے قلم نے کیا خوب لکھا، جھلمل ستارے میں کومل رضوی کے بارے میں جاننا اچھا لگا اب آتے ہیں تحریروں کی سمت۔ دل کے دریچے میں، میرے خواب زندہ ہیں، تیرے لوٹ آنے تک، ٹوٹے بکھرے سپنے، دل نہیں ٹھہرا، کھویا ہوا وقت واپس نہیں آتا، یہ جواب موڑ آیا ہے، یہ فریب نظر ہے یا برگ گل مجھے کچھ بھی نہیں کہنا پر تمہیں احساس تو ہوگا کہ تم بن ادھوری سجنا، یہ کیسی خوشبو تیز جو ہے کرم لے آئی کہ ہم نے مان لیا، عشق سچا سا میں دا......
حجاب کے پہلے شمارے کو تمام رائٹرز نے بخوبی سجایا پھر وہ نگہت عبداللہ کا انوکھا موضوع ہو یا اقبال بانو آپا کا سبق آموز افسانہ، نزہت آپی کا خوب صورت سا انداز ہو، یا سباس آپی کا ورا ہٹ کر اسٹائل طلعت نظامی آپی کا قلب و روح کو چھوتا ناول، فاخرہ جی کا مخصوص انداز ہو اور صدف آپی کی ناول نگری کی جانب نئی اڑان، الغرض ہر رنگ ہر انداز ہر تحریر منفرد رہی، پر نزہت آپی اور ام ثمامہ بازی لے گئیں ان دونوں کے ساتھ ساتھ سیدہ ضوبار یہ نے بھی خوب لکھا، حجاب کا پہلا شمارہ ہی اتنا خاص احساس لگا کہ آنچل کی طرح یہ بھی دل میں جگہ بنا گیا۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت کہ آنچل ہی کی طرح حجاب بھی ہر گھر اور خواتین کی زینت بنے اور دن دگنی رات چوگنی ترقی کرے اور ہمیں بھی اپنے ہمراہ لے کر چلے آمین۔ اگلے ماہ تک کے لیے افشاں علی کو اجازت۔

ادب کے آسمان پر تم چمکو مثل آفتاب
ہو جہاں میں نصیب تم کو عروج ایسا

☆ شکریہ افشاں! امید ہے ہر ماہ اسی طرح حاضری دیں گی اور ان شاء اللہ آپ سب کی ہمراہی میں ہم اپنا یہ سفر جاری و ساری رکھیں گے اور دعا کے لیے جزاک اللہ۔

حمیرا نوشین...... منڈی بہاؤالدین۔ ڈیئر باجی قیصر آراء، السلام علیکم خیریت بخیریت احوال آنکہ، پہلے آنچل اوڑھا اور اب حجاب میں لپٹ گئے، پہلا شمارہ پڑھتے ہی دل حجاب کے نام کی مالا جپنے لگا۔ بلاشبہ حجاب نے پہلی بار ہی لاتعداد لوگوں کو اپنا گرویدہ کر لیا ہوگا دعائے دل ہے کہ یہ روز افزوں ترقی کی منازل طے کرتا بام عروج پر پہنچے۔ ضخیم حجاب کو ہاتھوں میں لے کر دل بے حد مسرور ہے اور اس میں موجود تمام تحاریر نے دل موہ لیا۔ تمام مستقل سلسلے بے حد اچھے ہیں اقبال بانو، فاخرہ گل، نگہت عبداللہ نے حجاب کو رونق بخش کر ہمارا دل خوش کر دیا۔ صدف آصف نے پہلی قسط سے ہی توجہ اپنی جانب مبذول کروالی میں رسالے کو ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھتی ہوں، بوجہ مصروفیت مگر حجاب کو سارے کا سارا چند دن میں ہی کھنگال ڈالا۔ قیصر باجی یہ سب آپ لوگوں کی انتھک محنت کا نتیجہ ہے کہ اس میں خامی ڈھونڈ کر بھی نہ نکال پائی، یقیناً اس شمارے کے اجرا اور کامیابی میں قارئین کی دعاؤں کا بھی بہت عمل دخل ہے۔ امید کرتی ہوں کہ جس طرح آپ نے آنچل میں میری تحریروں کو قابل اعتنا جانا حجاب میں بھی شرف قبولیت بخشیں گی، ایک افسانہ ارسال کر رہی ہوں پڑھ کر رائے سے نوازیے گا۔ تمام ادارہ کارکنان کو مبارک باد اور ہدیہ خلوص۔

☆ پیاری حمیرا! حجاب کی پسندیدگی کا شکریہ بلاشبہ آپ کی تحاریر آنچل کے ساتھ ساتھ حجاب کے صفحات پر بھی جلد جلوہ افروز ہوں گی۔ اس بار بھی آپ کی تحریر شامل اشاعت ہے اور بلاشبہ ہماری محنت کے ساتھ ساتھ آپ سب کی دعاؤں اور تعاون میں ساتھ ساتھ رہا ہے اور امید ہے ان شاء اللہ آئندہ بھی رہے گا۔

دلکش مریم...... چنیوٹ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سب سے پہلے آنچل اسٹاف کو حجاب کی کامیاب اشاعت پر دلی مبارک باد، حجاب کے حصول میں ذرا مشکل نہیں ہوئی 11 نومبر کو حجاب میرے ہاتھوں میں تھا، ناساز طبیعت کی وجہ سے میں رسالہ مکمل تو نہیں پڑھ پائی مگر سلسلے کو خوب غور سے دیکھا اور الفاظ پر سرسری نظر ڈالتی گئی ابتدا سے لے کر امہات المومنین، ذکر پری وش کا، رخ سخن (میں سباس گل کا انٹرویو پڑھ جائزہ لیا) آغوش مادر (ماں کی محبت پر جتنا لکھا جائے کم ہے) اس کے علاوہ طب نبوی آپ کی الجھن، بزم سخن، کچن کارنر، آرائش حسن،

عالم میں انتخاب، شوخیٔ تحریر، حسن خیال اور ٹوٹکے بھی سلسلے بہت پسند آئے اور کوئی کمی نہیں نظر آئی۔ اقبال بانو، نزہت جبیں ضیاء، عروسہ عالم اور سباس گل بس ان ہی کی تحریریں پڑھ پائی ہوں بخار کی وجہ سے زیادہ دیر صفحات پر نظریں مرکوز کرنے میں دشواری ہو رہی ہے مگر امید ہے سلسلے وار ناولز، مکمل ناول وغیرہ خوب سے خوب تر ہوں گے امید ہے حجاب رسالہ سبھی کو پسند آیا ہوگا، میری دعائیں ہمیشہ آپ کے ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ آنچل کی طرح حجاب کو بھی بے حساب کامیابیوں سے نوازے آمین۔

☆ ڈیئر گلشن! سب سے پہلے تو حسن خیال میں آپ کی شرکت پر خوش آمدید۔ بے شک آپ کی تجاویز عمدہ اور قابل غور ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین

ستارہ آمین کومل...... پیر محل۔ السلام علیکم آنچل کی بھولی، سکھی، سہیلی بنی بہن حجاب ہمیں طویل انتظار کرانے کے بعد سج سنور کر دلہن بنی ہماری خدمت میں جب پہنچی منہ سے بے اختیار ماشاءاللہ کی صدا نکلی، سرورق سے پس ورق تک لاجواب آپ سب کی محنت ہماری پیاری لکھاری سسٹرز کے خوب صورت تحائف اللہ اللہ ہم تو خوب خوش ہوئے بہت سراہا بے حد پسند کیا تو جناب ہماری حجاب دلہن کو بہت خوب صورت لہنگا ہماری عزیز از جان صدف آصف نے پہنایا تو نادیہ فاطمہ چولی لے کر آ گئیں آرائش حسن کے لیے حدیقہ احمد کو بلایا گیا تھا۔ دلہن بیگم تو ساتھ ساتھ پڑ پڑ بولتی جاتیں کبھی سباس گل کے کان کھا رہی ہیں اور کبھی شگفتہ شفیق سے راز و نیاز ساتھ ساتھ کچن کارنر سے سب ڈشوں پر ہاتھ بھی صاف ہوتا رہا۔ آرائش حسن کے دوران ہی نادیہ فاطمہ کے ماں کے حوالے سے خیالات بھی سننے گئے۔ اس دوران کئی پری وشیں آن دھمکیں، ہماری مصنفات تحفے تحائف بھی لے آئیں نگہت عبداللہ نے دلہن کے ٹیکا لگایا تو جناب فاخرہ گل جھومر لے کر پہنچ گئیں، ہر رائٹر نے زیور چڑھائے واہ بھئی دلہن جیسے جیسے سج رہی تھی اس کا حسن آنکھوں کو خیرہ کر رہا تھا۔ طلعت نظامی نے دلہن کو گجرے پہنائے۔ سلمیٰ فہیم گل نے دلہن پر پرفیوم کا اسپرے کیا تو جناب کوئی بہن انگوٹھی پہنانے لگی تو گھنٹری کوئی پازیب لے کر آ بیٹھی تو کسی کے ہاتھ میں کنگن تھے۔ غرض ہماری سب رائٹرز اپنے اپنے زیور چڑھا کر پیچھے ہوئیں تو ام ثمامہ جھٹ بڑا سا دوپٹا سیٹ کرنے لگیں اور دلہن تیار ہیں، اقبال بانو نے دلہن کو تحفہ خاص سے نواز کر خوب دعائیں دیں، مہمان خواتین اپنے حسن خیال کا اظہار بھی خوب کرتی پھر تیں وہیں کئی ایک شوبز کے ستاروں نے بھی شرکت کی۔ خدیجہ احمد نے کئی ٹوٹکے بھی بتائے ہمیرا غزل طب نبوی پر مشتمل اپنی گفتگو سناتی رہیں۔ ڈاکٹر تنویر عشرت نے الجھن کے حل بھی بتائے۔ بزم سخن والوں نے خوب رونق لگائی، عالم میں انتخاب بھی اچھا رہا اور شوخیٔ تحریر نے خوب شوخی دکھائی۔ ندا رضوان نے حضرت خدیجہؓ کے اوصاف بیان کیے۔ بہزاد لکھنوی نے حمد اور ب درائے پوری نے نعت سنائی اب دلہن کی رخصتی ہوئی تو سسرالیوں (قارئین) نے خوب آؤ بھگت کی۔

☆ پیاری ستارہ! حسن خیال کی محفل میں خوش آمدید آپ کا منفرد انداز میں لکھا جامع و مفصل تبصرہ بے حد پسند آیا۔ اب اس دلہن کو آپ نے بھی سجانے بنانے میں اہم کردار ادا کرنا ہے۔

مدیحہ نورین مہک...... برنالی۔ ماہنامہ حجاب کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا جانے پہچانے رائٹرز کو دیکھ کر سیروں خون بڑھ گیا ادارے اور تمام قارئین کو حجاب کی بہت بہت مبارک ہو آخر آنچل کی سہیلی بھی آ ہی گئی اور حجاب کے تمام سلسلے دیکھے جلدی جلدی اور تحاریر اور رائٹرز کے نام پڑھے اور خط لکھ دیا کیوں کہ ابھی پورا حجاب نہیں پڑھا تمام قارئین سے درخواست ہے کہ ان لوگوں کے لیے دعا کریں جو آئے دن کسی نہ کسی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں اللہ ان کی تمام مشکلات حل کرے آمین، پیارے ابو جان آپ کو ہیپی ہیپی برتھ ڈے اللہ آپ کو صحت و تندرستی عطا کرے اور آپ کا سایہ ہمارے سر پر ہمیشہ قائم رکھیں آمین رب راکھا۔

☆ ڈیئر مدیحہ! حجاب کی پسندیدگی کا شکریہ حسن خیال میں آپ کا اظہار خیال پسند آیا۔

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر۔ حجاب کا نومبر کا پہلا شمارہ پڑھا میں نے بھی اس میں خط لکھا تھا میرا خط تو شائع نہیں ہوا مگر دو تحریریں ضرور شائع ہوئی ہیں، بہت بہت شکریہ، حجاب کا پہلا شمارہ ہی لاجواب ہے۔ مجلس مشاورت میں نامور رائٹرز کے نام پڑھے بہت ہی خوش ہوئی، حمد و نعت کے بعد امہات المومنین پڑھ کر اپنی روح کو غسل دیا۔ کہانیوں میں میرے خواب زندہ ہیں، دل کے دریچے، دونوں سلسلے وار اور یہ جواب موڑ آیا ہے فریب نظر، خوشبو تیری جوئے کرم، عشق سچا سائیں دا، برگ گل ٹوٹے بکھرے سپنے، احساس پسند آئیں آپ سے گزارش ہے آمنا سامنا کے عنوان سے سوال و جواب کا سلسلہ اور دل کی بات کی عنوان سے بہنوں کے پیغامات کا سلسلہ ضرور شروع کریں، جیسے ہم آنچل کے ساتھ تھے ویسے ہی ہم حجاب کے ساتھ بھی جڑے رہیں گے۔ یہ ہمارا آپ سے وعدہ ہے۔

☆ ڈیئر پروین! آپ کی تجاویز نوٹ کر لی ہیں اور آپ آمنا سامنا و دل کی بات کے بارے میں تفصیل سے لکھ کر بھیج دیں۔ آئندہ بھی حسن

خیال میں اپنی رائے وخیال سے آگاہ کرتی رہیے گا۔

لائبہ میر...... حضرو۔ ڈھیروں مسکراہٹوں، محبتوں، چاہتوں کے ساتھ ادب سے وابستہ لوگوں السلام علیکم، میری طرح یقیناً تمام قارئین کے چہرے خوشی سے چمک دمک رہے ہیں حجاب کو پا کر سب سے پہلے تو میری جانب سے سب کو بہت بہت مبارک باد اور آپ سب کی جانب سے خیر مبارک، ہم سب کی نیک تمنائیں حجاب کے ساتھ رہیں گی ہمیشہ آنچل کے ساتھ حجاب کا ہونا ویسے بھی لازمی ہے۔ حجاب کی سج دھج بہت زبردست طریقے سے کی گئی ہے کہیں بھی کسی قسم کی کمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہر سلسلہ بہت پسند آیا انٹرویو سے لے کر شوبز تک ڈن اور اس بار ہر رائٹر نے خوب جادو جگایا۔ قلم کا تبصرہ سنیے، رخِ سخن میں سباس گل کے بارے میں جان کر اچھا لگا کہ ماشاءاللہ سے کئی کتابیں لکھ چکی ہیں ٹی وی کے بارے میں آپ کی رائے جان کر اچھا لگا اینڈ پاکستانی ایکٹریس کو دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی کہ ترقی کی دوڑ میں ہم اپنی روایات کو روندتے ہوئے غیر مسلم کی تقلید کر رہے ہیں کیا یہی سب ہمیں سکھایا گیا تھا سوری کچھ زیادہ تو نہیں ہوا شگفتہ شفیق اینڈ رابعہ شیخ سے مل کر اچھا لگا آغوشِ مادر پر نادیہ فاطمہ رضوی آپ نے بہت خوب لکھا یہی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہمیں دیر سے سمجھ آتی ہیں اور نگہت عبداللہ کا یہ اب جو موڑ آیا ہے میرے پاس الفاظ نہیں تعریف کے لیے ہر تحریر ہی ایسی ہے نگہت عبداللہ کے ناول میں ابرار فیورٹ رہا۔ ٹوٹے بکھرے سپنے اقبال بانو نے جو پیغام دیا میرے خیال میں آج کل اسی پیغام کی اشد ضرورت ہے ہر طرف یہی حال ہے۔ میرے خواب زندہ ہیں شاید خاور حورین کو پسند کرتا ہے اور احتشام سویٹی جیسے پیچ کا منتظر ہے شاید بہرحال دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ طلعت نظامی بالکل ہم کسی کے ظاہر سے باطن کا اندازہ نہیں لگا سکتے یا اس کی برائی کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ فاخرہ گل وہی مخصوص سا انداز اچھا لگا ہمیشہ کی طرح صدف آصف کہانی اچھی تھی جہان عالل کا نام سنا خاصی بےزاری ہوئی چونکہ اپنی 19 سالہ زندگی میں پچاسوں نام نہاد عالل دیکھ چکی ہوں اور اس پر دلشاد بیگم کی سوچ اف جھرجھری لے کر رہ گئی۔ نزہت جبیں ضیاء امپرومنٹ پوائنٹ آپ پلیز کبھی لمبا سا ناول بھی لکھیں۔ تم بن ادھوری بجا، بالکل حقیقی زبردست اور تیرے لوٹ آنے تک سب سے زیادہ بہت پسند آئی ہر کردار سے محبت ہوگئی، جاری ہے دیکھ کر اچھا لگا اتنی زبردست اسٹوری لمبی ہی ہونی چاہیے اور سباس گل اس بار آپ نے کمال کیا ہے برجستہ کوئی اچھی لگی بہت، مجھے کچھ بھی نہیں کہنا، یہی ہوتا ہوا آ رہا ہے اس عرصے سے والدین کی قربانیوں کا صلہ اسی طریقے سے دیا جاتا ہے 60 فیصد ام شامہ دیری گڈ کبھی سلسلے وار بھی لکھیں۔ کھویا ہوا وقت متاثر کن زوردار میرا دل ہائے چھوٹی سی غلطی ساری عمر کی سزا، بزمِ سخن، مریم نواز اور سعدیہ وسیم، فاطمہ بھٹی زبردست۔ عالم میں انتخاب نزہت جبیں ضیاء آپ واؤ اور اس سلسلے میں انتخاب حنا اشرف، ہالہ سلیم، عائشہ سلیم (تم دونوں بہنیں ہو کیا) اقصیٰ چکوال، ظل ہما، عینی طارق اور اس کے علاوہ بھی سبھی۔ شوخئ تحریر رانی اسلام، پروین افضل آمنہ ولید، حرا صادق اور حسنِ خیال میں اتنی ڈھیر ساری پیاری پیاری رائٹرز کو دیکھ کر بہت زیادہ خوش ہوئی یقین کریں اور پلیز شاعری بھی شامل کر دیا کریں کبھی میری احمر کیسی ہو تمہاری معصوم سی خواہش سوچا پوری کر دوں ٹھیک ہے (کرو گی کیا) سب کے لیے بہت سی دعائیں گل احمر اپنا ہی گھر ہے (آنچل) آتی جاری رہا کرو (اور سمجھ آئی کہ نہیں میری بات) فی امان اللہ۔

☆ پیاری لائبہ! آپ کا جامع و مفصل تبصرہ پڑھ کر اچھا لگا۔ حجاب کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آئندہ بھی اپنی رائے کا اظہار حسنِ خیال میں کرتی رہیے گا۔

اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ رب تعالیٰ آنے والے سالوں میں ہمیں اپنی بندگی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے گناہوں پر سچی توبہ نصیب فرمائے آنے والا سال سب کے لیے خوشیوں کا گہوارہ ثابت ہو آمین۔

ناقابلِ اشاعت:

میڈم محبوب، محبت ہے دعا میری، دعا، نادانو! والدین کا کہا مانو، پہلا انکار، انوکھا مہمان، دلفگار محبت، ادھوری محبت، بندھن محبت کا، میں ہار گئی آخر، دھوکہ۔

husanekhyal@gmail.com

''وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ''

یہ حقیقت ہے کہ عورت اس جہاں کا وہ خوش رنگ پھول ہے جس کی خوشبو سے فضا مسحور ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ''عورت'' کو یہ احساس نہیں کہ اگر اس کی خوشبو بے کیف ہوجائے اور رنگ مدہم پڑ جائیں تو اس کی ذات کتنی بے رونق ہوجائے۔

عورت طبعی طور پر ناتواں ہوجائے تو گھر گرہستی کا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے عورت ہی ہے جس کی ذات سے عالم وجود میں آیا لیکن اگر یہی ہستی کسی مرض میں مبتلا ہوجائے تو بے اطمینانی پورے نظام کو تہہ وبالا کردیتی ہے خود عورت ذات چڑچڑاہٹ میں مبتلا ہوجاتی ہے لیکن کہیں غربت، مفلسی، کہیں شرم وحیا اور کہیں اپنی ذات سے بے پروائی امراض کو بڑھانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

اسی صنف نازک سے وابستہ ایک مہلک بیماری ''لیکوریا'' ہے جس میں ہر تین میں سے ایک عورت اس کا شکار ہے اور یہ ہماری عورت کو گھن کی طرح کھا رہی ہے۔

لفظ (Leocorrhoea) دو یونانی الفاظ کا مجموعہ ہے۔Leueo کے معنی سفید اور Rhoea کے معنی اخراج ہیں۔ طبی اصطلاح میں Vegina (رحم) سے رسنے والے ایک محدود اخراج کو لیکوریا کہتے ہیں جو اس حد تک ہو کہ رحم کو تر رکھ سکے۔ صحت مند لیکوریا سفید رنگ، بے بو ہوتا ہے اور اگر اس کا اخراج زرد اور گاڑھی شکل کا ہو اور اس میں سے بو آئے تو یہ مرض لیکوریا ہے یہ خراش دار بھی ہوتا ہے جس کے بہت سے اسباب ہیں جن میں ایک خاندانی ہے اس کے علاوہ مندرجہ ذیل اسباب ہیں۔

اسباب لیوکوریا: کمی خون، سوزاک، آتشک، خنازیر، تپ دق، جوڑوں کا درد، عام کمزوری، حیض کا بند ہونا، رحم کا ورم، اندام نہانی کا ورم، اوائل عمری میں حمل قرار پانا، چوٹ، ایک طویل عرصے تک بچے کو دودھ پلاتے رہنا، صدمہ، ٹینشن، بچوں میں کم وقفہ ہونا، مقعد میں کیڑوں کا ہونا گردے کی مزمن سوزش، وغیرہ۔

علامات مرض

کمر درد، پیڑو میں بوجھ اور درد، کمزوری محسوس ہونا، چکر، بخار، رحم سے سفید، گاڑھا اور بدبودار، خراش دار اخراج یا پتلا پانی کی طرح جس میں زیادتی ہو، سستی، کسلمندی اگر یہ مرض زیادہ عرصہ تک رہے تو اکثر حمل قرار نہیں پاتا۔ بعض اوقات یہ مرض حمل کے دوران بھی ہوجاتا ہے۔ چہرے کا رنگ پیلا پڑجاتا ہے ہاضمہ میں نقص ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑجاتے ہیں، بعض اوقات چھیلنے والی رطوبت کا اخراج ہوتا ہے۔ زیادتی اتنی کہ ٹانگوں تک قطروں کی طرح گرتی ہو، یہ سیلان آغاز میں پانی کا سا اور خون سا ہوتا ہے لیکن جلد ہی گاڑھا، زردی مائل یا سبزی مائل ہوجاتا ہے سوکھنے پر زردی مائل یا سبزی مائل داغ کپڑے پر رہ جاتے ہیں کچھ دنوں بعد یہ سیلان سفیدی مائل دودھ کی طرح کا ہوجاتا ہے اور مریضہ کمزور سے کمزور تر ہوتی جاتی ہے۔

طبعی تاثر اور مزاجی کیفیت رحم کے لیکوریا کا پیش خیمہ ہوتے ہیں بلغمی مزاج کی لڑکیاں اکثر اس مرض کا شکار ہوتی ہیں، یہ طبعتیں ذرا سی سردی لگ جائے اور مرطوب موسم میں تکلیف دیتی ہیں۔

لیکوریا کی کئی قسمیں حیض کی بے قاعدگی کی وجہ

خیال کی جاتی ہیں۔
ایک نوجوان عورت جو نازک مزاج ہے اسے حیض سے قبل مسلسل دو تین مہینہ سیلان الرحم رہتا ہے یہ سیلان حیض کا پیش خیمہ خیال کیا جاتا ہے دوسری حالت میں حیض رک جاتا ہے اس کے بجائے سیلان الرحم شروع ہوجاتا ہے یہ سیلان ٹھیک ایک مہینے کے وقفے کے بعد شروع ہوکر اتنے ہی دن رہتا ہے جتنے دن حیض کو رہنا چاہیے اور حیض کے دنوں میں یہ سیلان حیض کی مقدار کے برابر کم وبیش ہوتا رہتا ہے ایسی بھی مریضائیں ہیں جن کے حیض بالکل درست اور باقاعدہ ہوتے ہیں ان میں لیوکوریا ٹھیک وقفے پر شروع ہوجاتا ہے جس کی مقدار حیض کی نمود سے قبل بڑھ جاتی ہے یا حیض کے بند ہونے کے بعد بڑھتی ہے۔ اس قسم کا سیلان ماہ بہ ماہ حیض پر حاوی ہوتا جاتا ہے اور وقت آتا ہے جب حیض کے بجائے صرف سیلان الرحم ہوتا ہے سخت حالات میں اس قسم کا لیوکوریا رحم سے سیلان خون کا باعث ہوتا ہے۔
ایسی بھی مریضائیں ملتی ہیں جن کو ہمیشہ حیض کے بجائے سیلان الرحم ہوتا ہے اور وضع حمل یا اسقاط کے بعد کئی کئی مہینے تک جاری رہتا ہے اسقاط کے بعد جب لیوکوریا شروع ہوکر کئی کئی مہینے تک جاری رہتا ہے تو یہ لیوکوریا بانجھ پن کا باعث بنتا ہے۔

حفاظتی تدابیر

صحت کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہا جائے۔ متوازن خوراک کا استعمال کیا جائے قبض نہ ہونے دی جائے، مرچ، مصالحہ، کھٹی، ٹھنڈی، بادی اشیا کے استعمال سے پرہیز کیا جائے، پھلوں کا استعمال زیادہ کیا جائے رنج وغم وتفکرات سے دور رہا جائے۔

علاج بالمثل

ایلومینا:۔ حیض سے قبل اور بعد میں سیلان الرحم زرد چھیلنے والی رطوبت کے ساتھ اس قدر خارج ہو کہ ٹانگوں سے ایڑیوں تک پہنچ جائے۔
اوو سٹا:۔ لیکوریا زیادہ مقدار میں اور بدبودار خارج ہوکر کمر میں درد کے ساتھ۔
بوریکس:۔ صاف رنگ کا گاڑھا پانی کی طرح مقدار میں زیادہ اور گرم ہو۔
پلساٹیلا:۔ رطوبت گاڑھی، انڈے کی سفیدی کی طرح، مریضہ کا رونے کی طرف رجحان، جلن دار لیکوریا۔
کریا زوٹ:۔ مقدار میں زیادہ، خراش دار، بدبودار، جہاں لگے خراش پیدا کرلے۔
سیپیا:۔ زرد سبزی مائل اور بدبودار لیکوریا حیض سے پہلے ہو، بلوغت کے وقت یا حمل کے دوران سیلان الرحم، پیڑو میں بوجھ، رحم میں پنچے کی طرف دباؤ، کمزور دبلی پتلی، چہرے پہ چھائیاں۔
سائنا:۔ چھونوں (پیٹ کے کیڑے) کی وجہ سے لیکوریا۔
سلفر:۔ خنازیری مزاج والی عورتیں جن کے ہاتھ اور پاؤں میں جلن ہو، رطوبت پتلی اور زردی مائل، جلد میلی کچیلی خارش زدہ۔
کلکیریا کارب:۔ کم عمر لڑکیوں میں لیکوریا کی شکایت رطوبت دودھیاں رنگ کی، حیض آنے سے قبل، زیادتی اور خارش ہو ٹھنڈی ہوا سے زیادتی ہو۔

کراچی میں اکیڈمی

ہدایتکار سید نور نے کراچی میں مستقل طور پر منتقل ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے معلوم ہوا ہے کہ سید نور اکیڈمی کے قیام کے سلسلے میں یہاں کئی بار آچکے ہیں اور شہر میں اکیڈمی کے لیے کئی جگہیں بھی دیکھی ہیں اور جلد ہی وہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلیں گے۔ ان کا شمار ملک کے ممتاز ہدایتکاروں میں ہوتا ہے انہوں نے فلموں کی مسلسل کامیابی کو فلم انڈسٹری کا ریوائیول قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ نئی نسل کے ہدایتکاروں اداکاروں کی محنت رایئگاں نہیں جا رہی ان کی بنائی ہوئی فلموں نے بیرون ممالک میں بھی کامیابی حاصل کیں انہوں نے کہا کہ اس وقت موضوعاتی فلموں کی شدید ضرورت ہے کیونکہ ایک طرح کے سبجیکٹ پر فلمیں بننے سے لوگ اکتا سکتے ہیں (یہ بات آپ بھی تو سمجھیں نور صاحب)

سہیل کاشمیری کی نئی فلم

ہدایتکار اقبال کاشمیری اور فلمساز سہیل کاشمیری کی نئی فلم کی شوٹنگ کراچی میں جاری ہے اب ڈیفنس کے پارکوں اور سڑکوں پر عکس بندی کی جاری ہے اس میں نغلی آغا، شمعون عباسی حصہ لے رہے ہیں۔ فلم میں سدرہ خان کو بھی کاسٹ کیا گیا ہے اس دوران ان کے اوپر بھی بعض مناظر فلم بند کیے گئے پہلے مرحلے میں ایسٹرن اسٹوڈیو میں میرا پر آئٹم سانگ عکس بند کیا گیا جبکہ دوسرے مرحلے میں اقبال کاشمیری نے ڈیفنس کے بنگلے میں مسلسل فلم بندی کی آئندہ دنوں میں فلم یونٹ بینکاک جائے گا جہاں گانے اور بعض مناظر فلم بند کیے جائیں گے۔ فلم کا نام ابھی زیر غور ہے۔

فلموں میں لباس

آئٹم سانگز سے شہرت حاصل کرنے والی فنکارہ مہوش حیات نے کہا ہے کہ اچھے اور خوش نما لباس کا انتخاب اور اسے زیب تن کرنا میری بچپن کی عادت ہے (اب فلموں میں آپ کو دیکھ کر لگ رہا ہے کہ لباس بھی آپ اس وقت کے استعمال کر رہی ہیں) اور شوبزنس میں آنے کے بعد فلموں میں

مغربی طرز کے لباس کا استعمال وقت کی ضرورت ہے، انہوں نے کہا کہ لوگ میرے ڈریسز پر تنقید کرتے ہیں مگر ڈیمانڈ کے مطابق ڈریس پہنتی ہوں۔ مہوش حیات نے شادی کے بارے میں کہا کہ ابھی میری ساری توجہ اپنے کیریئر پر ہے۔ جب شادی ہونا ہوگی ہو جائے گی انہوں نے کہا کہ بالی ووڈ سے آفر ملی تھی لیکن میں پہلے اپنی ملکی فلموں کو ترجیح دیتی ہوں میرے پاس فلموں کا کام کافی ہے میں ایک عرصے سے ٹی وی ڈراموں سے دور ہوں۔ لیکن اب جلد ایک ڈرامے میں نظر آؤں گی۔

ذاتی ڈرامہ

اداکار ہمایوں سعید ایک طویل عرصے بعد ذاتی پروڈکشن سکس سگما کے ڈرامہ سیریل دل لگی میں مہوش حیات کے ہمراہ مرکزی کردار میں نظر آئیں گے۔ دل لگی 2016ء میں آن ایئر ہوگا۔ آج کل اس ڈرامے کی ریکارڈنگ جاری ہے اور اس میں دیگر سینئر فنکاروں کا کام بھی ریکارڈ کیا جارہا ہے۔

"سکندر" کراچی میں

اداکار معمر رانا نے ٹی وی فنکار ایم وارثی کو اپنی فلم سکندر میں ایک اہم کردار کے لیے کاسٹ کرلیا ہے فلم کی شوٹنگ کا پہلا مرحلہ رواں ماہ میں شروع ہوگا۔ فلم سکندر میں متیرا، حیا سہگل بھی شامل ہیں جسے معمر رانا ریکارڈ ٹائم میں مکمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں انہوں نے کراچی میں ہونے والی فلمسازی کے عمل کو ایک مثبت پیش رفت قرار دیا ہے۔

پاکستانی فنکاروں کا امیج ' امجد رانا

گلوکار، اداکار اور انٹرنیشنل یوگا کینڈل ڈانس ماسٹر امجد رانا نے کہا ہے کہ امریکہ میں پاکستانی فنکاروں کا امیج کافی بہتر ہے اور میرے دورہ امریکہ میں جو پزیرائی ہوئی وہ میں تا زندگی نہیں بھول سکتا۔ مجھے اس بات پر اس قدر حیرت ہوئی کہ پہلے کے مقابلے میں اب وہاں لوگ پاکستانی فنکاروں کے کس قدر فین ہیں۔ امجد رانا نے کہا کہ اب وہاں بھارتی فنکاروں کے پروگراموں کی شدت نہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے وہاں اپنے دو گانوں کی ویڈیو ریکارڈنگ کی اس میں امریکہ میں مقیم پاکستان نژاد عاتکہ فیروز نے ماڈلنگ کی دونوں گانے کیمرہ مین انصار رضوی نے فلمبند کیے

پاکستان میں نمائش کے لیے پیش کردی جائے گی۔

فلموں پر پابندی

سینئر اداکار مصطفیٰ قریشی نے پاکستان میں بھارتی فلموں پر مکمل پابندی عائد کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اگر ملکی مفاد کی خاطر پابندی عائد نہیں کی گئی تو عوام سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر نکل آئیں گے اور امن و امان بگڑنے کی ساری ذمہ داری صوبائی حکومتوں پر عائد ہوگی۔ بھارتی وزیر اعظم نے پاکستان کے خلاف ہمیشہ جارحانہ رویہ روا رکھا ہے اس کی واضح مثال حال ہی میں غلام علی اور کرکٹ بورڈ کے سربراہ شہریار خان کے ساتھ پیش آنے والے واقعات ہیں۔ ہم غیرت مند پاکستانی ہیں اور اپنے ملک کے خلاف کوئی بھی توہین آمیز بات برداشت نہیں کریں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ان واقعات کے بعد اب ملکی مفاد میں ہمیں بھارتی فلموں کا مکمل بائیکاٹ کردینا چاہیے کیونکہ اب ہماری ملکی فلمیں بھی باکس آفس پر ریکارڈ قائم کر رہی ہیں۔ ملک کی خاطر اب بھارتی فلموں سے دور ہوجانا چاہیے۔ (کتنا دور...... اس کی بھی وضاحت کردیں)

ہم بھی کھڑے ہیں راہوں میں

معروف اداکارہ ماہرہ خان نے آئٹم سانگز کو اپنے اوپر فلمانے سے قطعاً انکار کردیا ہے اور کہا ہے کہ کوئی فلم میں کاسٹ کرے یا نہ کرے میں آئٹم سانگز سے دور رہوں گی۔ ممکن ہے کہ فلموں میں آئٹم سانگز شامل کرنے سے پروموشن ہوتی ہو لیکن میں نے جتنی فلموں میں بھی کام کیا ان فلموں نے بغیر آئٹم سانگز کے مثالی کامیابی حاصل کی ماہرہ خان نے اس سلسلے میں ''بن روئے'' کا خصوصاً تذکرہ کیا انہوں نے کہا کہ پہلے بھی فلمیں بنتی تھیں لیکن ان میں بھی صرف کہانی کو فوکس کیا جاتا تھا لیکن اب آئٹم سانگز کے ٹرینڈ کو فلم بینوں کے ذہنوں میں لایا جارہا ہے جو زیادہ عرصے تک پسند نہیں کیا جائے گا انہوں نے اپنی آنے والی نئی فلم ''ہو من جہاں'' کے بارے میں کہا کہ فلم بین

الاقوامی سطح پر ضرور کامیاب ہوگی۔ بالی ووڈ کی فلموں سے متعلق سوال کے جواب میں کہا کہ اپنے ملکی فلموں کو نمٹا کر بعد میں بالی ووڈ جاوٴں گی۔

پیشاب میں رکاوٹ اور جلنے کے لیے۔

عسر بول

روغن کلونجی کو عانہ (مقام تکلیف) پر سونے سے پہلے ملیں اور ساتھ ہی ایک کپ کلونجی کا جوشاندہ شہد کی آمیزش کرکے پئیں دوسرے روز بھی سونے سے پہلے استعمال کریں تکلیف دور ہوجائے گی۔

ورم جگر

ورم جگر والے مریض کے لیے صبر کی ضرورت ہے اور کلونجی کے استعمال کے بعد آپ آرام ہی آرام پائیں گے۔ ورم جگر کو دور کرنے کے لیے ایک چمچہ پسی ہوئی کلونجی لیں اور ایک چمچہ صبر سقوطری (ایلوہ) لیں اور اس میں شہد ملائیں اور اسے روزانہ مسلسل دو مہینہ تک کھائیں۔

دل کے امراض کے لیے

ہمیں اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر مکمل یقین ہے اور یہ کامل ایمان کی علامات میں سے ہے تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کی اطلاع دی ہے کہ کلونجی میں ہر بیماری کا علاج ہے تو اس میں ذرہ برابر بھی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ بات بھی مسلسل ہے کہ مرض کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انسان کو آزماتا ہے اور دل کے مریض کو اللہ کی رحمت پر مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ ایسے مریض کو کلونجی اور جوشاندہ کلونجی وس دانے کسی بھی وقت استعمال کرتے رہنا چاہیے۔

بہرہ پن

کلونجی میں پانی اور لونگ ڈال کر اچھی طرح جوش دیں اور بغیر میٹھا کیے دن میں تین مرتبہ پئیں' ان شاء اللہ تیسری خوراک لینے سے پہلے بہرہ پن اور غشیان (بے ہوشی) ختم ہوجائے گا۔

معدے کی سوزش

ایک چمچہ کلونجی کھائیں اور ایک کپ گرم پانی میں بانس کا شہد (بانس پر لگے چھتے سے حاصل کردہ شہد) ملا کر پئیں' کم از کم ایک ہفتہ استعمال کریں۔

کھٹے ڈکار یا معدہ کی تیزابیت کے لیے۔

روغن کلونجی کے چند قطرے ایک پیالی گرم دودھ میں ڈالیں اور اس میں شہد یا شکر کی آمیزش کریں اور پئیں ان شاء اللہ یہ کھٹی ڈکار کو ختم کردے گا۔

امراض چشم

خارجی طور پر روغن کلونجی کو کنپٹی اور آنکھوں کے اطراف پپوٹوں پر لگائیں اور داخلی طور پر کسی بھی گرم مشروب میں کلونجی کے چند قطرے ٹپکا کر پئیں یا ایک چمچہ کلونجی کا تیل ایک کپ گاجر کے عرق میں ملا کر استعمال کریں۔

بانجھ پن

پسی ہوئی کلونجی' میتھی اور تخم مولی ہم وزن ملائیں اور صبح وشام ایک ایک چمچہ کھائیں یا اس مرکب میں ایک پیالی شہد ملائیں اور کھائیں اور ایک بڑے کپ کے برابر اونٹنی کا دودھ پئیں۔ اگر مرضی مولیٰ ہوگی تو مراد پوری ہوگی' بصورت دیگر نہیں۔

خون کی کمی کے لیے

روغن کلونجی پانی میں ڈال کر جوش دیں اور صبح وشام بھپارہ (انکباب) لیں اور علی الصبح ناشتہ سے قبل (خالی پیٹ) تقریباً ایک چمچہ سفوف کلونجی صبح وشام لیں ساتھ ہی روزانہ سونے سے قبل سینہ اور چہرہ پر روغن کلونجی کی مالش کریں۔

سرطان

روغن کلونجی کی دن میں تین مرتبہ مالش کریں اور پسی ہوئی کلونجی دس گرام ایک پیالی گاجر کے عرق سے پلائیں' مسلسل تین مہینے تک استعمال کرائیں اور ساتھ ہی ذکر الٰہی تلاوت قرآن اور رب العالمین سے شفاء کی درخواست کرتے رہیں۔ یقیناً اللہ کی قدرت ومشیت سے یہ عمل آپ کے لیے مجرب ثابت ہوگا۔

بھوک بڑھانے کے لیے

ایک چھوٹے چمچہ سے پسی ہوئی کلونجی کھانا کھانے سے کچھ دیر پہلے کھلائیں اور ایک کپ سادے پانی میں چند بوند سرکہ ڈال کر پئیں ان شاء اللہ زبردست بھوک کا احساس ہوگا۔

ذہنی چستی اور یادداشت کے لیے۔

پودینہ کا جوشاندہ بنائیں اس میں شہد اور سات بوند روغن کلونجی ملائیں پھر اسے صبح وشام پلائیں یہ مشروب چائے اور

قہوہ کا بدل بھی ہوسکتا ہے۔ اس عمل کے بہت جلد ذہن و دانش کا کھلا ہوا محسوس کریں گے اور آپ جس چیز کے یاد کرنے کا ارادہ کریں گے وہ حفظ ہونے لگے گی بالخصوص حفظ قرآن۔

جلدی امراض کے لیے۔

روغن کلونجی، روغن گلاب مساوی ہم وزن لیا جائے اور نہایت باریک پسا ہوا گیہوں کا آٹا (دونوں تیل کے مساوی وزن) تیل میں اچھی طرح ملایا جائے اس کو لگانے سے پہلے روئی کے ذریعے متاثرہ حصہ پر سرکہ لگایا جائے اور تھوڑی دیر دھوپ میں بٹھایا جائے پھر اس تیار کردہ روغن کو روزانہ لگایا جائے، مچھلی، انڈہ، آم، بینگن وغیرہ سے پرہیز کیا جائے۔

مہاسے۔

کلونجی کو سرکہ میں ڈالا جائے اور اونی کپڑے یا کتان (ایک قسم کا مضبوط کپڑا یا سوتی کپڑا) کے ذریعے چھالوں کی جگہ پر صبح وشام مالش مسلسل ایک ہفتہ تک کی جائے۔

خون میں کولیسٹرول کا بڑھنا یا جسم میں چربی کا اضافہ۔

ایک چمچہ سفوف کلونجی اور ایک چمچہ ورق خلیلیا لیں اور اس میں ایک پیالی شہد ملائیں اور کھائیں جس سے حیرت انگیز فائدہ ہوتا ہے۔ خون میں چربی کی مقدار کم ہوجاتی ہے۔

آنتوں کا درد۔

پنسون، زیرہ سفید، پودینہ ہم وزن لے کر جوش دیں اور اس میں تھوڑا سا شکر یا شہد ملائیں پھر اس میں کلونجی کے سات قطرے ڈالیں اور پئیں ان شاء اللہ چند منٹ میں ہر تکلیف دور ہوجائے گی۔

السر کے لیے۔

پانچ گرام کلونجی ایک چمچہ شہد میں دس قطرہ روغن زیتون اور ایک چمچہ انار کے چھلکے کا پاؤڈر ملائیں اور روزانہ صبح وشام استعمال کریں۔ اس کے بعد ایک کپ سادہ دودھ پئیں یہ عمل مسلسل بلا ناغہ کریں۔

مرض کی کمزوری دور کرنے کے لیے:

ایک کپ سنترہ (نارنگی) کے جوس میں دس قطرہ روغن کلونجی کی آمیزش کریں اور روزانہ مسلسل دس دن تک پئیں اس کے استعمال کے بعد آپ کے اندر چستی و پھرتی ظاہر ہوگی اور تندرستی بہتر ہوگا اگر نماز فجر کے بعد نہ سوئیں بلکہ نماز عشاء کے بعد ہی سونے کی عادت ڈالیں۔

شہد سے مختلف امراض کا علاج

الرجی

ایک کپ شہد میں روغن گلاب ملائیں اور بے حس مقام پر صبح وشام مالش کریں اور کھانے میں آم اور انڈے سے پرہیز کریں اور مالش کے ساتھ ساتھ ایک چمچہ روزانہ پئیں۔

جلے ہوئے زخموں کے لیے

عرق کیوڑہ، شہد اور ویسلین یا پیرافین کے محلول میں، ہم وزن ملائیں اور جلے ہوئے حصہ پر صبح وشام لگائیں یہاں تک کہ جلی ہوئی جلد اتر جائے۔ بفضلہ تعالیٰ بہت جلد آپ کو ایسا لگے گا کہ اس سے قبل جلا ہی نہیں تھا یا جلے ہوئے مقام پر روزانہ موم کی مالش کریں یہ بھی شہد ہی کی طرح مفید ہے۔

بے خوابی

ایک کپ گرم دودھ میں بڑا چمچہ شہد ملائیں اور سونے سے ایک گھنٹے پہلے پی لیں اس سے بہت جلد بہترین نیند آئے گی۔

مرگی

ایک پیالی خالص شہد روزانہ شام میں پئیں اور سورہ "ص" ایک کپ گرم پانی میں پڑھ کر شہد سے میٹھا کر کے پلائیں ایسا کرنے سے مریض سوجائے گا۔ (ان شاء اللہ) یہ عمل ایک ہفتہ کریں اس عمل سے ان شاء اللہ مرگی ختم ہوجائے گی۔

چھالوں کے زخموں کے لیے

آدھا کپ شہد ایک کپ دودھ میں اچھی طرح ملائیں اور اس میں کیلے کے چھلکے کا پاؤڈر ایک چمچہ ملائیں اور صبح و شام پلائیں مسلسل ایک ماہ پینے سے زخم اچھی طرح مندمل ہوجائے گا ان شاء اللہ۔

منہ کی بدبو

دو چمچہ شہد پانی میں ملائیں اور اچھی طرح جوش دیں اور بھاپ کو منہ کے رستے سے اندر لیں (بھپارہ لیں) یہ منہ کی بدبو دور کرنے میں مجرب نسخہ ہے۔